تصوف، عقائد

مجموعہ

رسائل امام غزالیؒ اردو

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد دوم

الحکمۃ فی مخلوقات اللہ

حقیقت روحِ انسانی — میزانِ عمل

بدایت الہدایت — التفرقہ بین الاسلام والزندقہ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی

ضخامت : 440 صفحات

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 437-B دیب روڈ لسبیلہ کراچی

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست مضامین

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد دوم

مشتمل بر پنج رسائل

عرض ناشر

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد:

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے ان کی کتابیں ہر خواص و عام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، جنہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے برصغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دار الاشاعت کو بحمد اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیر نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر مرور زمانہ سے اب وہ کتابیں ناپید ہوتی جا رہی ہیں، بحمد اللہ کہ زیر نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور پھرتے ہیں۔ مگر گوہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈوکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بطور خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی۔ ہمیں امید ہے کہ اہل علم اور دینی ثقافت سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

والسلام

(خلیل اشرف عثمانی)
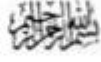
بسم اللہ الرحمن الرحیم
ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار
الحکمۃ فی مخلوقات اللہ
تصنیف حضرت امام محمد غزالیؒ
اردو ترجمہ
از
مولوی محمد علی لطفی
مع تعارف
از
جناب مفتی محمد شفیعؒ صاحب
۱۹۶۰ء

تعارف از جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دیو بند

انسان کیا اور اس کی ہستی کیا کہ خالق کائنات کے افعال وصفات کی حکمتیں اور اسرار معلوم کرے۔

در بہار ان زاد دمر گشں وردی ست پشہ کے داند کہ عالم از کیست

لیکن انسان عجائب المخلوقات میں سب سے زیادہ عجیب مخلوق ہے۔ ایک طرف اس کی نزاکت وضعف کی حد نہیں تو دوسری طرف اس کی اولوالعزمیوں کا میدان بھی بڑا وسیع ہے۔ وہ طبعی طور پر راز کائنات معلوم کرنے کے درپے رہتا ہے کچھ ہاتھ آئے یا نہ آئے اگرچہ محقق حکماء امت کا آخری فیصلہ ان مسائل میں یہی ہوتا ہے کہ

کس نکشود ونکشاید لحکمت این معمارا

اور بقول میر

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے افسوس معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

مگر دانائے روم نے انسان کی اس فطری خواہش کا ایک عذر بھی اس طرح بیان فرمایا ہے۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت

اس عذر کے ماتحت متقدمین ومتاخرین علماء نے ان موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں تشریعی امور کی عقلی حکمتوں پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتاب المصالح العقلیہ اردو زبان میں ہے، اور تکوینی اُمور کی حکمتوں پر امام غزالیؒ کا رسالہ الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ عربی زبان میں تھا۔ ہمارے محترم دوست مولانا محمد علی صاحب لطفی جو اپنے جدامجد حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کے خلف رشید، ہیں اپنے اس رسالہ کو اردو زبان میں منتقل فرما کر اردو داں طبقہ پر بڑا احسان کیا۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ نہ تو بالکل تحت اللفظ ہے جس کو پڑھنے میں طبیعت الجھے اور نہ تحت اللفظ سے اتنا آزاد کہ اصل کلام کا مفہوم بدل دے ساتھ مقدمہ میں حضرت امام غزالیؒ کے کچھ حالات وسوانح بھی مستند کتابوں سے جمع فرمادیئے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً نوتعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر اور اس رسالہ کو اصل رسالہ کی طرح مقبول ومفید بنائے۔

آمین۔

(بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ) دارالعلوم کراچی ۱۲۶ رجب ۵ ۱۳۷ھ

تقریظ از مولانا اطہر علی صاحبؒ شیخ الجامعہ الامدادیہ کوڑ گنج

میں نے عزیزی مولانا محمد علی صاحب لطفی بنیرہ حضرت مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علیگڑھی کی تازہ محنت کا ثمرہ ''رموز کائنات'' ترجمہ اردو الحکمۃ فی مخلوقات اللہ مصنفہ امام غزالیؒ کا مطالعہ کیا، موصوف نے اس سلسلہ میں جس محنت کا ثبوت دیا ہے وہ قارئین رسالہ کو خود محسوس ہو جائے گا امام غزالیؒ کے بعض رسائل ایسے ہیں کہ جن کا اگر اردو ترجمہ ہو جائے تو ہمارے نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ثابت ہونگے ان رسائل میں سے ایک رسالہ یہ بھی ہے۔ تصنیف کے لئے تو امام غزالیؒ کا نام ہی کافی ہے لیکن اس کے ترجمہ میں لطفی صاحب نے جو خوبیاں رکھی ہیں وہ مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں مترجم کو ان کی کوششوں پر مبارکباد دیتا ہوں اور تمام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ لطفی صاحب کی محنت و عرق ریزی کو قبول فرمائیں۔ اور مطالعہ کرنے والوں کو اس کے فوائد وثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع بخشیں۔ آمین یارب العالمین۔

فقط

اطہر علی

۳۱/اگست ۵۷ء

مقدمہ

ستائش می سزد البتہ یکتاذات یزداں را
کہ اوازنطق تشریف شرفِ بخشید انساں را

حامداً ومصلیاً

انسان کی فطرت ہے کہ ہر شئے کی حقیقت وحکمت معلوم کرنے کی جستجو کرتا ہے، اور یقیناً اشیاء کی حقیقتوں کا علم قلبی اذعان ویقین کے ثبات واستحکام کا موجب ہے۔ اسی حکمت ومصلحت کے پیش نظر خالق کائنات نے اپنی مخلوقات ومصنوعات میں غور وفکر کرنے کی جا بجا دعوت دی ہے۔

انظر و االی آثار رحمة اللّٰه — رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ کس طرح
کیف یحیی الارض بعد موتہا — موت کے بعد زمین کو زندگی بخشتا ہے
ان ذالک لمحی الموتی۔ — بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

مردمومن کی حق شناس نگاہ میں کائنات ارضی وسماوی کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اسرار قدرت کے بیش بہا خزانوں کو اپنے اندر مستور کئے ہوئے ہے اور اس کی بصیرت افروز نظر جمادات کے ایک ایک سنگریزے ہیں، اور نباتات کے ایک ایک پتے میں معرفت الٰہی کے دفتر بے پایاں کا جلوہ دیکھ رہی ہے۔

برگِ درختاں سبز در نظر ہو شیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع وخالق کے وجود اور اس کے کمال قدرت کی زبان حال سے شہادت دے رہا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں رُوید
وحدہ لاشریک لہ گوید

عربی کے ایک شاعر نے اس مفہوم کو ادا کیا ہے

وفـــی کـل شـئ لـــہ آیة
تـــدل عـــلـــی انـــہ واحـــد

اس موضوع پر فاضل مصنفین نے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ''حجۃ اللہ البالغہ ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی کی اسرار الشریعہ'' حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی ''الحکمۃ فی مخلوقات اللّٰہ'' اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ''المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ'' یہ تمام تصانیف تقریباً اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ کسی میں تشریعی امور کی حکمتوں کا بیان کیا گیا ہے اور کسی میں تکوینی امور کی حکمتوں کا۔

آخر الذکر مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی گرانقدر تصنیف المصالح العقلیہ میں تشریعی امور کی حکمتوں اور ان کی مخفی اسرار کو بے نقاب کیا ہے۔ جس کو پڑھ کر قلب میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

نیشنل اسمبلی پاکستان کی لائبریری میں جب یہ کتاب میرے ہاتھ لگی اس کو پڑھا اور بالاستیعاب پڑھا۔ کتاب قابل دید ہے اور اپنی نوعیت میں نہایت دلچسپ اور مفید تصنیف ہے۔

مصنفین سلف نے اپنی مختصر و مشغول زندگی کے قیمتی لمحات صرف کر کے کیسی کیسی گرانقدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ اور اپنے مابعد کے لئے کیسے کیسے بیش قیمت علمی خزانے جمع کر کے کتنا بڑا احسان کیا ہے، ان گرانقدر علمی خدمات کا صلہ انسان کیا ادا کر سکتا ہے اس کا اجر جزیل اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔ واللّٰہ عندہ حسن الثواب۔

حضرت مولانا تھانوی مرحوم کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس قسم کا مختصر رسالہ یا کتابچہ میں بھی لکھوں کہ آخرت میں ذریعہ نجات ہو اپنی علمی بے مائگی کا پورا پورا احساس تھا، جو ہمت کو پست کئے ہوئے تھا۔ لیکن یہ شوق اس حد تک بڑھا کہ طبیعت نے مجبور کر دیا اور دل میں یہ عزم کر لیا کہ کم از کم کسی ایسی کتاب کا ترجمہ ہی کیا جائے جو اس موضوع پر ہو کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔

جس کتاب پر نظر کی کسی نہ کسی نے اس کا ترجمہ کر کے ''السابقون الاولون'' میں اپنے لئے مقام حاصل کر لیا ہے۔ آخر حضرت امام غزالیؒ کی کتاب ''الحکمۃ فی مخلوقات اللہ'' ہاتھ آئی، پھر اس کے ترجمہ کی تلاش و جستجو کی کہ میری یہ سعی تحصیل حاصل نہ ہو، باوجود تلاش کے اس کا کوئی ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا، خیال کیا کہ شاید قدرت نے یہ سعادت مجھ جیسے تہی دامن ہی

کے نصیب میں رکھی ہو، قلم اٹھایا اور ترجمہ شروع کر دیا۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صاحب قلم تصنیف و تالیف کے بلند مقام پر بیٹھنے کا جائز حقدار نہیں ہوتا

نہ ہر کہ آئینہ داروسکندری دارد

اگر چہ میرے ذوق و شوق نے مجھے اس خدمت کی تکمیل کے لئے آمادہ کر دیا ہے، تاہم میں کسی طرح بھی مصنفین و مترجمین کی صف میں کھڑے ہونے کا اپنے کو اہل نہیں سمجھتا، ہاں یہ ضرور یقین رکھتا ہوں کہ جب اس سراپا رحمت کی بارش خادمان علوم پر برسے گی تو یقین ہے کہ اس کی باران رحمت کے دو چار قطرے میرے دامن عصیاں پر بھی ضرور پڑیں گے۔ اور یقیناً مجھ جیسے ناکارہ اور آلودۂ عصیاں کی مغفرت کا سامان ہو جائیں گے کہ،

رحمت حق بہا نہ می جوید

اثنائے ترجمہ میں ہندوستان کا سفر پیش آ گیا، ہر چند کہ کتاب سفر میں ہمراہ تھی لیکن سفر میں اتنا موقع نہ مل سکا کہ اس کام کو جاری رکھ سکتا، اور تقریباً ۲ ماہ کے لئے یہ سلسلہ مسدود ہو گیا، واپس آ کر اس کی تکمیل کی۔

ابتدائے کتاب میں فاضل مصنف حضرت امام غزالیؒ کی مختصر سوانح حیات بھی مستند و معتمد کتابوں سے مطالعہ کر کے لکھی ہے، کہ صالحین کا تذکرہ بھی ذکر خیر اور عمل صالح میں شامل ہے، اور اس کی رحمت سے بعید نہیں کہ یہی کام بارگاہ ایزدی میں میری نجات کا ذریعہ ہو جائے کہ وہ نکتہ نواز ہے۔

گر چہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
درریاض افرینش رشتہ ٔ گلدستہ ام

کتاب کے ترجمہ کرنے میں اس امر کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فرو گزاشت نہ ہو تاہم انسان خطا و نسیاں سے اپنے دامن کو پاک نہیں رکھ سکتا۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔

ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ میری کوتاہیوں کو بمصداق ''واذا مروا باللغو مروا کراما'' درگزر فرماتے ہوئے میرے حق میں دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا کرے اور میری نجات کا وسیلہ بنائے۔

ان اجری الا علی اللہ (مترجم: محمد علی لطفی ۱۹۵۶ء)

مصنف کے حالات

تازہ خواہی دانستن گر داغہائے سینہ را

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

یہ ایک ایسی باکمال شخصیت کا تذکرہ ہے جو عالم باعمل بھی تھا اور درویش کامل بھی، ایک لائق مصنف بھی تھا اور مصلح صادق بھی، جو غزالی کے مشہور لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نام اور سنہ ولادت...... امام غزالی کا نام محمد ہے، ابو حامد کنیت اور غزالی عرف ہے، اور لقب زین الدین۔ بیشتر مورخین غزالی کی نسبت طوس کے قریہ غزآلہ کی طرف بیان کرتے ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کی نسبت ''غزال'' کی مناسبت سے ہے، جس کے معنیٰ کاتنے والے کے ہیں امام غزالی کے والد ماجد اون کاتنے اور اس کی تجارت کا پیشہ کرتے تھے۔ اس نسبت سے ان کو غزالی کہا جاتا تھا۔

امام غزالی خراساں کے ضلع طوس میں طاہران کے مقام میں ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے، جب ان کے والد کا انتقال ہونے لگا تو اپنے دونوں بیٹوں امام محمد غزالی اور احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا کہ وہ ان کو تعلیم دلائیں۔

تعلیم...... سرمایہ ختم ہو جانے پر اس درویش دوست نے بھی افلاس و تنگدستی کی وجہ سے ایک مدرسہ میں داخل کر دیا، جہاں خورد و نوش کا انتظام بھی تھا، امام غزالی نے ایک موقع پر اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔ طلبنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا للہ ہم نے پیٹ کی خاطر (غیر اللہ کے لئے) علم سیکھنا شروع کیا تھا، لیکن تقاضائے علم نے اس طرح سے علم کے حصول کا انکار کیا اور بتایا کہ علم محض اللہ ہی کے لئے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس زمانہ میں آج کی طرح باقاعدہ اسکول و مدارس نہیں تھے، اہل علم مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔

امام غزالی نے اپنے ہی شہر کے ایک لائق عالم احمد بن محمد رازکانی سے ابتدائی تعلیم

حاصل کی، پھر جرجان میں امام ابونصر اسماعیل سے، جو کچھ پڑھتے تھے اس سے متعلق اساتذہ کی تقریر اور نوٹ لکھتے جاتے تھے جیسا کہ اس زمانے میں طریق تھا، یہاں سے فیض حاصل کرنے کے بعد نیشاپور چلے گئے اور وہاں کے ایک مشہور عالم دین امام الحرمین عبدالملک ضیاء الدین کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کیا، یہ بزرگ اونچے درجے کے علماء میں شمار کیے جاتے تھے، ان سے استفادہ کے بعد امام غزالی کی علمی قابلیت کی بڑی شہرت ہوگئی اور بڑے بڑے علمی معرکوں میں امام غزالی کو فتح و کامیابی حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ نظام الملک طوسی کے دربار میں مجلس مناظرہ منعقد تھی، علمی مباحث پر تذکرہ تھا، دور دراز مقامات کے مشاہیر علماء موجود تھے، امام غزالی بھی شریک تھے، اس مباحثہ میں فتح و کامرانی سہرا جس کے سر رہا، یہ ایک نوعمر اور جواں سال امام غزالی تھے، اس کامیابی اور فتح مبین نے امام غزالی کی شہرت میں چار چاند لگادیئے۔

امام غزالی کے عہد طالب علمی کا ایک واقعہ مشہور ہے، ایک بار جب وطن واپس آرہے تھے، راستہ میں قافلہ لوٹ لیا گیا، اور امام صاحب کی پونجی بھی چھین لی گئی امام غزالی کو اپنی پونجی میں جس چیز کے چھن جانے کا قلق تھا، وہ ان کے تعلیمی نوٹ تھے جو اساتذہ کی تقاریر کے دوران لکھ کر تیار کیے تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار سے جاکر اس کا مطالبہ کیا، ڈاکوؤں کے سردار نے کہا پھر تم نے خاک پڑھا اور ہنس کر وہ کاغذات واپس کردیئے۔

کہنے کو تو یہ ایک معمولی بات تھی لیکن اس طعن کا امام صاحب کے قلب پر اتنا اثر ہوا کہ پھر جو کچھ پڑھا اس کو سینے میں محفوظ رکھا۔

تحصیل علم حدیث...... تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد علم حدیث کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا، اور اس کی تحصیل کے لئے علامہ اسماعیل حفصی اور حافظ عمر بن ابی الحسن روسانی پر نظر انتخاب پڑی، یہ دونوں بزرگ علم حدیث میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔

موخر الذکر عالم حدیث کو امام غزالی نے وطن طوس میں اپنے یہاں مہمان رکھا، ان کی خدمت کی اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا، علم حدیث کی مشہور کتابیں صحیحین، صحیح بخاری، اور صحیح مسلم انہیں بزرگ سے پڑھیں اور اس طرح امام غزالی نے اپنے فن حدیث کے شوق کو آخر عمر میں پورا کیا۔

نظامیہ کی مسند نشینی......۴۸۴ھ میں امام غزالی نہایت عظمت وشان کے ساتھ دارالعلوم نظامیہ کی مسند تدریس پر فائز ہوئے نظامیہ وہ دارالعلوم تھا جس کو نظام الملک طوسی نے کثیر رقم خرچ کر کے قائم کیا تھا، اس کی مسند نشینی معمولی منصب نہ تھا، اس مسند پر بڑی بڑی جلیل القدر اور باکمال ہستیوں نے درس دیا تھا امام غزالی کا اس منصب پر فائز ہونا اور مسند تدریس پر معمور کیا جانا اہل علم طبقہ کی نظر میں بڑی کامیابی تھی۔

عرصہ تک امام غزالی نے اس خدمت تدریس کو بحسن وخوبی انجام دیا اور ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا، آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال اور اہل علم ہوئے۔

عزلت نشینی......امام غزالی کی طبیعت میں قدرے جاہ پسندی اور تمکنت تھی اور بہت نازک مزاج تھے، ریشم کے کپڑے زیب تن رہتے، ابن جوزی لکھتا ہے۔ کان یلبس الحریر والذہب (ریشم اور سونا) پہنا کرتے تھے۔

لیکن ایک وقت وہ آیا کہ امام غزالی کی طبیعت میں غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا اور دنیا سے قطعاً ترک تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ علمی مباحثوں اور مناظروں سے نفرت ہو گئی، تحقیق وتدوین کی طرف توجہ کی، دنیا کے ان نمائشی ہنگامہ آرائیوں سے تنفر ہو گیا، کھانا پینا بالکل سادہ رہ گیا، تکلفات وتعیشات برطرف ہوئے، بدن پر قیمتی لباس فاخرانہ کی جگہ معمولی کمبل رہتا تھا کھانے لذیز ومرغن غذاؤں کے بجائے معمولی ساگ پات پر گزر بسر تھی رفتہ رفتہ طبیعت پر تصوف کا رنگ غالب آ گیا۔ اور خلوت میں مجاہدات وریاضات ان کی زندگی کا معمول ہو گیا اور شیخ بو علی فانذی سے آپ نے بیعت کی۔

غزلت نشینی کے زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے امام غزالی کو ایک صحراء میں پریشان حال جاتا ہوا دیکھا ایک خرقہ زیب تن تھا پانی کی چھاگل ہاتھ میں تھی، یہ شخص امام غزالی کو حلقہ درس وتدریس میں اس شان سے دیکھے ہوئے تھا، جب چار چار سو مشتاقان علم کا جھرمٹ امام کے گرد ہوتا تھا۔

اس نے امام غزالی کو اس پراگندہ حال میں دیکھ کر پوچھا، کیا یہ حالت پہلے سے بہتر ہے، امام غزالی نے بہ نظر حقارت اس کی طرف دیکھا اور یہ دو شعر پڑھے[1]

---

[1] میں نے لیلیٰ وسعدیٰ کا عشق تو منزل پر ہی چھوڑ دیا۔ اور اب میں اپنے حقیقی محبوب اور رفیق اعلیٰ، بقیہ آئندہ صفحہ......

ترکت هوی لیلی وسعدی بمنزل وعدت الی مصحرب اول منزل
فنارت بی الاشواق مهلا فهذه منازل من تهری رویدك فانزل

عزلت نشینی کا محرک...... امام غزالی کو درس و تدریس کے مبارک شغل بحث و تمحیص کے علمی تذکروں اور وعظ و نصیحت کی پاک مجلسوں سے عزلت نشینی اور اس درویشانہ سادہ زندگی کو پسند کرنے کا وہ قوی محرک کیا تھا جس نے امام کے قلب پر ایسا اثر کیا تھا۔ اس کی بابت مورخین نے امام غزالی کے بھائی احمد الغزالی سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ امام غزالی وعظ فرما رہے تھے ہزاروں علماء صلحاء مشائخ اور امراء بیٹھے تھے کہ اچانک ان کے بھائی احمد الغزالی آ نکلے اور اس طرح مخاطب ہوئے۔

اصبحت تهدی ولا تهتدی وتسمع وعظا ولا تسمع
فیا حجر الشحر حتی متی تسن الحدید ولا تقطع

ان دو شعروں کا امام کے قلب پر یہ اثر ہوا کہ پھر کبھی وعظ نہ کہا، اپنے باطن کی اصلاح و تعمیر میں ایسے مشغول ہوئے کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو گئے، ساری عمر مجاہدات و ریاضات میں بسر کی۔

علامہ شبلی نے بھی امام غزالی کی زندگی میں انقلاب کا سبب اسی واقعہ کو ٹھہرایا ہے۔ لیکن خود امام غزالی اپنی تصنیف "المنقذ فی الضلال" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ثم الی فرغت من هذه العلوم اقبلت
بهمتی علی طریق الصوفیة وعلمت ان

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... کی طلب و جستجو میں رواں دواں ہوں، شوق محبت نے مجھے للکارا، او صحرا نورد اکدھر جاتا ہے۔ ادھر آ کہ تیرے محبوب کا مقام یہ ہے اب اپنے سفر کو ختم کر۔

مبین حقیر گدایان عشق را کیں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

؎ تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو، لیکن خود ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دوسروں کو پند و نصیحت کرتے ہو لیکن خود اس پر کاربند نہیں، پس اے سنگ فسان آخر کب تک تم اس طرح سے لوہے کو تیز کرتے رہو گے اور کاٹو گے نہیں۔

طریقتھم انما تتم بعلم وعمل وکان حاصل علمھم قطع عقبات النفس والتنزہ عن اخلاقھا المذمومۃ وصفاتھا الخبیثہ حتی یتوصل بھا الی تخلیۃ القلب من غیر اللّٰہ وتحلیہ بذکر اللّٰہ

جب میں ان علوم سے فارغ ہوکر صوفیاء کے طریق کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم وعمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قلع کرنا ، اخلاق رذیلہ اور صفات خبیثہ سے پاک ومنزہ ہونا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے قلب کو غیر اللہ کی آلودگیوں سے پاک وصاف کرلیا جائے۔ اور ذکر الٰہی کے نور سے اس کو منور کیا جائے۔

امام غزالی اپنی اس درویشانہ پاک زندگی پر ایسے شادکام تھے کہ پچھلی زندگی کو اس کے مقابلہ میں جاہلانہ تاریک زندگی بتاتے تھے۔

امام غزالی کی صحرانوردی کے زمانہ میں کسی نے فتویٰ طلب کیا، آپ نے جواب میں کہا مجھ سے دور ہو، ''ایام البطالہ'' کی یادتازہ کرتا ہے جس زمانہ میں فتویٰ نویسی کا کام کیا کرتا تھا، اس زمانہ میں اگر تو یہ سوال کرتا تو میں جواب دیتا۔

اس جواب سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام غزالی اس معراج کمال پر تھے کہ درس وفتویٰ کے علمی دور کو ویرانی اور خرابی کا دور بتاتے ہیں۔

اے دل طلب کمال درمدرسہ چند
تکمیل اصول وحکمت وہندسہ چند
ہر فکر کہ جز ذکر خدا وسوسہ ست
شرمے زخدا بدار ایں وسوسہ چند

ذوالنون مصریؒ نے غالباً ایسے ہی پاک باطن نفوس کی بابت یہ کہا تھا۔

ھم قوم اثر واللّٰہ علی کل شئ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ماسوی اللہ پر اللہ کو ترجیح دی ہے اور بس اس کے ہوگئے خدا نے بھی انھیں نواز لیا۔

یقیناً انسان جب اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی کا حاصل بجز محبوب کے اور کچھ نہیں ہوتا

زآمیزشِ جان وتن توئی مقصودم
وزمردن وزیستن توئی مقصودم
تودیر بزی کہ من رفتم زمیاں
گرمن گویم زمن توئی مقصودم

شعر گوئی............امام غزالیؒ کو شعر وسخن سے بھی مناسبت تھی لیکن صرف رباعیات کی حد تک کہ قصائد، مدح سرائی اور خوشامدوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے امام غزالی کی آزادانہ افتاد طبیعت کے موزوں نہ تھے بدیں وجہ آپ نے کبھی کسی کی شان میں قصیدہ نہیں لکھا، ایک رباعی ملاحظہ ہو

باجامہ نمازے بسر خم کردیم
وزآب خرابات تیمّم کردیم
شاید کہ دریں میکدہ ہادریابیم
آں یار کہ در صومعہ ہاگم کردیم

اس رباعی میں رنگ تصوف جھک رہا ہے، گویا عشق محبوب میں اس درجہ وارفتہ وسرشار ہیں کہ زبان حال کے علاوہ زبان قال میں بھی اس کو ضبط نہ کر سکے۔

تصنیفات............اگرچہ زہد وتقویٰ کی اس زندگی میں تمام معمولات متروک ہو چکے تھے، تاہم تصنیف وتالیف کا مشغلہ اس عزلت نشینی کی زندگی میں بھی جاری تھا، امام غزالی کی تصنیفات یوں تو بیشتر علوم وفنون میں پائی جاتی ہیں خاص کر علم کلام اور اخلاق پر آپ کی تصانیف نہایت مسبوط اور جامع ہیں منجملہ ان کے چند تصانیف درج ذیل ہیں۔

''احیاء العلوم''''کیمیائے سعادت''''جواہر القرآن''''تہافتۃ الفلاسفہ''
''حقیقۃ الروح''''عجائب المخلوقات''''الحکمت فی مخلوقات اللہ''یاقوت۔

آپ کی بے شمار تصنیفات کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس ۵۵ سال کی مختصر ومحدود زندگی میں عزلت نشینی وریاض ومجاہدات کا زمانہ بھی شامل ہے، عہد طفولیت وعہد طالب علمی بھی اور پھر مصائب وآلام روزگار سے بھی دوچار ہونا، تصنیفات وتالیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دینا

آسان نہیں۔

اس سعادت بہ زور بازو نیست

وفات...... افسوس یہ آفتاب علم وحکمت ۵۰۵ھ میں اپنی عمر کے ۵۴ سال پورے کر کے اپنے جائے ولادت طاہران میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، لیکن اپنی تصانیف وتالیفات میں آج بھی اسی طرح روشن ودرخشاں ہے اور تا قیامت روشن رہے گا۔ داراشکوہ صاحب سیفنۃ الاولیاء نے امام غزالیؒ کی قبر بغداد میں بتائی ہے۔

ابن الجوزی نے اپنی کتاب ''الشبات عند الملمات'' میں امام غزالی کی وفات سے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ ۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ (مطابق ۱۸/دسمبر ۱۱۱۱ء کو دوشنبہ کی صبح کو حسب معمول اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی، اور کفن منگوایا، آنکھوں سے لگایا، اور کہا کہ آقا کا حکم سر آنکھوں پر، اور لیٹ گئے اور ایسے لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھے۔

رفت آں طاؤس عرشی سوئے عرش
چوں رسید از ہاتفانش بوئے عرش

مترجم
محمد علی لطفی
۱۹۵۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ کتاب

حمد وسپاس اس خدائے واحد کے لئے جس نے اپنے مقربین بارگاہ کو مخصوص نعمتوں سے نوازا اور اپنی مصنوعات میں غور وفکر کرنے والوں پر خاص لطف وکرم فرمایا اپنی کائنات میں تدبر وتفکر کو ایمان ویقین کے استحکام کا ذریعہ بنایا ان اصحاب فکر ونظر نے غور وفکر سے اپنے خالق حقیقی کو پہچانا اس کے واحد ویکتا ہونے کا کامل یقین حاصل کیا اور خدا کی عظمت وقدرت کا مشاہدہ کیا اور اس کو تمام عیوب سے منزہ ومبرا ہونے کا دل سے اعتراف کیا بلاشبہ وہی عدل وانصاف کے ساتھ قائم ہے اور اہل نظر اس کے کمال قدرت پر شاہد عدل ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ صرف وہی قادر وتوانا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔

خدا اور اس کے فرشتے شاہد ہیں کہ بجز اس ذات واحد کے کوئی لائق پرستش نہیں اور صرف وہی عدل وانصاف کا مالک ہے اپنے ارادہ میں غالب ہے اور اپنے تمام امور کو حکمت ومصلحت کے ساتھ انجام دینے والا ہے۔

درود وسلام ہو اس ذات پر جو سید المرسلین امام المتقین ہیں اور ہم جیسے گنہگاروں کی سننے والے ہیں جن کا اسم گرامی محمد ﷺ ہے جو تمام انبیاء میں آخری نبی ہیں اور صلوٰۃ وسلام ہو ان کی اولاد واصحاب پر جب تک دنیا قائم ہے۔

اما بعد! خدا تجھ کو حقیقت شناسوں کی توفیق عطا کرے اور دین کی فلاح وکامرانی نصیب فرمائے خدا کی معرفت اس کی عجائبات ومصنوعات میں تدبر وتفکر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور درحقیقت یہی معرفت ایمان ویقین کے ثبات واستحکام کا موجب ہے اور اسی سے ابرار متقین کے منازل ومدارج میں تفاوت ہوتا ہے کیونکہ حقیقی معرفت کا حصول مخلوقات الٰہی میں غور وفکر کرنے پر منحصر تھا اس لئے اس کتاب کو ارباب عقول کی رہنمائی اور ان کے استفادہ کے لئے لکھا گیا اس میں ان حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا گیا ہے جن کی طرف قرآن حکیم نے متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی وحی کے ذریعہ اس کی رہنمائی فرمائی اور اصحاب نظر اور ارباب عقول کو اپنی مصنوعات میں غور وفکر کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق دعوت دی۔

قل انظروا ماذافی السموات والارض

اے محمد ﷺ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ آسمان وزمین میں کیا کیا چیزیں ہیں

وجعلنا من الماء کل شئی حی افلایومنون

اور پانی سے ہم نے ہر چیز پیدا کی اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے

اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں جن کے معانی میں غور وفکر کرنے سے خدا کی معرفت اور حقیقی عظمت کا علم ہوتا ہے جو سعادت وفلاح کا حقیقی سبب ہے اور جس پر انعامات الٰہی کا مدار ہے۔

اس کتاب میں چند ابواب ہیں اور ہر باب میں مخلوقات الٰہی کی تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کو حتی الامکان وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اگر دنیا کی تمام مخلوقات اپنی تمام قوتوں کو صرف کر دے کہ کسی ایک مخلوق الٰہی کی تمام حکمتوں کو بالاستیعاب بیان کرے تو یہ کام نامکمل رہے گا اور سب عاجز ہوں گے۔

فلسفی سر حقیقت نہ توانست کشود
گشت راز دگر آں راز افشامی کرد

کائنات ارضی وسماوی میں غور وفکر کی دعوت

افلم ینظروا الی السماء
فوقھم کیف بنینا ھا وزیناھا
ومالھا من فروج۔

کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نظر نہیں کی ہم نے اس کو کیسا بلند اور وسیع بنایا ہے پھر ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

اللہ الذی خلق سبع سمٰوات

اس خدا ہی نے ساتوں آسمان کو پیدا کیا۔

جب تم اس جہاں میں غور وفکر کرو گے تو ایسا معلوم ہوگا یہ تمام جہاں ایک مکان ہے جس میں ہماری جملہ ضروریات کی اشیاء موجود ہیں آسمان کی نیلگوں چھت ہے اور زمین ہمارے لئے بستر ہے یہ سیارے آسمان میں روشنی کے لئے بجلی کے قمقموں کے قائمقام ہیں جواہرات زمین کے تہ خانوں میں اس طرح سے محفوظ ہیں جیسے قیمتی ذخیروں کو جمع کر دیا گیا ہے اور ہر ایک چیز اپنے اپنے قرینہ سے اپنے مقصد کی تکمیل میں کارفرما ہے اس مکان کا مالک انسان ہے اور اس مکان کی جملہ اشیاء مالک مکان کی ضروریات کے لئے مہیا کی گئی ہیں نباتات ہوں یا حیوانات سب اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں خالق حقیقی نے آسمان کا رنگ ایسا بنایا ہے جو نگاہ کے لئے موزوں ہے اور قوت بخشتا ہے اگر اس رنگ کے خلاف یہ آسمان شعاعوں اور انوار کا مجموعہ ہوتا تو نگاہوں کو خیرہ کر دیتا کیونکہ سبز اور نیلگوں رنگ نگاہ کے لئے مناسب اور سازگار ہے انسان آسمان کی وسعت وفراخی کو دیکھ کر نفس میں کیف اور سرور حاصل کرتا ہے خصوصاً اس وقت جبکہ ستارے اپنی پوری تابانی کے ساتھ نکلے ہوئے ہوں اور ماہتاب اپنی درخشانی سے تمام جہاں کو منور کئے ہوئے ہو دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ اپنے شاہی محلوں میں زیب وزینت کے لئے بہتر سے بہتر سامان مہیا کرتے ہیں اپنے دربار کی چھتوں پر نہایت

خوبصورت نقوش ونگار کراتے ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے لیکن ان زیبائش وآرائش کی طرف بھی اگر متواتر دیکھا جائے تو آخر کار دل اکتا جاتا ہے اور ایک قسم کی کوفت ہونے لگتی ہے برخلاف آسمان کے قدرتی مناظر وخوشنمائی اور اس کی وسعت اور ستاروں کی چمک ودمک کو جتنا بھی دیکھا جائے طبیعت اس سے کبھی نہیں گھبراتی بلکہ قدرت کی گوناگوں گلکاری اور اس کی صنعت کو دیکھ کر انسان کے دل میں خدا کی عظمت اور اس کے کمال وقدرت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ دل کی گہرائی سے بے ساختہ پڑھنے لگتا ہے کہ ربنا ماخلقت ھذا باطلا اسی لئے حکماء نے کہا ہے کہ جب تو رنجیدہ ہو تو آسمان کی طرف دیکھ کر خدا کی قدرت اور اس کی صنعت میں اپنا دل بہلا کیونکہ یہ تیرے رنج وغم کو دور کرنے کے لئے کافی سامان ہے اور ستاروں کو دیکھ اور پھر ان کی برکتوں اور فائدوں پر نظر کر کہ دنیا والے کس طرح ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور سمندر کی تاریک اور اندھیری راتوں میں یہ ستارے مسافروں کی کیسی رہنمائی کرتے ہیں۔

اور بعض حکماء اس کے بھی قائل ہیں کہ ستاروں میں جانے کے لئے راستے بنے ہیں اور ایک سیارے کے باشندے دوسرے سیاروں کے باشندوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔

کسی حکیم نے کہا ہے کہ آسمان کی طرف نظر کرنے سے دس فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) انسان کا رنج وغم دور ہوتا ہے
(۲) برے خیالات دور ہوتے ہیں۔
(۳) خوف وہراس دل سے جاتا رہتا ہے۔
(۴) خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔
(۵) خدا کی عظمت دل مین پیدا ہوتی ہے۔
(۶) فاسد تفکرات دور ہوتے ہیں۔
(۷) سوداوی امراض کو فائدہ ہوتا ہے۔
(۸) مشتاق دلوں کو تسلی وسکون ہوتا ہے۔
(۹) عشق الٰہی کے بیماروں کو شفاء ہوتی ہے۔
(۱۰) دعا کرنے والوں کی دعاؤں کا مرکز وقبلہ ہے۔

آفتاب کی پیدائش کی حکمتیں

وجعل الشمس سراجا
خدا نے سورج کو مثل روشن چراغ کے

بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے جن حکمتوں اور کاموں کے لئے آفتاب کو پیدا فرمایا ہے اس کا مکمل علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ ہم اپنی قدرت ونظر کے مطابق جتنا جانتے ہیں یہاں لکھتے ہیں۔

آفتاب کی حرکت سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہو تو دین کے بہت سے کاموں کا نظام درہم برہم ہو جائے اور دنیا کے بھی بہت سے کام خراب ہو جائیں۔ روزگار اور معاش کی طلب وسعی میں بڑی دشواری ہو جائے اگر ساری دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو تو روشنی سے آنکھیں کیونکر لذت اٹھا سکتی ہیں اور اشیاء کے مختلف رنگ کا امتیاز کیونکر ممکن ہوگا انسانی جسم کو راحت وآرام کیونکر نصیب ہوگا بلکہ معدے میں غذا کے ہضم کا نظام بھی بگڑ جائے گا اسی طرح اگر روشنی ہی روشنی ہو اور آفتاب غروب نہ ہو تب بھی بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی رات میں انسان آرام کر کے اپنے دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو راحت پہنچا کر دوسرے دن کام کرنے کے قابل بناتا ہے اگر رات نہ ہو تو ایک طرف کام کرنے کی حرص وآز نفس میں بڑھے گی اور دوسری طرف آرام نصیب نہ ہونے سے جسم میں نئی اور تازہ قوت نہ ہوگی وہ کافی عرصہ تک کام کرتے رہنے سے مضمحل اور سست ہو جائے گا اس سے قویٰ میں اضمحلال اور بدن کے انتظام میں اختلال کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور یہ اسباب انسان کی بیماری کے لئے کافی ہیں اس طرح وہ جانور جو دن بھر کام کر کے رات کو کام چھوڑ کر آرام کرنے کے لئے تھان پر باندھ دیئے جاتے ہیں تاکہ رات بھر آرام کر کے پھر دوسرے دن کام کرنے کے قابل ہو جائیں ان کا حال بھی زبوں ہو جائے گا ادھر آفتاب غروب نہ ہونے اور متواتر نکلے رہنے سے زمین اتنی گرم ہو جائے گی کہ زمین پر بسنے والے انسان وجانور اس گرمی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے سورج کا طلوع وغروب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر بڑی مصلحت وحکمت پر مبنی ہیں نیز دوسری مخلوق کا سکون وراحت اسی میں مضمر ہے جس طرح ایک انسان بجلی کی متواتر روشنی سے گھبرا کر روشنی کو

بند کر کے آرام حاصل کرتا ہے اور جب طویل تاریکی سے دل اکتا جاتا ہے تو روشنی کر کے اپنی اضطرابی کیفیت کو تسلی دیتا ہے اور جیسا کہ انسان آگ سے کھانا وغیرہ تیار کر کے خود متمتع ہوتا ہے پھر دوسروں کو دیدیتا ہے کہ اب وہ اس سے کھانا وغیرہ تیار کر لیں اور دوسرا تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو اسی طرح نظام عالم قائم ہے روشنی اور تاریکی سردی اور گرمی دونوں مل کر ہی ہمیں پورا پورا فائدہ پہنچاتے ہیں۔

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اشارہ فرمایا ہے۔

قل ارأیتم ان جعل اللہ
علیکم الیل سر مدا الی یوم
القیمۃمن الہ غیر اللہ یاتیکم
بضیاء۔

آپ ان لوگوں سے کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر
اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی
رہنے دیتے تو کونسا معبود ہے جو روشنی لائے گا۔

پس جس طرح آفتاب کے طلوع وغروب میں حکمتیں ہیں اسی طرح تقدم وتاخر یعنی تغیر موسم کے اعتبار سے اس کے طلوع وغروب میں اوقات ومقام کا تغیر وتبدل اس میں بھی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں نباتات وحیوانات کا بہت کچھ نظام آفتاب کی اسی تقدیم وتاخیر سے طلوع وغروب ہونے پر موقوف ہے فصلوں کا پکنا اور غلہ کا اور پھلوں کا اپنے وقت پر پک کر تیار ہو جانا بھی اسی پر موقوف ہے اور شب وروز کا موسم کے لحاظ سے کم وبیش ہونا بھی اسی حکمت پر مبنی ہے اگر طلوع وغروب ایک مقررہ وقت پر ہی ہوا کرے تو رات دن میں یہ کمی بیشی کیونکر ہو سکتی ہے انسان کی افتاد طبیعت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ وہ ہر آن تغیرات وتبدلات کو پسند کرتی ہے اور اس سے لطف اٹھاتی ہے۔کل جدید لذیذ اوقات کا پہچاننا اور پھر اس کے مطابق اپنے کاموں کو ترتیب دینا وغیرہ یہ سب امور اسی آفتاب کے طلوع وغروب پر منحصر ہیں۔دیکھو خدا نے رات کو راحت وسکون کا سبب اور دن کو طلب معاش کسب ومعیشت کے لئے کس حکمت ومصلحت سے بنایا ہے پھر سال میں موسموں کا تغیر وتبدل اور ان موسموں میں آب وہوا کے اثرات میں تبدیلیاں یہ سب آفتاب ہی کی برکتوں کا ثمرہ ہیں اور آب وہوا میں سردی وگرمی اور رطوبت ویبوست کے اثرات شجر ونباتات اور ان کے پھلوں اور پھولوں پر پڑتے ہیں اور آفتاب کے

طلوع وغروب اور موسم کے تغیر وتبدل اور اس کے اثرات ہی سے بادلوں کا پیدا ہونا اور وقت پر بارش کا ہونا موقوف ہے جو انسانات حیوانات اور نباتات کے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہے انسان کی طبیعتوں میں اختلافات بھی اس کی برکات کا سبب ہے مزاج میں کمی وبیشی اور اعتدال کا پیدا ہونا اس کا دارومدار بھی اسی پر ہے غرض کہ امراض کا پیدا ہونا اور دوسرے موسم کے آنے سے امراض کا جاتا رہنا بدنوں میں قوت پیدا ہونا اور کاموں میں از سر نو جدوجہد کا جذبہ عمل پیدا ہونا یہ بھی اسی کے ثمرات ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے اوقات پر تدریجی طور پر کام جاری ہیں جس میں بیش بہا حکمتیں و مصلحتیں مضمر ہیں جس پر نظر وغور وفکر سے اس صانع وحکیم کی کاریگری کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے کمال قدرت اور نہایت حکمت سے کیسا نظام عالم بنایا ہے۔

فتبارك الله احسن الخالقين ۔

پھر آفتاب کا برجوں میں جانا جس سے سال کے دوروں کا قیام ہے اور اسی سے موسم گرما موسم سرما ربیع وخریف چاروں موسم کا پیدا ہونا موقوف ہے اور اسی سے سال کا حساب اور مہینوں اور دنوں کا شمار اور چیزوں کی مدتوں اور عمروں کا علم اسی پر موقوف ہے۔

تمام جہاں پر آفتاب کے بلند ہونے پر نظر کرو خدا نے کس بلیغ حکمت سے اس کو بلند کیا ہے اگر ایک ہی جگہ پر وہ قائم ہوتا تو اس کی شعاعوں سے زمین کے ایک ہی حصہ کو فائدہ ہوتا باقی حصے اس کے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوتے اور پھر اس کے اثرات وثمرات بھی تمام جہاں کو یکساں طور پر نہیں پہنچ سکتے تھے اس کی روشنی ہمیشہ ایک ہی جہت پر پڑتی اور دوسری جہتیں اس سے محروم رہتیں یہ خدا کی بلیغ حکمت ہے کہ اس نے آفتاب کو متحرک بنایا طلوع ہوتے وقت جن اطراف واکناف میں اس کی روشنی پڑتی ہے غروب ہوتے وقت وہاں سایہ ہوتا ہے اور جو حصے طلوع ہوتے وقت روشنی سے محروم تھے اب غروب ہوتے وقت وہ بھی اس کی روشنی سے فیضیاب ہوتے ہیں اس طرح سے آفتاب کا فیض سب کو یکساں طور پر حاصل ہوتا ہے۔

اب رات ودن کی مقداروں پر نظر کرو خدا نے کس خوبی سے اس کا نظام رکھا ہے جس میں عالم کی فلاح وبہبود مدنظر ہے کہ اگر ذرا بھی اس میں فرق آ جائے تو اس کا بڑا اثر زمین پر بسنے والی تمام مخلوقات کو کم وبیش پہنچے گا خواہ وہ حیوانات ہوں یا نباتات حیوانات کو لیجئے کہ جب تک وہ دن کی روشنی دیکھتے رہیں گے کام میں لگے رہیں گے حتی کہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے گی چوپائے چرنے سے باز نہیں آئیں گے حد سے کسی چیز کا بڑھنا اس کے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے نباتات کو ذرا دیکھئے آفتاب کی حرارت اگر متواتر ان پر رہے گی تو نباتات خشک

ہو کر جل جائیں گے اور یہی حال رات کے برابر رہنے کا ہے اگر دن نہ ہو اور رات ہی رہے تو حیوانات وانسان کے طلب معاش اور کسب معیشت میں اختلال کا موجب ہو گی اور طبعی حرارتیں سرد پڑ جانے سے نباتات وحیوانات کے فساد وتلف ہو جانے کا سبب ہو گا جس طرح کہ اس مقام پر نباتات کا حال ہوتا ہے جہاں ہم آفتاب کی روشنی وگرمی پہنچنے کا بندوبست نہ کریں اور اس کی شعاعوں کے اثرات کو وہاں تک نہ پہنچنے دیں۔

❁❁❁❁❁❁
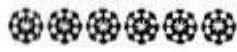
چاند ستاروں کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

تبارك الذی جعل فی
السماء بروجا وجعل فیها سراجا
وقمرا منیرا ۔

وہ ذات بہت عالی شان ہے جس نے آسمان پر
بڑے بڑے ستارے بنائے اور اس میں ایک
چراغ آفتاب اور نورانی چاند بنایا۔

اس حکیم مطلق نے جب رات کو وجہ سکون وراحت بنایا ہوا کو خوشگوار ٹھنڈا کر دیا تو اس نے رات کو تاریک اور مطلق ظلمت نہیں رکھا۔ ورنہ رات کی تاریکی میں انسان اپنے ان کاموں کو کیونکر انجام دیتا جن کے انجام دینے میں وہ روشنی کا محتاج ہے کیونکہ شدت گرمی یا تنگئی وقت کی وجہ سے کبھی اس کو راتوں کو اپنے دن کے کام انجام دینا ہوتے ہیں تو چاند کی روشنی سے اس کو بڑی مدد ملتی ہے اور چاند کو ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی سے جو بعض راتوں میں اپنی پوری تابانی سے پھیلی ہوتی ہے انسان کو اس سے نشاط وفرحت حاصل ہوتی ہے اور ان راتوں میں جب چاند کی روشنی پوری نہیں ہوتی ستاروں کی روشنی سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہے اس کے علاوہ چاند ستاروں سے آسمان کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے دیکھنے والے کو ایک فرحت وانبساط حاصل ہوتا ہے خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس خوبی سے رات کی تاریکی کو چاند ستاروں کی ٹھنڈی اور خوشگوار

روشنی سے .... دور کیا تا کہ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

پھر چاند کی نقل وحرکت پر سالوں اور مہینوں کا علم کس طرح موقوف کیا ہے یہ اللہ کی بڑی مصلحت وحکمت ہے ستاروں میں روشنی کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں زراعت وکاشت کا بہت کچھ معاملہ چاند ستاروں پر موقوف ہے۔

بحر وبر کے مسافرین کے لئے رہنمائی کا بڑا سبب ہے بڑے بڑے لق ودق جنگلوں میں رات کی تاریکی میں سفر کرنا اور اسی طرح سمندر کی تاریک راتوں میں راستہ کا معلوم کرنا انھیں سیاروں کے وجود پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وھو الذی جعل لکم
النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات
البر والبحر۔

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے فائدے کے
لئے ستارے بنائے تا کہ تم ان کے ذریعہ
اندھیروں میں خشکی میں بھی اور دریا میں بھی
راستے معلوم کر سکو۔

آفتاب کی طرح ماہتاب کے طلوع غروب اور آنے جانے میں اور پھر اس کے پہلے دن طلوع ہونے اور کم وبیش ہونے اور بعض راتوں میں اس کے غائب ہونے اور بعض اوقات اس کے کسوف بے نور ہونے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ قدرت الٰہی پر دلیل ہیں ان کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟

پھر آسمان کا ان ستاروں کے ساتھ ہر شب وروز سرعت سے حرکت کرنا جس کو ہم خود بھی طلوع غروب کے وقت مشاہدہ کرتے ہیں اگر یہ حرکت اس سرعت سے نہ ہوتی تو یہ رات ودن کے ۲۴ گھنٹہ کی طویل مسافت کیونکر قطع ہوتی اگر خدائے تعالیٰ چاند کو ہم سے اتنا بلند نہ رکھتا جس سے ہم اس کی شدت رفتار کو محسوس نہیں کر سکتے تو یقیناً اس کی حرکت کی سرعت رفتار سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتیں جس طرح کہ کبھی کبھی خلا میں بجلی کے چمکنے سے ہم محسوس کرتے ہیں اور اس حکمت سے بھی اس نے ہم سے اتنا دور اور بلند رکھا ہے کہ قریب محسوس ہونے سے ایسے حادثات نہ پیدا ہوں جن کے ہم متحمل نہ ہوں اس لئے ایک خاص انداز ومقدار پر اس نے

بنایا۔

ان ستاروں پر نظر کرو جو سال کے بعض ایام میں پوشیدہ رہتے ہیں اور بعض ایام میں طلوع جیسا کہ ثریا جوزاء اور شعریٰ اگر یہ ہمیشہ ایک وقت میں نکلتے رہتے تو انسان کو وہ فوائد حاصل نہ ہوتے جو اس موجودہ صورت میں حاصل ہیں اور انھیں فوائد و مصالح انسانی کے پیش نظر اس نے نبات نعش[1] کو ہمیشہ نکلا ہوا بنایا ہے جو کسی وقت غائب نہیں ہوتی کہ وہ بمنزلہ نشانات و دلائل کے ہے مسافروں کو رات کی تاریکی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اس طرح سے اگر یہ ستارے ایک جگہ پر ٹھہرے ہوئے بنا تا جو حرکت نہ کرتے اور ہر برج میں سے ہو کر نہ گزرتے تو پھر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے میں جو ان سے دلالت و ہدایت کا کام لیا جاتا ہے اس سے ہم محروم ہو جاتے جس طرح کہ ہم چاند و سورج کے اپنے اپنے منازل و برجوں میں منتقل ہونے سے فوائد حاصل کرتے ہیں بالکل اسی طرح جیسا کہ زمین پر سفر کرنے والا راستہ کی منازل و مدارج میں ہو کر گزرنے میں اپنے لیے سہولت و فائدے حاصل کرتا ہے۔

کہ آسمان اور آسمان کے یہ تمام سیارے اس عالم پر سال کے چاروں فصلوں میں اس لئے گردش کرتے ہیں کہ اس میں حیوانات و نباتات و دیگر مخلوقات کے ہزاروں فوائد اور ان کی مصلحتیں مضمر ہیں۔

اس خالق کا یہ کمال قدرت ہے کہ اس نے آسمان کو ایسا بلند ایسا خوشنما اور مستحکم اور ثابت بنایا ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل محسوس نہیں کہ اس کا ادنیٰ سا تغیر بھی اہل زمین کے ایک بڑے تغیر و تبدل کا موجب ہوتا اور نظام عالم میں بڑا انقلاب پیدا ہو جاتا کیونکہ زمین کا نظم و نسق آسمان کے ساتھ کچھ اس طرح سے وابستہ ہے اور خدا کی یہ بڑی قدرت ہے کہ نظام عالم ایک نہج پر اسی طرح جاری اور ساری ہے۔ سبحان العلیم القدیر۔

❁❁❁❁❁❁

---
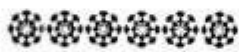
[1] نبات و نعش سے مرکب ہے قطب شمالی کے قریب چار پائی کی شکل میں چار ستارے ہیں جو نعش کہلاتے ہیں اور اس کے مشرقی شمالی پایہ کے متصل تین ستارے ہیں جو نباتات کہے جاتے ہیں اسی طرح نبات النعش سات ستاروں کا مجموعہ ہے۔

زمین کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

والارض فرشناها فنعم
الماهدون

اور ہم نے زمین کو بطور فرش بنایا سو ہم کیسے اچھے
بچھانے والے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے زمین کا کیسا اچھا بستر بنایا ہے جس پر ہم آرام کرتے ہیں اس بستر کے بغیر ہمارے لئے رہنا دشوار تھا پھر ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا ہماری ضرورت کی تمام چیزیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں سردی اور گرمی سے حفاظت بھی زمین پر رہ کر کر سکتے ہیں اور بدبودار چیزیں اور مردار جن کے تعفن کی وجہ سے ہمیں سخت تکلیف ہوتی ہے ایسی چیزوں کو زمین میں دفن کر کے ہم ان کی خراب ہوا کے اثر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

الم نجعل الارض كفاتا احياء
وامواتا۔

کیا ہم نے زمین کو زندوں مردوں کی سمیٹنے والی
نہیں بنایا۔

ہمارے لئے زمین پر راستے بنائے تاکہ ہم اپنے لئے ضروری سامان لانے لیجانے کے لئے سفر کریں اور ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کر سکیں اس طرح ہمارے جانوروں کے لئے چارہ وغیرہ بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے ہماری کھیتی باڑی بھی زمین پر ہوتی ہے ان تمام چیزوں میں ہم زمین کے محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے:۔

اخرج منها ماء ها ومرعاها
والجبال ارساها متاعا لكم

ولانعامکم۔

زمین میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور
پہاڑوں کو گاڑ دیا تمہیں اور تمہارے مویشیوں کو
فائدہ پہنچانے کی خاطر۔

زمین کو نرم اور ہماری ضرورتوں کے مناسب پیدا فرما کر اس نے ہم کو اختیار دیا کہ ہم زمین کو اپنی ضرورتوں کے لئے استعمال کریں اس پر بیٹھیں آرام کریں سوئیں اپنے کام کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کریں یہ سب آسانیاں اس لئے حاصل ہیں کہ زمین کو ہمارے حسب حال بنایا ہے کیونکہ اگر یہ زیادہ نرم اور متحرک ہوتی تو ہم اس پر نہ مکانات بنوا سکتے نہ کھیتی باڑی کر سکتے نہ اس پر ٹھہر سکتے نہ آرام کر سکتے تھے جیسے کہ زلزلوں کے جھٹکوں سے ہم متوحش ہو جاتے ہیں اور اس سے ڈر کر ہم اپنا کوئی کام بھی نہیں کر پاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں کی تنبیہ کے لیے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے کبھی کبھی اپنی قدرت اس طرح سے ظاہر فرماتا ہے یہ بھی خدا کی بڑی حکمت ہے۔

جس طرح خدا نے زمین کو مناسب نرم بنایا ہے اسی طرح اس نے مناسب خشک اور سرد بنایا ہے اور اگر زیادہ خشک پتھر جیسی سخت بنا دیتا تو ہم کاشت کے لئے اور مکانات کے لئے اس کو کیونکر استعمال کر سکتے اس لئے اس نے کمال حکمت سے اس کو مناسب نرم اور خشک سرد بنایا کہ زمین پر رہنے والوں کو زمین کے استعمال کرنے میں سہولت ہو پھر اس نے اپنی حکمت سے شمالی حصہ کو جنوبی حصہ سے قدرے بلند بنا دیا کہ پانی ایک طرف سے بہہ کر دوسری طرف جا سکے اور اس طرح سے حیوانات کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے اور آخر میں وہ پانی سمندر میں جا کر گر جائے اگر ایسا نہ ہوتا یعنی زمین ایک طرف سے ذرا بلند اور دوسری طرف سے ذرا نشیب میں نہ ہوتی تو پانی سطح زمین پر رک کر اس کو سمندر بنا دیتا اور آمد و رفت بند ہو جاتی لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہوتا جیسا کہ ہم سیلاب کے زمانے میں پریشانیوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتے ہیں۔

اب زمین کے اندرون کی طرف ذرا غور کرو خدا نے اس کے اندر کیسے کیسے خزانے پوشیدہ رکھے ہیں کہیں جواہرات کی کانیں ہیں تو کہیں سونے چاندی کے خزانے کہیں یاقوت وزمرد کے ذخیرے کہیں لوہے تانبے سیسے گندھک ہڑتال۔ سنگ مرمر۔ چونا۔ سیمنٹ۔ ٹرولی۔ وغیرہ کے بڑے بڑے خزانے اگر تفصیل سے ان کو لکھا جائے تو اس کے لئے کافی وقت اور

صفحات کی ضرورت ہوگی ان تمام ذخیروں اور خزانوں کو ہم اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں اور کس کس طرح سے یہ چیزیں ہمارے کام میں آتی ہیں۔

اگر زمین پہاڑ کی طرح بلند اور سخت ہوتی تو ہم اس سے خاطر خواہ نفع حاصل نہ کر سکتے تھے خدا نے اپنی حکمت سے مسطح اور ہموار حسب ضرورت نرم و سرد اور خشک بنایا کہ ہم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں زمین کے پہاڑ کی طرح بلند و سخت ہونے میں ہم کاشت کے لئے اسے کیونکر استعمال کر سکتے تھے کیونکہ کاشت اسی زمین پر ہو سکتی ہے کہ زمین نرم ہو اور ہموار بھی ہو تا کہ ضرورت پر پانی کو پی سکے اور نرم و نازک پودے جب تناور درخت ہو کر زمین پر قائم ہوں تو درختوں کی جڑیں اور نرم و نازک ان کی رگیں زمین کی گہرائی میں چاروں طرف پھیل کر قائم رکھنے میں مددگار ہوں اور اس کو سرسبز و شاداب کرنے میں زمین سے اپنی خوراک حاصل کر کے درخت کو سیراب کر سکیں اور اس کو قائم رکھ سکیں۔

زمین کے نرم ہونے میں جہاں اور بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اس میں آسانی سے جہاں ہم چاہتے ہیں کنویں کھود لیتے ہیں اگر زمین پہاڑ کی طرح سخت ہوتی تو کنویں کھودنے میں بڑی دشواری ہوتی اس طرح سے ہمارے سفر کرنے میں بھی بڑی دشواری ہوتی کیونکہ پتھروں میں راستوں کا بنانا بڑا سخت کام ہے اور راستوں کے موجود نہ ہونے سے اور ان کے متعین نہ ہونے سے ہمارے لئے سفر کرنا ناممکن ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

هو الذی جعل لکم الارض ذلولا
فامشوا فی مناکبها۔

وہ ایسا منعم ہے جس نے تمہارے لئے زمین
کو مسخر کر دیا پس تم اس کے راستوں پر چلو۔

وجعل لکم فهاسبلا لعلکم
تهتدون۔

اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے
کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

منجملہ اور فوائد کے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مکانات کے بنانے میں اس کی مٹی کو با آسانی استعمال کر سکتے ہیں اینٹیں بناتے ہیں گارے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں اور برتن

وغیرہ............ دوسری بہت سی ضروری چیزیں تیار کرتے ہیں۔

جن مقامات پر زمین سے نمک۔ پھٹکری۔ ابرق اور گندھک وغیرہ نکلتی ہے وہاں کی مٹی زیادہ نرم ہوتی ہے اور نرم زمین میں طرح طرح کی نباتات پیدا ہوسکتی ہے سخت اور پہاڑی زمین میں یہ نہیں ہوسکتی اور زمین کے نرم ہونے سے بہت سے جانور اپنے رہنے کے ٹھکانے بناتے ہیں حشرات الارض کے رہنے کے لئے سوراخ اور بل زمین ہی میں ہوتی ہیں اور یہ سب آسانی زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے ہے کانوں کا زمین کے اندر پیدا فرمانا خدا کی بڑی حکمتوں میں سے ہے جس کا ذکر خدا تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بطور احسان فرمایا ہے۔

واسلنالہ عین القطر۔

اور ہم نے ان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہایا۔

یعنی ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تانبے سے تمتع حاصل کرنے کے لئے طریقوں کو آسان کر دیا اور اس کی کان (خزانہ) پر مطلع کیا اور اسی طرح سے اپنے بندوں پر امتنانا ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الحدید فیہ باس
شدید ومنافع للناس،

ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور
لوگوں کے بہت کام کی چیز ہے۔

اس مقام پر نزول کا مفہوم خلق ہے یعنی پیدا کرنا جس طرح کہ دوسری جگہ لفظ انزل سے خلق کے معنی کو مراد لیا گیا۔ جیسے ایک جگہ فرمایا۔

وانزلنا لکم من الانعام

خدا نے تمہارے فائدے کے لئے مویشی پیدا
فرمائے۔

حضرت سلیمان کے حق میں جس آیت میں انزلنا ارشاد فرمایا ہے اس کے معنی اس طرح ہیں کہ ہم نے پیدا فرمایا اور ان پوشیدہ خزانوں سے سونا وغیرہ معدنیات کو نکال کر اپنے کاموں میں لانے کے طریقوں کی تعلیم دی کہ ان معدنیات کو کس کس کام میں کیوں کر لایا جا سکتا ہے شیشہ سے نفیس برتن تیار کئے جا سکتے ہیں جن میں اپنی ضروری چیزوں کو طویل مدت تک

کے لئے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

ان کانوں سے سرمہ۔ مومیا۔ سلاجیت وغیرہ مفید چیزوں کو حاصل کیا جا سکتا ہے جو ہمارے بہت سے کام آتی ہیں۔

اس کی بڑی حکمت یہ ہے کہ اس نے زمین پر پہاڑوں کو قائم فرما کر زمین کو مستحکم کر دیا جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:۔

والجبال ارساها

والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم۔

اور پہاڑوں کو اس پر قائم کر دیا۔

اور رکھ دیئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے۔

وانزلنا من السماء ماء فاسکناه فی الارض۔

ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا۔

اس حکیم مطلق نے زمین پر پہاڑوں کو بنایا جن کے تمام فائدوں اور مصلحتوں کو بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا منجملہ ان حکمتوں کے یہ ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے جو حیوانات ونباتات کی زندگی وتازگی کا سبب ہے اگر زمین پر پہاڑ نہ ہوتے تو ہوا اور سورج کی گرمی پانی کو خشک کر دیتی اور اس صورت میں زمین کو کھود کر مشقت کے بعد پانی حاصل ہو سکتا تھا خدا نے بڑی حکمت سے پہاڑوں کو زمین پر پیدا کیا جن کے اندر پانی کے بڑے بڑے ذخیرہ جمع ہو کر تھوڑا تھوڑا کر کے چشموں اور نہروں اور دریاؤں کی شکل میں پانی بہتا ہے اور اس طرح زمین کے دور دراز کے مقامات تک کو سیراب کرتا ہے اور یہ پانی گرم موسم میں اور بھی قابل قدر ہوتا ہے اور اس زمانے تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ بارش کا زمانہ شروع ہو اور جن پہاڑوں میں پانی کے جمع کرنے کے لئے اندروں میں گنجائش نہیں ہوتی ان پہاڑوں میں برف کی شکل میں پانی کے خزانے کو محفوظ کر دیا جو سورج کی گرمی سے تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت پگھل کر ندیوں نالوں اور نہروں میں جا کر زمین اور اہل زمین کو سیراب کرتا ہے پہاڑوں پر کہیں کہیں

بڑے بڑے حوض بھی ہوتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے اور ضرورت پر اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے جس طرح کہ غلہ کے بڑے بڑے ذخیروں اور گوداموں سے ضرورت کے وقت غلہ حاصل کیا جاتا ہے۔

علاوہ اس کے پہاڑوں پر بعض خاص قسم کے درخت اور جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں اور کہیں دستیاب نہیں ہوتیں پہاڑوں پر نہایت بلند درخت پائے جاتے ہیں جن کی لکڑی عمارتوں اور کشتیوں کے بنانے میں خاص کام میں استعمال کی جاتی ہے یہ لکڑی دوسرے درختوں سے حاصل نہیں ہوسکتی پہاڑوں پر ایسے فضا اور شاداب مقامات ہیں کہ وہاں جا کر لوگ اپنے فرصت کے ایام گزارتے ہیں اور صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ چوپاؤں اور دوسرے جانوروں کے لئے بھی وہاں سامان خورونوش اور آرام کرنے کے پرفضا مقامات بنے ہوتے ہیں شہد کی مکھیوں کے لئے خاص کروہ جگہ مخصوص ہے جہاں وہ اپنے گھر بناتی ہیں اور انسان بھی گرمی کے موسم میں تفریح کے لئے جاتے ہیں اور اپنے مردوں کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لئے وہاں دفن کرتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وتتخذون من الجبال
بیوتاً امنین ۔

اور پہاڑوں میں اپنے رہنے کے مکانات بناتے
ہیں جن میں بے خوف رہتے ہیں۔

منجملہ دیگر فوائد یہ بھی ہیں کہ پہاڑوں پر راستوں کی شناخت کے لئے بڑے بڑے نشانات نصب کرتے ہیں۔ مسافروں کو اثنائے سفر میں ان نشانات سے بڑی مدد ملتی ہے۔

ایک یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے لشکر اور جماعتیں جو اپنے مقابل سے نہیں لڑ سکتے وہ پہاڑوں پر پناہ لیتے ہیں اور پہاڑوں کو قلعہ کی جگہ استعمال کر کے اپنے کو دشمن سے محفوظ سمجھتے ہیں۔

خدا کی حکمت کو دیکھو کہ اس نے کس حکمت سے زمین میں سونے چاندی کے خزانوں کو محفوظ کیا ہے اور پھر خاص انداز سے اس کو پیدا فرمایا ہے اور پانی کی طرح سونے چاندی کو وافر نہیں پیدا کیا۔ اگرچہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ پانی کی طرح ان چیزوں کو بھی اتنا ہی کثیر مقدار میں پیدا فرمادیتا یہ بھی اس کی بڑی حکمت اور مصلحت ہے اور مخلوق کی فلاح و بہبود

اس انداز پر موقوف ہے جس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں۔

اس نے فرمایا ہے کہ

وان من شیء الا عندنا خزائنہ
وما ننزلہ الا بقدر معلوم

ترجمہ۔اور جتنی چیزیں ہمارے پاس ہیں سب
کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور ہم اس چیز کو
ایک معین مقدار سے اتارتے رہتے ہیں۔

❁❁❁❁

سمندر کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وھوالذی سخرلکم البحر
لتا کلو امنہ لحما طریا

اس خدا نے تمہارے لئے سمندر کو
تمہارے قبضہ میں دے دیا کہ تم اس سے تازہ
گوشت مچھلیاں کھاؤ۔

خدا تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا اور زمین کے اطراف و جوانب میں اس طرح پھیلا دیا کہ زمین کا خشک حصہ اور پہاڑ وغیرہ اس کی نسبت معلوم ہوتا ہے گویا ایک چھوٹا سا جزیرہ نما بلند حصہ ہو جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوا اور اسی نسبت سے زمین کے جانور ہیں ان جانوروں کی نسبت سے جو خدا نے سمندر میں بنائے ہیں یعنی سمندر میں رہنے بسنے والے جانور خشکی کی جانوروں سے کئی حصہ زائد ہیں اور سمندر میں خدا نے بڑے بڑے عجائبات پیدا کئے ہیں جن کو دیکھ کر خالق کی قدرت نظر آتی ہے۔سمندر میں حیوانات جواہرات اور خوشبودار اشیاء اس کثرت سے ہم کو ملتی ہیں کہ زمین پر اتنی افراط سے نہیں پائی جاتی اور ایسے ایسے عظیم الجثہ جانور پانی میں پائے جاتے ہیں اگر وہ کسی

وقت اپنی پشت کا ایک حصہ پانی سے بلند کر دیں تو اس پر کسی وسیع بلند ٹیلہ یا پہاڑ کا شبہ ہونے لگتا ہے۔اور جس طرح خشکی میں انسان پرندے گھوڑے اور گائے وغیرہ مختلف انواع و اقسام کے حیوانات ہیں اسی طرح اس سے کئی حصہ زائد پانی میں پائے جاتے ہیں بلکہ جتنی اقسام کے جانور پانی میں پائے جاتے ہیں خشکی میں تو دکھائی بھی نہیں دیتے پھر خدا نے عجیب قدرت و حکمت سے ان کی ضروریات کو بنایا ہے کہ اگر ان تمام باتوں کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو اس کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہو گی۔

خدا نے کسی خوبی اور حکمت سے موتی کو سیپی کے اندر محفوظ طریقہ سے پانی میں رکھا ہے اور مرجان کو پانی کے اندر پتھر کی چٹان کی تہ میں کس طرح محفوظ کیا ہے خدا نے بندوں پر امتنانا فرمایا ہے۔

یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان

ان دونوں دریا سے موتی اور مونگا برآمد ہوتا ہے۔

اس مرجان کے متعلق جس قرآن کی اس مذکورہ آیت میں ذکر ہے بعض حکماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا موتی ہے جو لولؤ سے زیادہ رقیق اور چھوٹا ہوتا ہے اور اس احسان اور انعام کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔

فبای آلاء ربکما تکذبان

پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔

اس آیت میں آلا سے مراد خدا کے انعامات و احسانات ہیں۔

اسی طرح عنبر اور دیگر قیمتی چیزوں کو دیکھو جن کو خدا نے اپنے کمال حکمت سے سمندر میں پیدا فرمایا۔

پانی کی سطح پر بڑے بڑے جہاز اور کشتیوں کی روانی پر نظر کرو کہ بندوں کی کتنی ضرورتیں ان کشتیوں اور جہازوں کی آمد ورفت سے پوری ہوتی ہیں۔خدا نے اپنے کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس۔

اور ان جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں انسانوں کی نفع کی چیز اور اسباب لیکر (اس میں بڑی برت و موعظت ہے)

خدا نے کس طرح سے انسان کو سمندر پر قدرت و اختیار دیا ہے کہ وہ اس کے سینے پر

مال سے لدے ہوئے کیسے بڑے بڑے جہاز ادھر سے ادھر ایک ملک سے دوسرے ملک کو لے جاتا ہے اگر انسان کے پاس بار برداری کے لئے یہ سامان نہ ہوتو اس کے لئے بڑی بڑی دشواری پیدا ہو جائے اور ایک ملک کا مال اتنی کافی مقدار میں دوسرے ملک پہنچانا ناممکن ہو جائے اور اس میں کافی زیر باری مشقت پیدا ہو جائے گی۔

خدا نے اپنے بندوں پر بڑا کرم فرمایا ہے کہ اس نے لکڑی ایسی ہلکی اور مضبوط چیز بنائی جو پانی پر اتنے بوجھ کو لیکر قائم رہ سکے اور خدا نے اپنی رحمت سے انسان کو کشتیاں اور جہاز تیار کرنے کی حکمت اور سمجھ عطا فرمائی پھر ہواؤں کو اس انداز ے سے چلایا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جہازوں اور کشتیوں کو لے جائیں اور انسان کو ہواؤں کے چلنے کے اوقات اور اس کا علم عطا فرمایا ان تمام نعمتوں کے لئے ہمیں خدا کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

شکر نعمتائے توچندانکہ نعمتائے تو

غدر تقصیرات ماچندانکا تقصیرات ما

خدا کی اس قدرت کو دیکھ کر کہ اس نے پانی کیسا سیال متصل الاجزاء پتلا لطیف بنایا ہے گویا کہ تمام پانی ایک بڑا جسم ہے اور اتصال وانفصال کو جلد قبول کر لیتا ہے کہ جلد ہی دوسرے پانی سے ملکر ایک متصل جسم ہو جاتا ہے جس میں تصرف کرنا آسان ہوتا ہے اور پانی کی روانی اور لطافت جیسی خوبیوں کی بدولت اس پر کشتی اور جہاز آسانی سے رواں ہو سکتے ہیں۔

اس کی عقل پر افسوس کرنا پڑتا ہے جو خدا کی اتنی نعمتوں اور بخششوں پر نظر نہ کرے اور غافل بنا رہے حالانکہ ان تمام چیزوں میں خدا کی قدرت وحکمت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

وفی کل شی له آیة

تدل علی انه واحد

یہ تمام کمالات قدرت زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے انسان اپنی آنکھوں سے غفلت کا پردہ چاک کر دے اور دل کی آنکھوں سے دیکھ کہ میں نے کیسی کیسی گونا گوں نعمتیں اور مفید چیزیں بنائی ہیں۔ کیا ان کے بنانے والا کوئی دوسرا ہے جس کو میرے ساتھ تو شریک ٹھہراتا ہے؟ بلکہ یہ صرف اسی واحد قادر اور حکیم کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

❁❁❁❁❁❁
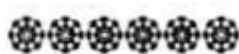
پانی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وجعلنا من الماء کل شیء حی
افلا یؤمنون۔
فانبتنا به حدائق ذات بهجة
ماکان لکم ان تنبتوا شجرها أاله
مع الله بل هم قوم یعدلون۔

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں
جان ہے پھر کیا یقین نہیں رکھتے۔
پھر اس پانی کے ذریعہ پر رونق باغ اگائے ورنہ تم
سے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو
اگا سکو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ یہ
ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو خدا کے برابر ٹھہراتے
ہیں۔

خدا نے پانی جیسی ضروری چیز کو اتنی افراط سے پیدا فرما کر بندوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے انسان حیوان نباتات سب کی زندگی کے لیے پانی کا ہونا لازمی ہے شدت پیاس میں اگر پانی میسر نہ آئے تو ایک گھونٹ پانی کے لئے ...... انسان ...... بڑی سے بڑی دولت دینے کے لئے آمادہ ہوگا اس وقت انسان کو پانی کی قدر و قیمت معلوم ہوگی خدا کی اتنی مفید نعمت سے ہم غفلت میں ہیں اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پھر خدا کی بڑی حکمت یہ کہ اس نے اتنی ضروری چیز کو کیسی فراوانی اور افراط سے پیدا فرمایا کہ ہر انسان وحیوان ادنیٰ سی طلب کے بعد پانی حاصل کر سکے اگر پانی دوسری اشیاء کی طرح ایک محدود مقدار میں ہوتا تو زندگی میں بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں بلکہ نظام عالم ہی

منتشر ہو جاتا۔

پانی کی لطافت اور رقت پر نظر کیجئے کہ جوں ہی آسمان سے برس کر زمین پر آتا ہے درختوں کی جڑوں میں پہنچ کر ان کی غذا بن جاتا ہے اور سورج کی حرارت سے بخارات کی شکل میں اوپر کی طرف چلا جاتا ہے اور اپنی لطافت ہی کی وجہ سے غذا کو معدے میں با آسانی لے جا کر ہضم میں مدد دیتا ہے پیاس کے وقت اس کے پینے میں کیسی لذت محسوس ہوتی ہے اور اس کو پا کر ہم تمام تھکان اور بے چینی کو بھول جاتے ہیں اور جسم میں ایک راحت کو محسوس کرنے لگتے ہیں غسل کرنے میں ہم اس کو استعمال کرتے ہیں بدن کا تمام میل اس سے غسل کر کے دور کرتے ہیں اپنے میلے اور گندے کپڑے اسی سے دھو کر صاف کرتے ہیں پانی مٹی میں آسانی سے مل جاتا ہے جو ہمارے مکان بنانے میں کام آتی ہے اور ہر سوکھی اور خشک چیز کو ہم پانی کے ذریعہ نرم اور تر کر لیتے ہیں طرح طرح کی مشروبات پانی ملا کر ہی تیار ہوتے ہیں بڑی بڑی آگ لگنے پر ہم پانی کی مدد سے اس پر قابو پالیتے ہیں اور پانی چھڑکتے ہی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب انسان انتہائی غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو پانی کے دو گھونٹ پی کر اس کا غصہ فرو ہو جاتا ہے اور آتش غضب سرد ہو جاتی ہے اور نزع کی عالم میں جب مسکرات کی تکلیف ہوتی ہے تو پانی پی کر اس میں کمی ہوتی ہے ایک مزدور دن بھر کی سخت مشقت کر کے جب پانی سے غسل کرتا ہے اور ایک گلاس پیتا ہے تو وہ تمام دن کی مشقت کو بھول جاتا ہے ہمارے تمام کھانوں میں اس کا استعمال ضروری ہے اسی سے ہمارے کھانے تیار ہوتے ہیں پینے کی وہ تمام چیزیں جو مرطوب ہیں مگر بغیر پانی کے تیار نہیں ہوسکتی پس خدا کی اس بیش بہا نعمت کو دیکھ کر اس نے کس افراط سے اس کو پیدا کیا ہے کہ آسانی سے ہم اسکو حاصل کر لیتے ہیں اور اگر اتنی افراط سے اور آسانی سے یہ بہم نہ ہوسکتا تو زندگی میں بڑی تنگی ہو جاتی اور ہمارا تمام عیش و راحت مکدر ہو جاتا۔

پس خدا کا ہزار شکر ہے کہ اس نے پانی کو پیدا فرما کر ہمیں اتنے کاموں میں استعمال کرنے کی قدرت دی اور اس سے بے شمار فائدے پہنچا کر ہماری زندگی میں بڑی سہولت عطا فرمائی خدا کے ان انعامات کو ہم شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے۔

وان تعدوا نعمۃ
اللہ لاتحصوھا۔
اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے۔

ہوا کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وارسلنا الریاح لواقح
فانزلنا من السماء ماء فاسقیناکموہ
وماانتم لہ بخازنین۔

اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم یہی پانی آسمان سے برساتے ہیں پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں تم اتنا پانی جمع نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت سے ہوا کو اس طرح خلق کیا ہے کہ اس کے اندر ریاح داخل ہیں اگر یہ ہوا موجود نہ ہوتی تو خشکی کے مارے جانور ہلاک ہو جاتے ہوا کے چلنے اور حیوانات کے جسموں کو لگنے سے بدن کی حرارت معتدل ہوتی رہتی ہے کیونکہ ہوا بری جانوروں کے لئے بالکل اس طرح ہے جس طرح پانی کے جانوروں کے لئے پانی کا وجود کہ وہ بدون پانی کے تھوڑی دیر بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

اگر ہوا کا بدن کو لگنا اور بدن کے اندرون میں سمانا نہ ہو یا تھوڑی دیر کے لئے ہوا بند ہو جائے تو بدن کی تمام حرارت قلب کے اندر رجوع ہو جائے اور فرط حرارت سے موت واقع ہو جائے گی جیسا کہ ہم اس وقت دم کے گھٹنے اور سانس کے رکنے سے محسوس کرتے ہیں جب گرمی شدید ہو اور ہوا بند ہو جائے۔

پھر خدا کی اس حکمت کو دیکھو کہ اس نے ہوا کو بادلوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر لے جانے پر کیسا مامور کیا ہے ہوا بادلوں کو ایسی زمین پر لے جا کر بارش برساتی ہے جہاں کی زمین سوکھی اور پانی کے لئے پیاسی ہو اور اس طرح ہمارے کھیتوں کو پانی قدرت الٰہی سے ملتا ہے اور اگر اس طرح خدائے تعالیٰ ہواؤں کو بادلوں کے چلانے پر مامور نہ کرتا تو بادل پانی کے بوجھ سے بوجھل ہو کر ایک ہی مقام پر رکھے رہتے اور پھر ہماری کھیتیاں اور باغات سوکھے

رہ کر ضائع ہو جاتے۔

ہواؤں میں خدا نے یہ بھی حکمت پوشیدہ رکھی ہے کہ وہ جہازوں اور کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جاتی ہے اور اس طرح سے ایک ملک کی پیداوار سے دوسرے ملک کے باشندے متمتع ہوتے ہیں اگر جہازوں اور کشتیوں سے اس طرح سے مال لانے لیجانے کا انتظام نہ ہوتا تو لوگوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں اس طرح سے ایک چیز ایک جگہ ضرورت سے زائد پیدا ہو کر بے قدر ہوتی اور ضائع ہو جاتی اور دوسرے مقام کے لوگ اس چیز کے معدوم ہونے سے اس کے لئے ترستے رہتے اور ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں۔

دیکھو خدا نے ہوا کو کیسا لطیف الاجزاء بنایا ہے کہ جب چلتی ہے تو لطیف الاجزاء ہونے کی وجہ سے ہر ہر چیز میں با آسانی پہنچ جاتی ہے اور پھر ہر جگہ کی بدبو (عفونت) کو پاک وصاف کر دیتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو چیزوں اور زمین میں بدبو کے بڑھ جانے سے طرح طرح کی بیماریاں پھوٹ جاتیں اور انسان وحیوانات کی ہلاکت کا سبب ہوتیں۔

جب ہوا چلتی ہے تو اپنے ساتھ غبار اور خاک کو لے جاتی ہے باغوں میں جب وہ غبار ہوا کی حرکت سے درختوں کے پتوں میں سے ہو کر گزرتا ہے تو اس سے درخت صاف ہوتے ہیں اور ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح سے ہوا پہاڑوں پر مٹی کی تہ جما دیتی ہے جس سے پہاڑوں میں زراعت کے نشوونما کی قوت آ جاتی ہے اور اسی طرح سے سمندر کے ساحل پر ہوا کی حرکت سے پانی میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور سمندر عنبر جیسی قیمتی اور مفید اشیاء کو پیدا کرتا ہے۔

ہوا کے چلنے سے بارش کے قطرے ہلکے ہو کر ہوا میں منتشر ہو کر زمین پر گرتے ہیں اور اگر ہوا ان کو متفرق ومنتشر نہ کرتی تو بارش کا پانی بادلوں میں بلندی سے یک بارگی مجتمع ہو کر زمین پر گرتا جس سے جانی اور مالی نقصان ہوتا لیکن خدا نے بڑی حکمت سے ہوا کے ذریعہ اس پانی کے زمین پر گرنے کو ایسا آسان کر دیا کہ کسی کو اس سے نقصان نہیں اور وہ منتشر قطرات زمین کی وسیع سطح پر تدریجی طور پر جمع ہو کر نالوں اور نہروں کی شکل میں ہو کر نشیبی علاقوں میں بہہ کر جا گرتے ہیں اور پھر خدا کی اس نعمت کی وسعت اور ہمہ گیری پر نظر کرو کہ دوست ودشمن سب ہی کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے جتنی یہ زندگی کے لئے ضروری ہے اتنا ہی خدا نے اس کو وافر پیدا کیا ہے اس کے بے انتہاء فوائد اور چند در چند منافعہ پر نظر کرو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔

خدا نے فرمایا ہے۔

ھوالذی انزل من السماء
ماء لکم منہ شراب ومنہ
شجر فیہ تسیمون ینبت لکم بہ
الزرع والزیتون والنخیل
والاعناب ومن کل الثمرات ان
فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون۔
وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے آسمان سے
پانی برسایا جس سے تم کو پینے کو ملتا ہے اور اس
سے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں تم اپنے
مویشی چرنے کیلئے چھوڑ دیتے ہو اور اس پانی
سے تمہارے لئے کھیتی زیتون اور کھجور اور انگور اور
ہر قسم کے پھل زمین سے (اگاتا ہے)۔
بیشک اس میں سوچنے والوں کے لئے توحید کی
دلیل موجود ہے۔

پھر خدا کی قدرت کو دیکھو کہ بارش کے ایام میں کچھ ایسے دن بھی ہوتے ہیں کہ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نہیں ہوتا ہوا بھی ساکن ہوتی ہے اس میں لوگوں کے بڑے فوائد ہیں اگر بارش ہی بارش مسلسل ہو تو بھی انسان اور حیوانات اکتا جائیں اسی طرح اگر ہوا برابر ساکن رہے تو بھی بڑی تکلیف کا باعث ہو اور پھر لوگوں کے کاموں میں بڑا حرج واقع ہو تم آئے دن دیکھتے ہو کہ جب بارش کا سلسلہ زیادہ رہتا ہے تو تمام کھیتی باڑی سڑ جاتی ہے مکانات منہدم ہونے لگتے ہیں راستے پانی کی کثرت سے بند ہو جاتے ہیں آمد و رفت کے وسائل منقطع ہونے سے تمام کاروبار میں تعطل پیدا ہو جاتا ہے ملازم پیشہ ورکاری گر سب کے کاموں میں رکاوٹ آ جاتی ہے۔

اور اگر حبس کا سلسلہ رہے یعنی بارش نہ ہو ہوا رک جائے تو بدن خشک ہو جائیں۔ کھیتی کیاری سب سوکھ جائیں چشموں۔ دریاؤں اور حوضوں کا پانی سڑ جائے اور اس کی عفونت سے ہوا میں بھی عفونت اور یبوست غالب آ جائے جس سے بہت سی بیماریوں کے پھوٹ پڑنے کا امکان ہے اشیاء کے کم پیدا ہونے یا قطعاً پیدا نہ ہونے سے سخت گرانی ہو جائے جانور چارہ

ملنے سے کمزور اور لاغر ہو جائیں چراگاہیں بے کار ہو جائیں شہد کی مکھیاں یبوست کے غلبہ کی وجہ سے شہد کے ذخیروں کو جمع نہ کر سکیں غرض کہ کسی بھی ایک حالت کے رہنے سے نظام عالم فاسد ہو جائے گا اس لئے اس حکیم مطلق نے دونوں حالتوں کو یکے بعد دیگرے مقرر کیا کہ ایک دوسرے کے نقصانات اور مضرتوں کو رفع کر دے ہوا میں اعتدال ہو کر اس میں مفید اثرات ظاہر ہوں اور اس طرح تمام اشیاء میں سلاحیت اور افادیت پیدا ہو کر دوسروں کے لئے مفید ہوں۔

پس یہ خدا کی بڑی مشیت اور غالب حکمت ہے کہ اس طرح پر نظام قائم ہے۔

اگر کوئی شخص دیدۂ بصیرت سے محروم ہو اور یہ اعتراض کرے کہ بعض وقت اس طرح بھی نقصان اور ضرر پہنچتا ہے اس لئے ہم یہ جواب دیں گے کہ اس سے انسان کا امتحان اور اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے اور انسان کو آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی اس قدرت و حکمت کو سمجھے کہ اس نے متضاد اشیاء سے کیونکر متمتع ہونے کے مواقع دیئے ہیں جو اسی کے فضل و کرم پر موقوف ہیں۔

اس سے بہت سے ظالموں کو ان کے ظلم و تعدی سے باز رکھنا مقصود ہوتا ہے تم دیکھتے ہو کہ انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بیماری کو دور کرنے کی خاطر کیسی کیسی تلخ اور کڑوی دوائیں کو استعمال کرتا ہے اور اس کو ایک لمحہ فکر کے لئے یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ خدا نے کوئی چیز بیکار اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ اور جو چیزیں ذائقہ میں کیسی کیسی بدمزہ اور بری ہیں ان میں قدرت نے اپنی حکمت سے شفا کے لئے کیسے کیسے راز پوشیدہ کیے ہیں۔ ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

ولکن ینزل بقدر مایشاء
انه بعباده لخبیر بصیر۔

لیکن اتارتا ہے ناپ کر جتنی چاہتا ہے۔ بیشک وہ
اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے۔

آگ کی پیدائش کی حکمتیں

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

افرأیتم النار التی تورون
أأنتم انشأتم شجرتها ام نحن
المنشئون نحن جعلناها تذکرة
ومتاعا للمقوین فسبح باسم
ربک العظیم۔

بھلا دیکھو تو وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کا
درخت تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا
کرنے والے ہیں ہم نے ہی وہ درخت بنایا۔
یاد دلانے اور برتنے کو جنگل والوں کے لئے پس
اپنے رب کی جو بڑا ہے تو اس کی پاکی بیان کر۔

خدا نے آگ جیسی ضروری نفع بخش چیز کو پیدا فرما کر بندوں پر بڑا احسان فرمایا اور کیونکہ اس کی کثرت اور زیادتی بڑے فساد اور تباہی کا موجب تھی اس لئے اس نے اپنے کمال وحکمت سے اس طرح سے محفوظ رکھا کہ ضرورت پڑنے پر اس کو موجود کر لیا جاتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور پھر وہ پوشیدہ اور معدوم ہو جاتی ہے گویا اس کو بعض دوسری چیزوں میں اس طرح سے پوشیدہ فرمایا کہ ضرورت پر اس کو حاصل کر لیا جائے اس طرح سے ہم اس کی مضرتوں اور نقصانات سے محفوظ ہیں آگ سے بے شمار فوائد اور منافع ہم کو حاصل ہوتے ہیں اگر آگ نہ ہوتی تو ہم اپنے کھانوں کو کیونکر تیار کرتے ہماری ماکولات۔ مشروبات بغیر آگ کے قابل استعمال کیونکر ہو سکتیں ان کے مختلف اجزاء اور ارکان بغیر آگ پر پکائے ایک دوسرے میں کس طرح تحلیل ہو کر ہمارے لئے مفید غذا بنتیں۔ یہ خدا کی خاص مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے کہ ہمارے کام کی چیزوں کو کس کس حکمت سے پیدا فرمایا ہے۔

اگر آگ کا وجود دنیا میں نہ ہوتا تو خدا کی بخشی ہوئی بہت سی نعمتوں سے ہم کیونکر فائدہ اٹھاتے۔ سونا۔ چاندی۔ تانبہ۔ پیتل۔ لوہا۔ سیسہ وغیرہ ضروری معدنیات سے نفع اندوز ہونا

ہمارے لئے بدون آگ کے ناممکن ہوتا آگ کی بدولت ہم معدنیات کو پگھلا کر زیورات برتنوں وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں جہاں خدا کی بخشی ہوئی معدنیات بڑی نعمتیں ہیں وہاں ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو استعمال کرنے کے طریقے سکھانا بھی خدا کی بڑی مہربانی اور اس کا بڑا احسان ہے جن نعمتوں پر ہمیں خدا کا شکرادا کرنا لازم ہے۔

خداتعالیٰ نے فرمایا:۔

اعملوآل داؤدشکرا۔

کام کرواے داؤد کے گھر والو احسان مان کر۔

لوہے کو لیجئے آگ پر گرم کر کے اور پگھلا کر کن کن ضروری چیزوں میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کے لئے کیسے ہتھیار اور آلات تیار کرتے ہیں اگر تفصیل سے ہم ان آلات وسامان جنگ کی فہرست بتائیں تو اس کے لئے کافی صفحات درکار ہوں۔

خدانے فرمایا۔

وانزلنا الحدیدفیه باس شدیدومنافع للناس۔

ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت ہے اور لوگوں کے بہت سے فائدے ہیں

لتحصنکم من باسکم فهل انتم شاکرون

کہ وہ لڑائی میں تمہارا بچاؤ ہو سو تم کچھ شکر کرتے ہو۔

اسی لوہے سے ہم کیسے کیسے اوزار و ہتھیار تیار کرتے ہیں جو ہماری کھیتی باڑی میں کام آتے ہیں۔ پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر تراش لیتے ہیں۔حتی کہ پہاڑوں کو جگہ سے فنا کر دیتے ہیں اور اپنے لئے راہیں ہموار کرتے ہیں لکڑی چیرنے پھاڑنے کے آلات بھی لوہے سے تیار کرتے ہیں اس قسم کی سینکڑوں مفید اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم لوہے سے بناتے ہیں یہ سب آگ کی بدولت ہے اگر آگ نہ ہوتو ہم ان مذکورہ بالا اشیاء سے نفع نہ اٹھا سکیں اور مختلف

دھاتوں سے بنے ہوئے سکے جن کے تبادلہ سے بے شمار فوائد ہم کو حاصل ہیں ان سے ہم قطعاً محروم ہو جائیں اپنی زینت وآرائش کے کتنے سامان سے ہم **بالکل** محروم ہوں اور یہ جواہرات وغیرہ سب ہمارے لئے بیکار ہو جائیں۔

آگ میں خدا نے روشنی کی ایسی صفت حکمت ودیعت کی ہے کہ شب کی مسلسل تاریکی سے جب گھبراتے ہیں تو آگ جلا کر روشنی کر لیتے ہیں روشنی سے ہم کو ایک سکون ملتا ہے ہم اپنی مجلسوں اور محفلوں کو آگ کے مختلف لیمپ روشن کر کے سجاتے ہیں آگ کی روشنی سے ہم تاریکی میں بہت سے خطرات سے محفوظ رہتے ہیں اور رات کی اندھیری میں بھی ہم روشنی کر کے اس طرح سے متمتع ہوتے ہیں گویا آفتاب نکل رہا ہو پھر آگ میں خدا نے حرارت جیسی مفید صفت رکھی ہے کہ سردی سے حفاظت کرتے ہیں برف اور سرد ہواؤں کے نقصانات سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں آگ روشن کر کے بڑے بڑے مہلک اور خون خوار جانوروں کا ہم مقابلہ کرتے ہیں لڑائیوں میں آگ سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں اپنے قلعوں کی حفاظت بھی اسی سے کرتے ہیں خدا کی بلیغ حکمت پر نظر کرو کہ اس نے کتنے بے شمار فوائد اس میں رکھے ہیں اور ایسی مفید شئے کو ہمارے حوالہ اور اختیار میں دیدیا۔ جب چاہیں اس کو روشن کر لیں۔ اور ضرورت پوری ہونے پر اس کو غائب کر دیں۔

انسان کی تخلیقی حکمتیں

خدا نے فرمایا۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین

اور بیشک ہم نے انسان کو ایک چمکدار مٹی سے

بنایا۔

قدرت کو جب منظور ہوا کہ وہ انسان کو پیدا فرمائے اور زمین پر بسے رہنے کا موقع دے اور پھر اس کو امتحان و آزمائش میں ڈالے تو خدا نے اس کی پیدائش اس طرح مقرر کی کہ ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل پیدا ہوں اور انسان کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت۔ پھر ان میں باہم الفت و محبت کا رشتہ پیدا کیا ایک دوسرے کی محبت کے دواعی قلوب میں اس طرح مستور رکھے کہ ایک کو دوسرے کے بغیر صبر و قرار نہ ہو ان میں خواہشات کو پیدا کیا کہ یکجا ان کا رہنا اور بسنا ممکن ہو اور بدن کے ایک مخصوص عضو کو اس طرح خلق کیا کہ وہ جنس لطیف کے رحم میں داخل ہو کر منی کے جوہر لطیف کو ودیعت کر دے جہاں انسان کی تخلیق تدریجی طور پر ہو یہ جوہر لطیف انسان کے تمام جسم سے حاصل ہو کر ایک خاص حرکت کے ساتھ عضو مخصوص کے ذریعہ ایک جسم کے باطن سے دوسرے جسم کے باطن میں پہنچ کر ایک خاص امتزاجی کیفیت کے بعد انسانی شکل اختیار کرتا ہے اور اس شکل کے اختیار کرنے میں کئی دور اور درجے طے کرنا ہوتے ہیں یعنی نطفہ سے خون بستہ اور خون بستہ سے گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈیوں کا جسم پھر ان پر گوشت پوست پھر ان حصص جسم کو اعصاب او تار عروق کے حکمت آمیز جال کے ذریعہ سے بندش کرنا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنا پھر اعضاء کی شکل عطا کرنا پھر کان۔ آنکھیں۔ ناک۔ منہ و دیگر زندگی کی ضروری چیزوں کو ان میں بنانا پھر ان میں قوتیں عطا کرنا آنکھوں میں دیکھنے کی قوت عطا کرنا یہی ایک ایسی حیرت انگیز اور شاہکار فطرت ہے کہ کماحقہ اس کی شرح کرنے سے ہم عاجز ہیں آنکھ کو سات طبقات سے مرکب کیا ہر طبقہ میں خاص صفت ودیعت کی اس کی شکل مخصوص بنائی ان طبقات میں سے ایک طبقہ بھی اگر بیکار یا ضائع ہو جائے تو آنکھ سے نظر نہیں آسکتا آنکھ کے اعتراف میں پلکوں پر نظر کیجئے جو آنکھ جیسی نازک چیز کو اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہیں ان پلکوں میں خدا نے کیسی سریع حرکت کی قدرت رکھی ہے۔ کہ ادنیٰ سی چیز کو آنکھ کی طرف آتا دیکھ کر فوراً وہ حرکت میں آجاتے ہیں اور آنے والے خطرہ سے آنکھوں کو آگاہ کر کے اس کی پوری حفاظت کرتے ہیں اور ہوا میں اڑنے والے گرد و غبار سے آنکھوں کو محفوظ رکھتے ہیں گویا یہ پلک آنکھوں کے لئے بمنزلہ دو دروازہ کے ہیں

جو ضرورت پر کھل جاتے ہیں اور ضرورت نہ ہو تو بند ہو کر آنکھ کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر پلکوں کی تخلیق سے اس آنکھوں کی حفاظت کے علاوہ آنکھوں اور چہرے کا حسن وزینت بھی قدرت کو منظور ہے اس لئے ان کے بالوں کو ایک انداز سے بڑا رکھا کہ زیادہ بڑے ہونے سے آنکھوں کو اذیت ہوتی اور اگر زیادہ چھوٹے ہوتے تو بھی آنکھوں کے لئے نقصان دہ ہوتے آنسوؤں کو قدرت نے نمکین بنایا کہ آنکھوں کا میل کچیل صاف ہو جائے پلکوں کے دونوں اطراف کو اس سے مائل اور جھکا ہوا بنایا کہ آنسوؤں کے ذریعہ آنکھوں کا میل گوشہ ہائے چشم سے بہہ کر باہر جا سکے آنکھوں پر دونوں بھوں حفاظت اور چہرے کی زینت کے لئے بنائی ہیں۔انسان کے موزوں بال جھالر کی طرح ہوتے ہیں جو چہرے پر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں سر اور داڑھی کے بالوں کو اس طرح بنایا کہ جو ایک خاص رفتار سے بڑھتے ہیں تا کہ ان میں کمی بیشی کر کے ہر شخص جس وضع قطع کو پسند کرتا ہے ان کو بنا سکے منہ اور زبان میں خدا نے کیسی کیسی حکمتیں اور قوتیں ودیعت کی ہیں منہ کے بند کرنے کے لئے بطور دروازہ دو ہونٹ بنائے کہ ضرورت پر کھولے جا سکیں اور بے ضرورت بند ہو کر منہ میں مضر چیزیں کھا کر نقصان نہ پہنچا سکیں اس کے علاوہ دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت اور زینت بھی ان ہونٹوں سے حاصل ہوتی ہے اگر ہونٹ نہ ہوتے تو منہ بدنما بھی معلوم ہوتا اور غیر محفوظ بھی ان ہونٹوں سے بات کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے ان کی مختلف حرکات سے بعض حروف پیدا ہوتے ہیں اور انسان اپنے مافی الضمیر کو ان کی مدد سے ظاہر کرتا ہے ان ہونٹوں کی مدد سے کھانا کھانے میں بڑی مدد ملتی ہے لقمہ کو منہ کے اندر ادھر ادھر پلٹنے کا کام انہیں ہونٹوں سے لیا جاتا ہے تا کہ کھانا داڑھوں کے نیچے رہ کر اچھی طرح چبایا جا سکے گویا اس طرح یہ ہضم میں بڑی مدد پہنچاتے ہیں۔

دانتوں کی بناوٹ (ساخت) کو دیکھو کہ قدرت نے ان کو بتیس (۳۲) ٹکڑوں میں بنایا ہے سب کو ایک سالم ہڈی کے ٹکڑے کی شکل میں نہیں بنایا ورنہ منہ کے اندر اس سے بڑی اذیت ہوتی موجودہ شکل میں اگر دانت میں خرابی پیدا ہو تو باقی دانت سے کام لیا جا سکتا ہے ایک سالم ہڈی کا ٹکڑا ہونے کی صورت میں یہ ممکن نہ تھا دانتوں سے حسن وزینت کے علاوہ ہم کتنا کام لیتے ہیں اگر دانت نہ ہوتے تو کھانا کھانا دشوار ہوتا اور سخت قسم کی چیزوں کا کھانا ناممکن ہوتا پھر ان کی ساخت پر غور کرو کہ کس طرح سے ان میں دندانے بنائے اور جڑوں کو کس مضبوطی سے مستحکم کیا ہے کہ سخت سے سخت ہڈی کو ہم دانتوں کی مدد سے پیس ڈالتے ہیں اور اسی مصلحت سے اس کے چرم کو بہت سخت رکھا کہ نرم ہونے کی صورت میں ان سے کام لینا ممکن نہ تھا یہ سب

اس مصلحت سے کہ کھانا جسم کے اندر............ایسی حالت میں جائے کہ جلد ہضم ہو کر بدن کا جزو بن جائے اور بدن میں تحلیل ہو کر انسان کو قوت بخشے حکماء کا قول ہے کہ کھانے کے ہضم کے مختلف درجات ہیں اور پہلا درجہ منہ ہے۔جس کو ہضم اول کہتے ہیں۔

دانتوں کے اطراف میں دونوں طرف ڈاڑھیں بنائیں تاکہ سخت چیز کے کاٹنے میں ان سے مدد لی جائے جڑوں کو مضبوط کیا یہ دانت سفید رنگ کے برابر ایک قطار میں آب دار موتیوں کی طرح جڑے ہوئے منہ میں کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

قدرت نے منہ کے اندر رطوبت کو اس طرح پوشیدہ کیا ہے کہ کھانا چبانے کے وقت پیدا ہوتی ہے کھانے میں مل کر ہضم میں مدد دیتی ہے اگر کھانے کے علاوہ منہ میں بھری رہتی تو بات کرنے میں بڑی دشواری ہوتی اور منہ کا کھولنا مشکل ہوتا اور منہ کھولتے وقت رطوبت کا باہر آ جانا یقینی تھا اس لئے کھانے کے وقت ظاہر ہونا تاکہ وہ کھانے کے ہضم میں مدد دے اور بعد میں اس کا غائب ہونا یہ عین حکمت اور مصلحت ہے بعد میں بس اتنی رطوبت کا رہنا ضروری ہے جس سے حلق تر رہے اور سوکھنے نہ پائے ورنہ پھر کلام کرنا دشوار ہو جائے حتیٰ کہ یبوست کہ غلبہ سے پھر سانس اور دم گھٹنے لگے اور انسان ہلاک ہو جائے اس حکیم مطلق کے لطف وکرم کو دیکھو کہ اس نے انسان کو کھانا کھانے کے لئے لذت اور قوت ذائقہ زبان میں رکھی کہ وہ اپنے موافق ومناسب چیزوں کو استعمال کرے اور خراب وبدمزہ نامناسب اشیاء کو ترک کر دے اس لذت کی وجہ سے کھانا کھانے میں خاص مدد ملتی ہے اور جو کھانا مزے لے لے کر کھایا جائے وہ ہضم خوب ہوتا ہے کیونکہ اس کو طبیعت قبول کرتی ہے ورنہ بدمزہ کھانا جس کے کھانے سے کراہت ہو طبیعت اس سے متنفر ہو کر قے کی شکل میں رد کر دیتی ہے اشیاء کے سرد وگرم مناسب ونامناسب ہونے کو انسان زبان کے ذائقہ سے محسوس کرتا ہے۔

الم نجعل له عينين
ولساناً وشفتين۔
بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں اور ایک
زبان اور دو ہونٹ۔

انسان کو قدرت نے دو کان عطا کئے ہیں کانوں میں خاص طرح کی رطوبت پیدا کی کہ وہ قوت سماعت کی حفاظت کرے اور موذی اور مرض رساں کیڑوں مکوڑوں سے کان کی حفاظت کرے اور ان کو ہلاک کر ڈالے کان پر سیپی کی شکل کا دونوں طرف ایک ایک پنکھا سا بنایا

کہ آوازوں کو مجتمع کر کے کان کے سوراخ میں پہنچادے ان پنکھوں میں خدا نے ایسی تیز حس پیدا کی جو موذی جانور یا دوسری نقصان دہ چیزوں کے قریب آنے کو فوراً محسوس کرے ان کانوں کو ٹیڑھا پیچیدار بنایا کہ آواز اچھی طرح سے بلند ہو کر اندر پہنچے اور موذی چیز یکبارگی اندر نہ پہنچ سکے بلکہ ان پیچیدہ طویل راستوں میں چلنے سے اندر پہنچنے میں تاخیر ہو اور اس کو دفع کیا جا سکے اور سونے والا اس کی حرکت سے بیدار ہو جائے پھر ہوا کے اندر جانے سے مسموعات سن کر جن چیزوں کو معلوم کیا جاتا ہے کسے ادراک کرنے کی قوت بھی خدا نے اس میں رکھی ہے ان بھیدوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ناک کو دیکھئے کہ وسط چہرے پر کس خوبی سے اس کو بلند کیا ہے جس سے چہرے پر بڑی خوبصورتی اور خوشنمائی ہوگئی ہے اس میں دو نتھنے بنائے ہیں ان میں قوت حاسہ شامہ کو محفوظ کیا ہے تا کہ مطعومات ومشروبات کی بوؤں کو محسوس کر سکے اور خوشبو سے راحت حاصل کر سکے اور بدبو سے اجتناب کر سکے۔

اسی ناک کے ذریعہ روح حیات (تازہ ہوا) کو سونگھ سکے جو قلب کی غذا ہے اور باطنی حرارت کو اس کی وجہ سے تازہ کیا جا سکے اور اس کو مناسب تازہ ہوا مل سکے۔

یہ نرخرہ انسان کے کتنے کام آتا ہے آواز کا باہر آنا اور زبان سے حروف کی ادائیگی میں زبان کا مختلف حرکتیں کرنا سانس کا آنا جانا ان تمام کاموں میں نرخرہ استعمال ہوتا ہے اس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں بعض بہت تنگ اور بعض کشادہ بعض نرم اور بعض سخت بعض لانبے اور بعض چھوٹے اور ان اختلافات ہی کے باعث آوازوں میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں اسی لئے دو آوازبھی آپس میں بالکل نہیں ملتیں جس طرح کہ دو صورتیں بالکل مشابہ نہیں ہوتیں آواز کو سن کر بولنے والے کو اچھی طرح سے پہچان لیا جاتا ہے جس طرح شکل وصورت سے انسان کو شناخت کیا جاتا ہے یہ بھی خدا نے بڑی حکمت رکھی ہے اور یہ اختلافات روز اول ہی سے قدرت نے رکھے ہیں چنانچہ حضرت آدم اور حوا کو بنایا تو ان کی صورتوں میں بھی فرق رکھا اسی طرح ان کی اولاد میں یہ فرق نمایاں ہیں یہ اختلاف وفرق بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اس کی وجہ سے ہم بہت سی دشواریوں سے نجات پاتے ہیں۔

قدرت نے انسان کو دو ہاتھ دیئے ہیں ان سے بے شمار فائدے ہیں ہاتھوں میں قدرت نے جلب منفعت اور دفع مضرت کی صلاحیت رکھی ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں چوڑی ہتھیلی اور پانچ انگلیاں اور انگلیوں میں پورے بنائے چار انگلیاں ایک سمت میں برابر اور

پانچواں انگوٹھا دوسری طرف کو جو چاروں طرف انگلیوں کے حرکت کر سکے یہ خدا کی قدرت کا کمال ہے ساری دنیا کے لوگ جمع ہو کر سوچیں اور چاہیں کہ ہاتھ کو موجودہ شکل کے علاوہ کسی دوسری نہج پر بنایا جائے تو یہ ناممکن ہوگا اسی وضع اور ساخت کے ذریعہ انسان ہاتھوں سے پکڑنے اور لینے دینے کے تمام کام انجام دیتا ہے ہاتھ کو پھیلا کر ایک طباق بنالیتا ہے چاہے تو اس کو مجتمع کر کے دفع شر کے لئے اس کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کرے چاہے اس کو چلو کی شکل بنا کر پانی پینے کے لئے پیالہ کا کام لے چاہے تو چمچہ کا کام لے اور چاہے تو جھاڑو کا کام لے۔

ان انگلیوں کے پوروں پر ناخن بنائے جن سے انگلیوں کی زینت بھی ہے اور حفاظت بھی اور چیزوں کے اٹھانے میں مدد بھی اگر ناخن نہ ہوں تو ہم بہت سی باریک اور چھوٹی چیزوں کو اٹھا نہیں سکتے کھجلی آنے پر ان سے کھجانے کا کام لیا جاتا ہے اب اس پر غور کرو کہ ناخن کتنی چھوٹی اور حقیر سی چیز معلوم ہوتے ہیں اس کے اغراض و فوائد پر نظر کرنے سے ان کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

اسی طرح اگر ناخن نہ ہوتے تو جسم میں خارش ہوتی تو انسان اس کو دور کرنے کے لئے کیا کرتا اس وقت اس کو اپنی بے چارگی کا حال معلوم ہوتا اور ناخنوں کی ضرورت کو سمجھتا پھر قدرت نے ناخنوں کو نہ تو ہڈی کی طرح سخت بنایا اور نہ گوشت کی طرح نرم وہ بڑھتے بھی ہیں ٹوٹ جانے پر دوبارہ بھی نکل آتے ہیں زیادہ بڑھنے پر تراش دیئے جاتے ہیں سوتے اور جاگتے کھجلی آنے پر کھجانے کی طرف از خود حرکت کرتے ہیں یہ قدرت نے ان میں صلاحیت رکھی ہے۔

قدرت نے انسان کو ران اور پنڈلیاں دی ہیں ان کو کس طرح سے پھیلایا ہے ان میں دو پاؤں بنائے کہ کھڑا ہو سکے چل پھر سکے، اور ضرورت پر دوڑنے کا کام بھی لے پاؤں میں بھی اس نے ناخن بنائے جس سے پاؤں کی زینت اور حفاظت یہ سب کچھ قدرت نے اس کے ناپاک قطرہ سے بنایا ہے جسم کی تمام ہڈیاں بھی قدرت نے اسی قطرہ سے تیار کیں جو جسم انسانی کے لئے بطور ستون ہیں۔ جس کے سہارے وہ قائم ہے ہڈیوں کی شکل وصورت دیکھو، کیسی مختلف ٹیڑھی، سیدھی، مستطیل، مدور، ٹھوس اور خول دار چوڑی، ہلکی، اور بھاری اور بڑی مختلف شکلیں ان میں پائی جاتی ہیں ان کے جوڑوں کے اندر قدرت نے ایک رقیق چیز چینی دار مادہ رکھا ہے جس سے اس کی حفاظت ہوتی ہے اس سے قوت بھی پہنچی ہے اور اس سے بے شمار فائدے ہیں۔

انسان اپنی گونا گوں ضرورتوں کی وجہ سے اپنے تمام جسم کا محتاج ہے اور اس سے مختلف طرح سے اپنے جسم کو حرکت دینا ہوتی ہے قدرت نے اس کی ضروریات کے لحاظ سے ہڈیوں کو علیحدہ علیحدہ بہت سے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ ضرورت پر اس کے مطابق باآسانی جسم کو موڑا جا سکے اگر تمام جسم میں بجائے سیکڑوں ہڈیوں کے ٹکڑوں کی ایک سالم ہڈی ہوتی تو پھر اس کو اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے جھکنے اور مڑنے میں بڑی مشکل ہوتی ان ہڈیوں کو باہم ملانے کے لئے اور ان کے جوڑوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کیلئے اعصاب واوتاد کا رشتہ قائم کیا ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے ہلانے کیلئے ان کے کناروں کو اس طرح بنایا ہے کہ ایک اگر مکعب ہے (نوکدار) تو دوسری ہڈی کا کنارہ مجوف (خول) تا کہ دونوں باہم اچھی طرح متصل ہو سکیں غرضکہ یہ تمام اتصال اور جسم کی ترکیب اس حکمت سے قدرت نے بنائی ہے کہ انسان ارادہ کرنے پر ادنیٰ سی حرکت سے اپنے جسم سے حسب منشاء کام لے سکے۔

انسان کے سر کو دیکھو یہ ۵۵ ہڈیوں سے مرکب ہے اور تمام ہڈیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں سب کی شکلیں جدا جدا ہیں پھر قدرت نے ان تمام مختلف اشکال کی ہڈیوں کو اس کی حکمت سے مرکب کیا ہے کہ مکمل کروی شکل بن گئی ہے۔

چھ ہڈیاں کھوپڑی کے حصہ میں ہیں ۲۴ اوپر کے جبڑے میں اور ۲ نیچے کے جبڑے میں باقی دانت ہیں جنھیں قدرت نے چوڑا بنایا ہے تا کہ پسنے کا کام دیں بعض تیز کاٹنے اور توڑنے میں کام آئیں گردن کو قدرت نے سر کے لئے مرکز بنایا ہے اور اس میں سات گول خول (کھوکھلے) مہرے ہیں جو ایک دوسرے پر قائم ہیں ان میں جو حکمتیں خدا نے رکھی ہیں اگر ان کو بیان کیا جائے تو مضمون بہت زیادہ طویل ہو جائے۔

گردن کے زیرین حصہ کو پشت پر قائم کیا ہے اور اس طرح کہ چوبیس ۲۴ مہرے سلسلہ بہ سلسلہ سرین کی ہڈی تک پہنچتے ہیں سرین میں تین اور ہڈیاں ہیں اور پشت کی ہڈیوں کو نیچے کی طرف سے دم والی ہڈی سے جوڑا گیا ہے جس کو عصعص کہتے ہیں جو خود بھی تین مختلف ہڈیوں سے مرکب ہے۔

پشت کی ہڈی کو سینے ،شانے ہاتھ ،پیر، سیرین ،ران، پنڈلیوں وغیرہ سے بڑی حکمت سے وابستہ کیا ہے بدن انسانی میں ۲۴۸ ہڈیاں ہیں اس میں وہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں مستثنیٰ ہیں جو مفاصل کے خلاء کو بھرنے کے لئے ہوتی ہیں۔

خدا کی قدرت اور اس کی کاریگری پر غور کرو کہ اس نے منی کے ناپاک قطرہ سے یہ

سب کچھ بنایا اس سے خدا کی عظمت اور کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے اور جس ترکیب و نظام سے اس نے انسان کی تخلیق کی ہے اس کے خلاف کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں ورنہ انسان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اہل بصیرت کے لئے اس میں بڑی نصیحت و عبرت ہے۔

اب ذرا جسم کے اندرونی نظام پر غور کرو ہڈیوں کو حسب ضرورت حرکت میں لانے کے لئے قدرت نے عضلات پیدا کئے ہیں یہ تعداد میں ۵۲۹ ہیں اس کی ترکیب گوشت پٹھے رباطات اور جھلی سے ہے یہ مختلف شکل و صورت کے ہیں اور چھوٹے بڑے چوڑے پتلے حسب موقع اور حسب ضرورت بنائے گئے ہیں ۲۴ عضلات جو آنکھوں اور پلکوں کی مختلف حرکات کا کام دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو آنکھ کا نظام فاسد ہو جائے اس طرح ہر عضو کے مناسب عضلات ہیں جو اس کی مناسبت سے چھوٹے بڑے ہیں۔

اب اعصاب پٹھے عروق رگیں اور وہ شرائین لیں اور ان کے پیدا ہونے کے مقامات اور ان کی تشریحات اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہے پھر ان میں خدا نے جو جو صفات و خصوصیات ودیعت کی ہیں جن کو ہم اپنے حواس سے نہیں معلوم کر سکتے۔

اس کی تخلیقی صورت اور دیگر حیوانات سے امتیازی شرافت و اعزاز پر نظر کرو کہ خدا نے اس کو سیدھا بنایا کہ بیٹھنے میں بھی اس کی یہ بہتر صورت قائم ہے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے کاموں کو کرتا ہے اس کو دوسرے جانوروں کی طرح سے اوندھا الٹا نہیں بنایا اگر اس کو الٹا اور اوندھا بنایا جاتا تو پھر وہ اپنے کاموں کو آسانی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

مجموعی حیثیت سے انسان پر نظر کرو اور اس کے ظاہری و باطنی نظام کو دیکھو تو قدرت کا کمال حکمت اور اس کی کبریائی کا حیرتناک نمونہ ہے انسان کے اعضاء کو کامل بنایا کہ غذا کی ایک خاص مقدار کھانے سے اس کو قوت حاصل ہوتی ہے لیکن ان اعضاء کے لئے بھی قدرت نے ایک حد مقرر کر دی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ غذا کی معمولی زیادتی سے اعضاء انسانی بھی معمولی سے زیادہ طویل عریض اور فربہ ہو جاتے تو پھر نقل و حرکت میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور اس طرح سے وہ جسم عضو معطل ہو جاتا اپنے کاموں کو انجام نہ دے سکتا یہ خدا کا بڑا احسان اور انعام ہے کہ اس نے انسان پر اپنی خاص رحمت سے اس کے لئے ہر چیز کو موزوں اور مناسب رکھا ورنہ مکان ولباس وغذا سب ہی چیزوں اس کے لئے دشواریاں پیدا ہوتیں۔ جب ہم ایک انسان میں فکر کرتے ہیں کہ ایک قطرہ سے اس نے انسان کو کس طرح بنایا اور اس میں کیسے کیسے فطرت کے شاہکار پوشیدہ ہیں تو پھر آسمان و زمین سورج چاند ستارے وغیرہ ہزاروں مخلوقات الٰہی میں قدرت

نے ان سب میں کیسی کیسی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ رکھی ہیں ان کی وضع و قطع ان کی مختلف شکل و صورت ان کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مشارق و مغارب کا متفاوت ہونا یہ سب کچھ اس کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور یہ دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ آسمان و زمین کا ایک ذرہ بھی اس کی حکمت و مصلحت اور فائدہ سے خالی نہیں ہوسکتا بلکہ ہر ذرہ میں خدا کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے

ہر درتے دفتریست معرفت کردگار

خدا نے اپنے اس قول میں ہمیں متنبہ کیا ہے۔

أأنتم اشد خلقا ام السماء بناها

رفع سمکها فسوٰها۔

کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اس

کو بنایا اونچا کیا اس کو ابھارا پھر اس کو برابر کیا۔

اگر دنیا کے تمام انسان و جنات جمع ہو کر اپنی پوری قوت سے یہ چاہیں کہ نطفہ سے حیات یا قوت سامعہ یا باصرہ بخشدیں تو یہ ان کے لئے ناممکن ہے صرف یہ اسی کی قدرت ہے کہ اس نے کس طرح سے ان کو رحم مادر میں پرورش کیا اس کو شکل عطا کی اس کو خاص اور مناسب اندازہ کے ساتھ بنایا اس کو مناسب اور متشابہ اجزاء عطا فرمائے اور ایک جز کو دوسرے میں کس طرح منتقل فرمایا جسم میں ہڈیاں بنائیں اعضاء کی مناسب موزوں شکلیں بنائیں عروق اعصاب کو ترتیب دیا ان کے ظاہر و باطن میں حسن تدبیر سے غذا کے لئے راستے بنائے تا کہ ان کا بقاؑ و قیام ممکن ہو اور جسم انسانی کے بقاؑ تک اعضاء میں قوت باقی رہے جسم کے اندر کس طرح سے قلب و جگر، معدہ تلی، پھیپھڑہ، رحم مثانہ، آنتیں ان تمام چیزوں کو مخصوص مناسب شکل میں اپنے اپنے مقام پر کس طرح سے رکھا کہ ہر ایک اپنی جگہ پر اپنا کام جاری رکھے جو بدن انسانی کے قیام و بقاؑ کا سبب ہے۔

معدہ کو غذا کے پکنے کے لئے مضبوط اور عمدہ قسم کے اعصاب سے بنایا غذا کے پختہ کرنے کا کام اس سے لیا جاتا ہے معدہ میں غذا کے ہضم اور پکنے میں سہولت کے پیش نظر غذا کو منہ میں ڈاڑھوں کے ذریعہ باریک کر دیا تا کہ معدہ پر زیادہ بار نہ ہو جگر کو اس کام پر مامور کیا کہ غذا کے صالح عنصر سے خون تیار کرے اور ہر ہر عضو کو اس سے غذا پہنچائے۔

تلی پتہ گردوں کو جگر کی خدمت کے لئے بنایا تلی کا کام یہ ہے کہ وہ سودا (خون کے

جلے ہوئے اجزاء) کو حاصل کرے مرارہ پتہ صفراوی اجزاء کو علیحدہ کرے گردے مائی اجزاء کو حاصل کریں اور مثانہ میں جمع کریں گویا مثانہ کا کام یہ ہے کہ وہ گردوں سے مائی اجزاء کو اپنی طرف جذب کر کے پیشاب کی راہ باہر نکال دے عروق اور جگر خون کو جسم کے تمام حصوں میں پہنچانے میں مدد دیتے ہیں اور خون کا جوہر (خالص خون) جو گوشت کے جوہر سے زیادہ لطیف اور صالح ہوتا ہے اس جگر میں محفوظ رہتا ہے گویا یہ ایک بجائے برتن کے ہیں جن میں صالح جوہر کا خزانہ محفوظ ہے اور جب ضرورت ہو جسم کے حصوں میں تقسیم ہوتا رہتا ہے غذا کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور اس کی تمام تفصیلات وتشریحات کو سمجھنا اور بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں رحم کی تخلیق اور اس میں بچہ کی پرورش اور ضرورت پر اس کو غذا کا پہنچنا یہ سب کچھ اس کے کمال وحکمت کی دلیل ہے پھر اولاد کی محبت کو ماں کے قلب میں پیدا کرنا جو بچہ کی پرورش کا سبب ہے یہ محبت ہی ہے جو ماں بچہ پر ہزار جان سے قربان ہوتی ہے تکلیف اٹھاتی ہے مگر بچہ کو آرام پہنچاتی ہے اگر قدرت قلب میں بچہ کی محبت پیدا نہ فرماتی تو ماں اتنی تکلیفیں برداشت نہ کرتی اور شدت تکلیف سے بچہ سے نفرت پیدا ہو جاتی جب بچہ کا جسم بڑا ہو جاتا ہے اعضاء قوی ہو جاتے ہیں بدن میں قوت اور طاقت آجاتی ہے تو اب اس کو قدرت دانت عطا کرتی ہے اور اب اس کی غذا دودھ کے بجائے دوسری اشیاء ہوتی ہیں کیونکہ اب وہ غذا بھی کھا سکتا ہے جس کے لئے وہ دانتوں سے کام لے اس طرح سے بچہ میں رفتہ رفتہ عقل وشعور کامل ہو۔

قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو محض جاہل ہوتا ہے نہ اس میں عقل ہوتی ہے نہ ہوش نہ اچھے برے کی تمیز پھر تدریجی طور پر قدرت یہ ساری قوتیں اس کو بخشتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ بچہ میں ولادت کے وقت عقل وشعور ہوتا تو دنیا میں اس وجود ظاہری کے بعد وہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر سخت تعجب کرتا جن کو اس نے اس سے پہلے نہیں دیکھا اور پھر اپنی حالت پر نظر کرتا کس کس طرح سے اس کو کپڑوں میں گودوں میں جھولے میں اٹھایا جاتا ہے اور یقیناً وہ اپنے نرم ونازک جسم کے رکھنے کی وجہ سے اس کا محتاج ہے پھر وہ ہزاروں باتوں پر اعتراضات کرتا اور ممکن ہے وہ اپنے وجود سے ہی انکار کر دیتا کہ کیونکر وہ نو مہینے رحم مادر میں رہ کر پرورش پاتا ہے۔ اور بچہ پر جو شفقت وپیار آتا ہے اس کی ان حرکات کی وجہ سے اس میں کمی ہوتی اور لوگ اس کو زیادہ نہیں چاہتے پس حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ بچہ میں یہ چیزیں آہستہ آہستہ آئیں تا کہ وہ آہستہ آہستہ دنیا میں ہر چیز کو سمجھ سکے اور تدریجاً اس کو استعمال کرنا سیکھے

قدرت نے ہر چیز کو کمال و حکمت سے پیدا فرمایا ہے اس کو خطا و ثواب میں تمیز دی اور جوں جوں بڑا ہوتا ہے اس میں ایسے دواعی پیدا فرماتا ہے جو تناسل و توالد کا سبب ہے اس کے چہرے پر بال نکلتے ہیں تاکہ بچوں اور عورتوں سے ممتاز ہو اس کو شباب کا حسن عطا ہوتا ہے جب بڑھاپا غالب ہوتا ہے تو چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔

لڑکی ہونے کی صورت میں قدرت اس کے چہرے کو بالوں سے صاف رکھتی ہے تاکہ اس کے چہرے کی نزاکت و حسن ظاہر ہو اور مردوں کے لئے یہ جاذب نظر ہو کہ بقائے نسل کا راز اس میں مضمر ہے۔

کیا یہ سب کچھ نظام اور کمال قدرت کا شاہکاریوں ہی بے سود اور بے غرض ہے اور کیا عقل اس کو باور کرتی ہے کہ جس شئے کو قدرت نے ان گوناگوں ترکیبوں اور حکمتوں سے تیار کیا ہو اس کو مہمل یوں ہی چھوڑا جا سکتا ہے ہرگز نہیں یقیناً کوئی اعلیٰ مقصد ہے جو اس کی تخلیق میں پوشیدہ ہے۔ جس وقت بچہ رحم مادر میں ہو اگر اس کو خون کی صالح غذا نہ پہنچے تو وہ خشک ہو کر ہلاک نہ ہو جائے گا جس طرح کہ نباتات پانی نہ ملنے سے سوکھ کر ہلاک ہو جاتی ہیں۔

اگر بچے کی تکمیل کے بعد عورت کو درد بے چین نہ کر دے جو بچہ کے تولد کی دلیل ہے اور بچہ مکمل ہونے کے بعد اپنے وقت پر پیدا نہ ہو تو کیا بچہ رحم میں رہ جانے سے ماں اور بچہ دونوں ہلاک نہ ہو جائیں گے۔

پیدا ہونے کے بعد اگر مناسب غذا دودھ اس کو نہ ملے تو کیا بچہ بھوک و پیاس کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائے گا۔ اور اگر وقت پر اس کے دانت نہ نکلیں اور وہ دوسری غذاؤں کو کھانے لگے تو غذا بغیر چبائے کھانے سے بدہضمی کی شکایت پیدا نہ ہوگی اور کیوں کر وہ اس قسم کی چیزوں کو چبائے گا جبکہ منہ میں دانت نہ ہونگے اور اگر اس کے چہرے پر بال نہ ہوں تو وہ عورت اور بچوں ہی میں شمار کیا جائے گا ہیبت جلال اور وقار و دبدبہ جو انسان کے لئے بڑے بڑے کاموں میں جز ولائق ہیں کیونکر پیدا ہو سکیں گے یہ ساری چیزیں اور نعمتیں اس کو کس نے عطا کیں اس خدا نے ہی انسان کو یہ تمام نعمتیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔

اس امر میں فکر کرو کہ کیونکر انسان کو شہوت جماع پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے آلہ تناسل پر نظر کرو کہ وہ کس طرح سے رحم میں نطفہ کو پہنچانے کا سبب ہے اور پھر وہ حرکت جو نطفہ کے خارج کرنے کی مقتضی ہوتی ہے اسی طرح اور دوسری حکمتوں پر نظر کرو اور انسان کے دوسرے اعضاء کو دیکھو اور ہر ہر عضو کے کاموں پر نظر کرو کہ قدرت نے ہر ہر عضو کو کس کس کام

اور غرض کے لئے کیا مناسب شکل وصورت میں بنایا ہے آنکھوں کو دیکھنے کے لئے ہاتھوں کو چھونے اور پکڑنے کے لئے پاؤں چلنے اور دوڑنے کے لئے معدہ کو کھانا ہضم کرنے کے لئے جگر کو ہضم کردہ کھانے سے چاروں اخلاط کو چھانٹنے اور حسب ضرورت تقسیم کرنے کے لئے منہ کو بات کرنے اور غذا داخل کرنے کے لئے جسم کے منافذ ومسافات کو فضلات خارج کرنے کے لئے غرضکہ جب تم انسان کے جسم میں ہر چیز پر اس طرح فکر کرو گے تو معلوم ہوگا کہ قدرت نے اپنے پورے کمال وحکمت کا آئینہ اس کو بنایا ہے۔

غذا کے معدے میں پہنچنے پر غور کرو کہ کس حکمت سے معدہ غذا کو پکاتا ہے پھر اس کے خالص اور صالح جزو کو جگر کے سپرد کر دیتا ہے باریک باریک عروق کے راستہ سے جو جگر تک جاتی ہیں ان عروق کو اتنا باریک خاص حکمت سے بنایا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ فاسد اور غلیظ مواد جگر تک نہ پہنچ سکے جو فساد کا باعث ہو۔

گویا یہ عروق چھلنی کے قائمقام ہیں کہ ہضم کیئے ہوئے کھانے کو چھان کر ضروری اور صالح ومناسب جزو جگر تک پہنچاتی ہیں جگر اس جزو کو خون میں تبدیل کر دیتا ہے خدا کی حکمت سے وہ غذا اب خون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہاں سے وہ عروق ومنافذ کی راہ تمام بدن میں پہنچتا ہے اور خالص جوہر حاصل کرنے کے بعد جو فاضل اور ردی مادہ پہنچتا ہے وہ ان اعضاء کی غذا کے لئے بہم پہنچایا جاتا ہے جن کی غذا وہی مادہ ہے گویا کہ جگر ایک اعلیٰ قسم کا ظرف ہے جس میں جسم انسانی کے لئے ہر قسم کی غذا تیار رہتی ہے اور ادھر ادھر منتشر ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور حسب ضرورت اعضاء کو پہنچائی جاتی ہے۔

کیا تم کو انسان کے تمام جسم میں ایک بھی چیز ایسی نظر پڑتی ہے جو فضول اور بے کار ہو اور اس کا مقصد اور اس سے غرض نہ ہو آنکھوں کو خدا نے اشیاء کے ادراک کرنے کے لئے بنایا ہے رنگوں میں تمیز کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اگر رنگ ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں یا آنکھیں رنگوں کو ادراک نہ کرتیں تو ان مختلف رنگوں کے ہونے سے کیا فائدہ تھا جس طرح یہ روشنی جو آنکھوں کی روشنی کے علاوہ ہے آنکھوں کے لئے نہ ہوتی تو آنکھوں سے کیونکر فائدہ اٹھایا جا سکتا آنکھیں تو اسی وقت کام کرتی ہیں جبکہ روشنی موجود ہو معلوم ہوا کہ روشنی کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں اس کی مدد سے دیکھنے کا کام لیں رنگوں کا وجود اس لئے ہے کہ آنکھیں ان کو دیکھ کر فائدہ اٹھائیں اور اشیاء میں تمیز کر سکیں۔

کان خدا نے اس لئے بنائے کہ ان کے ذریعہ آواز سنیں اگر آوازیں ہوتیں اور کان

میں ان کے سننے اور ادراک کرنے کی قوت نہ ہوتی تو پھر آوازوں کے وجود سے کیا منفعت اور غرض ہوتی یہی حال باقی تمام حواس کا ہے حواس اور محسوسات میں ایک ایسا لازمی رابطہ ہے جس کا وجود بغیر حواس کے بے سود اور بے فائدہ ہوتے اور روشنی اور ہوا کا بھی یہی حال ہے اگر روشنی کا وجود نہ ہوتا جن کی بدولت اشیاء دکھائی دیتی ہیں تو پھر حاسہ بصارت غیر مفید ہو جاتا اگر ہوا کا وجود نہ ہوتا جو کان میں آوازوں کو پہنچاتی ہے تو پھر کانوں کے ہونے سے کیا فائدہ پہنچتا۔

بہرے اور نابینہ کی مشکلات کا اندازہ کیجئے کہ اس کو ان دونوں نعمتوں کی محرومی کی وجہ سے کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جب وہ چلتا ہے اور قدم اٹھاتا ہے اس کو یہ نہیں معلوم کہ وہ اپنا قدم کس جگہ رکھ رہا ہے آیا کسی مہلک اور خطرناک گڑھے میں اس کا پاؤں جا رہا ہے یا کسی نقصان دینے والے کیڑے یا جانور پر اپنا پیر رکھ رہا ہے نہ اس کو یہ معلوم کہ سامنے کیا ہے جس طرف وہ چل رہا ہے آگے اگر کوئی بڑی مصیبت آ رہی ہے اس سے وہ قطعی بے بہرہ ہے قدرت کی بہت سی نعمتوں سے وہ محروم ہے موجودات کے گوناگوں رنگ اس کے لئے بالکل بے کار ہیں۔ کالا گورا، سرخ، پیلا سب اس کے لئے برابر ہیں۔

اور جو قوت سماعت سے محروم ہے۔ بہرہ ہے وہ تو غریب لذت کلام سے بھی ناواقف ہے آوازوں میں جو ایک لذت اور کشش ہوتی ہے اس سے وہ قطعاً محروم ہے وہ دلکش آواز اور بھدی اور بھونڈی آواز میں کیا فرق کر سکتا ہے فرق تو جب کرے کہ آوازیں اس کے کان میں پہنچیں وہ تو ان کے تصور تک سے محروم ہے اگر کسی مجمع میں بیٹھا ہے یا کسی شخص سے مخاطب ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں وہ لوگوں میں موجود ہوتے ہوئے بھی غیر حاضر ہے زندہ ہوتے ہوئے اس کی حالت مردوں جیسی ہے۔

تیسرا وہ شخص جو قدرت کی نعمت عقل سے محروم ہے یعنی دیوانہ اور پاگل ہے اس کا درجہ تو جانوروں سے بدتر ہے جانور تو اچھے برے مفید اور غیر مفید میں فرق کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ غریب یہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ عقل سے ہی محروم ہے۔ جس کے ذریعہ اشیاء میں باہم امتیاز کیا جاتا ہے اب تم قدرت کی بخشی ہوئی ان نعمتوں پر نظر کرو جو اعضاء کی شکل میں انسان کو عطا کی گئی ہیں اور ان قوتوں پر نظر کرو جو ان کے اندر قدرت کی طرف سے سامعہ، شامہ، باصرہ، مدرکہ، ذائقہ وغیرہ عطا ہوئی ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کی جملہ ضروریات کو فراہم کرتا ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو اس کام میں خلل آ جائے اور یہ اس کے لئے بڑا حادثہ ہوگا

جو شخص ان میں سے ایک چیز سے بھی محروم کر دیا جائے تو گویا قدرت نے اس کو بڑی

آزمائش میں ڈالدیا اور خدا کی نعمت کی قدر و قیمت اس کو اس کے کھونے پر حاصل ہوئی اب وہ اس نعمت کی محرومی پر بغیر صبر کے اور کیا کر سکتا ہے بجز اس کے کہ اس محرومی کی وجہ سے جو جو مشکلات سامنے آئیں اس کو صبر و سکون سے برداشت کرے تا کہ آخرت میں خدا اس کو اجر عطا فرمائے اور اس کا نعم البدل بخشے خدا کی قدرت اور اس کی حکمت دیکھو کہ ہر حال میں اس کی رحمت بندوں پر ہے نعمت کے ملنے پر شکر کی صورت میں اور نعمت سے محرومی پر صبر کی صورت میں۔

انسان کے اعضاء پر نظر کرو بعض عضو فرد یعنی ایک ایک ہیں اور بعض زوج یعنی دو دو پھر ان اعضاء کے ان کاموں اور ذمہ داریوں پر نظر کرو جن پر یہ مامور اور متعین ہیں کہ کس کس حکمت اور مصلحت سے قدرت نے یہ اعضاء خلق کیئے ہیں ایک سر کو لیجئے کہ اپنے وجود میں تنہا ہے لیکن کتنے حواس اور قوتوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے اگر سر پر ذرا بھی کسی اور چیز کا اضافہ ہو جائے گا تو اس پر بار ہوگا۔ اگر سر بجائے ایک کے دو ہوتے تو ایک کے بات کرنے کی صورت میں دوسرا معطل رہتا اگر دونوں مل کر بات کرتے تو پھر بھی ایک کا وجود بیکار رہوتا۔ اگر ایک سر ایک بات کرتا اور دوسرا سر دوسری جو پہلی سے مختلف ہوتی تو پھر مخالف کے لئے یہ سمجھنا اور فرق کرنا دشوار ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی مراد ہے۔

بخلاف ہاتھوں کے کہ قدرت نے دو ہاتھ دیئے ہیں کہ اگر ایک ہاتھ ہوتا تو پھر انسان کو کام کی انجام دہی میں بڑی دشواری ہوتی یقیناً دو ہاتھوں کا ہونا ہی عین حکمت ہے جس کا ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور ایک سے وہ اپنے کاموں کو کرتا ہے اس سے پوچھئے کہ اس کو کیسی تکلیف ہے اول تو وہ اتنا کام نہیں کر سکتا جو دونوں سالم وتندرست ہاتھوں والا کر سکتا ہے پھر جو تکلیف اور صعوبتیں ایک ہاتھ والا کرتا ہے دوسرے کو نہیں۔

اسی طرح دو پاؤں کے ہونے کی حکمت ظاہر ہے کہ اس سے کم ہونے کی صورت میں چلنا ممکن ہی نہ تھا۔

آلات صوت کی ہیئت ترکیبی پر غور کرو حجرہ (نرخرہ) کو دیکھو وہ بالکل ایک نلکی کی طرح ہے آوازوں کے باہر لانے کے لئے .... زبان ہونٹ دانت حروف کو بنانے کا کام دیتے ہیں منہ میں اگر یہ چیزیں نہ ہوں پھر دیکھئے کہ بات کرنے میں اس پر کیا گزرتی ہے اور حجرہ آواز کے باہر لانے کے علاوہ ہوا کو پھیپھڑے تک پہنچانے کا کام بھی انجام دیتا ہے جس سے قلب کو راحت ملتی ہے اگر یہ نبض کا سلسلہ نہ ہو یا کچھ دیر کو روک دیا جائے تو قلب کو بڑی

تکلیف اور اذیت پہنچے گی زبان سے کھانے میں جو مدد ملتی ہے اور دانتوں سے کھانے چبانے اور پینے میں جو امداد ہوتی ہے اور ہونٹ سے کس طرح سے کھانے میں مدد ملتی ہے اور منہ کے لئے کس طرح وہ دونوں ہونٹ دروازہ کا کام انجام دیتے ہیں اس تمام بیان سے یہ بخوبی واضح ہوگیا کہ یہ تمام اعضاء انسانی بے شمار فوائد اور مصالح پر مبنی ہیں ان میں ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے تو کام میں خلل واقع ہو یہ سب قدرت کے خاص انداز اور تدبیر سے ہے۔

دماغ کو لیجئے اگر اس کو کھولیں تو اس میں ایک دوسرے کو لپٹا ہوئے پاؤ گے تاکہ صدمات سے محفوظ رہے اس پر کھوپڑی کا ڈھکن چڑھا ہوا ہے جس پر بالوں کو حفاظت اور زینت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رہے پس دیکھو قدرت نے دماغ کی حفاظت کے لئے کیا کیا سامان کیا ہے وہ خود جانتا ہے کہ دماغ ایک نازک ترین شئے ہے اس لئے اس نے اس کو اچھی طرح محفوظ رکھا ہے کہ تمام حواس کے لئے اصل ہے بدون اس کے تمام حواس معطل ہیں۔

قلب کو دیکھو کہ سینہ کے بند صندوق میں کس طرح سے محفوظ ہے اس پر جھلی کا غلاف چڑھا ہوا ہے اس کو ہر چار طرف سے گوشت اور اعصاب سے مستحکم کیا ہے یہ اعضاء میں اشرف ہے اور بحیثیت بادشاہ کے ہے اس لئے اس کی حفاظت ایسی ہی ضروری تھی۔

حلق کو دیکھو قدرت نے اس میں دو منفذ (راستے بنائے ہیں) ایک آواز کے آنے کے لئے جس کو حلقوم کہتے ہیں اور جو پھیپھڑے تک پہنچتا ہے دوسرا غذا کے جانے کے لئے جس کا تعلق معدہ سے ہے حلقوم پر ایک پردہ لگا ہے جو کھانے کو آنے سے روکتا ہے پھر پھیپھڑے کو پنکھے کے قائم مقام بنایا کہ قلب کو ہوا پہنچا کر اس کو تازہ دم رکھے اور شدت گرمی اور حبس سے قلب کے کام میں خلل نہ پڑے اور ہوا نہ ملنے سے قلب کی حرکت بند ہو کر انسان کی ہلاکت کا باعث نہ ہو اس لئے اس کے اندر کے حصہ خلا کو ہوا سے بھر رکھا ہے تاکہ برابر ہوا قلب کو ملتی رہے۔

پیشاب و پاخانہ کے راستوں پر نظر کرو کہ قدرت نے کس حکمت سے ان کے راستے نالیاں بنائی ہیں۔ کہ ضرورت پر کام دیتی ہے اور بلا ضرورت وہ جاری نہیں ہوتیں ورنہ انسان کی زندگی اس دائمی جریان سے اجیرن بن جاتی اور وہ کسی وقت بھی پاک و طاہر نہ رہ سکتا۔

فخذین۔ رانوں اور سرین کو دیکھو کہ قدرت نے کس طرح ان پر گوشت بنایا ہے کہ بیٹھنے میں انسان کو کوئی اذیت اور تکلیف نہیں ہوتی جیسے کہ کمزور اور دبلا پتلا انسان جس کے جسم پر

گوشت کم ہوتا ہے اور رانیں گوشت سے خالی ہوتی ہیں وہ اٹھنے میں بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے کیونکہ گوشت کی نرم گدی اس کے نیچے نہیں ہوتی۔

انسان کے آلۂ تناسل پر نظر کرو کہ اگر ہر وقت وہ مسترخی ڈھیلا رہتا تو پھر رحم میں منی کے پہنچانے کی کیا شکل ہوتی اور اگر وہ ہمہ وقت قائم ہی رہتا تو کام کرنے میں چلنے پھرنے میں بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کو ایسا بنایا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ قائم وسیدھا ہوتا ہے اور بلا ضرورت وہ نرم اور چھوٹا ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے گویا کہ وہ موجود نہیں ہے اور اس میں کبھی شہوت پیدا نہیں ہوتی۔

مکان کے حصوں میں بیت الخلاء (پاخانہ) تمام حصوں سے زیادہ پردہ اور سکون کا مقام ہوتا ہے کیونکہ انسان وہاں جا کر فطری تقاضے حاجت کر کے اس اضطراب اور گھبراہٹ کو رفع کرتا ہے جو قضائے حاجت سے قبل اس کو لاحق تھی اور وہاں وہ برہنہ ہو کر مخلّی بالطبع ہو کر بیٹھتا ہے قدرت کے کمال حسن تدبیر سے اس کا وہ مقام (مخرج براز) جسم میں انتہائی پوشیدہ جگہ پر بنایا پھر دونوں طرف پر گوشت رانوں سے اس کا اور بھی پردہ کر دیا گویا وہ برہنہ ہوتے ہوئے بھی ایک حد تک ڈھکا ہوا ہے۔

بالوں اور ناخنوں کی پیدائش پر غور کرو جو بڑھتے رہتے ہیں ان کے تراشنے میں بڑی مصلحت ہے پھر ان بالوں اور ناخنوں کو بے حس بنایا کہ تراشنے میں انسان کو اذیت نہ ہو ورنہ دو صورتوں میں سے ایک لازمی ہے یا تو ان کو اذیت کے خوف سے یوں ہی اپنی حالت پر چھوڑا رہے دیتا اور حد سے زیادہ بڑھ جانے پر اس کی شکل وحشیوں جیسی بدنما ہو جاتی یا پھر ان کو تراشتا اور مناسب مقدار میں ان کو کرتا تو تراشنے کی اذیت کو محسوس کرتا۔

پھر بالوں کے اگنے کے مقامات پر غور کرو اگر آنکھ کے اندر بھی بال اگتے تو پھر انسان اس کی وجہ سے اندھا ہو جاتا کیونکہ آنکھ جیسی نازک ولطیف شے اس کو کیونکر برداشت ہوتی ظاہر ہے کہ انسان پر کھانے پینے کا لطف حرام ہو جاتا اسی طرح اگر ہاتھ کی ہتھیلی میں بال ہوا کرتے تو چھونے اور پکڑنے کی لذت سے انسان محروم ہو جاتا اور بہت سے کام کرنے میں وہ مانع ہوتے اسی طرح اگر بال اندرون فرج (شرمگاہ) میں ہوتے تو لذت جماع سے انسان محروم ہوتا پس ان باتوں سے خدا کی قدرت کا اندازہ کرو کہ اس نے کس طرح ہر چیز کو اپنے صحیح مقام پر رکھا ہے اور انسان کو لذت آرام کے مواقع دیئے ہیں اور بے محل اشیاء کو نہیں رکھا انسان کا عیش وآرام منغض ہو جاتا۔

پھر اس پر غور کرو کہ قدرت نے انسان کے اندر کھانے پینے سونے اور جماع کرنے کی ضرورتوں کو پیدا فرمایا ہے اور اس کے اظہار کے کیسے دواعی محرکات بنائے۔

بھوک و پیاس کھانے پینے کی طلب کے محرکات ہیں اور کھانا پینا یقیناً انسان کی زندگی کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ہوا پانی۔

سونا اور نیند کا آنا یہ بھی انسان کے لئے طبعی طور پر ضروری ہے اس کے بغیر بدن انسانی کو راحت و آرام اور قوتوں میں از سر نو تازہ حیات نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ انسان کچھ دیر سوئے نہیں تا کہ پھر تازہ دم ہو سکے۔

خواہش جماع کا ہونا جماع وصحبت کے لئے دواعی و محرکات سے ہے جو نسل و بقائے نسل کے لئے انتہائی ضروری ہے انسان کی طبیعت میں محرکات و دواعی کو ہونا از بس ضروری ہے اگر یہ محرکات نہ ہوں تو انسان بسا اوقات دوسرے مشاغل میں رہ کر ان ضروری چیزوں سے بے پرواہ اور غافل رہے اور اس طرح اس کی قوت جسمانی کمزور ہو کر ان میں سستی آ جائے اور پھر یہ ہلاکت کا باعث ہو۔

اس طرح اگر جماع محض حصول اولاد کی خاطر ہوتا تو نسل منقطع ہو جاتی کیونکہ بہت سے ایسے عوارض ہیں جنکی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ کرتا اور یہ بے توجہی انقطاع نسل کا موجب ہوتی پس قدرت کی اس حکمت پر نظر کرو کہ اس نے انسانی طبیعت میں مقتضیات دواعی اس طرح ودیعت کئے ہیں کہ انسان جماع کے لئے مضطر ہوتا ہے اور پھر ان سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بدن کی ترتیب و ترکیب کو دیکھو کہ بدن بمنزلہ دار الملک اور ...... دار السلطنت کے ہے جس میں نوکر خدمتگار اپنے اپنے کام پر حاضر ہیں ایک کے سپرد ایک خدمت ہے تو دوسرا اس کی امداد کے لئے حاضر ہے گھر میں ذرا گندگی اور متعفن مادہ پیدا ہوا فوراً خادم نے اس کو باہر نکالکر پھینکدیا کہ مکان صاف ستھرا رہے یوں سمجھو کہ اس مثال میں بادشاہ تو وہ خالق ہے جس نے ان تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور بدن انسانی بمنزلہ مکان کے ہے اور اعضاء ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ یہ سب بمنزلہ خدام کے ہیں اور عقل وحفظ وغضب وغیرہ یہ سب قوم کی جگہ ہیں کہ اگر مذکورہ بالا میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو پھر نظام جسم مختل ہو جائے اور لینا دینا دیکھنا چلنا پھرنا حفاظت وغیرہ ان تمام کاموں میں حرج ہو جائے نہ راستہ کو پہچان سکے نہ علم سے فائدہ اٹھا سکے نہ نفع حاصل کر سکے نہ نقصان سے اپنے آپ کو بچا سکے نہ اپنی تحریر سے فائدہ اٹھا سکے نہ گزشتہ واقعات

سے عبرت حاصل کر سکے یہ تمام دشواریاں کسی ایک چیز کے نہ ہونے سے پیش آ سکتی ہیں پھر ان تمام نعمتوں پر نظر کرو جو خدا نے دے رکھی ہیں (اگر وہ سب معدوم ہو جائیں) تو پھر انسان کا وجود ہی معطل ہو جائے اس سے خدا کے فضل و احسان کا اندازہ کرو اور پھر اس کی حکمت عملی پر غور کرو، اما بنعمت ربک فحدث۔ قوت حافظہ یقیناً بڑی نعمت الٰہی ہے لیکن نسیان (بھول) یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے اور بڑی حکمت اس میں پوشیدہ ہے اگر انسان میں بھول وچوک کا مادہ نہ ہوتا تو انسان ہر وقت رنج وغم میں مبتلا رہتا اور پھر اس کرب والم سے اس کی جان پر بن جاتی وہ آفات ومصائب کو ہر وقت ذہن میں یاد رکھتے ہوئے دنیا کی تمام لذتوں سے محروم رہتا کہ اس حالت میں اس کے لئے کسی سے تمتع حاصل کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ فرط ورنج وغم سے اس کی قلبی کیفیت اتنی خراب رہتی کہ وہ اپنی زندگی تک سے بیزار ہو جاتا ظالم سے ذرا سی غفلت کی توقع حاسد سے بھول ونسیان کا امکان اور کسی بدخواہ کی طرف سے ادنیٰ سی غفلت ان میں سے کسی کی توقع کا امکان نہ ہوتا پس قدرت کی اس حکمت کو دیکھئے کہ اس نے حفظ ونسیان دو متضاد شئے انسان میں جمع کر دی ہیں اور دونوں میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں پھر قدرت کی اس حکمت کی داد دیجئے کہ اس نے انسان میں بعض مخصوص وہ صفتیں دی ہیں جو دیگر حیوانات میں نہیں دیں مثلاً حیا کا مادہ قدرت نے انسان کو ودیعت کیا ہے اگر حیا وشرم انسان میں نہ ہو تو انسان گناہ کرنے سے کبھی نہ رکے ضروریات کو پورا نہ کرے مہمان کی خاطر مدارت نہ کرے اچھے کام کرنے کی رغبت نہ ہو برے کام سے اجتناب نہ کرے کیونکہ بہت سے کام انسان لوگوں سے شرم وحیاء کی وجہ سے کرتا ہے امانتوں کو واپس کرتا ہے والدین کے حقوق ادا کرتا ہے بے حیائی کے کاموں سے رکتا ہے یہ سب امور حیاء وشرم ہی کے سبب سے انسان کرتا ہے پس ایک حیاء کے ہونے کے فوائد اور اس کے نہ ہونے کے باعث اتنے نقصانات ہیں پس اسی پر دوسری نعمتوں کو قیاس کرو

قوت گویائی (نطق) پر نظر کرو جس کی بدولت انسان تمام جانوروں سے ممتاز ہے جس کی برکت سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے اور دوسرے کو سمجھا دیتا ہے اور دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ لیتا ہے اگر قدرت نے یہ نعمت نہ بخشی ہوتی تو افہام وتفہیم کیونکر ممکن ہوتا۔

اسی طرح نعمت کتابت پر غور کرو جس کی بدولت آج ہزاروں برس پیشتر کے حالات معلوم کر لیتے ہیں اور ہمارے حالات وواقعات آنے والوں کو صدیوں تک معلوم ہوتے رہیں گے اس کی برکت سے ہمارے علوم وآداب معاملات حساب وکتاب سب کتابوں میں محفوظ

ہے بھول جائیں تو کتابت کو دیکھ کر یاد کرلیں اگر کتابت کی نعمت قدرت سے ہم کو نہ ملتی تو ہم اپنے سے قبل کے زمانے کے حالات سے قطعاً ناواقف رہتے اور علوم وفنون سب ضائع ہو جاتے بلکہ خلاق وآداب اور فضائل سب ہی نعمتوں سے یکسر ہم محروم ہو جاتے اور معاملات میں بڑی دشواری پیدا ہو جاتی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کلام وکتابت یہ انسان کے لئے کسبی چیزیں ہیں یہ امور طبیعہ میں سے نہیں ہیں اور اسلیئے عربی ہندی، رومی خطوط میں ہم بین اختلاف پاتے ہیں اور یہی حال کلام کا ہے کہ یہ ایک اصطلاحی چیز ہے اس میں بھی اختلاف کا ہونا یقینی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد کتابت سے ملکہ کتابت ہے یعنی خدا کی بخشی ہوئی وہ قدرت جو اس نے انسان کو ہاتھوں میں انگلیوں میں ہتھیلیوں میں بخشی ہے اور ذہن وفکر کو عطا ہوتی ہے اس میں کسب کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح اگر زبان اور قوت نطق اور اس میں ذہن وفکر کی ترکیب نہ ہوتی تو انسان ساری عمر کبھی نہیں بول سکتا تھا پس خدا کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ اس نے ایسی مفید اور کام کی چیزیں انسان کو عطا فرمائیں پھر قوت غضب پر نظر کرو جو قدرت نے انسان میں ودیعت رکھی ہے جس کی وجہ سے موذی نقصان دہ اشیاء کو دفع کرتا ہے اور مادہ حسد کی وجہ سے جلب منفعت کرتا ہے مگر قدرت نے انسان کو ان دونوں قوتوں میں معتدل رہنے پر مامور فرمادیا ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں بھی اگر تجاوز کرے گا تو پھر شیطانی صفات یقیناً اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور شیطانی درجہ اور رتبہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے خدا سے اس کو بعد ہوتا جاتا ہے اس لئے غضب کی حالت میں اس پر لازم ہے کہ دفع شر میں وہ بہت تدبر سے کام لے اور حسد کے وقت وہ غبطہ کو کام میں لائے کیونکہ حسد میں دوسروں کی نعمت کے زوال اور خود کو کامراں ہونے کی خواہش ہوتی ہے اور غبطہ میں زوال نعمت دوسروں سے نہیں ہوتا محض حصول مشابہت اور مماثلت مقصود ہوتا ہے۔

قدرت نے کمال حکمت سے انسان کو بعض مفید چیزیں عطا کیں اور بعض چیزوں سے باز رکھا ہے۔

اس میں بھی انسان کی فلاح اور مصلحت ہے مثلاً انسان میں قدرت نے امید اور تمنا کا مادہ عطا کیا جس کی وجہ سے دنیا کی آبادی اور تناسل کا سلسلہ قائم دائم ہے اس کی بدولت کمزور اور غریب طبقہ کے لوگ طاقتور اور دولت مند طبقہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں بڑے بڑے بااختیار

لوگ دنیا کو آباد کرتے ہیں اوران کی اس تعمیری کوششوں سے کمزور طبقہ کے لوگوں کو ضمناً بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

انسان بہر حال تخلیقی طور پر کمزور پیدا ہوا ہے اوروہ گزری ہوئی قوم کے بنائے ہوئے مکانات اور تعمیری چیزوں کونہیں دیکھتے تو نہ تو اس کے رہنے کے لئے کوئی مکان ہوتا اور نہ اس کے پاس ایسا آلہ اور سامان ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں از سرنو تعمیر کرے گویا یہ قوت امل (آرزو) موجودہ لوگوں کے لئے عمل کا پیش خیمہ ہے کہ ان کو عملی دنیا میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے آنے والوں کے لئے یہ لوگ ایسی بے شمار چیزیں چھوڑ جائیں گے جن سے وہ فائدہ اٹھائیں گے اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری اور ساری رہے گا یہ سب امل (آرزوں) کی برکتیں ہی۔

بعض چیزوں سے انسان کو مصلحتاً قدرت نے باز رکھا مثلاً اس کی عمر کی مدت اور اس کی موت کا علم۔

اگر انسان کو اپنی عمر معلوم ہوتی اور وہ عمر کم ہوتی تو پھر اس کو زندگی میں کوئی مزہ نہ آتا اور دنیا کے کاموں میں کوئی حصہ نہ لیتا حتی کہ وجود نسل اور تعمیر میں وہ ذرا بھی جدو جہد نہ کرتا اور اگر مدت عمر دراز ہوتی اور اس کو معلوم ہوتا تو وہ خواہشات کا بندہ بن جاتا اور حدود سے تجاوز کرتا اور بڑی بڑی مہلکات میں گھس پڑتا اس لیئے کہ عمر کی مدت اس کو معلوم ہوتی تو وہ اپنی مدت کا خیال بھی دل میں نہ لاتا اب کیونکہ قدرت نے اس کو اس سلسلہ میں قطعاً ناواقف رکھا ہے تاکہ ہمہ وقت اس کو موت کا کھٹکا لگا رہے اور خواہشات میں پڑنے سے خدا کا خوف اور پھر موت کا ڈر بھی پیدا ہوتا اور موت سے پہلے نیکیوں کے ذخیرہ کرنے کا خیال دل میں رہے۔

انسان جن جن چیزوں سے متمتع ہوتا ہے ان پر نظر کرو قدرت نے ان میں کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں اور کیسی لذتیں اور ذائقے قدرت نے کھانوں میں پیدا کئے ہیں قسم قسم کے کھانے اور ان میں الگ الگ مزے طرح طرح کے پھل ان کے مختلف رنگ ان کی خوشبو کیسی بھی معلوم ہوتی ہے سواریوں پر نظر کروان کے اقسام کو دیکھو ان سے کیا کیا آرام اور فائدے حاصل ہوتے ہیں قسم قسم کے پرندے اور ان کی بولیاں سنو ان کی دلکش آوازیں اور سریلے نغمے ان کو سن کر انسان مست ہوتا ہے سکے اور نقود پر نظر کرو کہ ان کے ذریعہ سے انسان اپنی ضروریات کو کیونکر پورا کرتا ہے جڑی بوٹیوں کو دیکھو انسان اپنی تندرستی اور قوت کے لئے ان سے کیا کیا فائدے حاصل کرتا ہے کھانے کے جانوروں پر غور کروان کے گوشت میں خدا نے

کیسی لذت بنائی ہے پھران جانوروں سے کھیتی باڑی میں کس طرح کام لیا جاتا ہے پھر پھولوں کو دیکھو ان میں کیسی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے ان سے کیسے کیسے تیل اور عطر نکالے جاتے ہیں پھر انسان اس کو جسم اور لباس پر لگا کر محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہوتا ہے وضع وضع کے لباس اور کپڑوں کو دیکھو پھر موسم کے اعتبار سے ان لباسوں کی اقسام پر نظر کرو قدرت نے انسان کو عقل سمجھ عطا فرمائی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع عطا کیا ہے قدرت کی کیسی کاریگری ہے کیسی کیسی عجائبات ان میں پوشیدہ ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، جلب، منفعت اور انتفاع کے سلسلہ میں قدرت نے انسان کو ضرورتوں کا حامل بنایا ایک انسان ایک چیز سے ایک فائدہ اٹھاتا ہے دوسرا اسی چیز سے دوسرا فائدہ اٹھاتا ہے اسی انتفاع کی بدولت ایک دولتمند ہے اور دوسرا فقیر دولتمند اور محتاج میں امتیاز بھی اسی سے ہوتا ہے اور یہی دنیا کی آبادی و تعمیر کا سبب ہے لوگوں کے انتفاع و جلب منفعت کے اختلاف کی مثال ایک کم سن بچے کی سی ہے کہ بسا اوقات وہ نادانی اور ناسمجھی کی وجہ سے ایسی چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔

جو اس کو نقصان پہنچاتی ہیں اور ان چیزوں میں منہمک ہو جاتا ہے کہ اس سے علیحدہ کرنا ایک مصیبت ہو جاتا ہے۔

دنیا کی چیزوں میں بے شمار حکمتیں اور لطائف ہیں ان کو شمار کرنا اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کرنا انسان کے بس کی بات نہیں اور نہ انسان ہر چیز کے وجود کی حقیقت و حکمت اور اس کی کنہ کو پہنچ سکتا ہے۔

مخلوقات کی جملہ حکمتیں اور مصلحتیں اس حکیم مطلق کو ہی معلوم ہیں جس کی رحمت عام ہے اور جس کا علم وسیع اور ہر شئے کو محیط ہے۔
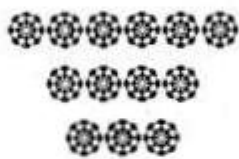
اس باب کا تتمہ جات

قدرت نے انسان کو بڑا اشرف مرتبہ عطا کیا ہے جو دوسری مخلوقات کو نہیں دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم۔
وحملنا ھم فی البرو البحر
ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم
علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور جنگل
اور دریا میں سواری دی اور ستھری روزی دی، اور
بڑھا دیا بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی
دے کر۔

یہ شرف وعزت انسان کو قوت ادراک اور عقل وشعور کی بدولت ملا ہے جس سے دوسرے حیوانات محروم ہیں اور انسان اس عقل ہی کی بدولت ممتاز ہے اسی کی بدولت وہ ملا اعلیٰ سے قریب تر ہے اسی کی برکت سے وہ کائنات ومصنوعات میں غور وفکر کر کے خالق کی معرفت وقدرت کو پہچانتا ہے خود اپنی ہستی او روجود پر نظر کر کے خدا کی حکمت وقدرت کی معرفت حاصل کرتا ہے خدا نے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون خود تمہاری ذات میں قدرت کی نشانیاں موجود ہیں تم دیکھتے نہیں ہو۔

انسان جب وہ اپنے وجود اور اصل پر غور کرتا ہے اور نظام جسم پر غور وفکر کرتا ہے اور قدرت کی عطا کردہ حکمتوں اور قوتوں میں تدبر کرتا ہے تو پھر وہ خدا کی عظمت وحکمت کا دل سے اعتراف کر لیتا ہے اس کی کمال تدبیر اور کمال حکمت کو تسلیم کرتا ہے اسی عقل کی بدولت وہ اچھے برے کھوٹے کھرے، مفید ومضر میں تمیز کرتا ہے بادی النظر میں اس عقل کے وجود کو نہ کسی جسم کی شکل میں محسوس کرتا ہے نہ اس کی بو سونگھتا ہے نہ اس کا ذائقہ چکھتا ہے نہ اس کو متشکل دیکھتا ہے اس کے باوجود اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا اس کے فیضان وبرکات سے منکر نہیں ہو سکتا وہ دیکھتا ہے کہ صرف عقل کی طاقت وقوت کی بدولت وہ ہزاروں مغیبات کو دیکھ لیتا ہے جہاں نہ آنکھوں کی رسائی ہے نہ کانوں کی پہنچ یہ ساری قوتیں جہاں عاجز ہیں وہاں عقل کی قوت

وطاقت اپنا کام کرتی ہے آسمان وزمین کے عجائبات ومناظران آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر عقل کے سامنے بے نقاب ہیں قدرت کے وہ مظاہر جوان حواس ظاہری سے مستور ہیں شعور وعقل کے نزدیک سب بے حجاب ہیں اب جتنا علم اس کھلا دو اتنی ہی روشنی اس میں بڑھتی ہے اور پھر آسمان سے ماوراء اوپر کی کائنات اور تحت الثریٰ میں معدنیات ومغیبات سب عقل کے سامنے روشن وظاہر ہوتی جاتی ہیں۔

اپنے اعضاء وجواہر پر جب انسان نظر کرتا ہے تو وہ ارادہ کے ساتھ ہی حرکت میں آ جاتے ہیں اور یہ حرکت اتنی سریلی ہوتی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ آیا ارادہ اور حرکت دونوں میں مقدم کون ہے اور مؤخر کون اگرچہ رتبتاً ارادہ مقدم ہوا کرتا ہے مگر قدرت نے جوارح کو انسان کی قوت ارادی کے ایسا تابع ومطیع کر دیا ہے کے ارادہ کہ وجود میں آتے ہی جوارح اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اس عقل وشعور اور ادراک کے باوجود انسان اپنی حقیقت کے سمجھنے سے کماحقہ قاصر ہے کبھی وہ اپنے لئے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں اس معاملہ میں قطعاً جاہل ہوں اس کے باوجود وہ بڑے بڑے دقائق ولطائف میں فرق کرتا ہے اور باریک باریک چیزوں کو سمجھتا ہے کبھی وہ اپنے متعلق ہمہ دانی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ ایسی باتیں کر گزرتا ہے کہ انجام کار وہ نادم وپشیمان ہوتا ہے۔

کبھی کسی چیز کو یاد کرتا ہے لیکن بھول جاتا ہے کسی چیز کو بھلانا چاہتا ہے لیکن بھلا نہیں سکتا چاہتا ہے کہ اپنا وقت عیش وعشرت میں گزارے اور رنج والم کو پاس نہ آنے دے لیکن اچانک ایسے حالات واسباب ظاہر ہوتے ہیں کہ اس کی تمام خوشی رنج والم سے بدل جاتی ہے کبھی کسی معاملہ میں وہ اپنے آپ کو ہوشیار اور ہر وقت متنبہ رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ اس سے غفلت میں ہو جاتا ہے ایک طرف اس کو ہمہ دانی کا دعویٰ ہے لیکن مشاہدات وتجربات سے اس کی جہالت ونادانی ظاہر ہوتی ہے اور کبھی وہ اپنے کو قطعاً کوراندھا اور بے بہرہ تصور کرتا ہے لیکن بڑی بڑی تدبیریں اور حکمتیں اس سے صادر ہوتی ہیں جس سے اس کی قابلیت اور علم کا اندازہ ہوتا ہے پھر بھی وہ اپنی حقیقت سے ناواقف ہی ہے آواز کیونکر پیدا ہوتی ہے کس طرح نکلتی ہے کہاں تک پہنچتی ہے کلام کے حروف کیونکر مرتب ہو کر ایک بامعنی شکل اختیار کرتے ہیں اس کی نگاہ کہاں تک کام کرتی ہے کیونکر وہ اپنی آنکھ سے بصارت کا کام لیتا ہے یہ آنکھوں میں نور کس طرح سے اور کہاں سے آتا ہے اور کس طرح وہ اشیاء کو دیکھتا ہے اس کے قلب میں ارادہ

کیونکر پیدا ہوتا ہے وجود سے پہلے یہ کہاں تھا وغیرہ وغیرہ ان تمام چیزوں کے علم سے وہ قدرت کے کمال اور اس کی بالغ حکمت کو تسلیم کرتا ہے اگر چہ حقیقت علم سے ہنوز بے بہرہ ہے۔

قدرت نے انسان میں خواہش پیدا کی جو اس کی طبیعت کے مناسب ہے اگر وہ خواہش نفس کے استعمال کرنے میں اپنے نور عقل سے کام لے تو وہ مہلکات سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتا ہے اور بلند مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے اور اگر اس خواہش کو اعتراض نفس کے لئے استعمال کرے تو پھر نور معرفت سے اس کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا ہے اور نہ ان امور کو وہ حاصل کر سکتا ہے جن کے حصول پر روزِ قیامت بڑے اجر ملنے کا وعدہ ہے۔ ثواب وعذاب ان امور کے حصول وعدم حصول اور اس خواہش کے صحیح وغلط استعمال پر موقوف ہے درحقیقت یہ خواہش جو قدرت کی طرف سے انسان کو عطا کی گئی ہے انسان کی عملی زندگی میں ایک مؤثر آلہ ہے انسان کے ذہن ودماغ میں قدرت نے جو فکر وتدبر کی قوتیں رکھی ہیں وہ بھی اس خواہش کے بغیر بیکار ہیں حقیقتاً ان سب کا باہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ ایک کے بغیر دوسری اور دوسری کے بدون پہلی قوت بیکار ہے اور انسان کو پورا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اس کی تمام قوتیں اعتدال سے کام میں لگی ہوں اور اشیاء کا حسن وقبح اور اخلاق کا اعلیٰ اور ادنیٰ ہونا اور زمانہ کے ساتھ ان کا مناسب ہونا یہ ساری چیزیں اس پر مبنی ہیں۔

پس قدرت کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے انسان میں کیسی کیسی مفید اشیاء پیدا فرمائی ہیں۔ ظرف کی قدر و قیمت مظروف سے ہوتی ہے مکان کا رتبہ مکین سے ہی ہوتا ہے جب خدا نے انسان کے قلوب کو اپنی معرفت کا محل بنایا تو اس کا درجہ کتنا بلند ہو گیا۔

اور کیونکہ قدرت نے انسان کے لیے مرجع ومرکز اس گھر کے سوا ایک دوسرا گھر تجویز کیا ہے جس کو دار آخرت کہتے ہیں اس گھر کا حال اور علم انسان سے قطعاً مخفی رکھا ہے اس کے علم کے لئے اس نے نور رسالت کو پیدا کیا اور اس نور کی پیدا کی ہوئی روشنی میں انسان پر دار آخرت کے احوال اور کوائف ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اس نے انبیاء ورسل دنیا میں بھیجے جن کی دو حیثیتیں ہیں خدا کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لیئے وہ بشیر (بشارت خوشخبری دینے والے) ہیں اور اس کے نافرمان بندوں کے حق میں وہ نذیر (ڈرانے والے) ہیں ان انبیاء کی امداد وحی کے ذریعہ سے فرمائی اور وحی کو بھیجنے اور اس کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت ان میں پیدا کی۔

انبیاء نے انسانوں کو دنیا کے معاملہ میں مصالح وحکمتوں سے واقف کیا اور آخرت کے متعلق جو مصالح وحکمتیں ہیں ان سے بھی انسان کو آگاہ کیا یہ علم ومعرفت جو انسان کو انبیاء

ورسل کی معرفت اوران کی رسالت وتوسل سے حاصل ہوا محض نور عقل سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا تھا انبیاء کو خدا نے ایسے روشن دلائل اور واضح براہین لیکر بھیجا جن کی وجہ سے انسان کو بجز ایمان واذعان کے چارہ کار نہیں وہ دلائل انبیاء کے ایک ایک حکم اور ایک ایک چیز پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں گویا خدا نے اس طرح سے انسان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی اوراب اتمام حجت ہو چکا دین ودنیا کی دونوں راہیں اس نے دکھادیں نجات وہلاکت کے دونوں راستوں کوواضح کردیا۔

قدرت نے انسان کو کیسا شرف عطا فرمایا اوراس کی نسل کو کیسی عزت بخشی کہ انسان کی نسل سے کیسے کیسے صاحب کمال صاحب فضیلت لوگ ہوئے جن کو قدرت کی طرف سے نبوت ورسالت جیسے عالی مناسب عطا ہوئے اور انوار وتجلیات عطا ہوئیں پس جو سعید ہے وہ ایمان لاکر خدا کی نعمتوں کا مظہر اوراس کے احسانات وانعامات کا مستحق ہوتا ہے اور جو شقی ہے وہ ان چیزوں کی تکذیب کرکے ابدی رنج ومصیبت کوخریدتا ہے اور محض دنیا کے حصول کی خاطر وہ اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے۔

اس کے احسانات وانعامات کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا بلکہ سوتے میں عالم خواب میں کبھی عالم مثال میں ایسی ایسی چیزیں دکھاتا ہے جن سے اس کو ہدایت ورشد حاصل ہوتی ہے کبھی اس خواب کے ذریعہ اس کو کسی کام سے روکنا منظور ہوتا ہے تو اس کو دھمکایا جاتا ہے کبھی کسی کام کی ترغیب وشوق دلانا ہوتا ہے بہرحال ایسے امور جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے وہ چاہتا ہے تو کسی ذریعہ سے کچھ علم اپنے کسی خاص بندے کو عطا فرماتا ہے اور یہ اس کی خاص رحمت ہوتی ہے: یختص برحمتہ من یشاء۔

پرندوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدانے فرمایا ہے:۔ الم تروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ۔

کیا تم ان پرندوں پر نظر نہیں کرتے جو آسمان پر رکے ہوئے ہیں بجز خدائے واحد کے کوئی ان کو روک نہیں سکتا۔

خدانے پرندوں کو پیدا کیا اور اپنی حکمت سے ان میں تمام ان چیزوں کو پیدا کیا جو ان کے اڑنے کے مناسب وموافق تھیں ان میں ثقیل چیزوں کو نہیں پیدا کیا جو اڑنے کے منافی یا مخل تھیں جن جن چیزوں کی پرندوں کو ضرورت پڑتی وہ سب بنائیں اور اسی طرح سے ان کا قوام بنایا ان کی غذا بنائی اور ہر ہر عضو کے لئے غذا سے مناسب حصہ پہنچایا جو اس حصہ جسم کے غذا بنے عضو کے نرم وسخت اور خشک ہونے کی صورت میں غذا کے اجزاء سے ایسے مناسب اجزاء کو ان اعضاء کی غذا کے لئے پہنچاتا ہے جو نرم وخشک اور سخت اعضاء کے کام آسکیں۔

پرندوں کو خدا نے دو پاؤں دیئے ہاتھ نہیں دیئے ،پاؤں اس لئے کہ وہ چلیں پھریں اور زمین سے فائدہ حاصل کرسکیں اڑنے میں ان سے مدد لیں پاؤں کو نیچے سے کشادہ بنایا تا کہ زمین پر اچھی طرح سے قائم رہے پاؤں بھی اس کے نہایت ہلکے اور پُرحکمت بنائے انگلیوں کا کچھ حصہ رقیق وباریک جلد سے بنایا جو ٹانگوں کی جلد سے ذرا سخت ہے ٹانگوں کی جلد موٹی اور مضبوط بنائی تا کہ گرمی وسردی میں ان کو پروں کی ضرورت نہ ہو اور ٹانگوں کا پروں سے برہنہ ہونا یہ بڑی حکمت ومصلحت ہے کیونکہ پرندوں کو دانہ چگنے اور پانی پینے میں اور اس کی طلب میں چلنے میں ضرور ایسے مقامات آتے ہیں جہاں کیچڑ پانی اور گندگی ہوا ب اگر اس کی ٹانگیں پروں سے پر ہوتیں تو پانی اور کیچڑ میں لتھڑ کر بوجھل ہو جاتیں اور پرندے کے لئے بڑی دشواری ہوتی اس لئے قدرت نے اس کے جسم میں جہاں ضروری سمجھا وہاں بالوں اور پروں کو نہیں پیدا کیا تا کہ اس کے اڑنے چلنے پھرنے میں رکاوٹ نہ ہو پرندوں کو اس نے لانبے لانبے پاؤں والا نہیں بنایا ان کی گردنوں کو طویل بنایا تا کہ اپنی غذا حاصل کرنے اور دانہ چننے میں مدد ملے اگر پاؤں لمبے اور گردن چھوٹی ہوتی تو اس کے لئے جنگلوں میں دانہ چگنا اور سمندروں دریاؤں سے پانی پینا مشکل ہوتا اور اس کو اپنے سینہ کو پانی پینے دانہ چگنے کے لئے جھکانا پڑتا کبھی

وہ اپنی چونچ کی لمبائی سے بھی مدد لیتا ہے تا کہ اس کو مزید آسانی ہو اگر گردن لانبی ہوتی اور پاؤں چھوٹے ہوتے تو اس کی گردن اس کو وزنی معلوم ہوتی اور پھر دانہ دنکا چگنے میں یہ آسانی نہ ہوتی خدا نے اس کے سینے کو گول اور اس طرح ہڈیوں سے اس کو ترتیب دیا ہے کہ وہ ہوا کو اڑنے میں آسانی سے پھاڑ سکتا ہے اور اسی طرح اس کے بازوؤں کے سروں کو مدور بنایا ہے کہ اس کو اڑنے میں مدد ملے پھر پرندوں کی انواع واقسام کے لحاظ سے ان کے غذا حاصل کرنے کی رعایت سے ان کی چونچیں لمبی تیز سخت ٹیڑھی اور سیدھی بنائی ہیں تا کہ دانہ چگنے کھودنے توڑنے چیرنے پھاڑنے میں کام دے سکیں بعض چونچوں کو قدرت نے ایسا تیز اور سخت بنایا ہے کہ ان کے ذریعہ سخت سے سخت چیزوں کو توڑ سکیں اور گوشت کو نوچ کر وہ کھا سکیں بعض چونچین چوڑی اور کنارے دار ہوتی ہیں کہ دانے کو اچھی طرح سے ان پر رکھا جا سکے بعض سیدھی ہوتی ہیں مگر حد اعتدال میں تا کہ وہ سبزی ترکاری پھل وغیرہ کھا سکیں بعض زیادہ لانبی مگر ہڈی کی طرح سخت ہوتی ہیں مگر اندر کے حصے میں ملائم ہڈی کی طرح نرم ہوتی ہیں اور دانتوں کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔

پرندوں کے پروں کو خدا نے لانبا بانس کی طرح سے گول اور ہلکا بنایا تا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور نہایت مضبوطی سے بازوؤں میں لگے ہوتے ہیں کہ رات دن اڑنے سے بھی وہ خراب نہیں ہوتے کیونکہ اڑنے میں نہایت سریع حرکت کرنا پڑتی ہے اس لئے پروں کو نہایت مستحکم بنایا اور جسم کے لئے سردی اور گرمی سے حفاظت کا ذریعہ بھی بنایا پرندوں کے تمام جسم میں پروں کو پیدا فرمایا کہ سردی اور گرمی سے بدن کی حفاظت ہو اس سے ان کی زینت دھن بھی ہو ان پروں میں یہ صفت بھی رکھی کہ مسلسل بھیگنے سے وہ خراب نہ ہوں بلکہ ادنیٰ حرکت سے پانی ان پر سے جھاڑا جا سکے پروں میں سوراخ بھی رکھے کہ ان کی پرورش اور فضلات کے خارج کرنے میں کام آئیں۔

پرندوں کی دم کو اس طرح بنایا کہ اڑنے میں ان سے مدد لی جا سکے اور دائیں بائیں ایک ہی طرف کو پرندے ہوا کے زور سے نہ بہہ جائیں اگر دم نہ ہوتی تو وہ حسب منشا اور حسب ضرورت اڑنے میں اپنے لئے جہت متعین نہیں کر سکتے تھے گویا کہ یہ دم پروں میں بمنزلہ پاؤں کے ہے جو کشتی میں ہوتے ہیں جن کی مدد سے کشتی کے چلانے میں آسانی ہوتی ہے پرندوں میں طبعی طور پر علیحدہ رہنے کی طبیعت پیدا فرمائی کہ ان سے ان کی حفاظت رہتی ہے اور کیونکہ پرندے بغیر چبائے غذا کو نگلتے ہیں اس لئے بعض چونچوں میں ایسی دھاریں بنائی ہیں کہ گوشت

وغیرہ قسم کی چیزوں کو انکی مدد سے کاٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں تا کہ ہضم میں سہولت ہو پھر ان کے پوٹوں میں ایسی حرارت پیدا کی کہ وہ سخت سے سخت غذا بھی گلا کر قابل ہضم بنا دیتی ہے اور چبانے اور دانتوں کے دوسرے کام سے ان کو بے نیاز کر دیتی ہے اس کا اندازہ تم کو اس سے ہوسکتا ہے کہ پرندوں کے علاوہ ثابت انگور کسی کو کھلا دو تو یوں ہی سالم فضلا کے ساتھ خارج ہوگا اور پرندوں کو کھلا دو تو وہ پس کر غذا میں ہضم ہو کر خارج ہوگا کیونکہ پرندوں کی پوٹوں میں جو حرارت ہے وہ دوسرے حیوانات میں نہیں پائی جاتی پرندوں کی تخلیق کو خدا نے اس طرح بنایا کہ وہ انڈے دیتے ہیں بچے نہیں دیتے۔ جس طرح دوسرے حیوانات تا کہ اڑنے کے کام میں حمل کے بوجھ سے خلل نہ پڑے ورنہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں جب بچہ حمل کی پوری مدت ختم کر لیتا ہے تو حمل کی صورت میں ماں کے لئے اڑنا مشکل ہوتا ہے قدرت نے کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں سے ہر چیز کو مناسب بنایا ہے۔

کس نے پرندوں کو یہ سبق دیا کہ وہ انڈوں پر بیٹھیں ان کو ان سے گرمی پہنچائیں کس نے ان کو یہ تعلیم دی کہ دانے کو پہلے خود اپنے منہ میں رکھیں جب وہ نرم ہو جائے تو اپنے بچوں کو کھلائیں اور جب تک بچے غذا کے قابل نہ ہوں خالی ہوا سے ان کے پیٹ کو بھرتے رہیں دیکھو پرندے اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں کیسی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی طرح سے نہ تو پرندوں میں سمجھ و عقل ہوتی ہے اور نہ دور اندیشی اور سوجھ بوجھ ہوتی ہے جو خدا نے انسان کو عطا کی ہے پرندے اپنے بچوں سے اس طرح توقعات اور امیدیں بھی نہیں رکھتے جو انسان اپنی اولاد سے سلسلہ نسل سے متعلق۔

ہر طرح کی امداد اعانت کے حصول کی توقعات رکھتا ہے ان تمام عاقبت اندیشوں اور دور اندیشیوں سے پرندے یکسر خالی ذہن ہوتے ہیں تاہم اپنے بچوں کی پرورش اور حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں یقیناً یہ قدرت کی طرف سے ان کے دلوں میں جزبہ محبت ودیعت ہوتا ہے۔

پھر اس بات پر غور کرو کہ مادہ کو اپنے حاملہ ہونے کا علم کیونکر ہوتا ہے جو انڈے کی شکل میں اس کے پیٹ میں ہوتا ہے اور انڈہ دینے کے لئے اور اس کی حفاظت کے ضروری انتظام کرنے کے لئے وہ کس کس طرح سے تنکوں کو جمع کر کے نرم بستر تیار کرتی ہے جس پر وہ انڈہ دیگی پھر بچہ پیدا ہونے تک انڈوں پر وہ بیٹھے گی۔

کبوتر کو تم دیکھو وہ کس طرح سے انڈے کے اندر کی حالت کو معلوم کر لیتا ہے اور اگر

انڈہ کسی وجہ سے گندہ اور خراب ہو چکا ہوتو کبوتر کس طرح اس کے فاسد ہونے کو معلوم کر لیتا ہے اور اس پر بیٹھنا ترک کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس گندے انڈے کو اپنے گھونسلے سے باہر پھینکد یتا ہے

بچے کے انڈے سے نکل آنے کے بعد سب سے پہلی غذا کو جو کبوتر اپنے بچے کو دیتا ہے وہ صرف ہوا ہوتی ہے پھر ہضم شدہ غذا اور اس طرح رفتہ رفتہ جب وہ یہ محسوس کر لیتا ہے کہ اپنے بچے کے پوٹے میں دانے کو ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے تو پھر دانے سے غذا دیتا ہے اگر وہ ابتداء ہی سے اپنے بچے کو دانے کی غذا دے تو بچہ کمزور ہونے کے باعث اس کو ہضم نہیں کر سکتا اب یہ سمجھ اور عقل اس کبوتر میں کس نے پیدا کی جس نے بچے کی ہضم کی قوت کا اتنا صحیح اندازہ کر لیا یہ سب خدا نے اس کو عطا فرمائی اور جب بچہ انڈے سے باہر آ جاتا ہے تو کبوتر اس کو اپنے پہلو میں لئے بیٹھتا ہے تا کہ اس کو گرمی پہنچتی رہے ایسا نہ ہو کہ انڈے کی گرمی سے جدا ہو کر وہ بالکل سردی میں رہ کر ہلاک ہو جائے اس لئے اپنے پروں میں دبا کر گرمی پہنچاتا ہے

اور پھر تمام پرندے ایک ہی طرح سے بچوں کے پیدا کرنے میں نہیں ہیں بلکہ انکی بہت سی اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کے لئے الگ الگ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو خدا نے ان میں رکھی ہیں مرغی کو دیکھئے اس میں خدا نے بچوں کو بڑھانے اور کھلانے کی صفت نہیں رکھی اس لئے مرغی کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذا خود حاصل کرتا ہے اور دانا دنکا چگنے لگتا ہے۔

پھر نر اور مادہ دونوں پر نظر کرو کہ کس طرح بچوں کی پرورش میں کوشاں نظر آتے ہیں اور یکے بعد دیگرے بچوں کو اپنی آغوش میں رکھ کر گرمی پہنچاتے ہیں تا کہ ٹھنڈ سے ہلاک نہ ہو جائیں اور انڈے گندے نہ ہو جائیں گو یا وہ اس گرمی پہنچانے کی ترکیب سے اچھی طرح واقف ہیں اور اچھی طرح سے سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا تو یقیناً انڈے خراب ہو جائیں گے اور پھر بچے مر جائیں گے۔

انڈے کی تخلیق پر نظر کرو، اس کے معدے کو دیکھو وہ دو قسم اور رنگ کا ہوتا ہے ایک سفید رطوبت جو غذا کے لئے ہوتی ہے اور دوسری ذرد رنگ کی رطوبت جو بچہ کے جسم کی ساخت اور اس کی نشو ونما کے لئے ہوتی ہے دیکھو خدا نے کس حکمت سے اس انڈے میں بچے کے لئے غذا بھی پہلے سے مہیا کر دی ہے۔

پرندوں کے پوٹوں تک غذا کے جانے کے راستہ کو کیونکر تنگ بنایا گیا ہے اب اگر پرندہ ایک ایک دانہ کے چگنے میں دوسرے دانہ کے پوٹے میں پہنچنے تک کا انتظار کرے تو اول تو

اس کے لئے کافی وقت درکار ہوگا اور پھر پرندوں کو ہر وقت شکاری کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی حرکت کے ہونے سے ہوشیار اور متنبہ رہتا ہے تو وہ اتنی مہلت کہاں سے پا سکتا ہے اس لیے خدا نے اس کے پوٹے کو اس طرح سے بنایا ہے گویا کہ وہ کھانے کو جمع رکھنے کا ایک تھیلہ ہے یہاں وہ جلدی جلدی سے دانے چگ کر جمع کر لیتا ہے اور پھر اطمینان سے ایک ایک دانہ کو اس تھیلے سے لے کر ہضم کے مقام پر پہنچا تا رہتا ہے اور پھر تمام پرندوں میں ایک ہی حکمت مشترک نہیں بلکہ وہ پرندے جو اپنے بچوں کو خود بڑھاتے ہیں ان کے لیے کھانا پوٹے سے نکالنا بہت آسان کر دیا گیا ہے۔

پرندوں کے پروں کی تخلیق پر اور ان کی بناوٹ پر نظر کرو کہ وہ کپڑے کے تاروں کی طرح ایک دوسرے سے باریک باریک تاروں سے مربوط ہوتے ہیں کچھ خشک اور قدرے سخت ہوتے ہیں جو اطراف سے حفاظت کرتے ہیں اور کچھ نرم جو دباؤ سے ٹوٹنے نہ پائیں وہ پر اندر سے خالی اور بہت ہلکے ہوتے ہیں ڈوروں کے تاروں کی طرح سے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں کہ اگر پرندا ان کو پھیلائے تو اس طرح سے نہیں پھیلتے کہ ہوا ان میں داخل ہو کر پرندوں کو اڑنے سے باز رکھے ان پروں کے وسط میں ایک موٹا سخت اور خشک عمود سا ہوتا ہے جس پر چاروں طرف یہ پر اُگے ہوتے ہیں جس طرح بال ہوتے ہیں اور وہ عمود ان سب کو محفوظ اور مضبوط رکھتا ہے اگر چہ وہ عمود اندر سے خول ہوتا ہے تا کہ ہلکا رہے مگر اپنی صلابت کے باعث بہت مضبوط ہوتا ہے اور پروں کے وسط میں یہ عمود نہ ہو تو یہ پر ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ تیز ہوا میں پرندوں کا اڑنا بھی محال ہو جائے۔

لمبی ٹانگ والے پرندوں پر نظر کرو عام طور پر وہ صاف اور چٹیل میدانوں میں یا پھر ایسے نشیبی مقامات پر اپنی غذا کی طلب میں رہتے ہیں جہاں پانی جمع رہتا ہے گویا وہ ادھر ادھر چلنے میں یہ غور کرتے ہیں کہ پانی کی تہہ میں کون سی چیز ان کے مقصد کی چل رہی ہے کہ آہستہ سے ایک دو قدم آگے بڑھا کر اس کو کھالیں اب اگر ان کی ٹانگیں چھوٹی ہوں تو پھر ان کا جسم اور سینہ پانی کی سطح پر مس ہو کر پانی میں حرکت پیدا کر دے گا اور اس طرح ان کا شکار آگاہ ہو کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا تو گویا ان کی ٹانگوں کا لمبا ہونا ان کے حق میں عین حکمت اور مصلحت ہے۔

چڑیوں کو دیکھو جو اپنے اپنے گھونسلوں سے کھانے کی طلب میں صبح کو نکلتی ہیں اور ادھر ادھر اڑ کر اپنے لئے غذا تلاش کرتی ہیں اور شام کو اپنا پیٹ بھر کر گھونسلوں میں واپس آتی ہیں اور

اسی طرح سے خدا کی یہ سنت جاری ہے ان کی غذا ایک مقام پر اکھٹی نہیں مل جاتی جو ان کو اس کی طلب میں دور دور جانے کی ضرورت نہ ہو اور اگر ایک جگہ پر ان کو اپنی غذا اکھٹی مل جایا کرتی تو وہ حرص میں اتنا کھا جائیں کہ پھر ان کے لئے اڑنا محال ہو جائے اور پھر ہضم کرنا بھی دشوار ہو اور بعض جانوروں کو اگلنا اور قے کرنا بھی نہیں آتا جو زیادہ کھا جانے کی صورت میں ایک بڑا علاج ہے جس طرح پانی کے بعض جانور زیادہ کھا جانے پر قے کر کے اپنے معدہ کو ہلکا کر لیتے ہیں اس لئے چڑیوں کے اپنی غذا کی طلب میں جگہ جگہ اڑ کر جانے اور تھوڑا تھوڑا ہر جگہ سے کھانے ہی میں بڑی مصلحت وحکمت پوشیدہ ہے کہ اس طرح ان کا کھانا ہضم بھی ہو جاتا ہے اور اڑنے میں بوجھ بھی نہیں ہوتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ اگر فراغت سے بغیر سعی وکوشش کے اس کو کھانے کو مل جایا کرے تو وہ بھی بیمار پڑ جائے۔

اب ان پرندوں کو دیکھو جو صرف رات ہی کو نکلتے ہیں اور دن میں قطعاً نہیں اڑتے جیسے اُلو اَبابیل چمگادڑ وغیرہ ان کی غذا مچھر پتنگے وغیرہ ہیں جو فضا میں اڑتے رہتے ہیں پس یہ غذا ان کو ہوا میں جو زمین سے زیادہ نزدیک ہے حاصل ہو جاتی ہے، یہ قدرت کی زیادہ حکمت ہے غالباً ان کی آنکھوں کی روشنی اور بصارت اس قابل نہیں کہ زمین سے اپنی غذا ادھر ادھر چل پھر کر حاصل کر سکیں اور یقیناً یہ جانور اس سے قاصر ہیں اس لئے کہ سورج کی روشنی میں یہ جانور باہر نہیں نکلتے جہاں یہ روشنی نہ ہو اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہ باہر آتے ہیں پس قدرت نے ان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی غذا اس طرح ہوا سے حاصل کر لیں۔

چمگادڑ کو قدرت نے بے بال و پر بنایا ہے پس اسی حکمت سے اس کے قائمقام دوسری چیزیں بنائی ہیں اس کا منہ بھی ہے اور دانت بھی اور زمین پر زندگی بسر کرنے والے دوسرے جانوروں کی طرح اس میں اور بھی تمام چیزیں مشترک ہیں طریقہ ولادت وغیرہ اور پھر اس کے باوجود اس کو اڑنے پر قادر کر دیا ہے تا کہ یہ ظاہر ہو کہ خدا بغیر بال پر کے بھی اڑانے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ پرندوں کی نوع کے سوا دوسری نوع کو بھی وہ اڑنے کی قدرت دے سکتا ہے اس طرح خدا نے بعض مچھلیاں بھی اس طرح بنائی ہیں کہ وہ سطح سمندر پر کافی دور تک اڑ کر جا سکتی ہیں پھر پانی میں چلی جاتی ہیں۔

کبوتر اور کبوتری ان دونوں کی باہم تعاون پر غور کرو کہ انڈوں کے سینے میں کس طرح ایک دوسرے کی قائمقامی کرتے ہیں اگر ایک غذا کی تلاش میں جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ

انڈے پر بیٹھ کر انڈے کو گرمی پہنچاتا ہے اور اس طرح سے انڈے کو گرمی پہنچانے کا یہ سلسلہ منقطع نہیں ہونے پاتا اور پھر ان کی غیر حاضری زیادہ دیر تک کے لئے نہیں ہوتی ہر ایک کو انڈے پر بیٹھنے کی فکر رہتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو پاخانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کو روکے رہتے ہیں اور پھر دفعتاً قضائے حاجت کرتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب مجبور ہو جاتے ہیں۔

جب کبوتری انڈے سے حاملہ ہوتی ہے تو کبوتر اس کی کتنی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا ہے کہ اس کو گھونسلا سے باہر نہیں چھوڑتا اس ڈر سے کہ انڈا کسی ایسی جگہ نہ دیدے جہاں انڈہ ضائع ہو جائے انڈے سے بچ کے نکل آنے پر دونوں کس طرح ان کو بھراتے ہیں اور کیسے ان پر مہربان ہوتے ہیں اور جب بڑے ہو جاتے ہیں تو پھر کبوتر اور کبوتری ان کو مار کر اپنے سے علیحدہ کر دیتے ہیں تا کہ اب وہ اپنی غذا خود حاصل کریں۔

خدا نے ان کو اڑنے کی کتنی طاقت اور قدرت دی ہے کہ اگر کوئی پکڑنا چاہے تو وہ اس کے ہاتھ نہیں آتے تیزی سے اڑ جاتے ہیں پرندوں کے پنجوں میں قوت، چونچ میں تیزی اور ناخنوں میں نوک خدا نے کیسی بنائی ہیں کہ پرندے ان سے چھری کا کام لیتے ہیں اور کبھی کبھی پنجوں میں گوشت کو لٹکا کر اڑا لیجاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔

پانی کے پرندوں کی غذا خدا نے پانی ہی میں بنائی ہے اور ان میں اڑنے کی قوت کے علاوہ پانی میں تیرنے اور غوطہ لگانے کی بھی قوت دی ہے کہ وہ پانی کی گہرائی میں جا کر اپنی غذا حاصل کر سکیں۔

غرضکہ خدا نے پرندوں کی جملہ انواع واقسام میں ان کے حسب حال اور حسب ضرورت چیزیں عطا کی ہیں جو ان کی ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں مفید اور معاون ہیں اس سے تم خدا کی حکمت اور کمال قدرت کا اندازہ کرو۔

چوپایوں کی پیدائش کی حکمتیں

خدا نے فرمایا ہے۔

والخیل والبغال والحمیر
لتر کبوھاوزینۃ۔
گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کیئے تا کہ تم ان
پر سوار ہو اور وہ تمہاری زینت کے لئے بھی ہیں۔

خدا نے چوپایوں کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرما کر انسان پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ایسے کام کے جانور پیدا فرمائے اور ان کی جسمانی تخلیق اس طرح فرمائی ہے کہ نہ زیادہ نرم اور نہ زیادہ سخت کہ ہم ان سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔ان کے گوشت پوست اور اعصاب وعروق نہایت مستحکم اور مضبوط بنائے ہیں کہ ہم ان کو سواری اور بار برداری کے کام میں لاسکیں ان کی کھال نہایت موٹی اور مضبوط بنائی کہ ان کا تمام بدن اس کھال میں محفوظ رہے اور ان کا گوشت اس کھال کی وجہ سے باہر کی زد سے محفوظ رہے ان جانوروں کو کان اور آنکھیں بھی دیں کہ انسان ان سے اپنی ضروریات کو کامل طور سے پورا کر سکے اس کے برخلاف اگر وہ جانور اندھے اور بہرے ہوتے تو کام کی انجام دہی میں بڑی رکاوٹ اور دشواری پیش آتی اور ان جانوروں میں عقل و ہوش بھی مصلحتاً زیادہ نہیں عطا کیا تا کہ انسان کے تابع اور فرمانبردار رہیں۔ ورنہ ہل چلانے، بھاری بھاری بوجھ لادنے اور چکیوں میں استعمال کرنے کے جیسے سخت کاموں سے وہ گریز کرتے، اور قابو میں نہ آسکتے تھے۔

قدرت خوب جانتی تھی انسان کو ان تمام کاموں کی ضرورت پڑے گی اور انسان کی طاقت سے یہ کام باہر ہیں اب اگر ایسے کاموں کے انجام دینے کا انسان کو مکلّف گردانتی تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو اس پر ان کاموں کو پورا کرنا بار گراں ہوتا۔ دوسرے اس کی ساری قوت ان سخت سخت کاموں کے انجام دینے میں صرف ہو کر ختم ہو جاتی تو پھر علوم واخلاق کی تحصیل، فضائل ومحامد کا حصول ا ر درجات کی تکمیل جو انسان کی خصوصیات میں سے ہیں اور جن کی

بدولت انسان کو شرف و امتیاز کا اعلیٰ رتبہ دیا گیا ہے ان سے انسان قطعاً محروم رہ جاتا اور یہاں تک انسان عاجز ہو جاتا کہ وہ اپنے لئے معاش حاصل کرنے کے بہتر وسائل و وظائف اور معزز طریقے بھی استعمال نہ کرسکتا تھا۔ پس اس طرح خدا کا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کے مناسب اور اس کی مصلحت کے پیش نظر اپنی عین حکمت و تدبر سے جانوروں کی تخلیق ایسی بنائی کہ وہ ہر طرح سے انسان کے کام آ سکیں، اور کسی طرح سے کام کرنے میں گریز نہ کریں۔

حیوانات اور جانوروں کی اقسام اور ان کی ضروریات کے مناسب ان میں صلاحیتوں اور قوتوں کے موجود ہونے پر غور کرو مثال کے طور پر انسان ہی کو لے لیجئے۔ قدرت نے انسان کو اس طرح تخلیق کیا ہے کہ وہ علوم وفنون کو حاصل کرے دستکاری و صنعت میں کمال پیدا کرے اور اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر مجبور ہے کہ کپڑے کا بننا، مکانات کی تعمیر، لکڑی کا کام، اور فن و ہنر گری وغیرہ کو بھی انجام دے اس مصلحت و حکمت کے پیش نظر خدا نے انسان کو اس کے مناسب عقل و شعور اور دل و دماغ عطا کیا اعضاء کی ساخت میں بھی اس تناسب کو ملحوظ رکھا ہاتھوں کو اس طرح بنایا کہ اس میں انگلیاں اور ہتھیلی ہے کہ وہ اشیاء کو گرفت کر سکے دستکاری اور دوسرے کاموں کی انجام دہی کے اوقات میں ان اوزاروں کو صحیح طرح سے گرفت میں لاکر ان کا استعمال کر سکے۔

ان جانوروں کی بناوٹ پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے گوشت بنایا ہے کہ ان جانوروں کو شکار کرنے اور اس کو پکڑنے کی پوری پوری صلاحیتیں اور قوتیں بخشیں ان کے ہاتھ پاؤں میں تیز قسم کے ناخن اور پنجے بنائے کہ موقع پر وہ شکار کو قابو میں لاسکیں پھر ان کو چیر پھاڑ کرکے ان کو اپنی خوراک بنا سکیں۔

ان جانوروں پر غور کرو جن کی خوراک قدرت نے نباتات بنائی ہیں کہ بعض جانوروں کے نیچے حصوں کو اس طرح بنایا ہے کہ سخت زمین پر جب وہ اپنی خوراک کی تلاش میں چلیں پھریں تو زمین کی خشونت اور اس کے سنگ ریزوں کی رگڑ سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں اور پتھریلی زمین ان کے جسم کو زخمی نہ کر سکے اسی طرح کسی کسی جانور کو گول گڑھے دار کھر عطا کیے کہ زمین پر اپنے قدم کو پوری طرح جما سکیں اور سواری اور بار برداری میں اپنے قدموں کو مضبوطی سے زمین پر قائم رکھ سکیں۔

گوشت خور جانوروں کی تخلیق پر غور کرو کہ ان کے دانت اور ڈاڑھیں کیسی تیز اور دھار دار بنائی ہیں اور ان کا منہ کیسا کشادہ رکھا ہے گویا قدرت نے ....ان کو ایک قسم کے

ہتھیار عطا کیئے ہیں جن سے وہ اپنے لیے شکار حاصل کر سکیں اس کے برخلاف اگر گھاس کھانے والے جانوروں میں پنجے اور تیز دانت اور دھاردار ڈاڑھیں ہوتیں تو ان کے کس کام آتیں، قطعاً بے سود ہوتیں کیونکہ نہ تو ان کو شکار سے کوئی کام اور نہ گوشت کھانے کی ضرورت جو ان چیزوں سے مدد لیں اس طرح سے کہ اگر درندوں میں اس قسم کے پہلو اور کھال ہوتی جس کی ضرورت گھاس کھانے والے جانوروں کو پیش آتی ہے تو یہ ان کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی اور وہ اپنے لئے شکار حاصل نہ کر سکتے جو ان کی غذا ہے گویا وہ ان ہتھیاروں سے بھی محروم ہوتے جن کی ان کو شکار کرنے میں ضرورت ہو۔

پس اب اس پر غور کرو کہ قدرت نے ہر جانور کو اس کی ضروریات اور مصالح کے مناسب اعضاء، قوی اور جسمانی ساخت عطا فرمائی ہے اب ان کے بچوں کی پیدائش کو دیکھو، مثلاً چوپایوں کے بچوں پر نظر کرو کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کے ساتھ ساتھ کس طرح سے چلتے پھرتے ہیں انسانوں کی اولاد کی طرح نہ ان کی پرورش کی ضرورت اور نہ اس طرح سے اٹھائے پھرنے کی حاجت اس لئے ان کی ماؤں میں وہ عقل وشعور بھی نہیں پیدا کیا جس کی ضرورت انسانوں کو اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں پڑتی ہے اور نہ ان میں اس طرح کے ہاتھ اور ان میں انگلیاں بنائیں جن کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے یہ سب اسلیئے کہ ان چوپایوں کے بچوں میں مستقل خود چلنے پھرنے کی صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ اپنی ماؤں کے ساتھ ساتھ رہیں۔

پرندوں میں مرغی تیتر وغیرہ کے بچوں کو دیکھو کہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو بچے کمزور ہوتے ہیں اور خود ماں کے ساتھ ساتھ دانہ دنکا نہیں کھا سکتے جیسے کبوتر کے بچے، ان کی ماؤں کو خدا نے ان پر ایسا شفیق اور مہربان کیا ہے کہ وہ خود ان کو بھراتی ہیں۔ اپنے منہ میں چبا کر بچوں کو کھلاتی ہیں اور ان کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ وہ اپنی قوت پر خود چل پھر کر دانا چگ سکیں خدا نے اس طرح ہر ایک میں یہ مادۂ رحم وشفقت کم وبیش اپنی بلیغ حکمت سے عطا فرمایا ہے۔

چوپاؤں کے قوائم (ٹانگوں) پر نظر کرو کہ چلنے پھرنے اور دوڑنے میں وہ کس طرح سے اپنے آگے پیچھے کے دو دو پاؤں کو زمین پر رکھتا ہے تاکہ زمین پر قائم رہ سکے، پانی کے جانور پانی پر چلنے میں اپنے جسم کے حصہ سے وہی کام لیتے ہیں جو پاؤں والے زمین پر اپنے پاؤں سے کام لیتے ہیں دو ٹانگوں والے چلنے میں جب ایک پاؤں کو اٹھاتے ہیں تو دوسرے پر اس طرح

سہارا دیتے ہیں کہ قائم رہ سکیں اور چار ٹانگوں والے جب دو دو پاؤں کو آگے پیچھے بڑھاتے ہیں تو اٹھاتے وقت دوسری دو ٹانگوں پر اس طرح سہارا کرتے ہیں کہ گرنے نہیں پاتے اور اس حکمت سے ٹانگوں کو اٹھاتے ہیں کہ آگے کی ایک طرف تو پیچھے کی دوسری طرف کی جو آگے کی مخالف جہت ہو، کیونکہ ایک ہی جہت کی آگے پیچھے کے بیک وقت پاؤں اٹھانے کی حالت میں وہ اپنا جسم سادھ نہیں سکتے جس طرح کہ پلنگ ایک ہی طرف دو پایوں پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح اگر وہ دونوں ہاتھوں کو اٹھائیں، اور پھر دوسری دفعہ میں دونوں پاؤں اس طرح رفتار میں خرابی پیدا ہو کر وہ سواری اور بار برداری کی صحیح خدمت نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے خدا نے ان میں یہ حکمت اور سوجھ بوجھ دی ہے کہ جب آگے کا دائیں طرف کا پاؤں اٹھائیں تو پیچھے کا بائیں طرف کا تاکہ آگے پیچھے کی مخالف سمت کی ٹانگوں پر وزن سیدھا رہے اور چال میں نرمی اور سلامتی باقی رہے گدھے کو دیکھو کہ بار برداری اور چکی میں کام آتا ہے برخلاف گھوڑے کے اس سے یہ کام کوئی نہیں لیتا اور اونٹ اگر سرکشی کرنے لگے تو چند لوگوں کے قابو میں بھی نہیں آتا اور جب وہ عاجزی اور سادے پن میں ہو تو ایک چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں نکیل دید یجئے وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اور سرکش بیل اس وقت تک قابو میں نہیں آتا تاوقتیکہ اس کی گردن کو گرم لوہے سے نہ داغا جائے تب ہی اس سے کھیت جوتنے کا کام لیا جا سکتا ہے گھوڑے سواری کے کام آتے ہیں اور میدان جنگ میں ان پر اسلحہ بھی لاد کر لے جایا جاتا ہے بکریوں کے گلہ کو ایک چھوٹا سا بچہ بھی چرانے کو لے جاتا ہے لیکن جب وہ گلہ اس سے جدا ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں تو پھر ان کا یکجا کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے یہی حال تمام جانوروں کا ہے کہ ان کو عقل و شعور اسی لئے ہوتا ہے خدا نے ان کے مناسب دیا ہے جو انسان کی خدمت کرنے میں مزاحم نہ ہو ورنہ یہ انسان کے قابو میں ہرگز نہ آسکتے تھے ....

...........خواہ انسان کتنا ہی ان کو تابع کرنے کے لیئے جدوجہد کرتا۔

یہی حال درندوں کا ہے اگر ان میں عقل و شعور ہوتا تو یہ انسانوں پر برابر حملہ کرتے رہتے اور ان کو باز رکھنے کے لئے انسان کو بڑی مشقتیں اٹھانا ہوتیں خصوصاً اس صورت میں جب وہ بھوکے ہوتے اور غذا کی طلب میں پھرتے تو انسانوں کا نکلنا اور چلنا پھرنا تک بند کر دیتے اس لئے خدا نے ان کو باوجود قوت و طاقت زیادہ دینے کے عقل و شعور سے محروم رکھا اور انسانوں سے خائف رہنے کا جذبہ ان میں پیدا فرما کر انسان پر بڑا احسان کیا۔

کتے کو دیکھو وہ بھی ایک قسم کا درندہ ہے انسان کا کیسا تابع دار ہو کر رہتا ہے کہ مالک

کے مکان کی حفاظت کرتا ہے ساری رات خود جاگتا ہے مگر مالک کی حراست میں جان دیتا ہے پھراپنی گرجدار آواز سے ہر خطرہ پر مالک کو متنبہ بھی کر دیتا ہے کہ مالک ہوشیار ہوکراپنی مدافعت کے لئے تیار رہے کتے میں صبر کا کیسا مادہ ہے کئی کئی وقت تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے مگر مالک سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا مالک اس پر کتنی ہی سختی کرے مارے پیٹے لیکن وہ اس پر بھی اس کو نہیں چھوڑتا یہ فضائل وعادات کتے میں خدا نے انسان کی منفعت کی خاطر پیدا فرمائے ہیں۔

کتا شکار میں کیسا کام آتا ہے اور شکار کو اپنے دانت اور ناخن سے قبضہ میں کر کے مالک کے لئے محفوظ کرتا ہے یہ سب کچھ انسان کی منفعت اور فائدہ کی غرض سے خدا نے بنائے ہیں۔

پھران چوپاؤں کی پیٹھ کو خدا نے کس طرح مسطح اور چار پاؤں پر مضبوط بنایا ہے تاکہ سواری اور بار برداری سے لچک نہ جائے اور قائم رہ سکیں جانوروں کے اندام نہانی (فرج ،شرمگاہ) کو پیچھے کی طرف ظاہر اور کھلا ہوا بنایا تاکہ نر ان سے آسانی سے جفتی کر سکے اگر انسانوں کی طرح باطنی سطح میں ہوتی تو نر ان سے جفتی نہ کر سکتا۔

کیونکہ نر مادہ سے ملتے وقت سامنے سے روبرو ہو کر نہیں آتا جس طرح مرد عورتوں سے ملتے ہیں پس یہاں بھی خدا کی حکمت وتدبیر پر غور کرو۔ ہاتھی کی شرمگاہ اگرچہ نیچے کے حصہ میں بنائی ہے مگر جفتی کے وقت وہ اپنے اس حصہ کو......باہر کی طرف لے آتا ہے کہ نر اس سے بآسانی جفتی کر سکے پس چونکہ خدا نے جانوروں میں اس مقام کو انسان کے خلاف بنایا ہے اسی اعتبار سے ان میں چند مخصوص صفتیں ایسی رکھی ہیں کہ وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکیں اور اس طرح تناسل کا سلسلہ جاری اور قائم رہتا ہے۔

پھر جانوروں کے جسم کو بالوں اور اون سے کس طرح ڈھانپا ہے کہ سردی اور گرمی سے ان کے جسم کی حفاظت رہے ان کے پاؤں کو کھروں اور ناخنوں پر بنایا کہ سخت زمینوں پر دور دور سفر کرنے میں برہنہ ہونے کی حالت میں زخمی نہ ہوں اور محفوظ رہیں اور بعض میں کھر کے قائم مقام پے تابے ان کے پاؤں پر پہنا دیئے ہیں جو ان کے لئے چلنے میں وہی کام دیتے ہیں۔

جانوروں کو جب اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ نہ ان میں ذہن ودماغ ہے نہ ہاتھ اور انگلیاں جو کام میں مدد دیتی ہیں تو قدرت نے اس مشقت سے بھی ان کو نجات دیدی ہے اور ان کا لباس ان کے جسم کے ساتھ ہی نہ جدا ہونے والا پیدا کیا ہے نہ اتارنے کی ضرورت، نہ پہننے

کی مشقت اور نہ اس کے تبدیل کرنے کی زحمت برخلاف انسان کے کہ اس کو قدرت نے سمجھ اور عقل عطا کی ہے ہاتھ پاؤں اس طرح سے تخلیق کیئے ہیں جن سے تمام کام لیا جا سکے اس لئے اس کے مشاغل ومصروفیات بھی اسی قسم کے ہیں پھر اس میں خیر وشر کا ملکہ عطا کیا بلکہ شر کا میلان خیر کی نسبت زیادہ ہے اس میں اس قسم کے اسباب بنائے جن کی مدد سے وہ ہلاکت وتباہی سے اپنے کو محفوظ رکھ سکیں انسان میں ملکہ خیر کے ساتھ ملکہ شر کو اس مصلحت سے پیدا کیا گیا اور صرف ملکہ شر کو یا ملکہ خیر کو تنہا نہیں پیدا کیا کہ ملکہ شر کے خالص ہونے میں اگر اس کی اعانت وامداد کی جاتی تو وہ غرور وتکبر میں پھنس کر اپنے کو تباہ کر ڈالتا اور زمین پر فساد برپا کرنے میں سب سے آگے ہوتا اور اپنی عقل کی قوت سے جو سعادت وصلاح کے حصول کے لئے دی گئی ہے وہ شقاوت وبدبختی کے جملہ اسباب فراہم کر لیتا۔

انسان کو خدا نے تمام حیوانات میں اشرف واکرم بنایا ہے اس پر طرح طرح سے احسانات کئے ہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے، کہ کپڑوں میں سے جس کپڑے کو چاہے پسند کرے اور جس قسم کا کپڑا پسند کرے استعمال کرے اور جس کپڑے کو جب چاہے اتار ڈالے اور اس طرح وہ اپنے کو بہتر سے بہتر آراستہ وپیراستہ کر سکتا ہے پھر مزید حسن وتجمل کے لئے اور احباب کی مجلسوں میں درجہ قرب حاصل کرنے کے لیئے قیمتی سے قیمتی فینسی سے فینسی کپڑے اور خوشبو اور عطر کا استعمال کرے یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کی زیبائش وآسائش کے کیسے کیسے سامان پیدا کیئے اور انسانوں کو ان چیزوں کے استعمال کی عقل وسمجھ عطا کی اور پھر اس کو اختیار بھی دیا برخلاف دوسرے جانوروں اور حیوانات کے کہ وہ ان نعمتوں سے محروم ہیں۔

خدا نے ان تمام جانوروں کو موت وہلاکت سے اپنے کو بچانے کی کیسی عقل دی ہے کہ وہ اپنے کو جنگلوں اور جھاڑیوں میں کس طرح پوشیدہ کئے رہتے ہیں، اور ذرا بھی خطرہ محسوس ہوا فوراً محفوظ اور پوشیدہ مقام پر جا چھپتے ہیں اور مرتے دم تک اپنے کو چھپائے رکھتے ہیں اور اگر یہ غلط ہے تو پھر یہ بڑے بڑے جثہ والے درندے اور چرندے اور ہزاروں قسم کے جنگلی جانور کہاں ہیں تم تلاش کرو تو ایک بھی بمشکل نظر آئے گا اور ایسا ہے نہیں کہ وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اس لئے نظر نہیں پڑتے بلکہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ تعداد میں انسانوں سے کہیں زائد ہیں تو اس کا یہ قول مبالغہ نہیں کیونکہ یہ بڑے بڑے لق ودق جنگل درندوں اور جانوروں، بجو گائے، گدھے، خچر، بکرے، اونٹ، سور، بھیڑیئے اور ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑوں حشرات الارض اور قسم قسم کے بے شمار پرندوں سے بھرے پڑے ہیں اور یہ تمام اقسام کے

جانور روزانہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اور ان میں سے کسی کی نہ تو ہڈیاں نظر پڑتی ہیں اور نہ ان کے مردہ جثے کہیں پڑے ملتے ہیں بلکہ قدرت نے ان کی طبیعت ایسی بنائی ہے کہ کسی مقام پر بھی ہوں اگر ان کو اپنی موت کا ذرا بھی شبہ ہو جائے تو وہ پوشیدہ مقامات میں چلے جاتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحات وہاں پورے کرتے ہیں اب تم ان جانوروں کی اس عادت وطبیعت پر غور کرو کہ وہ اپنے مردہ جثوں کو دفن کرنے کے لئے وہ کیسی تدبیر کرتے ہیں اور قدرت نے ان کو کیسی حکمت بتادی ہے۔

ان چوپاؤں کی تیز آنکھوں پر غور کرو جو اپنی تیز نگاہ کے سامنے سے دور کی چیز کو دیکھ کر اپنے کو دیوار وغیرہ سے ٹکرانے اور گڑھوں میں گر کر ہلاک ہونے سے کس طرح محفوظ کرتے ہیں سامنے جب کوئی ایسی شئے نظر آتی ہے جس میں ان کو خطرہ محسوس ہو، فوراً اس طرف سے مڑ جاتے ہیں اور اپنے کو روک لیتے ہیں اگرچہ بہت سے ان خطرات اور عواقب سے بے خبر ہوتے ہیں جو ان کو پیش آنے والے ہیں اور جو ان ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھے جاسکتے کیا ان میں یہ دور بینی کی قوت خدا نے ان کی صلاح وسلامتی کے لئے نہیں پیدا فرمائی تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں۔

ان کے منہ کی ساخت پر غور کرو نیچے کی طرف سے کس طرح کھلا ہوا ہوتا ہے تا کہ گھاس وچارہ بخوبی چر سکیں اگر انسانوں کی طرح سے ان کا منہ ہوتا تو وہ زمین میں سے کوئی چیز نہ کھا سکتے تھے پھر کھانے میں منہ کی مدد کے لئے ان کے ہونٹ بھی مخصوص انداز اور خاص صفت سے بنائے ہیں جو چیز قریب ہوتی وہ اس کو اٹھا لیتے ہیں اور کھانے کی چیز کو لے لیتے ہیں اور جو چیز کھانے کی نہیں ہوتی اس کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے پانی پینے کے طریقہ پر نظر کرو کہ وہ کس طرح چوس چوس کر سکون سے پیتے ہیں ان کے منہ کے چاروں طرف خدا نے بالوں کو کس حکمت سے بنایا ہے پانی پینے میں پانی پر جو تنکے کوڑا کرکٹ بہہ کر آتا ہے منہ کے قریب کے بال اس کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور مخصوص حرکت سے اس پانی کو صاف وستھرا کرتے رہتے ہیں گویا اس طرح سے چھنا ہوا صاف پانی پینے میں آتا ہے اور گدلا اور خراب پانی ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔

جانوروں اور چوپاؤں کی دم پر نظر کرو، اس کی حکمتوں اور فوائد پر غور کرو خدا نے اس کو بجائے پردے کے بنایا ہے جس کے ایک طرف بال ہوتے ہیں گویا وہ دم چوپائے کی شرمگاہ پر پردے کا کام دیتی ہے ان کی شرمگاہ اور زیر میں حصہ پر کیونکہ عموماً گندگی اور غلاظت لگی رہتی ہے

اوراس گندگی کی وجہ سے مکھیاں اور مچھر جمع رہتے ہیں اپنی دم کو ہلا کران مکھیوں اور مچھروں کو دفع کرنے میں مدد ملتی ہے ان کی دم ایک لانبی چھڑی یا مورچھل کی طرح ہوتی ہے کہ اس سے وہ مکھیوں اور مچھروں کو ہٹانے اور اڑانے کا کام لیتے ہیں منہ کی طرف مکھیاں اور مچھر آتے ہیں تو اپنے سرکو ہلا کران کو دفع کرتے ہیں پھر خدا نے ان چوپایوں کے جسم میں مخصوص حرکت کی قوت رکھی ہے کہ اگر جسم کے کسی ایسے حصہ پر مکھیاں بیٹھیں جو حصہ دم اور سر کی پہنچ اور حرکت سے دور ہو تو یہ چوپائے اپنے جسم کے اسی مخصوص حصہ کو بھی حرکت دے لیتے ہیں، جن سے مکھیاں اڑ جاتی ہیں یہ خدا کی بڑی عظیم حکمت ہے کہ جہاں ہاتھوں کی پہنچ نہیں وہاں اس حکمت سے کام لیتے ہیں۔

ان چوپایوں میں ایک اور صفت خدا نے رکھی ہے کہ جب ان کے جسم میں تکان زیادہ محسوس ہوتی ہے تو اپنے دائیں اور بائیں حصہ کو حرکت دے کر کسی قدر تکان کو دور کر لیتے ہیں ان کے ہاتھوں پر ان کا جسم سیدھا ہوتا ہے جس پر بوجھ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے بدن سے نہ تو مکھیوں مچھروں کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کھجلی کھجا سکتے ہیں تو ان کی دم کی حرکت اور جسم کی حرکت میں قدرت نے راحت و منفعت پوشیدہ رکھی ہے اور پھر بہت سرعت سے اپنی دم کو حرکت دے لیتے ہیں تا کہ کھجلی کی تکلیف زیادہ عرصہ ہو کران کی مزید اذیت کا باعث نہ بنے۔

ان جانوروں میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ جب پانی یا کیچڑ یا دلدل میں ہوتے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو وہ اپنی دم کو اٹھا لیتے ہیں کہ وہ پانی اور کیچڑ میں ملوث نہ ہو۔

اور جب کسی ڈھلان سے اترنا ہوتا ہے اور اوپر بوجھ لدا ہوتا ہے جس کے گرنے کا ان کو خوف ہو تو وہ اپنے سر کو اور چہرہ کو اس طرح سے اوندھا کر لیتے ہیں کہ وہ محفوظ رہے اور دم سے اس طرح سے سہارا دیے دیتے ہیں کہ وہ سامان رکا رہتا ہے گرنے نہیں پاتا اور اگر گرتا بھی ہے تو ان کا چہرہ اور سر اس کی ضرب سے مجروح نہیں ہونے پاتا پس یہ ایسی حکمت و مصلحت ہے کہ سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم اور اس نے ان جانوروں میں اس کا احساس پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہاتھی کی سونڈھ کو دیکھو کہ وہ کس طرح سے ہاتھوں کے قائم مقام کام دیتی ہے گھاس اور چارہ کے اٹھانے میں اور منہ تک لے جانے میں اگر ایسا منہ ہوتا تو اس کے لئے بڑی دشواری ہو جاتی، اور زمین سے کسی چیز کو نہ اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کی گردن دوسرے جانوروں کی طرح

سے حرکت نہیں کرسکتی اسلئے قدرت نے اس کی سونڈ میں یہ صفت پیدا فرما کر اس پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

پھر اس سونڈ کو برتن کے قائم مقام بنادیا ہے کہ وہ اس میں پانی بھر کر منہ میں لے جاتا ہے اس سونڈ سے سانس بھی لیتا ہے گویا وہ ایک قسم کا آلہ ہے کہ اس کے ذریعہ بوجھ اٹھا کر اپنی پیٹھ پر رکھتا ہے اور سوار ہونے والے بھی سونڈ کی مدد سے اس پہ سوار ہوتے ہیں۔

زرافہ (ایک لمبی گردن والا جانور جو افریقہ کے صحرا میں پایا جاتا ہے اور اونٹ کی طرح ہوتا ہے) اس کی خلقت پر نظر کرو اس کی بود و باش بلند بلند اور گھنے باغوں میں ہوتی ہے اس لئے قدرت نے اس کی گردن لانبی بنائی کہ وہ بلند بلند درختوں سے اپنی غذا پھل حاصل کر سکے۔

لومڑی کو دیکھو، وہ اپنا مکان زمین کے اندر بناتی ہے اور دو راستے اس میں آنے جانے کے لئے بناتی ہے اور وہ راستے بہت تنگ بناتی ہے دو راستے اس حکمت سے کہ اگر ایک راستہ سے اس کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ دوسرے راستہ سے بھاگ جاتی ہے اور اگر دونوں راستہ سے کوئی اس کو پکڑنا چاہے تو وہ ان راستوں کو اپنے سر سے بند کر دیتی ہے اور اس کے نیچے کوئی نہ کوئی سوراخ ایسا رکھتی ہے جس سے ہو کر وہ اپنے کو نجات دلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے پس اس کی سمجھ کو دیکھو کہ خدا نے اس کو کیسی سمجھ عطا کی ہے جس سے وہ اپنی حفاظت کا سامان کرتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان جانوروں میں مختلف طبیعتیں اور مختلف حکمتیں اور صفتیں رکھی ہیں جو جانور انسان کے گوشت کھانے کے کام آتے ہیں ان میں قدرت نے عاجزی اور اعتقاد و اطاعت کا مادہ رکھا ہے کہ با آسانی انسان کے قابو میں آسکیں اور ان کی خوراک نباتات کو بنایا ہے جن جانوروں کو بار برداری کے لئے بنایا ہے ان کو طبیعت کا سیدھا سادھا بنایا ہے غیظ و غضب کا جذبہ برائے نام رکھا ہے اور ان کو ایسی شکل میں بنایا کہ بار برداری کے کام میں اچھی طرح آسکیں اور بعض جانور جن میں غضب و شر کا حربہ زیادہ ہے ان میں تنظیم و تعلیم کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھی تاکہ وہ لوگوں کے کام آسکیں اور شکار اور حفاظت کا کام دے سکیں اور اسی طرح ہاتھی ہے جو نہایت سمجھدار جانور ہے اور اس میں تعلیم و تادیب کی قبولیت کی خاص استعداد ہے جس سے بار برداری اور میدان جنگ میں خاص کام لیا جاتا ہے وہ جانور جن میں غضب و شرارت کا حربہ کسی قدر موجود ہے تو ان میں محبت و انس کا جوہر بھی بہ نسبت

دوسرے جانوروں کے زیادہ ہے جو انسان کے بہت کام آتے ہیں جیسے بلی، پرندوں میں بھی ایسے پرندے ہیں جن سے انسانی فائدے متعلق ہیں اور پھر ان جانوروں میں محبت والفت کا جزبہ بھی غیر معمولی پایا جاتا ہے مثلاً کبوتر ہے جو اپنے مقام کو کبھی نہیں بھولتا اور اس سے خبر رسانی اور پیغام رسانی کا کام بھی لیا جاسکتا ہے، ضرورت پڑنے پر یہ جانور بڑے کام کا ہے پھر یہ جانور کثیر النسل بھی ہے کھانے کے کام میں بھی آتا ہے۔

ایک جانور باز بھی ہے جس میں انس کا مادہ بھی ہے لیکن اس میں اس کے خلاف جذبہ غضب بھی ہے مگر کیونکہ شکار کے کام میں وہ لایا جاسکتا ہے اس لیے خدا نے اس میں تادیب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے جس سے اس میں فرمانبرداری اور اطاعت کی خوب غالب ہوتی ہے، اور پھر وہ حسب ہدایت کام کرتا ہے اور شکار کے کام میں اچھی مدد دیتا ہے اور نا معلوم کتنی اور کون کونسی حکمتیں اور مصلحتیں قدرت نے جانوروں میں مخفی رکھی ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے۔

شہد کی مکھی، چیونٹی، مکڑی، ریشم کا کیڑا اور مکھی وغیرہ کی پیدائش کی حکمتوں کا بیان۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وما من دابۃ فی الارض
ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم
امثالکم مافرطنا فی الکتاب من
شیء ثم الی ربھم یحشرون۔
اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں
اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں جو اپنے دونوں

بازؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی ایسی قسم نہیں
جو تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں ہم نے لوح
محفوظ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کو نہ لکھا ہو۔
پس سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیئے
جائیں گے۔

خدا کی چھوٹی سی مخلوق چیونٹی کو دیکھو قدرت نے ان کو اپنی غذا جمع رکھنے کی کیسی حکمت سکھائی اور اس کام میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح سے تعاون کرتی ہے اور اپنی اس باہمی کوششوں سے اپنے لیئے اس وقت کے لئے جب وہ شدت گرمی اور شدت سردی سے باہر نہ نکل سکیں وہ سب مل کر اتنی غذا جمع کر لیتی ہیں کہ اطمینان وسکون سے اپنے سوراخوں میں بیٹھی کھایا کریں یہ کیسی دوراندیشی ہے جو بہت سے انسانوں کو بھی نہیں سوجھتی جو عاقبت اندیشی میں مشہور ہے۔

جب کوئی چیونٹی کسی چیز کو خود نہیں سنبھال سکتی تو دوسری چیونٹیاں اس بوجھ کو لے جانے میں کس طرح سے اس سے تعاون کرتی ہیں جس طرح کوئی وزن ایک انسان کی طاقت سے زائد ہو تو دوسرے اس کو اٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔

زمین میں اپنے اپنے رہنے کے مکانات کس تدبیر سے بناتی ہیں زمین کی مٹی کو کس طرح یکے بعد دیگرے باہر لا کر ڈالتی ہیں حتیٰ کہ رہنے کی جگہ صاف کر لیتی ہیں اور پھر مکان کے تیار ہو جانے کے بعد اپنی خوراک اکٹھا کرتی ہیں اور جو غلہ جمع کرتی ہیں اس کو اپنے دانتوں سے کتر کر رکھتی ہیں مبادا زمین کی نمی سے اس میں کلہ پھوٹ جائے یہ حکمت و دانش مندی اس چھوٹے سے کیڑے میں سوائے اس خدا کے کسی نے نہیں بخشی جو حکیم وقادر ہے اور رحمٰن ورحیم ہے۔

اگر وہ دانے پانی کی نمی سے تر ہو جائیں تو ان کو باہر نکال کر دھوپ اور ہوا میں خشک کرتی ہیں۔

اپنے مکانات نشیبی زمین میں کبھی نہیں بناتی کہ پانی اس میں جمع ہو کر ان کی ہلاکت کا سبب ہوگا بلکہ بلند حصہ زمین پر مکانات تعمیر کرتی ہیں۔

اب تم شہد کی مکھی اور اس میں جو قدرت نے عجیب وغریب حکمت عطا کی ہے اس پر غور کرو۔

ان شہد کی مکھیوں میں ایک سردار ہوتا ہے جس کے حکم و اشارے پر تمام مکھیاں کام کرتی ہیں ان مکھیوں میں اگر کوئی دوسرا مکس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سب مل کر اس کو مار ڈالتی ہیں تا کہ ان میں افتراق و انتشار نہ پیدا ہو، اور ایک ہی کی متابعت میں وہ سب باہم متحد و متفق رہیں۔

یہ مکھیاں پھولوں سے کسی قسم کی رطوبت چوستی ہیں جو خدا کی قدرت سے ان کے منہ میں شہد میں تبدیل ہوتی ہے اس حکمت و تدبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس شہد میں اپنے بندوں کے لئے کس طرح مصالح و مفاد کو پیش نظر رکھا ہے یقیناً اس میں امراض کے لئے شفا ہے جیسا کہ خدا نے خود فرمایا ہے شہد میں غذائیت اور دوسری منفعت بھی ہے۔ جس طرح دودھ میں بیشمار فوائد بنی نوع انسان اور حیوانات کے لئے مضمر ہیں۔

یہ مکھیاں اپنے پاؤں میں موم لا لا کر چھتا میں جمع کرتی ہیں کہ جس میں شہد محفوظ رہے شہد کی حفاظت کے لئے موم کے برتن سے زیادہ موزوں اور مناسب کوئی برتن نہیں ہوسکتا۔

اب اس پر غور و فکر کرو کہ ان مکھیوں کو یہ حکمت و سبق سوائے خدا کے کون دے سکتا ہے جس کی بناء پر انھوں نے شہد کو موم کے برتن میں ایک خاص مدت تک کے لئے محفوظ رکھا اور پھر بلند درختوں اور پہاڑوں پر اپنا گھر تیار کیا کہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے مکھیاں رس لینے کے لئے دن میں نکلتی ہیں رات کو اپنے گھر میں بصیرا لیتی ہیں اور جب واپس آتی ہیں تو اپنی غذا ساتھ لے کر آتی ہیں۔

پھر ان کے مکان کی ترتیب و ساخت کو دیکھو کس حکمت سے اس میں ہشت پہلو سوراخ بناتی ہیں اور بول و براز کے لئے اپنے گھر میں علیحدہ سوراخ بناتی ہیں تا کہ شہد ان میں مل کر خراب نہ ہو یقیناً ان کا مکان چھتہ اس کی ساخت بڑی حکمت و تدبیر سے ہوتی ہے۔ جس سے خدا کی حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔

مکڑی کو دیکھو، خدا نے اس کے جسم میں ایک ایسی رطوبت پیدا کی ہے۔ جس سے وہ اپنے رہنے کے مکان بناتی ہے اور اس سے اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے شکار پھانسنے کا جال بھی تیار کرتی ہے قدرت نے عجیب و غریب حکمت رکھی ہے کہ اس غذا سے اس کے اندر ایسی رطوبت تیار ہوتی ہے۔ جس کو وہ مکان بنانے اور شکار کے لئے جال تیار کرنے میں صرف کرتی ہے مکان اس طرح سے بناتی ہے کہ خود اس میں بالکل چھپ جاتی ہے یہ دونوں چیزیں نہایت رقیق تار کی طرح ہوتے ہیں جو اس رطوبت سے بنتے ہیں اور یہی رقیق و کمزور تار شا

کے پاؤں کے چاروں طرف اس طرح سے آگے پیچھے بندش کردیئے جاتے ہیں کہ شکار جانے نہیں پاتا اور وہ اس میں پھنس کر بالکل بے دست پا ہوجاتا ہے اس کے تیار کردہ پھیلائے ہوئے جال میں جب کوئی شکار آتا ہے تو بہت پھرتی سے وہ اپنے گھر سے باہر آتی ہے اور اس کو چاروں طرف سے خوب جکڑ دیتی ہے اور پھر اس کو پوری احتیاط سے پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہے بھوکی ہوتی ہے تو اسی وقت اس سے اپنی غذا حاصل کرتی ہے ورنہ آئندہ کے لیے رکھ لیتی ہے دیکھو خدا نے اس مکڑی کو کیسی سوجھ بوجھ عطا کی ہے اور اس کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں جب اتنی چھوٹی سی مخلوق میں اس نے ایسے اسباب ووسائل پیدا کیے ہیں اور ان کو استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے تو پھر انسان کو اس نے کیسے کیسے وسائل وحکمتوں سے نوازا ہوگا یقیناً وہ بڑا حکیم ومدبر ہے۔

ریشم کے چھوٹے سے کیڑے کو دیکھو، اس کو دیکھ کر خدا کی قدرت نظر آتی ہے گویا اس کی زندگی انسانی مصالح ومفاد کی خاطر ہے یہ کیڑا اپنے جسم سے ریشم تیار کرتا ہے اور اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ ایک تخم کے برابر ایک شکل ہوتی ہے اور وہ گویا انڈہ ہوتا ہے جو کچھ دن میں گرمی پاکر ایک کیڑے کی شکل ہوجاتا ہے اور یہ ننھا سا کیڑا پتہ پر کس طرح رکھ دیا جاتا ہے پس یہ اس پتہ سے اپنی غذا حاصل کرتا رہتا ہے اور اسی طرح سے کچھ دن میں وہ ریشم کا ایک گولہ بننا شروع ہوجاتا ہے حتیٰ کہ ریشم کا ایک گولہ تیار ہوجاتا ہے اور کیڑا ریشم کے ایک گولے کی نظر ہوجاتا ہے اس کی زندگی بس اتنی ہی ہوتی ہے۔

قدرت نے جب ایسی مفید جنس کو باقی رکھنا چاہا تو اس کے لئے ایسے ہی اسباب پیدا فرمائے جب یہ ریشم کا گولہ تیار ہوچکتا ہے تو وہاں ایک بہت چھوٹا سا پردار کیڑا پیدا ہوکر اڑ جاتا ہے اور ان میں نر ومادہ کی کوئی تمیز معلوم نہیں ہوتی۔ یہ شہد کی مکھی سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا ہے اور یہ پردار چھوٹے سے کیڑے ایک دوسری پر تھوڑی دیر سواری کرتے ہیں جس سے ایک حاملہ ہوکر اسی وقت انڈا دیتا ہے جو اس تخم کی طرح ہوتا ہے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے پس یہ پردار کیڑے اڑ جاتے ہیں اور یہ انڈہ اسی مذکورہ بالا صورت کی طرح سے ریشم کے گولے میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

اب تم اس پر غور کرو کہ اس کیڑے کو خاص کر اس پتے سے غذا حاصل کرنے کی سمجھ کس نے دی پھر اپنے جسم کو اس طرح سے ریشم بنانے میں فنا ہونا کس نے سکھایا پھر آخر میں اس میں پروں کو کس نے پیدا کیا اور پھر اس کو اس شکل میں کس نے تبدیل کیا جس سے نسل باقی

رہنے کا سامان ہوا۔ اگر وہ اپنی اصل شکل میں رہتا تو پھر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا پھر جس ذات نے اس کیڑے میں اتنی سمجھ بوجھ عطا کی اس نے اس ریشم کے ذریعہ سے ایک کثیر دولت کے کمانے کی تعلیم دی اس سے قسم قسم کی اشیاء اور قیمتی کپڑے تیار کرنے کا سبق سکھایا اس عجیب وغریب حکمت اور خدا کی قدرت کو دیکھ کر جو اس ننھے سے کیڑے کی زندگی میں نظر آتی ہے خدا کی عظیم قدرت کا اندازہ ہوتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور گلی سڑی ہڈیوں پر گوشت پوست پیدا ہونے کا یقین اور زیادہ ہو جاتا ہے بیشک اس کی ذات اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب حکمتوں پر قادر ہے۔

اس مکھی کو دیکھو جس کو ہم نہایت ہی حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور یہ بظاہر اس کو بالکل غیر مفید سمجھتے ہیں یہ جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے پر اس وقت اس کے جسم پر ہوتے ہیں اور فوراً ہی اڑ کر وہ اپنی غذا حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر انھیں پروں کے ذریعہ وہ اڑ کر اپنے کو بچا لیتی ہے، مکھی میں قدرت نے چھ پاؤں بنائے ہیں چار پر وہ قائم رہتی ہے اور دو فاضل رہتے ہیں جو ضرورت پر کام لیتی ہے مثلاً اگر کسی ایسی گاڑھی لیدار چیز پر بیٹھ جائے جس سے اس کے پر آلودہ ہو کر اڑنے کے قابل نہ رہیں تو اپنے ان دونوں پاؤں کی مدد سے اپنے پروں کو صاف کر لیتی ہے اور اس کی آنکھیں دوسرے ان کیڑوں کی طرح جو انسان کے عیش وآرام کو مکدر کرتے ہیں بغیر پلکوں کی ہوتی ہیں اور سر سے باہر نکلی ہوتی ہیں یہ مکھی اور اس قسم کے دوسرے چھوٹے چھوٹے کیڑے مچھر، پسو، بھنگے وغیرہ کو خدا نے بنی نوع انسان کے پیچھے اس طرح لگا دیا ہے کہ کسی وقت بھی آرام وچین نہیں لینے دیتے تا کہ دنیا کی حقارت اور بے ثباتی ان پر آشکارہ ہوں اور دنیا سے چھٹکارہ ملنے کی آرزو ان میں پیدا ہو کیونکہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو نہایت ہی بے حیثیت اور بے طاقت ہیں وہ باوجود بار بار اڑانے کے بھی انسان کے جسم پر آ بیٹھتے ہیں۔ گویا وہ انسان کے جسم کو ایک بے حس وحرکت پتھر کی طرح سمجھتے ہیں تھوڑی دیر بیٹھے پھر ادھر ادھر کچھ حرکت کی اور اڑ گئے اور یہ اس لئے کہ شکار اسی چیز کا کیا جاتا ہے جس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے اور اگر اس کا مردہ ہونا معلوم ہو تو پھر اس کو کوئی شکار نہیں کر سکتا جس طرح پتھر کہ ان کو کوئی بھی نشانہ نہیں بناتا۔

عقاب کو دیکھو جس وقت وہ کچھوے کو شکار کرتا ہے اور جب اس میں کوئی جگہ ایسی نہیں پاتا جس کو وہ اپنی غذا بنا سکے تو اس کو اپنے پنجوں میں دبا کر بہت اونچا لے جاتا ہے اور پھر اس کو پہاڑ پر یا پتھر کی چٹان پر چھوڑ دیتا ہے جس سے کچھوے کا جسم پاش پاش ہو جاتا ہے اور پھر

عقاب آ کر اس کو کھالیتا ہے بتاؤ اس عقاب میں یہ عقل کس نے دی ہے۔

کوّے کو دیکھو، وہ ویسے بھی مکروہ ہے اس لئے اس کی طبیعت بھی کچھ اس طرح مخلوق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے کو دور ہی دور رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کو علم غیب ہے کہ ذرا کسی نے اس کو پکڑنے کا قصد کیا اور وہ اڑا پھر اس کو کیسی سمجھ ہے کہ بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے گھونسلے کو نہایت محفوظ اور پوشیدہ مقام پر رکھتا ہے اور بہت کم جفتی کرتا ہے مبادہ اس غفلت میں وہ پکڑا جائے غرضکہ انسان سے بہت خائف اور محتاط رہتا ہے برخلاف اس کے چوپایوں اور دوسرے جانوروں سے اس کا معاملہ بالکل برعکس ہے ان کی پیٹھ پر سر پر سینگھ پر گردن پر آ کر بیٹھ جاتا ہے اور کافی دیر تک بیٹھا رہتا ہے اونٹ کا خون اور چوپایوں کی لید میں بھی کچھ اپنی غذا ڈھونڈ لیتا ہے جب کوے کا پیٹ بھر جاتا ہے تو باقی بچے ہوئے کسی پوشیدہ مقام پر چھپا کے رکھ دیتا ہے جو دوسرے وقت اس کے کھانے کے کام آتا ہے بتاؤ یہ حکمت اور سمجھ اس میں کس نے پیدا کی یقیناً اس خدائے قادر وحکیم نے ان جانوروں میں یہ حکمت اور تدبیر پیدا فرمائی اگرچہ عقل سے یہ محروم ہیں۔

چیل ایک مکروہ شکل کا پرندہ ہے اور وہ بھی اپنے کو دور ہی رکھتی ہے خدا نے اس کو اڑنے کی بڑی زبردست طاقت دی ہے وہ نہایت بلندی پر اڑتی رہتی ہے اس میں قوت بینائی بہت تیز ہے کہ اتنی بلندی سے زمین پر اپنی خوراک کو دیکھ کر بہت تیزی سے نیچے آتی ہے اور اچانک اس چیز کو کسی بلند مقام پر جا کر کھاتی ہے اس کے پنجے نہایت تیز اور مڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ اتنی تیزی میں وہ زمین سے چیزوں کو اٹھا لے جانے میں مدد دیتے ہیں اور کبھی خطا نہیں کرتے۔

چھپکلی سے مشابہ ایک جانور ہے جس کو گرگٹ کہتے ہیں وہ ایک ہی جگہ پر بیٹھے رہنے کا عادی ہوتا ہے بہت کم چلتا پھرتا ہے خدا نے اس کی آنکھوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ چاروں طرف حرکت کرتی ہے اور وہ ایک جگہ پر ہی بیٹھے بیٹھے اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے چھوٹے چھوٹے کیڑوں کو وہ شکار کر کے کھا جاتا ہے پھر اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جس قسم کے رنگ دار درخت پر رہتا ہے اسی رنگ میں خود تبدیل ہو جاتا ہے جس سے بہت کم دکھائی دیتا ہے اور مکھیاں وغیرہ اس کو نہیں دیکھ پاتی اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے زبان نکالتا ہے اور بجلی کی طرح سرعت کے ساتھ ان کو چٹ کر جاتا ہے اور پھر درخت کی کسی ٹہنی پر اس طرح جم جاتا ہے گویا درخت کا ایک حصہ ہے۔

اس میں ایک خصوصیت اور بھی ہے کہ جب کوئی اس کو مارنا چاہے تو وہ اس کو ڈرانے کے لئے ایسے ایسے رنگ وروپ بدلتا ہے جس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

تلون مزاجی میں وہ ضرب المثل ہے اگر کوئی شخص بار بار مختلف رائے اور مختلف خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔

مکھیوں میں خاص قسم کی مکھی ہوتی ہے جو عام مکھیوں سے قدرے مختلف ہوتی ہے جو ان مکھیوں کو کھا جاتی ہے اور ان کو شکار کرنے کے لئے عجیب وغریب حکمت وتدبیر سے کام لیتی ہے جب کوئی مکھی اس کے قریب آ کر بیٹھتی ہے تو یہ بالکل بے حس وحرکت ہو جاتی ہے اور جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ مکھی اطمینان سے بیٹھی ہے تو یہ نہایت ہوشیاری سے اس کے اتنی قریب پہنچ جاتی ہے کہ ایک جست میں اس کو پکڑے اور پھر دفعتاً اس پر جھپٹتی ہے اور اس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور جب کچھ دیر بعد وہ مردہ ہو کر بے حس وحرکت ہو جاتی ہے تو اس سے اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے۔اب اس مکھی کی یہ ہوشیاری اور اس کی حیلہ سازی کیا اس کی خود پیدا کردہ ہے یا اس حکیم مطلق نے اس کو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے بخشی ہے۔

مچھر ننھی سے مخلوق کو دیکھو قدرت نے اس کا جسم بھی کتنا چھوٹا بنایا ہے اس چھوٹے سے جسم ہونے کے باوجود نہ اس کے ان پروں میں کوئی نقصان ہے جن سے وہ اڑتا ہے اور نہ ان پاؤں میں کوئی کوتاہی ہے جن پر وہ بیٹھتا ہے اور نہ بینائی میں کوئی کمی جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے مناسب مقام کو منتخب کرتا ہے اس مختصر سے جسم میں اس کا وہ ہتھیار بھی ہوتا ہے جس کو جسم میں چبھا کر خون پیتا ہے اس کے چھوٹے سے بدن میں وہ ساری مشینری موجود ہے جو اس کی غذا ہضم کرتی ہے اور پھر فضلہ کو باہر نکالتی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کھائے پیئے زندہ رہے اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان کی خوراک ایک ہی جگہ پر اس کو ہمیشہ دستیاب ہو سکے اور کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ فضلا بغیر کسی منفذ (سوراخ) کے اس کے جسم سے باہر آ سکے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس کے اس ننھے سے جسم میں اس قادر وحکیم نے بنایا ہے اور اس کے مناسب اعضاء بنائے پھر اس کو اپنی غذا حاصل کرنے کی معرفت وحکمت عطا کی نفع ونقصان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی ہے اس سے خدا کی حکمت وکبریائی کا پتہ معلوم ہوتا ہے اور اس کی بلیغ قدرت وحکمت کا سبق ملتا ہے اگر چہ یہ مچھر جو بظاہر ایک حقیر اور نہایت ہی چھوٹا سا جسم رکھتا ہے اگر آسمان وزمین کی تمام مخلوقات فرشتے وغیرہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ قدرت نے اس کے اجزاء کو کس طرح سے تقسیم وترتیب دیا ہے اور کیسے متعدل بنایا ہے تو یہ ساری مخلوقات بجز بجز

وانکسار کے کچھ اظہار نہ کر سکیں گے۔ پھر اگر یہ سوچیں کہ اس مختصر جسم میں ساری قوتیں بھی بخشی ہیں جن سے وہ معلوم کر لیتا ہے کہ جلد اور گوشت کے مابین خون ہے جو میری غذا ہے اگر یہ علم پہلے سے نہ ہوتو وہ کبھی جسم پر بیٹھ کر خون چوسنے کی کوشش نہ کرتا اور پھر اس کی ہمت و جرأت کو دیکھو کہ کس طرح سے وہ اڑ کر اپنی مخصوص آواز سے پہلے آگاہ کر دیتا ہے اور پھر خود بھی ہوشیار رہتا ہے کہ ذرا سا شبہ ہوا اور وہ اڑا اور یہ بھی جانتا ہے کہ اڑ جانے میں اس کی نجات ہے اور جب وہ اڑ کر جاتا ہے تو پھر اس کو کوئی طاقت واپس نہیں لا سکتی جب ایک مچھر جیسی ادنیٰ اور حقیر مخلوق میں خدا نے ایسی ایسی حکمتیں اور تدبیریں پیدا فرمائیں تو پھر اور دوسری ہزاروں لاکھوں بیشمار مخلوقات میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ کی ہونگی۔

مچھلی کی پیدائش کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وھو الذی سخر لکم البحر لتاکلوا منہ لحما طریا۔

اسی خدا نے تم کو سمندر پر اختیار دیا کہ تم اس سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔

مچھلی کو دیکھو خدا نے سمندروں اور نہروں میں کیسی کیسی عجیب وغریب شکل وصورت کی مخلوقات بنائی ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہوتی ہے خدا نے جب ان کا ٹھکانا ہی پانی میں بنایا تو پھر اس مصلحت سے اس میں پاؤں اور پھیپھڑے نہیں پیدا کیے کیونکہ وہ پانی میں غوطہ لگانے کے وقت سانس نہیں لیتے پاؤں کی جگہ ان میں بازو بنائے ہیں جو تیزی سے ان کی منشاء کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور جس طرف وہ جانا چاہے جا سکیں ان کے جسم کو ایک ایسی جلد سے ڈھانپا ہے جس کے اجزاء بعض بعض میں گھسے ہوئے ہیں اور جو گوشت کی طرح نرم نہیں ہیں بلکہ سخت زرہ کی طرح ان کی پوری حفاظت کرتی ہے اور جن مچھلیوں میں اس طرح کے فلوس نہیں بنائے ان کے جسم پر ایک چھلکا سا پہنا دیا ہے جس کی جلد مضبوط اور دبیز ہے جو اس کے

لئے مکمل محافظ ہے مچھلی میں آنکھ، کان، ناک یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں جن کی مدد سے وہ خوراک حاصل کرتی ہے اور خطرہ ہونے پر اپنے کو بچاتی ہے پس دیکھو کہ سمندر کی گہرائی میں رہنے والی مخلوق کو کیسی مناسب اعضاء اور قوت بخشی ہے جو اس کے لئے طلب معاش اور دشمن سے نجات حاصل کرنے میں پوری طرح ان کی معاون ہیں۔

اور کیونکہ خدا کو معلوم ہے کہ بعض بعض کی غذا ہے اس لئے خدا نے اس کو کثیر الاولاد بنایا ہے اور نر و مادہ کی خصوصیت بھی نہیں رکھی جس طرح بڑی مخلوقات میں مادہ ہی بچے انڈے دیتی ہے برخلاف مچھلی کے کہ ہر مچھلی انڈے دیتی ہے اور ہر مچھلی انڈوں کا ایک گچھہ دیتی ہے جس سے بے شمار بچے پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مچھلیاں نہروں میں پیدا ہوتی ہیں اور بغیر توالد کے لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتی ہیں۔

بعض مچھلیاں ایسی ہیں جن کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہوتے ہیں ان میں توالد و تناسل نر و مادہ کے ملنے سے ہوتی ہے۔

کچھوا اور گھڑیال (مگرمچھ) یا ان سے مشابہت رکھنے والے دوسرے جانور یہ انڈہ دیتے ہیں سورج کی گرمی سے انڈہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس انڈے سے ایک بچہ نکلتا ہے پانی میں انڈوں کو سینے کا کام انجام نہیں دیتا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے انڈوں میں جوں ہی مچھلی انڈے دیتی ہیں روح ڈال دیتا ہے اور کامل بچہ اس میں موجود ہوتا ہے وہ اپنی تربیت میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا یہ خدا کی بڑی حکمت ہے کیونکہ خشکی کے جانوروں کی طرح سے سمندری جانوروں کو اپنے انڈے سینہ ان پر ایک مدت تک بیٹھے رہنا پھر بچوں کو بھڑانا اور تربیت دینا ناممکن ہے اس لئے خدا نے ان تمام باتوں سے مبرا اور بے نیاز رکھا ہے پھر خدا نے بہت کثیر تعداد میں ان کی پیدائش رکھی کیونکہ مچھلیاں آپس میں ایک دوسرے کو کھا جاتی ہیں اور پھر انسان کے لئے بھی یہ بہترین غذا ہے مچھلی کے سرعت حرکت کو دیکھو وہ اپنی دُم کتنی پھرتی اور تیزی سے حرکت دیتی ہے اور پانی میں اس کی رفتار کو دیکھو کس اعتدال اور میانہ روی سے کشتی کی طرح سے پانی میں تیرتی ہیں اپنے پاؤں اور پروں سے کس طرح پانی کو ادھر ادھر ہٹاتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ اس کے جسم میں ہڈیاں بالکل اس کے اعضاء جسم کے مشابہ ہوتی ہیں اندر سے کھوکھلی اور نہایت ہلکی اور باریک ہوتی ہیں کہ تیرنے کے کام کے لیے ایسا ہی مناسب تھا اگر کوئی ہڈی کہیں سے ٹوٹ جاتی ہے تو وہ کس طرح سے گوشت کی مدد سے پھر جڑ جاتی ہے دانت اگرچہ تعداد میں کافی ہوتے ہیں مگر ایک دوسرے سے قریب ہونے کی وجہ سے ایک ہی جزء

معلوم ہوتے ہیں اور غذا کے چبانے میں سب مل کر ایک دوسرے کی اس طرح اعانت کرتے ہیں کہ پھر چبانے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی۔

گھونگے، سمندر میں خدا نے کچھ بہت ہی کمزور اور ناتواں جانور بھی بنائے ہیں جو حرکت تک اچھی طرح نہیں کر سکتے جیسے گھونگے اور سیپی کا کیڑا مگر خدا نے ان کی حفاظت کا یہ انتظام کیا کہ ان کو ایک محفوظ اور مضبوط قلعہ میں بند کر دیا جو پتھر جیسا سخت ہے اور وہی اس کا مکان اور جائے سکونت ہے اور اس کا اندرونی حصہ جو جسم سے ملحق رہتا ہے اس کو نرم بنایا کہ جسم کو ضرب نہ پہنچے۔

گھونگوں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں جو کھلے ہوئے مقامات میں رہتے ہیں جہاں وہ اپنی خود بھی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے خدا نے ان کو پہاڑوں اور پتھروں کی چٹانوں میں محفوظ رکھا ہے اور وہیں پہاڑوں سے رسنے والی رطوبت ان کی غذا ہوتی ہے۔

بعض اتنے خوبصورت اور ستارے کی مانند درخشاں ہوتے ہیں وہ اپنے منہ کو اپنے گھر سے باہر نکال لیتے ہیں اور ادھر اُدھر کچھ کھاتے پیتے ہیں اور جوں ہی کوئی خطرہ پیدا ہوا دفعتاً اپنا منہ اندر کر لیتے ہیں اور اس سوراخ پر ایسے سخت قسم کی کوئی آڑ لگا کر اس کو بند کر دیتے ہیں کہ باہر سے کوئی اس کے اندر نہیں جا سکتا اور اس طرح وہ اس میں چاروں طرف بند ہو جاتے ہیں خدا کی قدرت کو دیکھو کہ کس طرح ان کا گھر بنایا اور ان کو گھر میں محفوظ ہو جانے کی کیسی حکمت سکھائی مختصر یہ کہ خدا نے کسی کو محروم نہیں رکھا سب کو اس کی مناسب اور مفید چیزیں عطا کی ہیں وہ اپنی تمام مخلوقات کی پوری حفاظت کرتا ہے خواہ وہ مخلوقات پہاڑوں میں رہتی ہو یا ٹیلوں پر یا سمندر کی گہرائی میں۔

رنگین مچھلیاں، مچھلیاں بھی طرح طرح کی ہیں بعض وہ ہیں جو سمندر کی گہرائی سے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو قریب کے کناروں پر خشکی سے غذا حاصل کرتی ہیں ان میں قسم قسم کے رنگین نقوش ہوتے ہیں اور یہ رنگا رنگ کے نقش ونگار بھی قدرت ان کے فضلہ غذا سے تیار کرتی ہے۔ جس طرح گھاس کھانے والے جانوروں میں ان کے فضلہ غذا سے صاف وشفاف میٹھا دودھ تیار ہوتا ہے۔

یہ رنگین مچھلیاں جب کسی ایسی چیز کے اثر کو محفوظ کرتی ہیں جس سے ان کے رنگ میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ معاً اپنے پیٹ سے خاص قسم کے مادے کو نکال کر اس

مقام کو صاف کر دیتی ہیں اور پھر پانی کے اندر جا کر اس میں دوسری تبدیلی کر دیتی ہیں اس قسم کی ہزاروں مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کو بجز خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔

پردار مچھلیاں، بعض مچھلیاں پردار ہوتی ہیں اور ادھر ادھر حرکت کرنے میں چمگادڑ کی طرح اڑتی ہیں اور دیکھنے میں خشکی کے پرندے کی طرح معلوم ہوتی ہیں اس طرح وہ اپنے پروں سے اڑنے کا کام لیتی ہیں۔

کچھ مچھلیاں ایسی ہوتی ہیں جو بہت چھوٹی اور کمزور ہوتی ہیں اور نہروں نالوں میں بیشتر ہوتی ہیں ان میں قدرت نے ایک خصوصیت ایسی رکھی ہے جو ان کی حفاظت کرتی ہے ذرا کسی نے اس کو پکڑا تو ہاتھ اور جسم کو سن کر دیتی ہے اس لئے اس کو کوئی پکڑتا نہیں۔

غرضکہ مخلوقات الٰہی کی عجیب و غریب حکمتوں اور لطافتوں کو کوئی لکھنے بیٹھے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں مگر ان کو پورا نہیں کر سکتا یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ صرف بطور مشتے از خروارے ہے گویا خدا کی بے شمار حکمتوں کی طرف ایک اشارہ کیا ہے جو غافل ہیں وہ اپنی آنکھوں سے غفلت کے پردہ کو ہٹا کر اس کی حکمتوں کا نظارہ کریں۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

نباتات کی حکمتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

امن خلق السمٰوات والارض
وانزل لکم من السماء ماء
فانبتنا به حدآئق ذات بهجة ما
كان لكم ان تنبتوا شجرها االه
مع الله بل هم قوم يعدلون،

وہ ذات جس نے آسمان وزمین کو بنایا تمہارے
لئے آسمان سے پانی برسایا اس پانی سے پر رونق
باغ اگائے تم سے یہ ممکن نہ تھا کہ تم ان باغوں
کے درختوں کو اگا سکو اب بتاؤ کہ وہ ذات بہتر
ہے یا کوئی دوسرا معبود ہے جو اس کی عبادت میں
شریک ہے، یہ مشرکین پھر بھی نہیں مانتے بلکہ خدا
کو دوسروں کے مقابل ٹھہراتے ہیں۔

سردی جنبد بصحن بوستان
در ہوائے قامت دلجوے تو

زمین پر نباتات کو دیکھو کیسی سرسبز وشاداب اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اس میں انسانوں اور دوسرے حیوانات کے لئے کتنے بے شمار فائدے اور اغراض پوشیدہ ہیں۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان اس طرح کیا ہے کہ بیج اور گٹھلی کو اس کے اصل قرار دیا۔ اور اس کے اندر یہ ساری نباتات اس طرح سے محفوظ رکھدی کہ انسانی عقل حیرت میں، بس اس نباتات میں غلے بھی ہیں اور پھل پھول بھی، اور ترکاریاں بھی جو انسان کے کام آتی ہیں، گھاس اور چارہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک کا سامان ہے اس میں جلانے کی اور عمارتوں میں کام آنے والی لکڑی بھی شامل ہے۔ اسی سے وہ لکڑی بھی حاصل ہوتی ہے جو جہاز اور کشتیوں کے بنانے میں کام آتی ہے اور کہاں تک اس کے فائدوں اور بے شمار حکمتوں کو بتایا جائے اس نباتات کا ایک ایک حصہ پھل اور پھول شاخیں اور پتے حتی کہ اس کی جڑیں تک کام میں لائی جاتی ہیں بے شک خدا

نے کوئی چیز بے کار نہیں بنائی اس نباتات سے عصار لے جو شاندے گوند اور طرح طرح کے عروق تیار کیے جاتے ہیں۔

اگر یہ پھل زمین پر ایک جگہ اکھٹے ہو جایا کریں اور اس طرح درختوں پر شاخوں پر بیلوں پر نہ آتے تو انسان کتنے بے شمار فائدوں سے محروم ہو جاتا اور زندگی کی کتنی ضروریات کی فراہمی میں رکاوٹ ہوتی نہ اس کو جلانے کے لئے ایندھن میسر آتا نہ عمارتوں کے لئے لکڑی دستیاب ہوتی نہ جانوروں کے لئے چارہ ملتا اور نہ دوا دارو وغیرہ وغیرہ ضرورتوں کے لئے دوسری چیزیں حاصل ہوتیں جو موجودہ شکل میں حاصل ہوتی ہیں۔

اس کی قدرت کو دیکھو کہ ایک دانہ زمین میں ڈالو سو دانے حاصل کرلو اور اس سے بھی زائد اس کی برکت ہے حکمت ہے اپنی ضرورتوں میں کام لو ضرورت سے بچ جائے تو آئندہ پیش آنیوالی ضرورتوں کے لئے ذخیرہ کرلو اس کی مثال بالکل ایک بادشاہ کی سی ہے جو کسی مقام کو آباد کرنے کے ارادے سے وہاں کے باشندوں کو کچھ بیج بونے کے لئے دیدے اور کہدے کہ ان کو بو اور اس سے جو کاشت ہو اس کو اپنی خوراک و دیگر ضروریات میں صرف کرو پس اسی طرح سے خدا نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا ہے اور زمین اور ملکوں کو بسا کر ان پر احسان عظیم کیا یہ درخت اور نباتات بڑھتے ہیں اور پھل پھول لاتے ہیں پھر بوئے جاتے ہیں یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور یہی اس کی بقاء ودام کا ضامن ہے اگر اس طرح نہ ہوتا تو یہ نعمت بس ایک مرتبہ کے بعد تمام ہو جاتی اور جاری نہ رہ سکتی اس میں قدرت کی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

ان دانوں کی پیدائش اور اس کی صورت کو دیکھو کہ کس حسن وخوبی سے ایک قدرتی ظرف میں ترتیب دیدیتے ہیں گویا کہ دانوں سے قرینہ سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے جو اپنی زبان حال سے صناع کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے یہ دانوں سے بھری ہوئی تھیلی اپنے دانوں کو اس وقت تک محفوظ رکھتی ہے کہ وہ پختہ ہو کر استعمال کے قابل ہو جائیں ٹھیک اس جھلی (مشیم) بچہ دانی کی طرح جو بچہ کی تکمیل ہونے تک پوری حفاظت کرتی ہے۔

یہ دانے ایک خاص قسم کے چھلکے میں بند ہوتے ہیں جن کے سروں پر نیزوں کی طرح سے تیز اور سخت چھلکے ہوتے ہیں گویا وہ پرندوں سے اپنے اندر کے خزانے کی حفاظت کر رہے ہیں پس خدا کی قدرت اور حکمت کو دیکھو کہ اس نے نباتات کے اس تیار ذخیروں کو پرندوں کی دسترس سے کس طرح محفوظ کر دیا ہے اگر چہ یہ غلہ پرندوں کی غذا ہے تاہم انسان کی ضرورت پہلے درجہ پر ہے۔

نباتات بھی انسان وحیوان کی طرح اپنے لئے غذا کے محتاج ہیں لیکن قدرت نے نباتات میں انتقال مکانی کی قوت نہیں بخشی جو اپنے لئے روزی تلاش کریں اس لئے قدرت نے ان کی جڑوں کو زمین کی گہرائی میں مرکوز کر دیا ہے تا کہ وہ مٹی اور پانی ہر وقت حاصل کر سکیں اور اس طرح یہ جڑیں زمین سے تری حاصل کر کے شاخوں، ٹہنیوں، پھل پھول اور پتوں تک پہنچا دیں گویا زمین ان کے لئے ایک پرورش کرنے والی مہربان ماں کی جگہ ہے اور ان کی جڑیں ان کے لئے منہ کے قائم مقام ہیں کہ گویا زمین سے رطوبت چوس کر اپنے سارے جسم کو قوت پہنچاتی ہیں جس طرح ایک بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر قوت حاصل کرتا ہے۔

تم نے خیموں کو نصب ہوتے دیکھا ہوگا اس کی طنابیں اور رسیاں جو چاروں طرف اس کو سادھے ہوئے رہتی ہیں کہ کسی ایک طرف کو جھکنے نہ پائے اور پورا خیمہ سیدھا اور درست رہے اسی طرح نباتات کا حال ہے کہ اس کی جڑی زمین میں چاروں طرف اس طرح سے پھیلی ہوئی ہیں کہ اس کو گرنے اور کسی طرف جھکنے سے روکے رہیں اگر ایسا نہ ہو تو بڑے بڑے اور اونچے درخت کس طرح سے اپنے کو قائم رکھ سکتے ہیں بالخصوص جب طوفانی ہوائیں چلتی ہوں یہ اس خالق کی بڑی حکمت ہے کہ اس نے اس طرح سے انتظام قائم کیا ہے اور پھر اس قدرتی نظام کو دیکھ کر انسان اپنے اعمال میں اس کی پیروی کرتا ہے اور اپنے بگڑے ہوئے کاموں کو بنا لیتا ہے۔

سر دمی جنبد بصحن بوستان
در ہوائے قامت دلجوی تو

کسی درخت کے ایک پتہ کو لو اور اس پر غور کرو اس میں باریک اور موٹی نسیں دکھائی دیں گی کچھ طول میں کچھ عرض میں پھیلی ہوئی اور ان عروق کا کیسا جال ایک پتہ میں بچھا ہوا ہے انسان میں یہ طاقت کہاں کہ وہ اس طرح سے کام انجام دے سکے ایک ہی پتہ کے نقش ونگار میں طویل عرصہ کی ضرورت ہوگی پھر بھی نقل ہوگی جو اصل سے مطابق نہ ہوگی یہ قدرت کا کام ہے اس کے ایک اشارے پر کروڑوں پتوں پر پھولوں پر گل کاریاں نظر آتی ہیں اور نہ کسی قلم کی ضرورت اور نہ کسی دوسرے آلہ کی ضرورت اور پھر اس کثرت کے ساتھ پہاڑ جنگل میدان کوئی جگہ باقی نہیں جہاں پھول پتوں پر یہ گل کاریاں نہ ہوں اور یہ خالی نقش ونگار محض حسن خوبصورتی نہیں بلکہ پتہ کی پرورش میں بڑا کام انجام دیتے ہیں ان رنگوں کے ذریعہ یہ پتے میں رطوبت اور مادہ کو پہنچانے میں مدد دیتے ہیں ٹھیک اسی طرح کہ ایک انسان اور حیوان کے جسم میں رگوں

اور نسوں کا ایک جال بچھا ہوتا ہے اور وہ ہر ہر عضو کو غذا پہنچانے کا کام کرتا ہے۔

پتہ میں جو موٹی نسیں ہوتی ہیں وہ پتہ کو سادھے رہتی ہیں تا کہ وہ اپنے کو قائم رکھ سکے ورنہ نرم اور ہلکا ہونے کے باعث وہ اپنے کو قائم نہیں رکھ سکتا اور ہوا کے تیز جھونکے اس کو پاش پاش کر دیں گے۔

اب گٹھلی اور اس کی حکمت پر غور کرو پھل کے درمیان اس کو محفوظ کیا ہے اگر کسی آفت ارضی اور سماوی سے پیڑ ضایع ہو جائیں تو یہ گٹھلی ان کا قائم مقام ہو اور پھر سے درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے کا سامان مہیا کر دے۔ یقیناً یہ اس نظریہ سے نہایت قیمتی اور قابل حفاظت چیز ہے کہ اس کے ذخیروں کو محفوظ کر لیا جائے یہ گٹھلی اگر چہ خود سخت جسم رکھتی ہے مگر نرم پھلوں میں بھی کسی طرح سے چسپاں اور ملی ہوئی ہوتی ہے اگر اس طرح نہ ہوتی تو پھر پھلوں کے پختہ ہونے سے قبل ہی اس میں خرابی پیدا ہو کر پھل کو بھی ضایع کر دیتی بعض گٹھلیاں کھانے کے کام میں بھی آتی ہیں ان سے تیل بھی کشید کیئے جاتے ہیں اور کھانوں میں اور دیگر اشیاء کے استعمال میں لایا جاتا ہے گٹھلی کے اوپر کس طرح سے ایک ہلکا سا ورق چڑھا ہوتا ہے اور کس حکمت سے وہ اس میں محفوظ ہوتی ہے اور اس میں کیسی کیسی لذت اور فائدے مضمر ہیں۔ یقیناً قدرت کی بڑی صناعی کا پتہ چلتا ہے۔

اس گٹھلی میں جو خاصیتیں اور اثرات قدرت نے ودیعت فرمائے ہیں جس طرح منی کے ناپاک قطرہ میں انسانی تخلیق کے راز کو پوشیدہ کر دیا ہے یہ سب راز اور حکمتوں کا جاننے والا وہی خدا ہے جس نے ان کو بنایا ہے۔

اس گٹھلی پر ایک سخت قسم کا غلاف چڑھا کر قدرت نے کتنی عظیم حکمت کا پتہ دیا کہ کہیں اگر گر جائے تو اس غلاف کی وجہ سے گٹھلی خراب نہیں ہوتی اگر اس کو ذخیرہ کیا جائے تو بھی جلد فاسد نہیں ہوتی بلکہ اس غلاف کی وجہ سے کچھ دن محفوظ رہتی ہے گویا وہ غلاف ایک صندوق یا بکس ہے جس کے اندر ایک قیمتی جوہر محفوظ ہے۔

ایک گٹھلی کو جب زمین میں رکھیں اور پانی دیں تو اس میں سے نسیں نکلتی ہیں ٹہنی نکلتی ہے اور جوں جوں اس میں بالیدگی ہوتی ہے نیچے سے نسیں اور جڑیں زمین کے اندر مرکوز ہو جاتی ہیں جس سے یہ درخت مضبوطی سے اپنے تنے پر قائم رہتا ہے اور انھیں جڑوں کے واسطے سے درخت اپنی غذا حاصل کرتا ہے اس طرح سے زمین کے نیچے رطوبت اوپر کی شاخوں، ٹہنیوں، پھلوں، پھولوں پتوں تک پہنچتی ہے اور نہایت انصاف سے یہ تقسیم ہوتی ہے گویا قدرت اپنی

حکمت و انداز سے جس کو جس قدر پانی اور رطوبت درکار ہوتی ہے اتنا ہی اس کو پہنچاتی ہے اور پھر ہر ایک کو اس کے مناسب غذا پہنچتی ہے اسی رطوبت سے پھولوں میں رنگ، خوشبو، پھلوں میں ذائقہ، لذت یہ سب کچھ قدرت کے نظام سے مکمل ہوتا ہے۔

پھلوں کے آنے سے پہلے قدرت پتوں کو پیدا کرتی ہے نازک پھل اپنی حفاظت کے لئے ان پتوں کے محتاج ہیں تاکہ تند ہواؤں کے جھونکوں اور سورج کی تمازت سے ان کی حفاظت ہو اور پھل ضائع نہ ہو جائے سردی اور گرمی کی شدت کے اثر سے پھلوں کی حفاظت ان پتوں سے کی جاتی ہے اور پھر سردی گرمی، ہوا، دھوپ یہ سب چیزیں پتوں سے چھن چھن کر پھلوں تک پہنچتی ہیں اور پھلوں کے پختہ ہونے میں مدد دیتی ہیں پھل کو اپنی پختگی کے لئے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہے اور یہی چیزیں پھلوں کو سڑنے گلنے اور خراب ہونے سے روکتی ہیں

دیکھو خدا نے درختوں پھلوں اور پھولوں کو کس بہتر طریقہ سے مرتب کیا ہے ان کے مختلف رنگ اور گوناگوں شکل وصورت اور طرح طرح کے ذائقہ اور ان کی قسم قسم کی بھینی بھینی خوشبوئیں پھر کوئی بڑا ہے اور کوئی درمیانی کوئی سرخ ہے تو کوئی پیلا کوئی سفید ہے تو کوئی سبز کوئی رنگ میں شدید ہے تو کوئی ہلکا، اور کوئی درمیانی نہ زیادہ تیز اور نہ زیادہ ہلکا اسی تناسب سے ان کے مختلف ذائقے کوئی میٹھا ہے کوئی ترش کوئی سیٹھا ہے تو کوئی تلخ ان کی خوشبو بھی کیسی بھینی بھینی اور اچھی ہوتی ہے اور ہر پھول اور پھل کی خوشبو ایک دوسرے سے مختلف ان کی تمام تفصیلات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جس کو پڑھ کر ایک صاحب عقل وبصیرت کے ایمان میں روشنی اور خدا کی قدرت کا یقین پیدا ہوتا ہے ان چیزوں کو دیکھ کر قلب میں کیسی مسرت اور خوشی محسوس ہوتی ہے ان کی تازگی اور طراوٹ کو دیکھ کر روح کو خوشی حاصل ہوتی ہے ان کے باطن میں جو اثرات وفوائد پوشیدہ ہیں ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا ان میں ایسی قوتیں ہیں جن سے زندگی کو بڑی غذا اور قوت پہنچتی ہے کھانے میں اس کی لذت وخوشبو سے عجب انبساط مسرت ہوتی ہے ان کی گٹھلی یا بیج محفوظ ہیں خشک ہونے پر ان سے پھر کاشت حاصل کی جا سکتی ہے کیسے کیسے فوائد اور ذائقے قدرت نے ان پھلوں میں رکھے ہیں۔

خدا نے فرمایا۔

وشجرۃ تخرج من

طور سیناء تنبت بالدھن وصبغ

لِلاٰکلین۔

اس پانی سے ہم نے زیتون کا درخت پیدا کیا جو
طور سینا (پہاڑ کا نام) میں بکثرت پایا جاتا ہے جو
اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور کھانے والوں کے
لئے سالن لئے ہوئے۔

خدا نے پتھر اور پانی کے درمیان سے صاف لذیز اور نہایت کار آمد زیتون کا تیل پیدا کیا جس طرح اس نے اپنی قدرت سے گوبر اور خون اور گندی چیزوں کے درمیان سفید شیریں اور سفید دودھ پیدا فرمایا اور شہد کی مکھیوں سے خالص شہد، جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں جس میں لذت وفرحت کے علاوہ بہت سے امراض سے شفا بھی ہے۔

زمین کی گہرائی سے جڑوں نسوں اور شاخوں کے ذریعہ درخت کی اونچی اور بلند شاخوں تک پانی کا پہنچنا کیسا حیرت انگیز کرشمۂ قدرت ہے اس طرح غذا کے پہنچانے میں ایک تناسب یہ بھی ملحوظ ہے کہ بیج میں وہی جزو پہنچیں جو اس کے مناسب ہیں، اور پھل میں وہ جو اس کے مناسب ہو شاخوں ٹہنیوں میں وہ جو اس کے وجود اور قیام کے مناسب ہو۔

کھجوروں پر نظر کیجئے، ابتدا میں وہ نہایت کمزور اور ضعیف حالت میں ہوتی ہے کس عجیب حکمت سے اس کو اس طرح مرتب کیا ہے کہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہونے سے محفوظ ہیں ان پر ایک غلاف کا پردہ چڑھا دیا کہ اس کی حفاظت ہو اور جب وہ پختہ اور کامل ہو تو پھر وہ غلاف تدریجی طور پر شق ہو کر پھل ظاہر ہو جائے اور اس طرح کہ ہوا اور سورج کی گرمی، سردی کا متحمل ہو سکے یہی نظام قدرت اور عجب حکمت تمام درختوں اور ان کے پھلوں پھولوں میں کار فرما ہے۔

انار کے پھل پر غور کیجئے کس عجیب حکمت سے اس کے اندر دانوں کے اندر ترتیب دیا ہے دانوں کو علیحدہ علیحدہ کس طرح سے خانوں میں تقسیم کیا ہے پھر ان پر ہلکے ہلکے پردے حفاظت کے لئے ہیں ایک موٹے اور نرم گودے میں وہ دانے جڑے ہیں نیچے سے موٹا اور اوپر سے باریک غلاف میں محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ وہ ایک مقام پر مرتب رہ کر پرورش پا سکیں اور کسی ضرب کے پڑنے سے وہ منتشر ہو کر خراب نہ ہوں دیکھو یہ سب کچھ بندوں کے نفع کی خاطر خدا نے انتظامات کیے ہیں اس میں غذا بھی ہے اور دوا بھی اور پھر ذخیرہ کے رکھنے کی صلاحیت وقابلیت بھی تاکہ بے موسم ضرورت پڑنے پر کام آ سکیں جس زمانہ میں درخت پر پھل نہیں

آتے گویا اس طرح ان کی حفاظت کا سامان کر دیا انار کی اس شاخ کو دیکھو جس میں انار لگا ہوتا ہے جب تک انار پختہ ہو کر کھانے کے قابل نہیں ہوتا اس وقت تک یہ شاخ انار کو روکے رہتی ہے۔

اس نباتات کو دیکھو جو زمین کی سطح پر پھیلتی ہیں جیسے بیلیں ان کی شاخیں نرم اور کمزور ہوتی ہیں ان کو ہر وقت تری کی ضرورت ہے وہ پھلوں کو اٹھانے کی متحمل نہیں ہوتی قدرت نے ان کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ زمین پر ہی پھیلتی ہیں ورنہ پھلوں کے زمانہ میں بڑی مشکل ہوتی اور پھر یہ پھل ایسے موسم میں آتے ہیں جب طبیعت ان کی خواہش مند ہوتی ہے اگر یہ ٹھنڈے پھل سردی کے زمانہ میں آتے تو ایک طرف تو طبیعت اس سے متنفر ہوتی اور ایسے وقت اس کے کھانے سے نقصان ہوتا۔

کھجور میں نر و مادہ پیدا کیے اس لئے وہ تاوقتیکہ یہ دونوں موجود نہ ہوں پھل نہیں دیتے یہ خدا کی قدرت ہے کہ انسان وحیوان کی طرح سے اس درخت میں نر و مادہ کو ملحوظ رکھا تا کہ اس سے قدرت مزید آشکارہ ہو ان نباتات میں جڑی بوٹیاں بھی شامل ہیں اور وہ کیسے کیسے عظیم منافع وفوائد اپنے اندر پوشیدہ کیئے ہوئے ہیں۔

ان کے خواص واثرات پر نظر کرنے سے خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے ظاہر میں وہ جنگل کی گھاس معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں وہ انسانی امراض کے دور کرنے کے لئے بیش بہا دواؤں کا خزانہ ہے اگر کوئی دوا بدن کے تمام فضلات کو نکالنے کے کام آتی ہے تو دوسری صفراء کے دفع کرنے کے لئے، تیسری ریاح خارج کرنے کے لئے اور چوتھی طبیعت کے سکون اور ٹھہرانے کے لئے کوئی مسہل ہے تو کوئی قابض کوئی قے لانے کے لئے استعمال کی جاتی ہے تو کوئی تسکین طبیعت کے کام میں آتی ہے دیکھو قدرت نے کیسے کیسے راز پوشیدہ کیئے ہیں اور یہ سب انسانی فائدے کے لئے ہیں۔

فلسفی سر حقیقت نتوالنست کشود
گشت راز دگر آں راز کے افشامی کرد

دلوں میں خدا کی عظمت پیدا کرنے کا بیان

خدا تعالیٰ نے فرمایا،

تسبح لہ السمٰوات السبع والارض ومن فیھن وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم انہ کان حلیما غفورا،

ساتوں آسمانوں اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں اس کی پاکی بیان کرتی ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان حال یا قال سے اس کی پاکی نہ بیان کرتی ہو، لیکن تم ان کی پاکی بیان کرنے کو نہیں سمجھتے ہو وہ بڑا حکیم اور بڑا غفور ہے۔

دوسری جگہ فرمایا،

تکاد السمٰوات یتفطرن من فوقھن والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض۔

کچھ عجب نہیں کہ آسمان اپنے اوپر پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے معافی مانگتے ہیں۔

خدا نے فرمایا

ویسبح الرعد بحمدہ والملائکۃ من خیفتہ۔

رعد (فرشتہ) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اس

کے خوف سے پاکی بیان کرتے ہیں۔

اوپر جو کچھ عجائبات قدرت میں حکمتوں اور کاریگریوں کا مذکور ہوا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خالق کائنات کی رفعت وقدرت اور اس کی عظمت وہیبت کس درجہ ارفع واعلی ہے اگر تم اپنی ذات میں غور کرو اس میں اس کی بڑی قدرت وحکمت پاؤ گے۔ پھر اپنے مستقر یعنی زمین پر نظر کرو کیسی کیسی نعمتیں وحکمتیں نظر آئیں گی بلند پہاڑ اور اونچے ٹیلے وسیع میدان اور بہتے دریا اور بہتا سمندر ان دریاؤں، نہروں، سمندر میں جو عجائبات ہیں زمین پر نباتات شجر و حجر پر غور کرو چوپایوں جانوروں اور پرندوں کو دیکھو اہل بصیرت کے لئے کیا کچھ درس ونصیحت ہے۔ یہ ساری چیزیں ان کی حکمتیں ان کے فوائد کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایسی وسیع زمین اور اس پر بسنے والی تمام مخلوقات آسمان کی وسعت کے مقابلے میں ایسی ہے گویا ایک چھلہ زمین پر ڈال دیا جائے اس سے آسمان اور اس کے ستاروں کی وسعت وطول وعرض کا اندازہ کرو، آفتاب جو آسمانی سیاروں میں سے ایک روشن وتابناک سیارہ ہے۔ سیاحین کی جماعت نے آسمانی سیاروں کی بابت سفر کئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ حصہ بڑا ہے اور بعض دوسرے سیارے زمین سے سو سو حصے زائد ہیں۔ اب تم دیکھو کہ یہ آفتاب وماہتاب اور دوسرے بے شمار سیارے جو آسمان پر بکھرے ہوئے ہیں۔ اور تمام آسمان ان سے بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ان سیاروں میں سے بعض کی وسعت ہم نے بتادی اب کم وبیش لاکھوں سیارے آسمان کی وسعت میں موجود ہیں ان سے آسمان کی وسعت لمبائی چوڑائی کا اندازہ کرو اور پھر یہ ایسے وسیع سیارے تمہاری آنکھ کے چھوٹے سے ڈھیلے میں سماتے ہیں تو اس سے ان کی دوری اور بعد مسافت کا اندازہ کرو۔ اسی طرح ان کی حرکت کو تم محسوس نہیں کر سکتے اور اسی طرح آسمان کی حرکت ہے جس کو ہم نہیں محسوس کرتے ہیں اور یہاں تک لاعلمی ہے کہ ہم میں سے اکثر تو اس سے قطعاً غافل اور بے خبر ہیں ان چیزوں کی عظمت اور بڑائی پر نظر کر کے اب تم خدائے قدوس کی قرآنی قسموں کو سنو۔

اس نے فرمایا:۔

والسماء ذات البروج
قسم ہے برجوں والے آسمان کی

والسماء والطارق وماادراك
ماالطارق النجم الثاقب۔

قسم ہے آسمان کی اور اس چیز کی جو رات کو نمودار
ہونے والی ہے اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ
رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے۔ وہ ایک
روشن ستارہ ہے۔

فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ
لقسم لو تعلمون عظیم۔

پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے چھپنے کی اور
اگر تم غور کرو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔

اسی طرح تم عالم علوی اور اس کے بسنے والے فرشتے وغیرہ پر نظر کرو، جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت اسرافیل فرشتے کی بابت ذکر کیا، اسرافیل کو آپ دیکھیں گے تو آپ کو تعجب ہوگا عرش ان کی پشت پر ہے، اور ان کے دونوں پاؤں زمین کی تہ میں ہیں اور اس سے زیادہ رفعت وعظمت خدا کے اس فرمان سے سمجھو اس نے فرمایا،،

وسع کرسیہ السمٰوات والارض

اس کی کرسی نے سب آسمان وزمین کو اپنے اندر
لے رکھا ہے۔

اس کی وسعت سے اس مخلوق کی عظمت ووسعت کا اندازہ کرو اور اس ذات کو سمجھو جس نے ایسی ایسی عظیم المرتبہ اور عظیم الشان اور وسیع وارفع مخلوقات بنائی ہے اور کیسی کیسی حکمتیں وتدبیریں اور کیا کیا فائدے اور منفعتیں ان کے وجود میں رکھی ہیں۔ پھر ایسا عظیم الشان آسمان اور اس پر ایسے ایسے وسیع وعظیم بے شمار سیارے اور بسنے والی مخلوق اور یہ آسمان سب کو اپنے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور بغیر کسی ستون اور ظاہری بندش کے آج تک استحکام اور پائیداری سے قائم ہے۔ پس جو ان اشیاء پر نظر کرے گا۔ اور ملکوت السمٰوات والارض میں غور وفکر سے کام کرے گا۔

اس کے خالق کی عظمت ورفعت اس کے دل میں پیدا ہوگی اور جوں جوں اس کی کائنات وصنعت میں تدبر کرے گا اس کی معرفت زیادہ ہوگی پس لوگوں میں یہ معرفت ونور متفاوت ہیں اور اسی اعتبار سے ان کو نور ہدایت ونور عقل بخشا گیا ہے پس حقیقی وسیلہ اور اس کی

معرفت تک پہنچانے کا ذریعہ اس کی کتاب عزیز کی تلاوت اور اس میں تدبر تفکر ہے اس کی حقیقی معرفت کا یہی دروازہ ہے۔

اب تم سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر یہ قرآن اترا اس میں غور وفکر کرنے اور اس پر عمل کرنے سے انتہائی مقام تک پہنچے خالق کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا امور آخرت کا یقین حاصل ہوا معراج کمال تک اس حد تک رسائی ہوئی کہ کمان کے دونوں چلوں سے بھی زیادہ اپنے رب سے قریب ہوگئے۔

دنیٰ فتدلی،فکان قاب قوسین او
ادنیٰ۔

پس ایسے علم و معرفت کی کیا شان ہوگی کہ خدا کی طرف سے جس کے حاصل کرنے کے لئے دعا کا حکم کیا جائے اور ایسے نور معرفت و ہدایت سے نوازا اس سے بڑھکر خالق کا اور کیا احسان ہوگا کہ ہم تمام انسانوں کو اس کی اتباع واطاعت کی توفیق بخشی جس راستے پر چل کر ہم خدا کے دوستوں میں شمار ہوئے سچ ہے،

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
زمین زنکتہ فرد ماندر از من باقی ست بضاعت
سخن آخر شد وسخن باقی است

اللھم وفقنا لما تحب وترضی وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ

حقیقت روح انسانی

اجوبتہ الغزالی فی المسائل الاخرویہ وحل

مسائل عامضہ مصنفۂ امام محمد غزالی

رحمۃ اللہ علیہ معہ حواشی جدیدہ جناب

فخر پنجاب مفتی شاہ دین صاحب

دام فیضہ بہ اضافہ عبارت وفصل اخیر

بماہ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

سب تعریف اللہ کو ہے جو عقل[1] کا بخشنے والا اور حواس اور خیال سے جو اشیاء غائب اور لطیف ہیں ان کے ادراک کا ہمارے لئے راستہ بنانے والا اور اس دل کے وسیلہ سے جو عالم ملکوت میں جولان کرتا ہے علوم غامضہ اور مشکلہ کے استنباط کے طریقہ کا بتانے والا ہے اور ہم اس سے عقل اور قلب کے نور کی زیادتی اور نفس[2] امارہ کے اکھیڑنے پر مدد مانگتے ہیں اور یہ بھی مانگتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مخلصوں اور موحدوں کے گروہ سے کرے اور اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع اور محبت کی برکت سے امورات دنیاوی کی طرف میلان کرنے سے محفوظ رکھے کہ وہی حافظ اور مددگار ہے۔ امابعد مسکین مفتی شاہ دین ابن حضرت شیخ محکم الدین صاحب چک مغلانوی پرگنہ نکودر ضلع جالندھر عفی اللہ تعالیٰ عنہ وعن اقاربھا و سائر المسلمین حضرات سالکین طریقت کی خدمت میں عرض ہے کہ اتفاقاً ایک رسالہ موسوم بحل مسائل

---

[1] عقل کا لفظ مشترک ہے حقائق امور کے جاننے یعنی صفت علمی کو جس کا محل قلب ہے عقل کہتے ہیں اور لطیفہ روبائی یعنی روح انسانی پر بھی عقل کا اطلاق کرتے ہیں ایسا ہی قلب بھی مشترک لفظ ہے قلب جسمانی کو بھی قلب کہتے ہیں جو ایک گوشت کا ٹکڑا گاؤدم سینے کی بائیں جانب منبع قوت جسمانی یعنی روح حیوانی کا ہے اور لطیفہ روبانی یعنی نفس ناطقہ پر بھی قلب کا اطلاق آتا ہے جس کو قلب جسمانی سے تعلق ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[2] نفس امارہ روح یعنی نفس ناطقہ ہی کو کہتے ہیں لیکن خاص اس حالت میں کہ جب متصف باخلاق ذمیمہ اور شہوات کے طابع ہو جائے اور جس وقت نفس ناطقہ کو معرضہ شہوات سے اضطراب زائل اور حکم الٰہی کے ماتحت حصول اطمینان ہو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور جب اضطراب اس کا بالکل زائل ہو لیکن نفس شہوانیہ یعنی نفس امارہ کے مدافع ہو نفس لوامہ بولتے ہیں غرض یہ کہ روح ہی کو بالحاظ حالات مذکورہ نفس مطمئنہ اور لوامہ اور امارہ کہا کرتے ہیں۔ مفتی شاہ دین۔

غامضہ مصنفہ حضرت رئیس العلماء حجت الاسلام محمد ابو حامد امام غزالیؒ صاحب کا بیان روح ودیگر مسائل مشکلہ میں اس ناکارۂ خلائق کے ہاتھ لگا جب وہ دیکھا گیا تو ایسے مسائل اس میں نظر آئے کہ کسی عالم نے وہ بیان نہیں فرمائے اور نہ کسی فاضل کے زیر قلم آئے چونکہ وہ رسالہ عربی زبان میں تھا اور عام لوگوں کا فہم اس کے سمجھنے سے قاصر اس لئے بہ نظر افادۂ عام اس عاجز نے اس کو اردو زبان میں ترجمہ کیا اور اکثر حواشی جدیدہ سے اس کے مضامین کی توضیح بھی کر دی اور بعد تتبع کتب احادیث کے ہر حدیث کے مخرج کا حوالہ حاشیہ پر لکھدیا اور اس کا نام حقیقت روح انسانی رکھا اب امید حضرات ناظرین سے یہی ہے کہ جب اس رسالہ سے فائدہ اٹھائیں اس مسکین کو دعائے خاتمہ بالخیر سے یاد فرمائیں سبھی بزرگوں کی خدمت میں عرض ہے کامل دعائے خیر سے عاجز کو یاد شاد کریں من اللہ التوفیق وعلیہ التوکل۔

بعد تسمیہ وتمہید کے فرمایا ابو حامد محمد امام غزالی ابن محمد الغزالیؒ نے کہ سائلوں نے مجھ سے چند سوال جو اہلوں کے لائق اور نااہلوں سے بچائے گئے تھے دریافت کیئے جب میں نے ان میں ہدایت کے آثار اور سمجھ کی علامات دیکھیں تو ان کی التماس کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی کہ وہ بندوں کا جمع کرنے والا اور نیک طریقہ کا ہدایت کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے پس سائلوں نے سوال کیا کہ کیا معنے ہیں، آیت فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعو الہ ساجدین[۱] کے میں نے جواب دیا کہ محل جو روح کے قابل ہو اس میں تاثیر کرنے کو تسویہ کہتے ہیں وہ محل صفائی اور اعتدال کے ساتھ آدم کے حق میں مٹی اور اس کی اولاد کے حق میں نطفہ ہے کیونکہ محض خشک چیز آگ کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ مٹی اور پتھر اور نہ محض رطب یعنی تر چیز آگ کو قبول کرتی ہے جیسا کہ پانی بلکہ آگ تو مرکب کے ساتھ متعلق ہوتی ہے نہ ہر مرکب سے جیسا کہ کیچڑ اس میں آگ شعلہ نہیں پکڑتی بلکہ اس کو ترکیب خاص چاہیے اور وہ خاص ترکیب یہ ہے کہ کثیف مٹی کو پیدائش کے کئی طوروں میں بدلہ جائے یہاں تک کہ وہ مٹی لطیف روئدگی یعنی انگوری بن جائے تب اس میں آگ شعلہ پکڑے ایسا ہی اللہ تعالیٰ مٹی کو ایک کے پیچھے کئی طوروں میں بدلتا ہے یہاں تک وہ روئدگی بنتی ہے پھر اس کو آدمی کھاتا ہے پھر وہ خون بنی ہے پھر قوت مغیرہ مرکبہ کے ہر حیوان میں رکھی گئی ہے اس خون میں سے خالص خون کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے چھانٹ لیتی ہے جب وہ خالص خون

---

[۱] پھر جب ٹھیک بنا چکوں وہ جو پھونکوں اس میں ایک اپنی روح تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔

نطفہ[۱] بن جاتا ہے اس کو عورت کا رحم قبول کرتا ہے اس میں جب منی عورت کی ملتی ہے تو اعتدال زیادہ بڑھ جاتا ہے پھر عورت کا رحم یعنی بچہ دان اس کو اپنی حرارت سے پکاتا ہے تب اس میں مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ صفائی اور اعتدال میں باہمی نسبت اجزاء کی نہایت کو پہنچتی ہے پھر وہ روح کو قبول کرنے اور اس کے تھامنے کے قابل ہو جاتا ہے جیسا کہ روغن پی ہوئی بتی شعلہ کے قبول کرنے اور اس کے تھامنے کی مستعد ہوتی ہے اور نطفہ اعتدال اور صفائی کے برابر ہونے کے وقت روح کے تھامنے اور اس کی تدبیر اور تصرف کا مستعد ہوتا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ جواد کی طرف سے فیضان روح کا ہوتا ہے کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر لیاقت بغیر انکار اور بخل کے فیض بخشنے والا ہے پس تسویہ سے یہی افعال مراد ہیں کہ اصل نطفہ کو کئی طوروں میں بدل کر صفائی اور اعتدال کی خاص[۲] صفت میں پہنچاتے ہیں پھر ان سائلوں نے نفخ کے معنی دریافت کئے میں نے جواب دیا کہ نفخ سے روح[۳] کے نور کا نطفہ کی بتی میں روشن ہونا مراد ہے نفخ کے لئے صورت ہے اور ایک نتیجہ صورت تو یہ ہے کہ پھونکنے والے کے اندر سے اس چیز کی طرف جس کو پھونک رہا ہے ہوا کا نکلنا مثلاً جو لکڑی آگ کے قابل ہے جل اٹھے نفخ جل اٹھنے کا سبب ہے اور یہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے اور مسبب یعنی نتیجہ محال نہیں اور کبھی سبب سے مجازاً وہ فعل مراد ہوتا ہے جو سبب سے حاصل ہوتا ہے اگرچہ وہ فعل جس کو دوسرے معنیٰ میں استعمال کیا ہے ان کی صورت پر نہ ہو جیسا کہ قولہ تعالیٰ غضب اللہ علیہم اور قولہ تعالیٰ فانتقمنا منھم صورت غضب کی غصہ والے میں ایک قسم کا تغیر ہے جس سے ایذاء حاصل ہوتی ہے اس کا نتیجہ مغضوب علیہ کو یعنی اس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے ایذاء دینا یا ہلاک کرنا ہے سو غضب سے نتیجہ

---

[۱] علم طب کے رو سے غذائے صالح کے کھانے کے بعد جب بہتر ساعتیں گزر جاتی ہیں تو منی پیدا ہوتی ہے۔ مفتی شاہ دین،

[۲] یہاں خاص صفت سے وہ صفت مراد ہے جس سے نطفہ فیضان روح کے قابل ہوتا ہے۔

[۳] ☆) روح کے لفظ کا اطلاق کئی معنوں پر آتا ہے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ، روح حیوانی روح نفسانی۔ روح نباتی، قرآن شریف وحی فرشتہ عظیم الخلقت، حضرت عیسیٰ، حضرت جرائیل وغیرہ یہاں معنیٰ اول یعنی نفس ناطقہ مراد ہے اور اس رسالہ میں یہی مقصود بالبحث ہے یعنی روح انسانی بمعنیٰ نفس ناطقہ ہی کی بحث یہاں مقصود ہے کیونکہ یہی ادراک کنندہ ہے اور اسی کی اصلاح سے قرب وجوار رب العالمین کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ مفتی شاہ دین سلم ربہ،

غضب مراد ہے اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا ہی یہاں نفخ سے نتیجہ نفخ مراد ہے اگر چہ نفخ یعنی
پھونکنے کی صورت پر نہ ہو پھر مجھ سے سوال کیا کہ نطفہ کی بتی میں جو روح کا نور روشن ہوا ہے اس
کا سبب کیا ہے میں نے جواب دیا کہ وہ تو ایک فاعل میں صفت ہے اور ایک قابل میں پس جو
فاعل میں صفت ہے اس سے خدا کی بخشش مراد ہے جو منبع وجود ہے اس سے ہر قابل کو وجود
عطا ہوتا ہے اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ سورج کی
روشنی حجام کے دور ہونے کے وقت ان چیزوں پر جو روشنی کے قابل ہیں پڑتی ہے پس جو چیزیں
روشنی کے قابل ہیں وہ رنگدار چیزیں ہیں ہوا نہیں ہے کہ جس کا کچا رنگ ہی نہیں قابل کی صفت
سے استوا اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
سویتہ قابل کی صفت کی مثال لوہے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آئینہ کو زنگار ڈھانپ لیتا ہے
تو صورت کو قبول نہیں کرتا اگر چہ صورت اس کے مقابل ہی ہو جبکہ صیقل گرنے اس کو صیقل کر دیا
تو جیسے اس میں صفائی حاصل ہوتی ہے ویسی ہی صورت دکھائی دیتی ہے ایسے ہی جب نطفہ میں
استوا اور اعتدال حاصل ہو جاتا ہے تو خالق کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے اور
خالق میں کچھ تغیر نہیں ہوتا بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کہ آگے کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا
آگے نہیں تھا جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس وہما پڑتا ہے اور صورت والے میں
کچھ تغیر نہیں ہوتا اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہ عکس نہ تھا تو یہ اس کا سبب نہیں کہ صورت کو آئینہ
میں منقش ہونے کی استعداد نہ تھی بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا کہ عکس قبول کرتا پھر مجھ سے سوال
کیا کہ فیض کیا چیز ہے میں نے جواب دیا کہ فیض سے جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے ہاتھ پر
ہوتا ہے ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ پانی کا فیضان تو یہ ہے کہ پانی کے اجزاء برتن سے الگ ہو کر
ہاتھ کے ساتھ متصل ہوئے بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے مشابہ ہے جو دیوار پر پڑتا ہے بعضوں
نے اس میں بھی غلطی کھائی ہے جو کہتے ہیں کہ سورج سے شعاع الگ ہو کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی
ہے سو یہ ان کی بھول ہے بلکہ سورج کے نور سے دیوار پر ایسی شے پیدا ہوتی ہے کہ وہ نور کے
ساتھ نورانیت میں مشابہ ہوتی ہے اگر چہ اس سے ضعیف ہی ہو جیسا کہ صورت والے کا عکس
جو آئینہ میں پڑتا ہے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ صورت والے کے اجزاء اس سے الگ ہو کر
آئینہ کے ساتھ متصل ہوں بلکہ یہ معنیٰ ہے کہ صورت والے کی صورت سے ایک ایسی صورت جو
اس کے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے اصل صورت میں نہ تو اتصال ہوتا ہے نہ
انفصال محض سبب ہی ایسا ہے جو چیزیں وجود کے قابل ہیں بخشش الٰہی ان میں انوار وجود کے

پیدا ہونے کا سبب ہے۔ جس کو فیض کہتے ہیں۔

فصل

پھر سائلوں نے سوال کیا کہ آپ نے تسویہ اور نفخ کا تو ذکر کیا اب روح[۱] کی حقیقت بھی بیان فرمایئے کہ کیا ہے آیا اس کا بدن میں حلول ہے جیسا کہ پانی کا برتن میں یا عرض کا جوہر میں یا یہ جوہر بذات خود موجود ہے اگر یہ جوہر ہے تو ذی مکان ہے یا لا مکان اگر ذی مکان ہے

---

[۱] روح کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مشائخ چنانچہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے متبعین نے اس میں کلام ہی نہیں کی اور یہ کہا ہے کہ ہم موجود کے سوا اور زیادہ کچھ تعبیر نہیں کرتے کیونکہ اس میں کلام کرنے کا حکم نہیں اس لئے کہ علیہ السلام صلعم نے اس میں کلام نہیں کی۔ معترض اس میں کہہ سکتا ہے کہ حضرت ﷺ کے الروح من امر ربی کہ سوا نہ بیان فرمانے سے یہ نہیں لازم آتا کہ اس میں کلام کرنی منع ہو یا اس کی حقیقت تمام اولیاء کرام پر نہ کھلے یا صاحبان لیاقت اور فہم و فراست پر اس کی حقیقت بیان نہ فرمائی جائے اور آنحضرت صلعم نے الروح من امر ربی کے سوا اور کچھ بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کو اس کی حقیقت کے سمجھنے کی استعداد نہ تھی اس لئے علیہ السلام نے ماہیت روح کی ان پر بیان نہ فرمائی علاوہ بریں روح کا لفظ مشترک تھا جیسا کہ اول حاشیہ میں بیان ہوا اس لیئے ہوسکتا ہے کہ اکابر قریش مکہ سے نضر بن حارث نے یہودیوں کے کہنے کے موافق روح کا جو سوال کیا اس کی غرض یہ ہو کر آنحضرت کو عاجز کریں این طور کے جب حضرت علیہ السلام روح کے ایک معنی مثلاً حقیقت روح انسانی بیان فرماتے تو وہ کہتا ہے یہ تو ہماری مراد نہیں پھر دوسرے معنی بیان فرماتے پھر یہی کہتا کہ یہ ہماری مراد نہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو ایسا جواب مجمل دینے اور قل الروح من امر ربی کا حکم ہوا تا کہ وہ آگے سوال نہ کرنے پائے بعض نے یوں لکھا ہے کہ تین سوالوں میں سے دو کا جواب دینا یعنی قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کا بیان فرمانا اور ایک کا جواب یعنی حقیقت روح کا بیان نہ کرنا بھی نبی آخر الزمان علیہ الصلاۃ والسلام کے صدقے نبوت کی علامت انھوں نے سمجھی تھی کیونکہ بیان قصہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے سوا حقیقت روح کی ان کی کتابوں میں مذکور نہ تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے بھی نضر بن حارث کے جواب میں حقیقت روح کی بیان نہ فرمائی بہر حال آنحضرت ﷺ کو اس کے جواب میں سے قل الروح من امر ربی کا اشارہ ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ روح کی حقیقت صاحبان لیاقت پر بیان کرنی ممنوع ہو...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر...

تو اس کا مکان قلب ہے یا دماغ یا کوئی اور جگہ اگر لامکان ہے تو جوہر لامکان کس طرح ہوا میں نے جواب دیا کہ یہ سوال تو روح کے بھید سے ہے۔ جس کا رسول مقبول ﷺ کو نااہل سے بیان کرنے کا اذن نہیں ہوا اگر تو اہل میں سے ہے تو سن کے روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز میں اور علم کا عالم میں ہوتا ہے بلکہ وہ تو جوہر ہے کیونکہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ یا حضرت ﷺ کو حقیقت اس کی معلوم نہ ہو یا تمام اولیاء کرام پر حقیقت اس کی نہ کھلے کما لا یخفی اور اطبا روح حیوانی کو ہی روح انسانی کہتے ہیں اور فرفوریقوس کا قول ہے کہ روح انسانی بدن میں حلول کیئے ہوئے ہے اور بعد حلول کرنے کے اس سے متحد ہوگئی جیسا کہ نمک پانی میں بعد حلول کرنے کے متحد ہو جاتا ہے اور افلوطرحس کا یہ عقیدہ ہے کہ روح ایک ہوا ہے بدن میں سرایت کیئے ہوئے اور اطبا جو کہتے ہیں کہ بدن کی حرارت عزیزی ہے ان کے قول کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے طالیس مطلی کا یہ قول ہے کہ روح پانی کا نام ہے کیونکہ وہ منشاء نشونما کا ہے ابکار الافکار میں ابناوقیس کا یہ قول ہے کہ روح جسم مرکب عناصر اربعہ سے ہے اور بدن میں اس کا حلول ہے۔ جس کی دلیل اس نے یہ بیان کی ہے کہ ادراک مناسبت کا مقتضی ہے پس روح کا موالید کو ادراک کرنا ترکیب کو چاہتا ہے اور شفاء میں بیان کیا ہے کہ روح مرکب چھ امور یعنی اربعہ عناصر اور قوت اور محبت سے ہے بعض کا یہ قول ہے کہ روح خون کا نام ہے کیونکہ باقی اخلاط سے خون اشرف ہے اور انسان کی موت کے وقت معدوم ہو جاتا ہے اور بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ روح عبارت اخلاط اربعہ سے ہے جو مجتمع اور کم وکیف میں معتدل ہیں بعض روح مزاج کا نام رکھتے ہیں جو کیفیات عناصر سے پیدا ہوتی ہے بعض روح نفسانی یعنی قوت دماغی کو روح انسانی کہتے ہیں بعض روح حیوانی یعنی قلب جسمانی کی قوت کا نام روح انسانی کہتے ہیں بعض روح نباتی یعنی قوت جگر ہی کو روح انسانی سمجھے ہوئے ہیں بعض نے ان تینوں قوتوں کے مجموعہ کا نام روح انسانی رکھا ہے۔ جمہور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ روح انسانی جسم لطیف ہے بدن میں سرائیت کیئے ہوئے جیسا کہ گلاب کا پانی گلاب میں اور اس کی جسمیت پر بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں ان میں سے قول تعالیٰ اللہ[۱] یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیہ الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمیً وقولہ تعالیٰ[۲] ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون الایۃ .وقولہ تعالی[۳] یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ کہ ان آیات میں نفس کی وفات اور اس کے بند رکھنے اور اخراج اور رجوع کی خبر ہے.. بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ۔

[۱] اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہوا ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک ٹھہرے وعدہ تک۔............[۲] اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بیہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان آج تم کو جزاء ملے گی۔............[۳] اے جی چین پکڑے پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔............ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ۔ ....

اپنے آپ اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے اور معقولات کا ادراک کرتی ہے اور عرض میں یہ صفتیں نہیں ہوتیں اور وہ جسم بھی نہیں کیونکہ جسم تو تقسیم کو قبول کرتا ہے اور روح منقسم نہیں ہوتی اگر منقسم ہو تو چاہئے کہ ایک جزو سے مثلاً زید کا اس کو علم حاصل ہو اور دوسری جزو سے اس کا جہل جس سے لازم آتا ہے کہ روح ایک ہی حالت میں ایک شے کی عالم بھی ہوتی اور جاہل بھی اور ایک شے کا علم اور جہل ایک شخص میں محال ہے دو شخصوں میں محال نہیں کیونکہ ضدوں کا تناقص محل واحد میں ہوتا ہے سپیدی اور سیاہی آنکھ کی ایک جزو میں تو متناقض ہیں دو جزوں میں متناقض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک چیز غیر منقسم ہے سب عقلاء کے نزدیک جزء لا تجزی ہے یعنی ایک چیز

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... جو اوصاف جسم سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم سے یا یوں کہیں روح موصوف ہے ان اوصاف سے اور جو متصف ہو ان اوصاف سے وہ جسم ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روح بھی جسم ہے اور قاضی باقلانی اور نظام معتزلی کا یہ عقیدہ ہے کہ روح جسم لطیف بدن میں سرایت کیئے ہوئے ہے تغیر اور تبدل کے قابل نہیں اور وقت قطع ہونے کسی عضو کے جزو روحانی منقطع نہیں ہوتی بلکہ جزو متصل کی طرف جذب اور منقبض ہو جاتی ہے اور بڑا فرقہ اشاعرہ کا یوں قائل ہے کہ جسم مرکب ہے اجزاء یتجزیٰ سے اور روح عبارت وجود ان اجزاء لایتجزیٰ سے ہے جن کو اجزاء اصلی کہتے ہیں اور ابن راوندی کا قول ہے کہ روح جزو لایتجزیٰ ہے قلب میں اور بعض متکلمین کا یہ قول ہے روح عرض ہے یعنی حیات کا نام ہے جس کے سبب بدن حی ہے اور امام رازی بھی اسی کا قائل ہے کہ روح عرض ہے عوارض بدن سے اور بعض کا یہ قول ہے کہ روح خداوند کریم کے اجزاء میں سے ایک جز ہے اور بعض صوفیہ کا یہ قول ہے کہ روح کوئی صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے کیونکہ خداوند کریم نے قل الروح من امر ربی فرمایا ہے اور امر کلام اس کی ہے پس روح کلام الٰہی یعنی احیاء کا نام ہوا بعض کا یہ قول ہے کہ روح نسیم طیب باعث حیات ہے جیسا کہ نفس ہوا گرم بحث حرکات و شہوات ہے لیکن ان تمام اقوال کا ضعف و بطلان بتقدیر یکہ روح سے مراد ان کی نفس ناطقہ یعنی روح انسانی ہو ارباب فہم و فراست پر مخفی نہیں کیونکہ بعض کا روح حیوانی کو جو بقول بعضِ جسمانی قوت ہے جس کی اصلاح سے صرف صحت بدن کی حاصل ہوتی ہے روح انسانی کہنا یا بعض روح انسانی کا حلول بدن میں پانی میں نمک کی طرح لینا جو خواص جسم سے ہے یا ہوا یا پانی ہی کا نام رکھنا جو ایک جسم غیر مدرک ہے یا ایک جسم مرکب عناصر اربع سے لینا یا چھ امور سے مرکب لینا یا خون کا نام جو جسم غیر مدرک ہے روح انسانی رکھنا یا اخلاط اربع یا مزاج کا نام رکھنا جو ایک مرکب شے ہے یا روح نفسانی یا نباتی وغیرہ کو جو از قسم اعراض ہیں روح انسانی کہنا یا روح انسانی کو جسم لطیف......... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں۔

ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی کیونکہ اس کو جزو بھی نہ کہنا چاہیے اس لئے کہ جزو تو کل کی نسبت ہوتا ہے یہاں تو کُل ہی نہیں جزو کہاں ہوگا مگر اس اعتبار سے جزو بول سکتے ہیں جس اعتبار سے ایک کو دس کا جزء کہتے ہیں کیونکہ اگر تمام موجودات یا تمام اشیاء جن سے انسانوں کا قوام ہی اعتبار کی جاویں از اں جملہ ایک روح بھی ہوگی جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ روح ایک غیر منقسم شے ہے اب دو حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکان ہوگی یا لا مکان اس کا ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیونکہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے تقسیم قبول کرتی ہے اور جزء لایتجزی (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکان تو ہو اور

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... بدن میں بے تغیر و تبدل سرائیت کیئے ہوئے لینا یا جسم مرکب اجزاء لایتجزی سے لینا یا روح انسانی حیوٰۃ یعنی عرض کا نام رکھنا یا قلب میں ایک جز لایتجزی کا نام رکھنا یا یہ کہنا کہ روح نسیم طیب ہے روح انسانی کی حقیقت اور ماہیت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے بھلا جبکہ روح انسانی مدرک ہے اور ادراک شان جوہر سے ہے تو عرض کیونکر ہوگی اور جب اس کے مرکب ہونے سے ایک ہی حالت میں اس کا ایک شئے کی عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے تو جسم کیونکر ہوگی یا عوارض جسمیت اس کے لیئے کیونکر ثابت ہونگے متکلمین نے جو دلائل روح کی جسمیت پر پیش کیئے ہیں یعنی وفات اور امساک اور اخراج اور رجوع میں کہتا ہوں کہ ان اوصاف میں سے کوئی بھی صفت روح کے جسمیت کی مقتضی نہیں کیونکہ وفات روح کے بدن سے رفع تعلق کا نام ہے نہ کہ روح کا معدوم کر دینا اس لیے کہ روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا معدوم ہونا ہی باطل ہے جیسا عنقریب بادلیل اس کا بیان آئے گا ایسا ہی امساک سے مراد روح کا تعلق بدن سے نہ ہونے دینا اور ارسال سے مراد بعد امساک کے اس کا تعلق کر دینا اور رجوع الی اللہ سے روح کا تصرف فی البدن سے باز رہنا اور خدا کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور اخراج عبارت ہے نفس ناطقہ کا تعلق بدن سے موقوف کر دینے سے پس قرآن شریف میں روح کے ان اوصاف کے بیان ہونے سے روح کی جسمیت کا ثابت کرنا پایۂ اعتبار سے ساقط ہے علاوہ بریں ہم یہ بھی توجیہہ بیان کر سکتے ہیں کہ وفات کے وقت روح حیوانی بدن سے نکالی جاتی ہے جس کے نکلنے سے نفس ناطقہ یعنی روح انسانی کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ نفس ناطقہ کا تصرف بدن میں بواسطہ روح حیوانی کے ہے جو ایک بخار لطیف حرارت قلب جسمانی سے نفع پا کر بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتا ہے اور حیات تمام اعضاء کو دیتا ہے اس بخار لطیف یعنی روح حیوانی کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری ہونا ایسا ہے جیسا ایک چراغ مثلاً اطراف گھر میں پھیرا جاوے اور اس سے گھر کے چار طرف روشنی پھیل جاوے گویا یہ بخار لطیف بمنزلہ چراغ کے ہے اور حیات بمنزلہ روشنی کے اس بخار لطیف کے ذریعہ سے نفس ناطقہ کا تعلق بدن کے ساتھ تدبیر اور تصرف کا جو تھا وفات کے وقت جاتا رہا اور اس کے اخراج، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تجزیہ و تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے ان دلائل میں سے آسان دلیل یہ ہے کہ اگر اس کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے تو ضروری ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالف سے اس کو مس کریں گی جب اس کی مخالف طرفیں نکلیں تو ہوسکتا ہے ایک طرف سے ایک شئے کا علم ہو اور دوسری طرف سے اسی شکل کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ اور ارسال اور اساس سے روح انسانی کے تعلق کا ہونا یا نہ ہونا وجود میں آیا پس مجازاً ان اوصاف کو جو در حقیقت روح حیوانی کے اوصاف ہیں روح انسانی کی صفت ڈالدیا گیا جیسا کہ کسی بادشاہ کا کسی ملک پر تصرف ہو اور اس بادشاہ کا نائب و لشکر اس ملک میں رہتا ہو کوئی غنیم بادشاہ کے نائب و لشکر کو قتل کردے یا وہاں سے نکال دے تو اس موقعہ پر ہم یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ مارا گیا یا فلاں ملک سے نکالا گیا یا فلاں ملک اس سے چھین لیا گیا جس سے ہماری یہ مراد ہوتی ہے کہ اس ملک میں اس کو تدبیر اور تصرف کا اختیار نہ رہا اور اشاعرہ کے عقیدے اور ابن راوندی کے قول کا بطلان معروضات سابقہ سے ظاہر ہی ہے کیونکہ روح کوئی جسم مرکب اجزاء لایتجزی سے یا خود جز لایتجزی جزو قلب جسمانی کی نہیں بلکہ وہ کسی محل میں سرایت کرنے یا کسی عضو کے جز پڑنے یا خود جسم ہونے سے پاک ہے علاوہ بریں جزو لایتجزی کا بطلان دلائل ہندسیہ سے ثابت ہے اس لئے کہ ۴۷ شکل مقالہ اول اقلیدس سے یہ بات ثابت ہے کہ مثلث قائم الزاویہ کے زاویہ قائمہ کے وتر کا مربع اس کے دو ضلعوں کے مربع کے مساوی ہوتا ہے پس جس صورت میں ہم نے ایک مثلث قائم الزاویہ جس کے دو ضلعے مساوی ہوں مثلاً ایک ایک ضلع دس ۱۰ دس ۱۰ جزو کا فرض کریں تو بحکم شکل مذکور وتر اس کا دو سو ۲۰۰ کا جذر نکلنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ دو سو کا جذر صحیح نہیں نکل سکتا مثلاً اگر چودہ ۱۴ کو وتر کہیں یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہ تو ایک سو چھیانوے ۱۹۶ کا جذر ہے اور اگر پندرہ کہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا مربع دو سو پچیس ۲۲۵ ہیں پس دو سو ۲۰۰ کا جذر چودہ ۱۴ جز معہ کسر جزو کے نکلے گا جس سے اس جزو لایتجزی مفروضہ کا تجزیہ اور انقسام ثابت ہوا اگر کوئی یہ کہے کہ متکلمین نے نفی جز لایتجزی کے دلائل کی تضعیف اور اثبات جز لایتجزی کا دلائل قویہ سے کیا ہے تا کہ اثبات ہیولی و صورت سے جو مودی قدم عالم اور نفی حشر اجساد کی طرف ہے نجات ہو جائے میں کہتا ہوں کہ اثبات جز لایتجزی کے دلائل بھی چنداں قوی نہیں اسی لئے امام رازی سے اس میں توقف کیا ہے علاوہ بریں اثبات ہیولی و صورت مودی قدم عالم و نفی حشر اجساد کی طرف نہیں ہوسکتا اس لئے کہ فلسفی ہیولی کے قدیم بالذات ہونے کے تو قائل ہی نہیں البتہ قدیم بالزمان لیتے ہیں اور ہر حادث زمانی کو مسبوق بالمادہ کہتے ہیں لیکن کوئی دلیل قوی انھوں نے اس پر بیان نہیں کی چنانچہ ماہرین فن معقول پر یہ امر پوشیدہ نہیں پس جب قدم ثابت نہیں تو ان کا اثبات مودی قدم عالم و نفی حشر اجساد کی طرف کیونکر ہوگا...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں............

کی عالم اور جاہل ہوئی اور یہ باطل ہے اور جزو لایتجزیٰ کیونکہ باطل نہ ہوا اگر ایک شئے بسیط کو اجزاء لایتجزیٰ سے مسطح فرض کیا جائے تو اس کی وہ طرف جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کی مخالف ہوگی جس کو ہم نہیں دیکھتے کیونکہ ایک شے ایک ہی حالت میں دکھائی دے اور نہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ اور اگر بالفرض یہی تسلیم کیا جائے کہ ہیولی وصورت کا اثبات مودی قدم عالم ونفی حشر اجساد ہے اس لئے جسم کا مرکب ہونا جواہر فردہ یا اجزاء مقداریہ سے لیا جائے تب بھی ہم کہتے ہیں کہ کونسی ضرورت ہے کہ روح انسانی کو خواہ مخواہ مرکب اجزاء لایتجزیٰ سے کہا جائے حالانکہ اس کا مرکب ہونا ظاہر البطلان ہے اور جو کہتا ہے کہ روح خدا تعالیٰ کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس کے قول کا بطلان ظاہر ہی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مرکب اجزاء سے نہیں ہے کہ ایک جز یعنی روح اس سے الگ ہو کر بدن انسان سے متعلق ہوگئی ہو تعالیٰ عن ذالک علوا کبیرا اور بعض صوفیہ کے اس عقیدہ کا بطلان بھی کہ روح صفت جسم کی نہیں بلکہ ذات باری کی صفت ہے ارباب عقل پر مخفی نہیں کیونکہ یہ امر تو ممکن بلکہ واقع ہے کہ زید کو ایک چیز کا علم ہوتا ہے اور عمرو کو اس کا جہل پس اگر روح مدرک صفت ذات باری کی ہوتی تو نقص جہل کا صفت باری تعالیٰ میں لازم آتا وغیرہ ذالک من المفاسد علاوہ بریں خدا تعالیٰ کا قل الروح من امر ربی بلفظ من ارشاد کرنا صاف اس امر پر دال ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنی اس عالم میں سے ہے جس کا اندازہ اور مقدار نہیں غرضکہ روح انسانی جس کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا ادراک اور جس کی اصلاح سے قرب رب العالمین حاصل ہوتا ہے اور جو مخاطب اور معاتب ہے جس کو عقل وقلب بمعنی لطیفہ ربانی اور نفس ناطقہ وحقیقت انسانی بھی کہتے ہیں جس کا تذکیہ موجب فلاح ہے جیسا خدا فرماتا ہے ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسّٰھا

ترجمہ: اور قسم ہے جی کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا پھر اس کو سمجھ دی ڈھائی کی اور بچ میں چلنے کی مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں بلایا۔

نہ تو وہ روح حیوانی ہے کیونکہ روح حیوانی کو امور اخروی اور حقائق عقلی کا ادراک حاصل نہیں ورنہ تمام حیوانوں کا وانندۂ امور اخروی حقائق عقلی ہونا لازم آئے گا جو صراحتاً باطل ہے اور نہ وہ قوت نفسانی یا نباتی یا کسی اور عرض کا نام ہے کیونکہ عرض مدرک نہیں ہوتی اور روح انسانی مدرک ہے اور نہ وہ جز لایتجزیٰ یا کوئی مرکب چیز اجزاء سے ہے بلکہ وہ جوہر منقسم بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن وحافظ ترکیب بدن ہے مکان اور جہت سے پاک نہ بدن میں داخل نہ خارج نہ متصل نہ منفصل حکماء مشائین اور اشراقین کا یہی عقیدہ ہے اور اہل تحقیق مثلاً ابوزید دبوسی وامام راغب اور امام غزالیؒ وغیرہ اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے اور معمر معتزلی اور ایک فرقہ امامیہ اسی کا قائل ہے اور محققین صوفیہ کرام کا یہی عقیدہ ہے اور کامل اقراء وصوفیہ کا مشاہدہ بھی اسی کی طرف منتہی ہوتا ہے، مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

دکھائی دیے نہیں ہوتی اور جب سورج اس کی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہو گی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اس کے لئے دو طرفیں نکلیں تو جزو لایتجزیٰ نہ رہی۔

فصل

پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس جوہر کی کیا حقیقت ہے اور اس کا بدن کے ساتھ کس طرح پر تعلق ہے آیا وہ بدن میں داخل ہے یا خارج متصل ہے یا منفصل میں نے جواب دیا کہ روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا کہ پتھر نہ تو عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جہل کے لئے حیات چاہیے جب حیات ہی نہیں علم اور جہل بھی نہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ روح کسی جہت میں ہے یا نہیں میں نے جواب دیا کہ روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں وہ جسم اور عرض نہیں وہ تو ان عوارض سے پاک ہے پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول ﷺ کو حقیقت روح کے بتلانے اور اس بھید کے ظاہر کرنے کا کیوں اذن نہ ہوا میں نے جواب دیا کہ لوگوں کے فہم اس کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ لوگ دو قسم پر ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونے کی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جل شانہ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کریگا اس لئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور اللہ جل شانہ کو جسم ٹھہراتا ہے کیونکہ کسی موجود کو سوائے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ ہونے کے نہیں ادراک کرتا بعضوں نے ان عاملوں سے کچھ ترقی کی جسم کی نفی کی اور عوارض جسمیہ کی نفی نہ کر سکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ سے ہے باری تعالیٰ کے لئے ثابت کیا بعضوں نے ان سے ترقی کی انھوں نے خدا تعالیٰ کو لانی جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ اور معتزلہ ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ترقی یاب ہوئے روح کے بھید بتلانا کیوں جائز نہیں ہے میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ اس صفات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو محال جانتے ہیں اگر تو ان سے یہ ذکر کرے تجھے کافر ٹھہرائیں اور تجھے یہ کہیں گے کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لئے ثابت کرتا ہے تو تو اپنے نفس کی

خدائی کا دعویٰ کرتا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ انھوں نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا میں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جیسا کہ وہ ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں ویسا ہی وہ شئے کا لامکان میں جمع ہونا محال سمجھتے ہیں کیونکہ بہ سبب فرق نہ ہونے کے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسا ہی اگر لامکان میں دو چیزیں جمع ہوویں ان میں بھی کچھ فرق نہیں رہے گا اس لئے کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور دو ہم مثلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہ تو اشکال قوی ہے اس کا جواب کیا ہے میں نے جواب دیا کہ اس بات میں انھوں نے غلطی کھائی جبکہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ اشیاء میں فرق تین امروں کے ساتھ ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ عوارض مختلف ایک محل میں مثلاً رنگ اور ذائقہ اور بو اور برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیونکہ ان کے لئے محل ہی ایک ہے اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور فرق علم کا قدرت اور ارادہ سے اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جب کہ ان میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں ماہیت کی رو سے ہوتا ہے پس جبکہ ایک مکان میں عوارض مختلف ماہیت کا ہونا جائز ہو تو اشیاء مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔

فصل

پھر مجھ سے سوال کیا کہ یہاں تو اول سے بھی ایک اور اشکال بڑھکر ہے اور ایک اور دلیل اس کے محال ہونے پر اظہر ہے وہ اشکال یہ ہے کہ اس میں روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوئی اور روح میں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات کو ثابت کیا میں نے جواب دیا کہ یہ کہاں ہوسکتا ہے کیونکہ ہم انسان کو حی اور عالم اور سمیع اور بصیر اور قادر اور مرید اور مکلّف کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں کیونکہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں اس طرح خیر اور مکان اور جہت سے پاک ہونا اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے تو صفت قیومیت کی ہے یعنی وہ بذات خود موجود ہے اور اس کے ماسوا

سب اس کے سبب موجود ہیں بلکہ اشیاء کے لئے تو بذاتہ خود عدم ہے وجود تو ان کے لئے عاریتاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لئے وجود صفت ذاتی ہے عاریتاً نہیں ہے اور یہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالیٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی پھر مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے معنیٰ تسویہ اور نفخ کے تو ذکر کیئے نسبت کے معنیٰ نہ بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی کیوں فرمایا اگر نسبت کے یہ معنیٰ ہیں کہ وجود روح کا خدا سے ہے تو سب چیزوں کا وجود خدا تعالیٰ ہی سے ہے حالانکہ بشر کی نسبت مٹی کی طرف کی اور فرمایا انی خالق بشرًا من طین یعنی میں بشر کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں پھر فرمایا کہ فاذا سویته ونفخت فیه من روحی اور اگر اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ روح خدا تعالیٰ کی جزء ہے جس کا بدن پر فیضان کیا جیسا کہ سخی سائل پر مال کا فیضان کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ افضت علیه من مالی یعنی میں نے سائل پر اپنے مال کا فیضان کیا تو اس میں ذات اللہ تعالیٰ کے لئے اجزاء ثابت ہوئی حالانکہ پہلے آپ نے اس کو باطل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ افاضہ کے معنیٰ جدا ہونے جز کے نہیں ہیں پس اس کے کیا معنیٰ ہوئے میں نے جواب دیا کہ اگر یہ بات آفتاب بولے اور کہے افضت علی الارض من نوری یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنیٰ یہ ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ بنسبت اس کے بہت ہی ضعیف ہے اور یہ تو نے معلوم کرلیا ہے کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہے اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اس کو قوت ہے اور یہ مناسبات شے جسمانی میں نہیں ہوتیں پس انھیں مناسبات کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا اور من روحی فرمایا پھر مجھ سے سوال کیا کہ قل الروح من امر ربی کے کیا معنیٰ ہوئے اور عالم امر اور عالم خلق سے کیا مراد ہے میں نے جواب دیا کہ جس شئے کی مساحت اور اندازہ ہوسکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اس کو عالم خلق سے کہتے ہیں اور یہاں خلق کے معنیٰ تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں جیسا کہ بولتے ہیں خلق الشئی ای قدرہ یعنی چیز کا اندازہ کیا اور شاعر نے کہا ہے شعر ولانت تفری ماخلقت وبعضل قومی یخلق ثم یغری اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اس کو امر ربی کہتے ہیں اور اس کو امر ربانی کہنا انھیں مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جنس سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ ان کو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس اور خیال اور جہات

اور مکان اور حیّز سے خارج ہیں اور بسبب نہ ہونے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ اس سے تو روح کے قدیم ہونے کا وہم پڑتا ہے میں نے جواب دیا کہ اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہے وہ ان کی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہیں گے کہ اس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزاء اور ذی مکان نہیں ہے اور اگر مخلوق بمعنی حادث لیں تو روح مخلوق ہے قدیم نہیں ہے اس کے حدوث کی دلیل طویل ہے اور اس کے مقدمات بہت ہیں حق تو یہ ہے کہ جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا کہ آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے مختصر دلیل یوں ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اول موجود ہوتیں یا تو بہت ہوتیں یا ایک بدنوں سے اول ان کی کثرت اور وحدت تو باطل ہے بدنوں سے اول ان کا وجود بھی باطل ہوا وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں سے متعلق ہونے کے بعد یا تو ان کی وحدت باقی رہنا تو محال ہے کیونکہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شئے کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو سراحتاً معلوم ہے اگر جوہر ادراک کرنے والا یعنی روح ان میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہوتا جیسا کہ زید میں محال ہے اور اسی طرح بعد تعلق کے بہت ہو جانا بھی باطل ہے کیونکہ جس ایک کا مقدار نہ ہو اس کا دو اور منقسم ہونا محال ہے اور مقدار والی شئے کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم کے ایک ہی جسم بسبب اس کے کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اس کے لئے اجزاء نکلتے ہیں اور جس چیز کے لئے اجزاء اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کریگی اور بدنوں سے اول ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہونگی یا مختلف ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہے کثرت بھی محال ہوئی ہم مثل ہونا یوں محال ہے کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اس لئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکان میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہے کیونکہ دو ہونا تغایر کو چاہتا ہے اور یہاں تغایر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ یہاں تغایر بسبب جسم کے ہو جائے گا اس لئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے ساتھ خاص ہوگی دوسری دوسرے کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقاً دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کرکے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید اور عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں دوات اور کوے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم مثل ہیں بدنوں سے اول ان کا مختلف ہونا یوں محال

ہے کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہے ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہے جیسا کہ پانی اور آگ اور سیاہی اور سپیدی اور علم و جہل کا اختلاف ہے دوسری قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ پانی سرد اور گرم کا اختلاف ہے اب ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے اختلاف ہونا تو محال ہے کیونکہ ارواح بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت اور حقیقت میں متفق ہیں عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہے کیونکہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہو اور ان کی طرف کسی طرح منسوب ہو تب عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ جسم کے اجزاء میں اختلاف ضروری ہے اگر چہ آسمان ہی کی

ا روح بشری کے ایک ہی نوع ہونے کی یہ وجہ ہے کہ نفس ناطقہ یعنی جو ہر مجروح بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن مختص بنوع انسان ہے کمامر اور انسان تو نوع سافل یعنی تمام انواع سے نیچے کی نوع ہے اور جو چیز نوع سافل کے ساتھ مختص ہو ماہیت جنسی نہیں ہوسکتی ورنہ نوع سافل کے ساتھ امر مختص کا غیر مختص ہونا لازم آئے گا یہی وجہ ہے کہ ناطق کو حیوان ناطق میں انسان کے لئے فصل قریب اور ممیز جمیع اغیار سے لیتے ہیں کیونکہ مراد ناطق سے مبدا نطق یعنی نفس ناطقہ ہے جو مختص بانسان ہے پس اس کا جمیع اغیار سے ممیز اور ایک ہی نوع ہونا اظہر من الشمس ہے یہی مذہب ارسطو اور ابو علی کا ہے بعض حکماء اس کے خلاف پر ہیں اور ابوالبرکات اور امام رازی متکلمین میں سے روح کے ماہیت جنسی ہونے کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول جس کو مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ الناس معادن کمعادن الفضۃ والذہب خیارھم فی الجاھلیہ خیارہم فی الاسلام اذا فقہوا والارواح جنود مجندہ فماتعارف منہا ایتلف وماتناکر منہا اختلف ۔

ترجمہ: لوگ کانیں ہیں چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح بہتر ان کے زمانہ جاہلیت میں بہتر انکے زمانہ اسلام میں ہیں جبکہ سمجھ دین کی ان کو حاصل ہو اور روحیں جماعت جماعت مجتمعہ ہیں پس ان میں سے جس کا جس روح کے ساتھ باہمی تعارف ہوا اس کی اس کے ساتھ الفت ہوگئی اور جس کو روح سے باہمی نفرت ہوئی اس سے اس کا اختلاف ہوا۔

کو اپنے مدعا کے لئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اخیر حدیث میں ارواح کو بصیغہ جمع لانا اور اسی طرح ابتداء حدیث میں ارواح کو معدن سونے اور چاندی کے ساتھ جو مختلف بالحقیقت ہیں تشبیہ دینا روح کی ماہیت جنسی ہونے کا مقتضی ہے میں کہتا ہوں ارواح کو آنحضرت ﷺ کا بصیغہ جمع لانا روح کی ماہیت جنسی ہونے کو مقتضی نہیں کیونکہ جمع کے واسطے اختلاف افراد کا تشخص اور صنف میں کفایت کرتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ صیغہ جمع کا اپنے نیچے جنس ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر............

نسبت اختلاف قریب اور بعید ہونے کا ہو لیکن جب ایک ماہیت جسموں کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہوا اختلاف اس کا محال ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہے لیکن اس قدر بیان اس تحقیق پر آگاہ کرنے کے لئے ہے۔ پھر مجھ سے سوال کیا کہ روحوں کا حال بدنوں سے الگ ہونے کے بعد کیا ہوگا حالانکہ ان کو جسموں کے ساتھ تعلق نہیں پھر کیونکر روح میں کثرت اور اختلاف ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور جہل صفائی اور کدورت خوش خلقی اور بد خلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے ان کی کثرت سمجھی جاتی ہے بدنوں سے تعلق

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ وفصل سے مرکبہ انواع کو ہی مستلزم ہو جس سے مطلق روح کا ماہیت جنسی ہونا ثابت ہوا ایسا ہی سونے چاندی کی معدن کی ساتھ تشبیہ اس وجہ سے کہ معدن ظرف زر وسیم اور لوگ ظرف علوم ہیں صرف اس امر میں ہے کہ جیسا رز وسیم کی معدنوں میں مختلف استعدادیں ہیں مثلاً معدن زر عمدہ استعداد کہتی ہے ایسی استعداد معدن نسیم میں نہیں اسی طرح لوگ مختلف استعدادیں رکھتے ہیں بعض اعلیٰ حسب مراتب معدنوں کے قابل فیضان الٰہی کے ہیں اور بعض نہیں اور حدیث میں زر وسیم کے ساتھ جو ماہیت میں مختلف ہیں تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ زر وسیم کی معدنوں کے ساتھ دی گئی ہے جو ماہیت میں متحد اور استعدادوں میں مختلف ہیں غرضیکہ اس تشبیہ سے یہ امر متحقق ہوتا ہے کہ لوگوں میں مختلف استعدادیں ہیں کوئی اس میں فیضان الٰہی کے قابل ہے اور کوئی نہیں اور بعض شریف ہیں بعض نہیں مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو شریف ہوں زمانہ اسلام میں شریف تب ہی گنے جائیں گے جب دین میں ان کو سمجھ حاصل ہو چنانچہ خیارھم فی الجاھلیہ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا کا جملہ اس پر دال ہے پس اس تشبیہ سے روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے جو ایک جوہر بسیط بواسطہ روح حیوانی مدبر بدن اور مدرک امور اخروی وحقائق عقلی ہے ماہیت جیسی ہونے پر استدلال پکڑنا یا مطلق لفظ روح کا روح انسانی وغیرہ میں اشتراک لفظی نہ لینا بلکہ اشتراک معنوی جو بالکل درست متصور نہیں اس تشبیہ سے ثابت کر کے اس کی جنسیت کا قائل ہونا محض خیال باطل ہے کمالایخفیٰ اور الارواح جنود مجندۃ الحدیث سے صاحب لمعات کا اجسام سے پیشتر ارواح کے موجود ہونے پر استدلال پکڑنا بھی ضعیف ہے کیونکہ الارواح جنود مجند کے ساتھ قبل الاجسام کی تو قید نہیں ایسا ہی تعارف مقید بقید قبل الاجسام نہیں اور بغیر اس قید کے بڑھانے کے معنی حدیث کے بن سکتے ہیں کمالایخفیٰ پس ظاہر ہے کہ خواہ مخواہ اس قید کو بڑھا کر ارواح کا قبل اجسام ہونا ثابت کرنا حالانکہ دلیل تحقیقی اس کے خلاف پر قائم ہے کما مر ضعف سے خالی نہیں۔ مفتی شاہ دین۔

کے اول یہ بات نہیں تھی کیونکہ ان کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہ تھا۔ فصل پھر مجھ سے سوال کیا کہ رسول مقبول ﷺ کے قول اخلق اللہ ادم علی صورتہ اور ایک روایت میں علیٰ صورۃ الرحمٰن کے کیا معنیٰ ہوئے میں نے جواب دیا کہ صورت ایک اہم مشترک ہے کبھی تو شکلوں کی ترتیب اور بعض شکلوں کو بعض سے ملانے یا اختلاف ترکیب پر بولتے ہیں یہ قسم تو صورت محسوسہ ہے اور کبھی ترتیب معنیٰ پر بھی بولتے ہیں جو محسوسہ نہیں اور معانی کے لئے بھی ترتیب اور ترکیب اور باہمی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ مسئلہ کی صورت ایسی ہے اور واقع کی صورت ایسی اور علم جسمانی کی صورت ایسی ہے اور علم عقلی کی صورت ایسی سو اس حدیث نبوی میں صورت سے صورت معنوی مراد ہے اس میں روح کے ان مناسبات مذکورہ کی طرف اشارہ ہے جن کا خدا کی ذات اور صفات اور افعال کی طرف رجوع اور مآل ہے کیونکہ روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بذات خود نہ تو عرض ہے نہ جوہر متحیز اور نہ جسم نہ اس کا کسی جہت اور مکان میں حلول ہے اور نہ وہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل نہ وہ عالم کے جسموں اور بدنوں میں داخل ہے نہ خارج سو یہ سب کی سب ذات الٰہی کی صفات ہیں اور روح کی صفتیں یہ ہیں کہ حی اور عالم اور قادر اور مرید اور سمیع اور بصیر اور متکلم ہے اللہ تعالیٰ میں بھی ایسی ہی صفتیں ہیں اور روح کے افعال یہ ہیں کہ ابتداء فعل انسان میں ارادہ ہوتا ہے جس کا اول اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے وہ ایک بخار لطیف ہے دل کے درمیان سرایت کر کے دماغ کو پہنچاتا ہے پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں پھر پٹھوں سے اوتار اور رباطات کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں پھر اس سے اوتار کھینچے جاتے ہیں تو اس سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے اور قلم سے سیاہی کو ہوتی ہے تو سیاہی سے کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی ہے جیسا کہ خزانہ خیال میں متصور تھی کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اول خیال میں متصور نہ ہو

اخلق اللہ آدم علی صورتہ الحدیث، کو بخاری و مسلم نے بروایت ابو ہریرہ بیان کیا کہ یہاں صورت سے مراد صفت ہے پس معنی حدیث کی یہ ہوئے کہ پیدا کیا اللہ نے آدم کو اپنی صفت پر یعنی عالم متکلم بصیر اور اضافت تشریف کی بھی یہاں ہو سکتی ہے جیسا کہ بیت اللہ ناقۃ اللہ میں اور صاحب مجمع البحار وغیرہ کا ایک یہ احتمال بیان کرنا کہ (صورتہ اے صورتہ آدم) علی صورت الرحمٰن کی روایت کے منافی ہے کما لا یخفی لیکن بعضوں نے کہا ہے کہ خلق آدم علیٰ صورۃ الرحمٰن کی روایت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ مفتی شاہ دین۔

کاغذ پر اس کا لکھنا ممکن نہیں اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت کے ذریعہ سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو فرشتوں سے حرکت دلائی تو جان لے گا کے انسان کا تصرف عالم اصغر یعنی بدن میں ایسا ہے جیسا خالق کا تصرف عالم اکبر میں اور معلوم کرلے گا کہ انسان کا دل باعتبار اس کے تصرف کے بمنزلہ عرش کے ہے اور دماغ بمنزلہ کرسی کے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو بالطبع اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں یعنی جن کی جبلی عادت خدا کی اطاعت ہے اور امر کے خلاف کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضاء انسان کے بمنزلہ آسمانوں کے ہے اور اس کی انگلیوں کی طاقت بمنزلہ طبیعت کے ہے جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جمی ہوئی ہے اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہے کہ جمع اور ترکیب وتفریق کے قبول کرنے کے لئے اصل ہیں اور انسان کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہے اب جو کوئی ان مناسبات کی حقیقت پر مطلع ہوگا تو وہ معنی حدیث نبوی ﷺ خلق آدم الخ جان لے گا پھر مجھ سے سوال کیا کہ [1] من عرف نفسہ [2] فقد عرف ربہ کے کیا معنی ہیں میں نے جواب دیا کہ چیزیں مناسب مثالوں کے ساتھ

---

[1] حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کو ابن تیمیہ نے موضوع لکھا ہے سمعانی نے لکھا ہے کہ یہ مرفوع معلوم نہیں ہوتی یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے نووی نے لکھا ہے کہ اس کا ثبوت حضرت سے نہیں اور اس کے معنی تو ثابت ہیں پس بعضوں نے یوں معنی بیان کیئے ہیں کہ من عرف نفسہ بالجہل فقد عرف ربہ بالعلم ومن عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء ومن عرف نفسہ با لعجز الضعف فقد عرف ربہ بالقدرۃ والقوۃ۔

جس نے اپنے نفس کو پہچانا ساتھ جہل کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ علم کے اور جس نے پہچانا اپنے نفس کو ساتھ فنا کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ بقا کے اور جس نے پہچانا اپنے نفس کو ساتھ عجز اور ضعف کے البتہ اس نے پہچانا اپنے رب کو ساتھ قدرت اور قوت کے۔

اور کہا ہے کہ یہ معنی مستنبط ہیں قولہ تعالیٰ ومن یرغب عن ملۃ ابراہیم الامن سفہ نفسہ

ترجمہ: اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا مگر جو بے وقوف ہوا پنے جی سے۔

سیے اور امام غزالیؒ کے معنی مرادی ناظرین رسالہ پر ظاہر ہی ہیں مفتی شاہ دین سلمہ ربہ،

[2] نفس کا لفظ لغت عربی میں کئی معنوں میں مشترک ہے چنانچہ چشم اور ذات، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔۔

پہچانی جاتی ہیں اگر یہ مناسبات مذکورہ نہ ہوتیں تو انسان اپنے نفس کی معرفت سے اپنے خالق کی معرفت کی طرف ترقی نہ کرسکتا اللہ تعالیٰ نے جو آدمی کو اس عالم اکبر کا مختصر نسخہ بنایا چنانچہ وہ اپنے اسباب میں بمنزلہ خدا کے متصرف ہے اگر اس کو اس طرح نہ بناتا تو جہاں اور صفات الٰہی مثل تصرف اور ربوبیت اور فعل اور علم اور قدرت وغیرہ کو نہ پہچانتا اب نفس انھیں مناسبات سے اپنے خالق کی معرفت کا یقیناً آئینہ ہے روح کا مسئلہ جو اول بیان ہوا اس کی معرفت سے بھی اس مسئلہ کا خوب انکشاف ہوتا ہے پھر مجھ سے سوال کیا کہ اگر ارواحیں جسموں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں تو ان حدیثوں کے کیا معنی ہوئے جو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔[1] اخلق اللہ الارواح قبل الاجساد بالفی[1] عام[2]۔ وانا اول الانبیاء خلقاً وآخرھم بعثاً[3] وکنت[2] نبیا وآدم بین الماء والطین۔ میں نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی روح حدیث کے ازلی[3] اور قدیمی ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ روح کے مخلوق اور حادث ہونے پر یہ دال ہیں البتہ ظاہر میں یہ حدیثیں جسم سے روح کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی

(بقیہ حاشیہ) اور خون اور وجود کو بھی نفس کہتے ہیں جس پر اصابتاً نفس کا اطلاق اور قولہ تعالیٰ حتی تسلموا علی انفسکم قول فقہاء وما لانفس لہ سائلۃ معفو وقول قائل نفس الشئی فی اللغۃ وجودہ شاہد ہے رنگ ودباغت چرم عقوبت وغیرہ کو بھی نفس بولتے ہیں ایسا ہی نفس ناطقہ پر جو مدرک اور عالم اور مخاطب اور معاطب ہے نفس کا اطلاق آتا ہے یہاں ظاہراً یہی مراد ہے جیسا کہ امام غزالی نے بیان کیا ہے نہ کہ چشم وخون وغیرہ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

حاشیہ صفحہ ھذا......[1]: اللہ تعالیٰ نے روحوں کو دو ہزار سال اول اجسام سے پیدا کیا۔ [2]: میں خلقت میں سب نبیوں سے اول اور نبیوں میں آخر ہوں۔ [3]: میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھا۔ (۱) ابونعیم نے ابوہریرہ سے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بیان کیا ہے مگر بایں الفاظ انی کنت اول النبیّن فی الخلق واخرھم فی البعث ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ (۲) کنت بنیا وادم بین الماء والطین کو عسقلانی قوی اور اس پر زیادتی یعنی کنت نبیا فلا ادم ولا ماء ولا طین کو ضعیف لکھا ہے اور زرکشی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا بایں الفاظ کچھ اصل ہی نہیں لیکن ترمذی میں ہے متی کنت بنیاقال وادم بین الروح والجسد ۱۲ مفتی شاہ دین سلمہ۔ [3]: افلاطون اور بعض صوفیہ روحوں کے ازلی ابدی ہونے کے قائل ہیں لیکن اس کا ازلی کہنا باطل ہے اس لئے کہ بدنوں سے اول اس کا وجود بطور کثرت باطل ہے کیونکہ مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں حالانکہ کثرت تغائر اور اختلاف کو چاہتی ہے اور بطور وحدت بھی باطل ہے کیونکہ بعض وجود ابدان کے تمام انسانوں کی روح ایک ہوتی یا ایک حقیقی کا کثیر ہو جانا صراحتاً باطل ہے پس جب بدنوں سے اول ان کا وجود باطل ہوا تو ازلی نہ ہوئیں بلکہ حادث ہوئیں مذہب اکثر صوفیہ اور متکلمین اور فقہاء وحکماء اشراقین اور مشائین کا ہے کہ ارواح حادث ہیں اور ابدی۔ ان کے ابدی ہونے کی آسان دلیل یہ ہے کہ روح انسانی بدن سے رفع تعلق کے بعد معدوم نہیں ہوتی کیونکہ......

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ہیں اور ظاہر کا امر آسان ہے کیونکہ اس کی تاویل ہو سکتی ہے اور دلیل قاطع ظاہر کے سبب چھوڑی نہیں جاتی بلکہ ظاہر کی تاویل کی جائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں آیات تشبیہی کی تاویل کی جاتی ہے چنانچہ قولہ صلعم خلق اللّٰہ الارواح قبل الاجساد بالفی عام کی یوں تاویل ہے کہ ارواح سے ارواح ملائکہ مراد ہے اور اجساد سے اجسام عالم جیسا کہ عرش کرسی آسمان ستارے آگ ہوا پانی مٹی اور جبکہ آدمیوں کے جسم سب کے سب زمین کے جسم کی نسبت چھوٹے ہیں اور زمین کا جسم بہ نسبت آفتاب کے بہت چھوٹا ہے اور آفتاب ایسا چھوٹا ہے کہ اس کو اپنے آسمان سے کچھ نسبت نہیں ایسا ہی آسمان کو اپنے اوپر کے آسمان سے اور اس کو اپنے اوپر کے آسمان سے علیٰ ہذا القیاس کچھ نسبت نہیں ہے پھر ان پر کرسی ہے جس میں سب آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں اور کرسی بہ نسبت عرش کے چھوٹی ہے اگر اس میں تو سوچے گا تو آدمیوں کے اجسام کو حقیر جانکر مطلق لفظ اجساد سے جو حدیث میں وارد ہے آدمیوں کے اجسام نہیں سمجھے گا ایسا ہی حال ارواح بشریٰ کا ارواح ملائکہ کی بہ نسبت ہے اگر تجھ پر ارواح ملائکہ کی معرفت کا دروازہ کھلے تو دیکھ لے کہ ارواح بشریٰ مثل ایک چراغ کی ہیں کہ نار عظیم سے فیضیاب ہو اور نار عظیم اور نار ارواح ملائکہ میں سے روح اخیر ہے اور ارواح ملائکہ باترتیب ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ میں منفرد ہے ایسا کہ ایک مرتبہ میں دو روح ملکی جمع نہیں ہوتیں بخلاف ارواح بشری کے کہ کثرت سے ہیں اور نواع اور مرتبہ میں باہم متحد ہیں اور

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............................ :وہ لحوق عدم کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو شئے لحوق عدم کے قابل نہ ہو لحوق عدم اس پر محال ہے اور لحوق عدم کی قابلیت نہ رکھنے کی یہ وجہ ہے کہ اگر روح لحوق عدم کے قابل ہو تو بروقت موجود ہونے کے موجود بالفعل معدوم بالقوہ ہو گی پس اس صورت میں مبدا فعلیہ وجود اور ہو گا اور مبداء عدم اور نہیں تو کل باقی ممکن الفساد اور کل ممکن انفساد باقی ہو جائیگا جو صراحتاً باطل ہے پس جب ہر دو مبدا باہم مغائر نکلے تو روح کی ترکیب لازم آئی اور روح کا مرکب ہونا تو باطل ہے ورنہ اس کا ایک ہی حالت میں ایک ہی شے کا عالم اور جاہل ہونا لازم آتا ہے پس اس کا معدوم ہونا بھی باطل ہوا کیونکہ بطلان لازم مستلزم ہے بطلان ملزوم کو پس ثابت ہوا کہ ارواح بشری ابدی ہیں اور قولہ علیہ السلام کا جس کو مصنف تفسیر عزیزی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ (انکم خلقتم للابد وانکم منتقلون من دارِ الیٰ دارِ ۔) بھی اس کا موید ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

☆تحقیق تم پیدا کیئے گئے ہو ہمیشگی کے (البتہ تم) انتقال کرتے ہو ایک دار سے طرف ایک دار کے۔

ملائکہ[1] ہر ایک ان کا نوع الگ الگ ہے اسی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی کلام میں ''**وما منا الا لہ مقام معلوم وانا لنحن الصافون وانا لنحن المسبحون**۔ (ترجمہ: اور ہم میں جو ہے اس کو ایک ٹھکانہ ہے معین اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں صف باندھنے والے اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں پاکی بولنے والے) اور رسول مقبول ﷺ کی

---

[1] ملائکہ ہر ایک ان کا نوع الگ الگ ہے ارواح ملائکہ بلا واسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں بخلاف روح انسانی کے کہ بواسطہ روح حیوانی کے مدبر بدن ہے جس سے اس کا ارواح ملائکہ سے امتیاز اور علیحدہ نوع ہونا ثابت ہوتا ہے ایسا ہی نباتات اور معدنیات اور دیگر حیوانات کی ارواح سے روح انسانیت کی ماہیت میں مغائر ہے کیونکہ انسانی روح یعنی نفس ناطقہ ہے کو ادراک حقائق عقلی کا ہے اور ارواح انسانی ہی کی اصلاح اور غیر اصلاح سے استحقاق ثواب اور عقاب کا ثابت ہے اور اس کا تعلق بواسطہ روح حیوانی کے ہے کما مر اور یہ باتیں دیگر ارواح میں پائی نہیں جاتیں اور یہ امر ظاہر ہی ہے کہ اختلاف لوازم مستلزم اختلاف ملزومات کو ہوتا ہے پس روح انسانی کے لوازم کے اختلاف سے اس کا دیگر اشیاء کی ارواح سے ماہیت میں مغائر ہونا اظہر من الشمس ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نباتات نوع روح نباتی یعنی قوت نباتی کے سوا کوئی روح مدرک نہیں رکھتے ایسا ہی پتھر وغیرہ بالکل ذی روح نہیں پس معدنیات وغیرہ کی کونسی ارواح ہیں جن سے روح انسانی کا بہ سبب اختلاف لوازم کے مغائر اور مختلف بالماہیتہ ہونے کے ثابت کرنے کی ضرورت پڑی سو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ کہ درختوں اور پتھروں وغیرہ نے نبیوں کے ساتھ کلام اور ان کے حکموں کی فرمانبرداری کی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی روح اور شعور رکھتے ہیں چنانچہ آواز کرنا اور رونا ستون خانہ کا بسبب مفارقت آنحضرت ﷺ کے اور بعد شفقت رسول مقبول ﷺ کے اس کا خاموش ہونا ایسا ہی کوہ حرا کا جب کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اس پر تشریف رکھتے تھے بطور زلزلہ کے ہلنا اور بعد فرمانے آنحضرت ﷺ کے کہ ٹھہرا رہ اس واسطے کہ تیری پشت پر اور کوئی نہیں مگر پیغمبر اور صدیق اور کئی شہید اس کا ٹھہر جاتا کہ اس کے ذی روح اور ذہنی شعور ہونے پر صاف دال ہے اور قول تعالیٰ کل قد علم صلاتہ وتسبحہ (ترجمہ: ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی بندگی اور یاد) اور قول تعالیٰ وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (ترجمہ: اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا) سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ہر شئے میں روح ہے اب جب نباتات اور معدنیات وغیرہ میں بھی روح ثابت ہوئی اور ارواح............ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔...........

کلام میں الراکع منھم لایسجدون والقائم لایرکع وانہ مامن احدالاولہ مقام معلوم (ترجمہ: رکوع کرنے والا ان سے سجدہ نہیں کرتا اور کھڑا ہونے والا رکوع نہیں کرتا ان میں سے کوئی نہیں مگر اس کے لئے مقام معین ہے) پس اب ارواح اور اجساد مطلقہ سے جو حدیث نبوی میں ہے ارواح ملائکہ اور اجسام عالم ہی سمجھے جائیں گے اور قولہ ﷺ انا اول الانبیاء خلقا واٰخرھم بعثا کی یہ تاویل ہے کہ یہاں خلق کے معنی تقدیر کے ہیں ایجاد کے نہیں کیونکہ حضرت اپنی والدہ سے پیدا ہونے کے اول موجود اور مخلوق نہ تھے لیکن فوائد اور کمالات تقدیر میں سابق تھے اور وجود میں لاحق یہ قول کہ اول الفکر اٰخر العمل بولتے ہیں اس کے یہی معنی ہیں

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ ملکی کا بھی ثبوت شرع میں وارد ہے اور ان کی عبادت کا طرز بھی احادیث میں مذکور ہے چنانچہ طبرانی نے بروایت جابرؓ روایت کیا ہے کہ کوئی ان میں سے رکوع کرنے والا ہے اور کوئی سجدہ کرنے والا اور کوئی کھڑا ہے اور کوئی بیٹھا اسی طرح بعض ملائکہ سے خدمات متعلقہ کی اکثر احادیث میں تصریح بھی آئی ہے پس روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کا بہ سبب اختلاف لوازم کے تغائر نوعی ان تمام ارواح سے ثابت ہوگا کیونکہ درختوں اور پتھروں کے ساتھ جو روحیں متعلق ہیں وہ مانند ارواح ملائکہ کی بلاواسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے خاص اجسام میں متصرف ہیں ممکن دنیا میں تعلق ان کا دائمی طور پر نہیں نفس قدسیہ کی قوت سے اپنے اپنے اجسام سے جب ان کا کبھی تعلق ہو جاتا ہے اس وقت ان اجسام سے افعال شعور اور ارادہ کے صادر ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں اسی سبب سے ان کو غیر ذی روح بولدیتے ہیں کیونکہ ہمیشہ ان سے افعال شعور صادر نہیں ہوتے ہاں ارآخرت میں تعلق ان ارواح کا اپنے اجسام کے ساتھ دائمی طور پر ہوگا اسی سبب سے وہ اجسام گواہی دیں گے چنانچہ شاخیں اور پھل بہشت کے بہشتیوں کی آواز کا جواب اور ان کی اطاعت کریں گے بخلاف روح انسانی یعنی نفس ناطقہ کے کہ دنیا میں بلاقوت نفس قدسیہ اس کا تعلق دائمی طور پر ہے اور بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن کے ساتھ تعلق ہونا اسی کے لوازمات میں سے ہے اور اختلاف لوازم صاف دلیل ملزومات کے اختلاف کی ہے غرضکہ ارواح ملائکہ وغیرہ جو بلاواسطہ روح حیوانی کے اپنے اپنے اجسام میں مدبر اور متصرف پڑتی ہیں وہ الگ انواع ہیں اور روح انسانی یعنی جوہر مدرک مجرد بواسطہ روح حیوانی وغیرہ کے بدن الگ نوع واحد ہے اور ماہیت میں ان کے مغائر اور صفات میں ان سے ممتاز ہے ایسا ہی جنات کی ارواح سے جو خاص اپنی وفانی وناری اجسام میں مدبر و متصرف ہیں بہ سبب اختلاف لوازم کے نفس ناطقہ کا تغائر ثابت ہے اور اسی طرح دیگر حیوانات کی ارواح سے جو امور اخروی وحقائق عقلی کا ادراک نہیں کرسکتیں روح انسان کا مغائر ہونا ظاہر ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

اس کا بیان یوں ہے کہ مہندس یعنی مستری گھر کا اندازہ کرنے والا پہلے اپنے ذہن میں پورے گھر کی تصویر کا خیال باندھتا ہے سو پورا گھر مہندس کے ذہن میں اندازہ کرنے کے رو سے تو سب سے پہلے اور وجود میں سب سے آخر ہوتا ہے کیونکہ اول اینٹوں کا لگانا اور دیواروں کی بنا اور اس کی ترکیب یہ سب ایک کمال کا وسیلہ ہے وہ گھر ہے۔جس کے واسطے اسباب کا تقدم ہے۔جب کہ تو نے یہ معلوم کر لیا پس جان لے کہ خلقت کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی سے قرب حاصل کرے سو یہ قرب بدون سمجھائے نبیوں کے نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ایجاد سے مقصود نبوت ٹھہری نبوت کا اصل مقصود نہیں بلکہ نہایت اور کمال مقصود ہے نبوت کا کمال بموجب عادت الٰہی بتدریج ہوتا ہے جیسا کہ گھر کی عمارت بتدریج کمال کو پہنچتی ہے نبوت کی تمہید پہلے حضرت آدمؑ سے ہوئی پھر بڑھتی رہی یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کمال کو پہنچ گئی سو نبوت سے غایت اور کمال مقصود تھا اور پہلی تمہیدیں کمال نبوت کے لئے وسیلہ تھیں جیسا کہ بنیاد کا رکھنا اور دیواروں کا بنانا گھر کے کمال کا وسیلہ ہے رسول مقبول ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں یہی راز ہے کیونکہ کمال پر زیادتی بھی ایک طرح کا نقصان ہے مثلاً پنجے کی کمال شکل یہ ہے کہ ایک ہتھیلی اس پر پانچ

انگلیاں ہوں اب جیسا کہ چار انگلیوں کا ہونا ناقص ہے ویسے ہی چھ انگلیوں کا ہونا ناقص ہے کیونکہ چھٹی انگلی جو کفایت پر زا ہے اگر چہ صورت میں زیادتی ہے لیکن حقیقت میں نقص ہے حدیث نبوی میں اسی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت فرماتے ہیں قولہ ﷺ **مثل النبو ۃ مثل دار معمورۃٍ لم یبق فیھا الا موضع لبنۃٍ فکنت انا تلک اللبنۃ**(ترجمہ: نبوت کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گھر بنایا ہوا نہ باقی رہی اس میں مگر ایک اینٹ کی جگہ سو وہ اینٹ میں ہوں یہی الفاظ ہیں یا ان الفاظ کے یہ معنیٰ ہیں جب کہ تو نے یہ معلوم کر لیا کہ حضرت کا خاتم النبیین ہونا ضروری ہے۔جس کا خلاف متصور نہیں کیونکہ نبوت حضرت ہی سے نہایت اور کمال کو پہنچی اور شے کی غایت تقدیر میں اول اور وجود میں آخر ہوتی ہے پس رسول مقبول ﷺ تقدیر میں اول اور وجود خارجی میں آخر ہوئے اور قولہ **کنت نبیا وادم بین الماء والطین** سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اس لئے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت کے تمام ہونے سے اول ہی تقدیر میں نبی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ اس کی اولاد میں سے عمدہ شخص چھانٹ لے اور بتدریج یہاں تک چھانٹے کہ کمال صفائی کو پہنچ کر محمد ﷺ کی روح پاک اور مقدس کو قبول کرے اور یہ حقیقت سمجھی نہیں جاتی جب تک یہ نہ سمجھا جاوے کہ مثلاً گھر کے لئے دو

وجود ہوتے ہیں ایک تو مستری کے ذہن ودماغ میں اس کا وجود ہوتا ہے ایسا کہ وہ اس کو دیکھ ہی رہا ہے اور ایک وجود ذہن سے خارج یعنی ظاہر میں ہوتا ہے اور وجود ذہنی وجود خارجی ظاہر کے لئے سبب ہوتا ہے اور ضرور اول ہی ہوتا ہے ایسا ہی جان لے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اشیاء کی تقدیر کرتا ہے پھر ان اشیاء کو اس تقدیر کے موافق پیدا کرتا ہے اور تقدیر تو لوح محفوظ میں نقش ہوتی ہے جیسا کہ مہندس یعنی مستری کی تقدیر تختی یا کاغذ پر نقش ہوتی ہے سو گھر صورت کاملہ انتزاعی کے ساتھ کاغذ پر موجود ہوتا ہے وہ گھر کے وجود حقیقی کے لئے سبب ہوتا ہے اب جیسا کہ یہ صورت مستری کی تختی پر پہلے قلم کے وسیلہ سے نقش ہوتی ہے اور قلم مستری کے علم کے موافق چلتی ہے بلکہ علم ہی اس کو چلاتا ہے ایسا ہی امور الٰہیہ کی صورتوں کی تقدیر لوح محفوظ میں پہلے نقش ہوتی ہے اور لوح محفوظ پر قلم سے نقش ہوتا ہے اور قلم اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق چلتی ہے لوح سے وہ شے موجود مراد ہے جو صورت کے نقش کو قبول کرے اور قلم سے وہ موجود مراد ہے جس سے لوح پر صورتوں کا فیضان ہو اب قلم کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ لوح میں معلومات کی صورت نقش کرے اور لوح کی حقیقت یہ ٹھہری کہ ان صورتوں کا نقش قبول کرے سو قلم اور لوح کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں لکڑی اور نی کی ہوں بلکہ جسم ہونا بھی انکی شرط میں سے نہیں پس قلم اور لوح کی ماہیت اور حقیقت میں جسمیت داخل نہیں بلکہ قلم اور لوح کی حقیقت وہی ہے جو ہم نے ذکر کی اور جو اس پر زائد ہے وہ صورت ہے حقیقت نہیں اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لوح اور قلم اس کے ہاتھ اور انگلیوں کے لائق ہو ہاتھ اور انگلیں اس کی ذات اور الوہیت کے موافق ہوں جسمیت کی حقیقت سے پاک ہو بلکہ یہ تمام روحانی جواہر ہیں بعض ان میں متعلم ہیں جیسا کہ لوح اور بعض ان میں معلم جیسا کہ قلم چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الذی علم بالقلم[1] اب جبکہ تو نے وجود کی دونوں قسمیں معلوم کر لیں جان لے کہ حضرت محمد ﷺ آدم علیہ السلام سے پیشتر باعتبار وجود اول کے نبی تھے نہ باعتبار دوسرے وجود کے جو حقیقی اور عینی ہے یہ روح کے معنوں میں آخیر کلام ہے

فصل حضرت ﷺ فرماتے ہیں،

من مات فقد قامت قیامته ،لفظ قیامت سے قیامت مطلقہ مراد نہیں ہے بلکہ قیامت خاصہ مراد ہے جس کو ہم نے احیاء علوم الدین کی کتاب صبر کے ابتدا میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے اور قیامت مطلقہ وہ ہے جو سب کو شامل ہوگی اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وقت مقرر ہے جو خلقت پر کسی بھید کی جہت سے مخفی ہے اسی بھید کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے اگرچہ سب وقت برابر ہیں لیکن

---

[1] جس نے علم سکھایا قلم سے۔

بعض وقتوں کے ساتھ وجود کی بعض قسموں کے مختص ہونے کو عقل جائز رکھتی ہیں متکلمین کے مذہب کے رو سے خدا کے ارادہ پر موقوف ہے جیسا کہ بعض وقتوں میں عالم کا پیدا کرنا خدا کے ارادہ پر موقوف ہے حالانکہ قدرت اور ذات کی نسبت تمام وقت برابر ہیں فلسفیوں کے مذہب کے موجب بھی قیامت مطلقہ کا محال ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ فلسفی متفق ہیں کہ حادث چیزوں کے مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور ان کے دورے مختلفہ ہیں اسی واسطے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر دورے اور گردش کے ساتھ اس کا پچھلا اور پہلا دورا ہم مثل ہے اور دورے کا ہم مثل ہونا ان کے مذہب کے رو سے ضعیف ہے بلکہ جائز ہے کہ ایک دور ایسا پیدا ہو کہ اس کی نظیر نہ اول ہوئی نہ اس کے بعد ہوا اس لیئے کبھی بعض دوروں میں جانور ایسی عجیب شکلوں کے پیدا ہوتے ہیں کہ کبھی ویسے ہوئے ہی نہیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ دورے آسمانی تو باہم مناسب ہوں اور شکلیں جو ان کی تربیت سے حاصل ہیں مختلف ہوں مثلاً پانی میں جو ہم نے ایک پتھر پھینکا تو اس پانی میں ایک شکل مستدیر پیدا ہوگی اگر ہم ویسا ہی ایک اور پتھر پہلی حرکت کے منقطع ہونے کے اول ہی پھینکیں تو یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کی شکل دوسری حرکت کے بعد اول حرکت کی مثل ہی ہو کیونکہ پہلا پتھر تو ٹھہرے ہوئے پانی میں پڑا اور دوسرا پتھر متحرک پانی میں سو جو دوسرے پتھر نے متحرک پانی میں شکل پیدا کی ہے یہ اس شکل کے برخلاف ہوگی جو ٹھہرے ہوئے پانی میں پیدا ہوئی تھی یہاں باوجود مساوات اسباب کے شکلیں مختلف ہوگئیں کیونکہ پہلی کا پچھلی کے ساتھ کچھ اثر مل گیا اس لئے محال نہیں ہے کہ ایک دور معین ایک ایسی طرح کے وجود اور ابداع کا مقتضی ہو جو پہلی طرح کے مخالف ہو یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا وجود بدیعی ہو جو اس کی نظیر سابق میں نہ گزری ہو اور یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا حکم باقی رہے اور دور پہلا جو منسوخ ہو چکا ہے اس کی مثل اس کو لاحق نہ ہو سو اس قسم کا وجود جو ابداع یعنی بلا سبق نظیر سے حاصل ہوا ہے اپنی جنس میں باقی رہے اگرچہ اس کے احوال خاص بدلتے رہیں سو قیامت کی میعاد یہی شکل ہوئی جو پہلی شکلوں کی رو سے عجیب وغریب ہے اور یہی تمام روحوں کے جمع ہونے کا سبب کلی ہے جو اس کا حکم سب روحوں پر عام ہوگا اب قیامت کا آنا ایسے وقت کے ساتھ مخصوص ہوا جس کی پہچان قویٰ بشری سے نہیں ہوسکتی اور نہ انبیاء سے ہوسکتی ہے کیونکہ انبیاء کو بھی کشف بقدر استعداد ہوتا ہے جبکہ قیامت کے محال ہونے پر کوئی دلیل کلامی اور فلسفی قائم نہیں اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے تو اب اس پر یقین کرنا واجب ہے اور شک کرنا نہیں چاہیے فصل جو شخص کہتا ہے کہ قوام روح کا بغیر بدن

کے نہیں ہوتا وہ اگر قبر میں جسم کے ساتھ روح[۱] کے تعلق اور پھر روح اور جسم میں مفارقت اور قیامت میں پھر تعلق ہونے کا انکار کرے تو اس کا انکار باطل ہے کیونکہ روح کا قوام بغیر بدن کے مشکل نہیں ہے بلکہ بدن کے ساتھ تعلق اس کا مشکل ہے کہ بدن سے کیونکر متعلق ہوئی حالانکہ روح کا بدن میں حلول نہیں جیسا کہ عوارض کا جوہر میں اس لئے کہ وہ عرض نہیں ہے بلکہ وہ تو جوہر بذات خود (یعنی بلا قیام بالغیر) موجود ہے اور اپنی ذات اور صفات سے اپنے خالق اور اس کی صفات کو پہچانتی ہے اور وہ اس پہچاننے میں کسی حواس کی طرف محتاج نہیں ہے کیونکہ جن چیزوں کو اس نے پہچانا ہے وہ محسوس نہیں۔ انسان تعلق بدن کی حالت میں قادر ہے کہ اپنے نفس کو تمام محسوس چیزوں سے غافل کرے یہاں تک کہ آسمان اور زمین سے بھی سو اس حالت میں اپنی ذات اور اس کے حدوث اور خالق کی طرف اس کے محتاج ہونیکو جانتا ہے حالانکہ کسی محسوس چیز کا اس کو شعور نہیں ہوتا سو بغیر شعور محسوسات کے اس نے اپنی ذات کو پہچانا چنانچہ ابتداء تصوف میں صوفی کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس حالت میں پہنچاتا ہے کہ اس کے ذہن میں تمام ماسوائے اللہ غائب ہو جاتا ہے بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو جاتا ہے اور اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شے محسوس اور معقول کا شعور نہیں ہوتا ہے اور اس شعور کا بھی شعور نہیں ہوتا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہوتا ہے کیونکہ شعور کے شعور میں بھی خدا سے غفلت لاحق ہوتی ہے پس جو حق کی معرفت کے لیئے مجرد ہوا بدن اور قالب کی طرف کیوں محتاج ہوگا اور جسم سے کیوں نہ بذات خود مستغنی ہوگا جو اس کا مرکب ہے اور محسوسات کو ہی دیکھنا ہے جس نے روح کی حقیقت اور اس کا بذات خود قوام معلوم کر لیا اس کو روح کا جسم سے الگ ہونا مشکل معلوم نہیں ہوگا بلکہ روح کا جسم سے اتصال مشکل معلوم ہوگا یہاں تک کہ جان لے کہ اتصال کے یہی معنیٰ ہیں کہ جسم میں تاثیر اور تصرف اور حرکت روح سے ہی ہے جیسا کہ انگلیوں کی حرکت ارادہ کے حرکت دینے سے معلوم کر لیتا ہے حالانکہ اس کو یقین ہے کہ ارادہ

---

[۱] روح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے ایک تعلق جنین کی حالت میں یعنی شکم مادر میں بعد چار ماہ کے نطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو اس سے متعلق کرتا ہے دوسرا تعلق شکم مادر سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت اس وقت تعلق روح کے زیادہ آثار ظاہر ہوتے ہیں تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے چوتھا تعلق عالم برزخ میں کیونکہ اس عالم میں اگرچہ مفارقت ہوتی ہے مگر مفارقت کلی نہیں ہوتی کہ بالکل بدن کی طرف اس کو التفات ہی نہ ہو پانچواں تعلق بروز قیامت کو کامل وجہ پر ہوگا۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

انگلیوں میں نہیں ہے لیکن جسم اس کا مسخر ہے سو اس تسخیر کا پیدا ہونا اور رجوع کرنا جائز ہے اور عقل ان میں سے کسی کو محال نہیں جانتی جائز ہے اس کے رجوع اور زوال کے لئے اسباب ملکی اور فلکی اور نفسی ہوں جس کو قوت بشری احاطہ نہیں کر سکتی سو ایسی وجہ پر شریعت میں روح کا جسم سے الگ ہونا اور پھر عود کرنا جو وارد ہوا ہے اس کی تصدیق واجب ہے فصل میزان[1] پر ایمان واجب ہے کیونکہ جب نفس کا قوام بذات خود اور اس کا جسم سے مستغنی ہونا ثابت ہوا پس وہ نفس اشیاء کے کشف حقائق کی بذات خود استعداد رکھتا ہے اور موت کے بعد اس کا حجاب کھل جائیگا اور حقائق اشیاء اس کو معلوم ہو جائینگی اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد[2] جن چیزوں کا اس کو کشف ہوگا وہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور بعد میں اس کے اعمال کی تاثیریں اور ان کے آثاروں کی مقادیر ہونگی اگرچہ ان آثار میں بعض تاثیریں بہ نسبت بعض کے زیادہ ہوں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایک ایسا سبب پیدا کر دے کہ جس سے خلقت ایک لحظہ میں قرب اور بعد میں اپنے عملوں کی تاتیر کے مقدار معلوم کر لے سو میزان کی تعریف یہ ٹھہری کہ وہ ایک شے ہے جس سے زیادتی اور نقصان کا فرق معلوم ہو اور عالم محسوس میں اس کے لئے مثالیں مختلف ہیں ایک تو ان میں سے ظاہر میں ترازو مشہور ہے جس سے اشیاء ثقلیہ وزن کرتے ہیں اور ایک اسطرلاب[3] ہے آسمان کی حرکت اور وقت معلوم کرنے کے لئے اور ایک ان میں سے مسطر ہے جس سے خطوں کی مقدار معلوم ہوتی

---

[1] خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ میزان حقیقی کو بروز قیامت ترازو مشہور کی صورت پر مشتمل کرے اور اعمال الناس کو یا اعمال حسنہ وسیئہ کو مجسم کر کے اس میں وزن کر دکھائے یا میزان حقیقی کو کسی اور شکل حسی یا خیالی پر ظاہر فرمائے جس سے ہر ایک نفس کو اپنے اعمال کی تاثریں اور ان کے آثاروں کا اندازہ معلوم ہو جائے پس جب شرع میں اس کا ثبوت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ ونضع الموازين القسط ليوم القيمة فلا تظلم نفس شيئا ☆ اس پر صراحتاً دال ہے اور عقل کی رو سے امکان اسکا ظاہر ہے اس لئے تصدیق میزان کی واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] اب کھولدیا ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اب تیری نگاہ آج تیز ہے۔

[3] اسطرلاب کے ذریعہ سے آفتاب و دیگر ستاروں کا ارتفاع اور صبح وشفق کی ساعات اور طالع وقت اور طالع سال گزشتہ سے طالع سال مستقبل کا معلوم کرنا اور تعدیل النہار وطلوع وغروب وسمت وغیرہ امور کی معرفت حاصل کیجاتی ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

☆ رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ۔

ہے اور ایک ان میں سے علم موسیقی ہے جس سے آوازوں کی حرکات کے مقدار معلوم ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ جو خلقت کے لئے میزان حقیقی متمثل کرے گا اسکو اختیار ہے چاہے ان میزانوں میں سے کسی کی صورت پر متمثل کرے یا اور کسی صورت پر اور میزان کی حقیقت اور ماہیت ان تمام میزانوں میں موجود ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ جس سے زیادتی اور نقصان معلوم ہو اور اس کی صورت شکل کے وقت حس میں اور تمثیل کے وقت خیال میں موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے خواہ میزان حقیقی کو شکل حسی پر بنادے یا تمثیل خیالی پر اس کی قدرت بڑی ہے ان سب پر ایمان واجب ہے فصل حساب کی تصدیق واجب ہے کیونکہ حساب سے مراد مختلف مقداروں کا جمع کرنا اور انکی حدود نہایت معلوم کرنی ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے واسطے مختلف عمل نفع دینے والے اور ضرر دینے والے رحمت خدا سے قریب کرنے والے اور بعید کرنیوالے نہ ہوں اور ان کا مجموعہ بعد تفصیل معلوم نہیں ہوتا جب تک اس کے مختلف افراد کا حصر نہ کیا جاوے جب متفرقات کا جمع اور حصر کیا گیا وہی حساب ہے یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ مختلف اعمال اور انکے آثار کی حدونہایت ایک لحظ میں ظاہر کردے کیونکہ وہ بہت جلد حساب کرنیوالا ہے فصل شفاعت[۱] شفاعت پر ایمان واجب ہے شفاعت سے ایک نور مراد ہے

[۱] شرح میں شفاعت کا ثبوت قولہ تعالیٰ ۔ یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمٰن ورضی لہ قولا۔ ودیگر آیات واحادیث کثیرہ سے ہوتا ہے جس کی پانچ قسمیں ہیں اول تعجیل حساب کے لئے شفاعت عامہ جو خاص آنحضرت ﷺ فرمائیں گے دوسری بعض لوگوں کو بغیر حساب جنت میں داخل کرانا یہ بھی آنحضرت ﷺ کے حق میں وارد ہے تیسرے مومنین سے اس قوم کے لئے جو مستوجب دخول نار ہیں آنحضرت ﷺ اور جنکو خدا تعالیٰ چاہے دخول نار سے بچانے کی شفاعت فرمائیں گے چوتھے گنہگار مومنوں کے لئے دوزخ سے نکلوانیکی شفاعت جو آنحضرت ﷺ اور ملائکہ ودیگر مومنین کریں گے جیسا کہ اکثر احادیث میں وارد ہے پانچویں بہشتیوں کی ترقی درجات کیلئے شفاعت ہوگی اور جبکہ کفار کی نسبت بہ سبب دوم ایمان کے نہ تو بارگاہ الٰہی کے ساتھ مضبوط ہے اور نہ جو ہر نبوت کے ساتھ پس نور بارگاہ آلہی سے ان پر نہ بلا واسطہ چمکیگا اور نہ بواسطہ جو ہر نبوت اس لئے بروز قیامت عذاب سے ان کو رہائی نہیں ہوگی اور نہ ان کے حق میں کسی کی شفاعت مقبول ہوگی چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔[۲] فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین [۳] اور فرماتا ہے ماللظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع ۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۱] اس دن کام نہ آئے گی شفاعت مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے اور پسند کی اسکی بات [۲] پھر کام نہ آئے گی انکی سفارش کرنیوالوں کی ۔ [۳] کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

جو بارگاہ الٰہی سے جوہر نبوت پر چمکے گا پھر جوہر نبوت سے ان جواہر پر چمکے گا جن کی جوہر نبوت کے ساتھ مناسبت مضبوط ہوگی بسبب زیادتی محبت یا بسبب زیادتی ادائے سنت یا بسبب کثرت ذکر کے جو درود کے ساتھ ہواس کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ جب وہ نور پانی پر پڑے تو اس سے دیوار کی ایک خاص جگہ پر عکس پڑتا ہے تمام دیوار پر نہیں پڑتا عکس پڑنے کے لئے وہ جگہ خاص اسواسطے ہوئی کہ پانی میں اور اس جگہ میں وضع کے رو سے ایک طرح کی مناسبت ہے وہ مناسبت دیوار کے باقی اجزا میں نہیں ہے اور دیوار کی جگہ انعکاس کے لئے خاص وہ ہوگی کہ جب اس جگہ خاص سے ایک خط اس پانی کی جگہ تک کھینچا جائے جس جگہ پر نور آفتاب کی طرف خط کھینچنے سے پیدا ہوا ہے اس طرح پر کہ نہ تو اس سے بڑا ہو اور نہ اس سے چھوٹا یہ بات تو ایک جگہ خاص میں ہی ہوگی اب جیسا کہ مناسبات وضعی انعکاس نور کے مختص ہونے کو چاہتی ہیں ایسا ہی مناسبات معنویہ عقلیہ جواہر معنویہ میں انعکاس نور کے اختصاص کی مقتضی ہیں جس شخص پر توحید غالب ہوگی اس کی مناسبت تو بارگاہ الٰہی کے ساتھ مضبوط ہوگی اس پر نور بارگاہ الٰہی سے بلا واسطہ چمکے گا اور جس شخص پر رسول مقبول ﷺ کے سنن اور اقتدا اور اس کے اتباع کی محبت غالب ہوگی اور ملاحظہ وحدانیت میں اس کا قدم مضبوط نہیں ہوا اس شخص کی محبت تو واسطہ ہی کے ساتھ مضبوط ہوئی سو نور کے خاص کرنے میں وسیلہ کا محتاج ہوگا جیسا کہ دیوار آفتاب سے محجوب ہے پانی کے واسطہ کی محتاج ہے جو آفتاب کے سامنے ہے ایسا ہی دنیا میں شفاعت ہوتی ہے مثلاً ایک وزیر جو بادشاہ کے نزدیک معتبر اور اس کی عنایت کے ساتھ مخصوص ہے پس بادشاہ جو اس وزیر کے بعض دوستوں کے گناہ معاف کرتا ہے تو یہ معاف کرنا کچھ بادشاہ اور وزیر کے دوستوں میں مناسبت کی جہت سے نہیں بلکہ اس لیئے ہے کہ وہ دوست وزیر کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور وزیر بادشاہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے پس بادشاہ کی عنایت ان پر وزیر کے ذریعہ سے ہوئی نہ ان کی جہت سے اگر وزیر کا واسطہ نہ ہوتا تو بادشاہ کی عنایت ان پر نہ ہوتی کیونکہ بادشاہ وزیر کے دوستوں اور ان کے اختصاص کو اسی سبب سے جانتا ہے کہ وزیر ان کی تعریف اور ان کی معافی میں اظہار رغبت کرتا ہے سو تعریف میں اس کے تلفظ اور اظہار رغبت کو مجازاً شفاعت کہتے ہیں کیونکہ درحقیقت شفیع تو بادشاہ کے نزدیک اس کا رتبہ ہے الفاظ تو اظہار غرض کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو تعریف سے مستغنی ہے اگر بادشاہ ان کا اختصاص وزیر کے درجہ کے ساتھ جانتا تو شفاعت میں بولنے والے کی اس کو کچھ حاجت نہ ہوتی اور معافی شفاعت بلانطق کے ساتھ ہوتی اللہ تعالیٰ تو اختصاص کو جانتا ہے اگر نبیوں کو شفاعت میں ان کے

کلمات کے تلفظ کا جو خدا تعالیٰ کو معلوم ہیں اذن بھی دے گا تو ان کے الفاظ شفیعوں جیسے ہونگے اگر اللہ تعالیٰ شفاعت کی حقیقت کو ایسی مثال کے ساتھ جو حس اور خیال میں آسکے متمثل کرنا چاہے گا تو وہ تمثیل الفاظ کے ساتھ ہوگی جو شفاعت میں مستعمل ہیں اور احادیث میں جو وارد ہے کہ جو چیزیں رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ رسول مقبول ﷺ پر درود[1] کا بھیجنا یا ان کی قبر مقدس کی زیارت کرنی یا مؤذن کا جواب دینا یا اذان کے پیچھے حضرت کے لئے دعا مانگنی اور سوائے اس کے ان سب چیزوں سے آدمی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت میں نور کا انعکاس بطریق مناسبت ہوگا کیونکہ یہ سب چیزیں مذکورہ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ علاقہ محبت اور مناسبت کو مضبوط کرتی ہیں۔ **فصل پلصراط**[2] پر ایمان لانا برحق ہے یہ جو

---

[1] فرمایا حضرت ﷺ نے من صلی علی محمد وقال اللھم انزلہ المقعد المقرب عندك یوم القیمۃ وجبت لہ شفاعتی (۱ ے) احمد بروایت رویفعؓ اور فرمایا من زار قبری وجبت لہ شفاعتی (ابن ابی الدنیا) (۲ ے) بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے من قال حین یسمع النداء اللھم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیمۃ (۳ ے)۔ بخاری بروایت جابر بن عبداللہؓ۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] پل صراط کا ثبوت قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتا ہے قولہ تعالیٰ فاھدوھم الیٰ صراط الجحیم وقفوھم انھم مسئولون یعنی پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کے اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے اور اکثر معتزلہ کے اس خدشے کا جواب کہ عبور اس پر ممکن نہیں اور اگر ممکن ہے تو مومنین کیلئے عذاب ہے یہ ہے کہ اس پل کا ممکن ہونا اور اس پر گزر جانا کچھ دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ جو واجب تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ پانی پر چلاتا ہے اور پرندوں کو ہوا میں اڑاتا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ ایسا پل بنائے اور آدمی کو اس پر چلادے اور مومنین کے لئے اس پر عبور سہل کردے پس جب عقل کے رو سے امکان ثابت ہے اور شریعت میں سراحتاً ثبوت ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

(۱ ے) جس نے درود بھیجا محمد ﷺ پر اور کہا اے اللہ نازل کر اس کو مقام مقرب میں نزدیک اپنے روز قیامت واجب ہوگئی اس کے لئے میری شفاعت (۲) جس نے زیارت کی میری قبر کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (۳) جس نے کہا جب سنا اذان کو اے خداوند مالک اس دعائے کامل اور نماز حاضر کے دے محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور اٹھا ان کو مقام محمود پر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے حلال ہوئی واسطے اس کے شفاعت میری یعنی وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگیا۔

کہا جاتا ہے کہ پل صراط باریکی میں بال کی مانند ہے یہ تو اس کی وصف میں ظلم ہے بلکہ وہ تو بال سے بھی باریک ہے اس میں اور بال میں کچھ مناسبت ہی نہیں جیسا کہ باریکی میں خط ہندسی کو جو سایہ اور دھوپ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں اس کا شمار ہے نہ دھوپ میں بال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں پل صراط کی باریکی بھی خط ہندسی کی مثل ہے۔ جس کا کچھ عرض نہیں کیونکہ وہ صراط مستقیم کی مثال پر ہے جو باریکی میں خط ہندسی کی مثل ہے اور صراط مستقیم اخلاق متضادہ کے وسط حقیقی سے مراد ہے جیسا کہ فضول خرچی اور بخل میں وسط حقیقی سخاوت ہے تہور یعنی افراط قوت غضبی اور جبن یعنی بزدلی شجاعت[۱] اسراف اور تنگی خرچ میں وسعت حقیقی میانہ روی ہے تکبر اور غایت درجہ کی ذلت میں تواضع شہوت اور خمود میں[۲] عفت کیونکہ ان صفتوں کی دو طرفیں ہیں ایک زیادتی دوسری کمی وہ دونوں ہی مذموم ہیں افراط اور تفریط کے مابین وسط وہ دونوں طرفوں کی نہایت دوری ہے اور وہ وسط میانہ روی ہے نہ زیادتی کی طرف میں ہے اور نہ نقصان کی طرف میں جیسا کہ خط فاصل دھوپ اور سایہ کے مابین ہوتا ہے نہ سایہ میں سے ہے نہ دھوپ میں سے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کا کمال فرشتوں کے ساتھ مشابہ ہونے میں ہے اور فرشتے تو ان اوصاف متضادہ سے بالکل الگ ہیں اور انسان کو ان اوصاف متضادہ سے بالکل الگ ہونے کی طاقت نہیں اس واسطے وصف کا مکلّف ہوا وہ وسط انفکاک یعنی الگ ہونے کے مشابہ ہے اگرچہ حقیقت میں الگ ہونا نہیں جیسا کہ نیم گرم پانی نہ گرم ہے نہ سرد اور عود کا رنگ نہ سیاہ ہے نہ سفید سو بخل اور فضول خرچی انسان کی صفتیں ہیں میانہ روان دونوں صفتوں میں سخی ہے نہ تو وہ بخیل ہے نہ فضول خرچ اور صراط مستقیم دونوں طرفوں کے مابین خلق میں وسط کا نام ہے جو کسی طرف مائل نہیں وہ بال سے زیادہ باریک ہے اور جو چیز دونوں طرفوں سے نہایت دوری کو چاہے اس کو وسط پر ہی ہونا چاہیے مثلاً ایک لوہے کا حلقہ آگ میں تپایا ہوا ہے ایک چیونٹی اس میں گرے جو بالطبع حرارت سے بھاگتی ہے اب وہ چیونٹی مرکز پر ہی ٹھہرے گی کیونکہ محیط

---

[۱] شجاعت اعتدال غضب کا نام ہے اس طرح پر کہ انسان ان کاموں کو اختیار کرے جو شریعت کے رو سے مفید اور نیک ہیں اور غضب افراط کا نام تہور ہے وہ یہ ہے کہ انسان بے موقع جرأت کرے اور غضب کی تفریط یعنی کمی کو جبن کہتے ہیں وہ بیجا ڈرنا ہے۔

[۲] عفت اعتدال شہوت کو کہتے ہیں اس طور پر کہ جن چیزوں کا شریعت میں اذن ہے ان چیزوں پر نفس ابھرے شہوت کی زیادتی کو فجور کہتے ہیں وہ لذات نامشروعہ اور گناہوں کا اختیار کرنا ہے شہوت کی کمی کو خمود کہتے ہیں یہ کہ لذات مشروعہ اور طبیعات مرغوبہ سے نفس کو انقباض ہو۔

گرم یعنی حلقہ گرم سے غایت دوری پر وسط مرکز ہی ہے وہ مرکز ایک نقطہ ہے جس کا کچھ عرض نہیں پس صراط مستقیم طرفین کا وسط ہوا جس کا کچھ عرض نہیں اور وہ بال سے زیادہ باریک ہے اس واسطے اس پر ٹھہرنا قدرت بشری سے خارج ہے پس ہر شخص کو آگ پر وارد ہونا بقدر میل ضروری ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان منکم الا واردھا[۱] اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل [۲] کیونکہ دو عورتوں کی محبت میں عدل اور درجہ متوسط پر ایسا ٹھہرنا کہ دونوں عورتوں میں سے کسی کی طرف میلان زیادہ نہ ہو کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ تو نے یہ بات سمجھ لی تو جان لے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے قیامت میں صراط مستقیم کو خط ہندسی کی طرح جس کا کچھ عرض نہیں ممثل کریگا تو ہر انسان سے اس صراط پر استقامت کا مطالبہ ہوگا پس جس شخص نے دنیا میں صراط مستقیم پر استقامت کی اور افراط تفریط یعنی زیادتی اور کمی کی دونوں جانبوں میں سے کسی جانب میں میلان نہ کیا وہ اس پل صراط پر برابر گزر جائیگا اور کسی طرف کو نہ جھکے گا اس شخص کی عادت دنیا میں میلان سے بچنے کی تھی تو یہ اس کی وصف طبیعت بن گئی اور عادت پانچویں طبیعت ہوتی ہے سو پل صراط پر برابر گزر جائیگا اور ثبوت پل صراط قطعی حق ہے جیسا کہ شریعت میں وارد ہوا ہے فصل تو نے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور دن آخرت پر ایمان لانے کی دلیل پوچھی سو نہ پہچاننے والے کے لئے تو اس میں کلام طویل ہے اور پہچاننے والے کے لئے مختصر ہے کیونکہ جب تو نے معلوم کر لیا کہ تو حادث [۳] یعنی نو پیدا ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ جو حادث ہے پیدا کرنے والے سے مستغنی نہیں ہوتا اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دلیل تجھ کو حاصل ہو گئی اور یہ دو معرفتیں بہت

---

[۱] اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر

[۲] اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کا شوق کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ گے۔

[۳] تو حادث اسی طرح کل افراد عالم کے حادث ہیں کیونکہ عالم متغیر ہے اور کل متغیر حادث ہوتا ہے جب حادث یعنی نو پیدا ہوا تو حادث کرنیوالے کا محتاج ہوا اور حادث کرنے والا خود حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا کیونکہ اگر حادث ہو تو وہ بھی کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا اور وہ دوسرا تیسرے کا یہاں تک کہ یہ تسلسل بے نہایت ہو جاوے اور جو شے متسلسل ہوتی ہے اس کا حاصل ہونا محال ہے اگر حاصل ہو تو خلاف مفروض لازم آتا ہے جو باطل ہے کیونکہ اگر بے نہایت حاصل ہو تو وہ معروض للعدد ہوگا اور ہر عدد قابل تضعیف ہے جس سے معروض للعدد۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

قریب الفہم ہیں ایک تو یہ کہ تو حادث ہے اور دوسرا یہ کہ حادث خود پیدا نہیں ہوتا اور جبکہ تو نے اپنے نفس کو پہچانا کہ تو ایسا جوہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور غیر محسوس چیزوں کی پہچان تیرا خاصہ ہے اور بدن تیری ذات کے لئے قوام نہیں اور بدن کا معدوم اور منہدم ہونا تجھ کو معدوم نہیں کریگا اب تو نے یوم آخر یعنی قیامت کو دلیل کے ساتھ معلوم کرلیا کیونکہ کلام مذکورہ سے یہی ثابت ہوا کہ تیرے لئے دو یوم ہیں ایک یوم حاضر ہے جس میں تو جسم کے ساتھ مشغول ہے اور ایک یوم آخر ہے جس میں تو اس جسم سے الگ ہوگا اس لئے کہ جب تیرا قوام جسم کے ساتھ نہیں ہے اور تو نے موت کے ساتھ اس جسم کی مفارقت کی سو یوم آخر ہو گیا اور جب معلوم کرلیا کہ تو نے جسم کی مفارقت سے محسوس چیزوں کی مفارقت کی اب تو یا خدا تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ منعم رہیگا جو تیری ذات کا خاصہ ہے اور بمقتضائے طبع اصلی کے تیری لذتوں کا منتہا ہے بشرطیکہ طبیعت کو شہوات کی طرف میلان نہ ہو اور یا اللہ تعالیٰ سے جو باعتبار طبع اصلی کے تیری خواہشوں کا منتہا ہے حجاب کے ساتھ معذب رہیگا جو مابین تیرے اور تیری مراد کے حائل ہوگا اور تجھے معلوم ہے کہ معرفت کے اسباب ذکر وفکر اور غیر اللہ سے اعراض کرنا ہے اور جو مرض خدا تعالیٰ کی معرفت سے مانع ہے اس کا سبب شہوتیں اور دنیا کی حرص ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے عام بندوں کو کشف کے واسطہ سے معرفت نہ دے جیسا کہ اپنے خاص بندوں کو دی ہے اور یہ بھی تجھ کو معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی اپنے خاص بندوں کو کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اب تجھ کو رسولوں[۱] کی معرفت دلیل کے ساتھ حاصل ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معرفت الفاظ اور عبارتوں کے ساتھ ہوتی ہے جو الفاظ اور عبارتیں ان

......بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ ہوگا اور ہر عدد قابل تضعیف ہے جس سے معروض للعدد کا قابل تضعیف ہونا ظاہر ہے پس جب اس کی تضعیف ہوگی تو اس کا دو چند اس سے زائد ہوگا اور زائد کی زیادتی بعد انتہا کم کے نکلا کرتی ہے جب بے نہایت متسلسل مفروضہ کم ہو تو منتہی ہوا جب منتہی ہوا تو بے نہایت نہ ہوا حالانکہ اس کو بے نہایت لیا تھا پس ضرور ہوا کہ عالم کا پیدا کرنے والا ممکن الوجود اور حادث نہیں ہوگا بلکہ واجب الوجود ہوگا وہی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۱] انبیاء علیہم السلام کے باب میں فرقہ براہمہ کا خلاف ہے کیونکہ یہ فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ انبیاء کے بھیجنے میں عقل کا کچھ فائدہ نہیں ہم کہتے ہیں کہ عقل سے وہ کام معلوم نہیں ہوتے جو آخرت میں موجب نجات ہیں اور نہ مستقل طور پر اعمال نیک و بد پر ثواب و عذاب کی، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں......

کو وحی کے وسیلہ سے سنائی جاتی ہیں خواہ سوتے ہو خواہ جاگتے اب اس سے تجھ کو خدا کی کتاب پر ایمان حاصل ہو گیا اور جب تو نے اس بات کو معلوم کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال دو قسم پر ختم ہیں ایک وہ افعال ہیں جن کو بلا واسطہ کیا اور ایک وہ جن کو واسطے سے کیا اور اس کے وسائط کے مراتب مختلف ہیں وسائط قریبہ تو مقربین ہیں جن کو ملائکہ[۱] کہتے ہیں اور ملائکہ کی معرفت دلیل کے رو سے نہیں ہو سکتی اور اس میں کلام طویل ہے اور رسولوں کا صدق جو تو نے دلیل کے ساتھ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ .... تفصیل عقل معلوم کر سکتی ہے اسی طرح کبھی بعض افعال کے نیک ہونے اور کبھی بد ہونے کو عقل بلا واسطہ انبیاء کے معلوم نہیں کر سکتی اس لئے ہماری بہبودی دنیوی نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا جن کو خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کسی دیگر انسان کے صرف کشف کے ذریعہ سے معرفت دی اور تصدیق نبوت کے لئے معجزات عطا فرمائے مفید ہونا اظہر من الشمس ہے جب مفید ہونا ظاہر ہے اور معجزات سے ان کی تصدیق ثابت ہے پس نجات اخروی کے حاصل کرنے کے لئے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ ابوالحسن مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۱] فلسفیوں کا عقیدہ ملائکہ کے بارہ میں بالکل باطل اور خلاف شرع ہے کیونکہ اول تو وہ جواہر مجردہ یعنی عقول عشرہ کو دس میں منحصر کرتے ہیں دوسرا مادیات کے ساتھ ان کا تعلق ایجادکا لیتے ہیں باری تعالیٰ سے عقل اول کا صدور بالایجاب لیکر فلک اول اور عقل ثانی کے لئے اس کو موجد ٹھہراتے ہیں اور عقل ثانی کو فلک ثانی اور عقل ثالث کا موجد کہتے ہیں علی ہذا القیاس دس عقلیں ثابت کرتے ہیں عقل عاشر کو جس کو عقل فعال بھی کہتے ہیں ماتحت فلک قمر کے لیے موجد لیتے ہیں جس پر بہت سے دلائل ردی انھوں نے بیان کیئے ہیں کما لا یخفی اور ابن حزم نے ملائکہ کو ارواح بلا اجسام لیا ہے اور متکلمین نے نورانی اجسام کہا ہے صحیح قول یہی ہے کہ ملائکہ اجسام نورانی ہیں اصل خلقت ان کی بنی آدم کی صورت پر نہیں کیونکہ آدم کی صورت تمام مخلوقات کی صورت سے نرالی اور بہت اچھی صورت ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ (۱) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ اس پر شاہد ہے آیت کلام اللہ سے ملائکہ کی شکل اصلی پروں والی ثابت ہوتی ہے چنانچہ قولہ تعالیٰ (۲) جاعل الملٰئکة رسلا اولی اجنحة مثنیٰ و ثلٰث وربٰع ۔ اس پر دال ہے ہاں خدا تعالیٰ نے ان کو شکل بدلنے اور متشکل بشکل انسان وغیرہ ہونے کی قدرت دی ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حیوانات کو بخلاف نباتات کے ہیئت اور وضع کے بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے کہ کھڑے ہونے کے وقت جو وضع ہوتی ہے مثلاً بیٹھنے سے متغیر ہو جاتی ہے اور ملائکہ کی مثل خدا تعالیٰ نے جنات کو بھی شکل بدلنے کی طاقت دی ہوئی ہے لیکن جن و شیاطین کے اجسام جبکہ اجزائے ناری وہوائی کا خلاصہ ہیں اور ان میں شہوت وغضب بھی ہے اس لئے ان میں احتیاج کھانے پینے اور جماع کی متحقق ہے بخلاف، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر..........

معلوم کرلیا ان کی خبر ہی ملائکہ کے صدق کے لئے کافی ہے اس پر اکتفا کر کیونکہ یہ بھی ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ ہے[۱] یرفع اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات ۔ فصل لذتیں محسوسہ جن کا جنت میں ملنے کا وعدہ ہے جیسا کہ حوریں اور کھانے پینے اور پہننے سونگھنے کی چیزیں سو اس کی تصدیق واجب ہے کیونکہ یہ سب ممکن ہیں اور ان کے ممکن ہونے کا تین وجہ پر اعتقاد کرنا چاہیئے یا تو وہ لذتیں حسی ہونگی یا خیالی یا عقلی حسی لذتیں تو ظاہر ہی ہیں جیسے اس عالم میں ہوسکتی ہیں ویسے ہی اس عالم میں کیونکہ اس عالم میں ان لذتوں کا ہونا جسم کی طرف روح کے رو کرنے کے بعد ہوگا اور روح کے رو ہونے کے امکان پر دلیل کا قائم ہونا ان سب لذات حسی کے امکان کو ثابت کرتا ہے اور بعض لذتیں جو عظیم الشان اور نہایت درجہ کی مرغوب الطبع نہیں جیسا کہ دودھ اور ریشمی کپڑے اور کیلہ کے درخت جن کا ثمرہ تہ بر تہ ہو اس کی مانع نہیں ہیں کیونکہ یہ لذتیں ان لوگوں کیلئے ہونگی جن کو حاجت اور رغبت ان میں زیادہ ہوگی اور بہشت میں جس چیز کو جس کا جی چاہے سو ہے اور ان کو وہ لوگ چاہیں گے جن میں نئی خواہش پیدا ہوگی اور جو لوگ ان کو نہیں چاہتے اور ان سے لذت نہیں پاتے ان میں نئی خواہش پیدا کی جاوے گی کیونکہ لذتیں شہوتوں کے موافق ہوتی ہیں جیسا کہ جماع کی صورت بدون شہوت کے لذت کو نہیں چاہتی بلکہ نفرت کو چاہتی ہے اللہ تعالیٰ نے خواہشوں کو پیدا کیا اور لذتوں کو ان کے موافق بنایا خدا کے دیدار کی لذت کی تصدیق وہی کرتے ہیں جن کو خدا چاہے تمام نہیں کرتے اگرچہ ظاہرین تمام اقرار کرتے ہیں کیونکہ جب ان میں معرفت نہیں ہے تو شوق بھی نہیں پس ادراک لذت بھی نہیں لیکن قیامت میں اللہ تعالیٰ ان کے شوق اور محبت اور معرفت کو بڑھا دیگا یہاں تک کہ دیدار[۲] الٰہی کی لذت ان کو بڑی معلوم ہوگی اور لذتوں خیالی کا بھی ممکن ہونا مخفی نہیں ہے جیسا کہ خواب میں مگر اتنا فرق ہے کہ خواب کی لذت جلدی منقطع ہوجانے کے سبب حقیر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... فرشتوں کے کہ وہ گناہوں سے معصوم اور کھانے پینے و جماع کی حاجت سے پاک ہیں ان کو روحانیات اور ملائکہ اور ارواح اور ملکوت سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں اور فرشتہ کو فارسی میں سروش اور ہندی میں دیوتہ بولتے ہیں۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

(۱☆) البتہ ہم نے پیدا کیا انسان کو بہت اچھی صورت میں ۔ (۲) جس نے ٹھہرائے فرشتے پیغام لانے والے جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔.......... ۱ بلند کرتا ہے اللہ درجے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں تم میں سے اور ان لوگوں کے جو دیئے گئے ہیں علم۔

۲ خدا تعالیٰ باوجودیکہ جسم اور عوارض جسمی یعنی صورت حسی اور مقدار اور جہات ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ......

ہے اگر ہمیشہ رہتی تو لذات حسی اور خیالی میں کچھ فرق نہ ہوتا کیونکہ انسان کا لذت یاب ہونا ان صورتوں میں ہوتا ہے جو خیال اور حس میں نقش پذیر ہوتی ہیں نہ ان کے وجود خارجی سے اگر وہ صورتیں خارج میں پائی جاویں اور حس میں نقش پذیر نہ ہوں تو لذت نہیں ہوتی اور اگر وہ صورت جس کا حس میں نقش ہوا ہے باقی رہے اور خارج میں پائی جاوے تو لذت ہمیشہ رہتی ہے اور قوت خیالیہ کو اس عالم میں صورتوں کے اختراع یعنی نو ایجاد کرنے کی قدرت ہے مگر اس کی صورتیں نو ایجاد کی ہوئیں خیال میں ہی ہوتی ہیں جو حس ظاہری سے محسوس نہیں ہوتیں اور قوت باصرہ میں منقش ہوتی ہیں اس لئے اگر بہت عمدہ صورت کا قوت خیالیہ ایجاد کرے اور وہم کرے کہ میرے مشاہدہ اور حضور میں ہے تو اس صورت کی لذت بڑی نہیں ہوتی کیونکہ وہ صورت آنکھوں سے دیکھی نہیں گئی جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے اور قوت خیالیہ کو جیسا کہ خیال میں صورت کے نقش کرنے کی قوت ویسا ہی ہے اگر قوت باصرہ میں اس کے نقش کرنے کی قوت ہوتی تو اس صورت کی لذت بڑھ جاتی اور وہ صورت خیالیہ بمنزلہ صورت خارجی کے ہو جاتی اور دنیا و آخرت میں صورت کے منقش ہونے میں تو کچھ فرق نہیں ہوگا مگر اتنا ہی فرق ہوگا کہ آخرت میں قوت باصرہ میں صورت کے نقش ہونے کی کمال قدرت ہوگی سو جس چیز کو دل چاہے گا وہ چیز اس کے خیال میں حاضر ہو جائیگی پس اس کا چاہنا تو اس کے خیال میں آنے کا سبب اور اس کا خیال میں آنا اس کے دیکھ لینے کا سبب ہوگا یعنی قوت باشرہ میں نقش ہو جائے گی اور جس چیز کی اس کو رغبت ہوگی جب اس کا خیال کرے گا وہ چیز اسی وقت اس طرح موجود ہوگی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... اور اطراف سے پاک ہے یہ یعنی ہیولی وصورت یا جواہر فردہ یا مقدار یہ دار آخرت میں آنکھوں سے دکھائی دے گا جیسا کہ لفظ قطعی سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (۱ھ) لیکن یہ نرالی قسم کی رویت بصری ہوگی اس دیدار کا امکان عقل کے رو سے بھی ظاہر ہے کیونکہ دیکھنا ایک قسم کا علم اور کشف ہے مگر انکشاف میں اس سے کامل اور واضح تر ہے پس جبکہ یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم متعلق ہے حالانکہ وہ کسی جہت میں نہیں اور جیسا یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کو دیکھتا ہے اور ان کے مقابل نہیں پس یہ بھی درست ہوا کہ خلق اس کو دیکھے اور مقابلہ نہ ہو اور جس طرح اس کا جاننا بدون کیفیت اور صورت کے ہو سکتا ہے اسی طرح اس کا دیدار بھی بے کیفیت وصورت مجسم ہونے کے ممکن ہے غرضکہ عقل کے ارادہ سے دیدار الٰہی کا امکان ثابت اور شریعت میں اس کا صراحتاً ثبوت ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے۔
مفتی شاہ دین سلمہ ربہٗ............ (۱) منہ اس دن تارے ہیں اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

کہ اس کو دیکھے گا رسول مقبول ﷺ کے قول میں اسی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرمایا ہے ان فی الجنة سوقا یباع فیه الصور سوق یعنی بازار سے یہاں لطف الٰہی مراد ہے جو اس قدرت کا منبع ہے جس سے ارادہ کے موافق صورتوں کا اختراع وایجاد اور قوت باصرہ میں ان کا نقش ہوگا اور وہ نقش ارادہ کے دوام تک یعنی جب تک خدا چاہے باقی رہے گا ایسا منتقش نہیں ہو گا جو بے اختیار دور ہو سکے جیسا کہ دنیا میں بے اختیار خواب میں زوال ہو جاتا ہے اور یہ قدرت جس کی اوپر تشریح ہو چکی ہے بہت وسیع اور کامل ہے بہ نسبت اس قدرت کے جو خارج حس میں ایجاد کرنے پر ہے کیونکہ خارج حس میں جو موجود ہوتا ہے وہ دو مکانوں میں پایا نہیں جاتا اور جب ایک شے کے سننے میں مشغول یا ایک شے کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو غیر سے محجوب ہو جاتا ہے اور یہاں تو بڑی ہی وسعت ہے کہ جس میں کسی طرح کی تنگی اور کسی طرح کی روک نہیں یہاں تک کہ اگر اس نے ایک شے کے دیکھنے کا ارادہ کیا مثلاً ہزار شخص کا ہزار مکان میں ایک ہی حالت میں دیکھنا چاہا تو وہ ان سب کو مختلف مکانوں میں موافق ارادہ کے مشاہدہ کرلے گا اور موجود خارجی کا دیکھنا ایک ہی مکان میں ہوتا ہے اور امر آخرت کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اس میں بہت وسعت اور پوری پوری خواہشیں ہونگی اور وہ خواہشوں کے بہت موافق ہوگا اور اس کا صرف حس میں موجود اور خارج میں نہ پایا جانا کچھ اس کے مرتبہ کو نہیں گھٹاتا کیونکہ اس کے وجود سے مقصود لذت ہے اور لذت وجود حسی سے ہوتی ہے جب اس کا وجود حسی ہوگا تو اس کی لذت پوری پوری پائی جائے گی اور باقی یعنی خارجی وجود تو فضلہ ہے جس کی کچھ حاجت نہیں اور اس وجود خارجی کا اس لئے اعتبار ہوتا ہے کہ وہ مقصود کے حاصل کرنے کے لئے ایک طریق ہے اور اس کا مقصد کے لئے ایک طریق ہونا اس دنیا میں ہی ہے جو بہت تنگ اور قاصر ہے اور عالم آخرت میں مقصد کے حاصل کرنے کے لئے طریق کی وسعت ہے کچھ یہی طریقہ مقرر نہیں ہے اور تیسری وجہ یعنی لذت عقلی کا ممکن ہونا بھی کچھ مخفی نہیں کیونکہ ضرور ہے کی یہ محسوسات لذات عقلی کی مثالیں ہوں جو محسوس نہیں ہیں اس لئے کہ عقلی چیزیں مختلف قسموں پر منقسم ہوتی ہیں جیسا کہ حسی چیزیں پس حسیات ان کی مثالیں ٹھہریں اور حسی چیزوں میں سے ہر ایک اس لذت عقلی کی مثال بنے گی جس کا رتبہ اس کے برابر ہوگا مثلاً

۱جنت میں ایک بازار ہے جس میں صورتیں دی جائیں گی۔ ترمذی نے بروایت علیؓ یہی مضمون بیان کیا ہے باندک زیادت الفاظ اس کے یہ ہیں (ان فی الجنة لسوقا مافیها شری ولا بیع الا الصور من الرجال والنساء الحدیث۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ سبزی اور پانی جاری اور خوش شکل نہریں دودھ اور شہد اور شراب کی بھری ہوئیں اور درخت جواہر اور یاقوت اور موتیوں کے ساتھ مزین اور محل سونے اور چاندی سے بنائے ہوئے اور دیواریں جواہر سے مرصع خادم ایک جیسے اس کے آگے خدمت کے لیے کھڑے ہیں اب اگر تعبیر کرنے والا اس کی تعبیر کرے گا تو لذت اور خوشی ہی کے ساتھ کرے گا اور ان سب کو ایک ہی نوع پر قیاس نہیں کرے گا بلکہ ہر ایک کو لذت کی علیحدہ علیحدہ قسم پر محمول کرے گا بعضوں سے تو لذت علم اور کشف معلومات اور بعضوں سے لذت ملک اور حکومت اور بعضوں سے مقہور اور ذلیل ہونا دشمنوں کا اور بعضوں سے دوستوں کی ملاقات مراد لے گا اگر چہ ان سب کا نام لذت اور سرور رکھا ہے لیکن یہ تمام مرتبوں اور لذتوں میں مختلف ہیں ہر ایک کا مذاق علیحدہ علیحدہ ہے لذت عقلی کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیے اگر چہ وہ لذتیں عقلی نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا خیال گذرا اور ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے لئے یہ تمام لذتیں ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو بقدر استعداد ملے پس جو شخص تقلید میں مشغول اور صورتوں ہی میں مدہوش ہے اور حقائق کا رستہ اس کو نہیں کھلا اس کے لئے صورتیں ہی ممثل کی جائیں گی اور عارف لوگ جو عالم صور اور لذات حسی کے حقائق دیکھ رہے ہیں ان کے لیے عقلی سرور اور لذات کے لطائف کھولے جائیں گے جو ان کے مراتب اور خواہشوں کے لائق ہوں کیونکہ بہشت کی تعریف یہی ہے کہ اس میں جس کا جو دل چاہے موجود ہے جبکہ خواہشیں مختلف ہوئیں تو عطیات اور لذات کا مختلف ہونا بعید نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وسیع ہے اور قوت بشری قوت ربانی کے عجائبات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور رحمت الٰہی نے نبوت کے وسیلہ سے خلق کو اسی قدر سمجھا دیا ہے جس قدر سمجھ سکتی تھیں اب جو سمجھا اس کی تصدیق واجب ہے اور جو امور بخشش الٰہی کے لائق ہیں خواہ سمجھ میں آسکیں یا نہ ان سب کا اقرار واجب ہے اور ان کا ادراک نہیں ہوسکتا مگر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر یعنی سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے۔

فصل

اگر تو کہے کہ یہ لذتیں حسی اور خیالی ہیں جن کا جنت میں وعدہ ہے حسی اور خیالی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک میں آئیں گی اور یہ تو جسمانی قوتیں ہیں جسم میں ہی پیدا ہوتی ہیں ایسا ہی

قبر کا عذاب اور جہنم کا عذاب ۱ جسمانی قوتوں کے ساتھ ہی ادراک اور سمجھ میں آئے گا جبکہ روح جسم سے الگ ہوگی اور جسم کے اجزاء تحلیل ہو جائیں گے اور قوی حسیہ اور خیالیہ دور ہو جائیں گی پھر کیونکر زکوۃ نہ دینے والے کے لئے گنجا ۲ سانپ متمثل ہوگا اور کافر پر قبر میں ننانویں ۳ سانپ کس طرح مسلط ہونگے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کیونکہ یہ دونوں صورتیں خیالی ہونگی یا حسی ہونگی حس اور خیال دونوں موت کے ساتھ ہی باطل ہوگئے پس ان کا ثبوت کس طرح ہوا اب جان کہ اس امر کا منکر وہ ہے جو حشر اجساد کا منکر ہے اور روح کا عود کرنا جسم کی طرف محال جانتا ہے حالانکہ اس کے محال ہونے پر کوئی تحقیقی دلیل قائم نہیں ہوئی بلکہ بعید نہیں ہے کہ بعضے جسم اسی لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس ۴ موت کے بعد ان میں حلول یعنی ان سے متعلق ہوا اور یہ بات کچھ محال نہیں نہ تو قبر میں اور نہ قیامت میں اور جو متقدمین نے اس کے محال ہونے پر دلائل بیان کیے ہیں وہ دلائل تحقیق نہیں ہیں اور شرع شریف میں تو اس کا ثبوت ہے پس اس کی

۱ خارجی اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ عذاب قبر کے منکر ہیں اس خیال سے کہ مردہ میں جب ادراک نہیں تعذیب و تنعیم اس کی محال ہے لیکن یہ خیال ان کا یاس ہے کیونکہ جب ارواح کے لئے فنا نہیں چنانچہ قول آنحضرت ﷺ کا خلقتم للابد اس پر دال ہے پس موت سے رفع تعلق کے بعد قبر میں دوبارہ اس کا تعلق من وجہ ہو جاتا ہے جو موجب ادراک ہو امر ممکن ہے جس سے تعذیب و تنعیم کا امکان ظاہر ہے اور جب دلائل شرعی بھی صراحتاً اس پر دال ہیں اس لئے اس کی تصدیق واجب اور ان کا انکار محض جہالت ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

۲ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ باندک زیادت کما آخرت۔

۳ ننانویں اژدھا کے کافر پر قبر میں مسلط ہونے کی حدیث دارمی نے بروایت ابی سعید بیان کی ہے اور ترمذی کی روایت میں ننانویں جگہ ستر کا عدد آیا ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

۴ نفس کا تعلق موت کے بعد بعض نئے اجسام کے ساتھ شرع میں ثابت ہے چنانچہ ارواح شہداء کا سبز پرندہ کہ شکم میں ہونا یعنی اس جانور کے شکم سے متعلق ہونا جو جنت کی نہروں میں چگے گا اور عرش کے نیچے قندیلوں میں جگہ پکڑے گا جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے مسلم بروایت ابن مسعود بیان کیا ہے اور اس سے تناسخ باطل جس کے ہنود قائل ہیں کہ دنیا میں ایک روح ایک جسم عنصری سے جو متعلق ہو اور اس روح سے اس جسم عنصری کا نشو و نما ہو بعد رفع ہونے اس تعلق کے دوسرے جسم عنصری سے جو پہلے جسم سے مغایر ہوتا ہے متعلق ہو جاتی ہے اور اس کا نشو و نما کرتی ہے لازم نہیں آتا کیونکہ شرع میں ارواح شہداء کا جن جانوروں سے تعلق ثابت ہوا وہ جانور اجسام عنصری، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں۔۔

تصدیق واجب ہے اور فلاسفہ کے نزدیک جو اس کے محال ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلاسفہ کے افضل متاخرین یعنی بوعلی سینا نے اپنی کتاب نجات اور شفا میں جسم کی طرف اعادہ روح کا (نہ) محال ہونا ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ بعید نہیں ہے کہ بعض اجسام سماوی اس لئے بنائے گئے ہوں کہ نفس موت کے بعد ان میں حلول کرے اور اس نے اسی کی ایک حکایت اپنے بڑے سے یوں بیان کی ہے کہ اس عدم استحالہ کے قائل بعض اہل علم ہیں جو

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ۔۔ سے نہیں ہیں اور نہ ان جانوروں کو ان روحوں سے نشو ونما ہوتا ہے بلکہ ارواح شہداء کی صرف ان سے متعلق ہو کر لذتیں حاصل کرتی ہیں بغیر تکلف اور محنت کے جیسا کہ گھوڑے کا سوار حالت سواری میں لذت حاصل کرتا ہے حالانکہ مرکب یعنی گھوڑے کی روح جو اس کے بدن میں متصرف ہے اور سوار کی روح اور باقی رہا ارواح شہداء کے لئے یہ خصوصیت سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ارواح شہداء نے جبکہ خدا کی راہ میں جان نثاری کی جو موجب جدائی بدن کے ہوئی اس لئے یہ بدن ان کو بدلے اس بدن کے ملا کیونکہ جزاء موافق عمل کے ہوا کرتی ہے اور اسی تلذذ وغیرہ کے حصول کی جہت سے انکو زندہ کہا جاتا ہے جیسا کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء (☆۲) کیونکہ مرنا موجب مفارقت بدن اور مانع کسب جدید وترقی مراتب ارواح وحصول تلذذ کا ہوتا ہے اور ان کی ارواح کو ایک جسم سے تعلق ہو کر تلذذ حاصل ہے اس لئے ان کو ایک قسم کی حیوۃ ثابت ہوئی اور یہ حیاۃ مثل دنیاوی حیات کے نہیں کیونکہ اجسام متعلقہ سے نہیں ان کو علاقہ تدبیر وتصرف کا نہیں ایسے ہی تناسخ کو جو بلاتدبیر اور تصرف کے ہو بوعلی نے محال نہیں گنا اور فارابی سے اسی کی حکایت کی ہے چنانچہ طوسی نے شرح اشارات میں لکھا ہے۔ ثم انہا لا یجوزان تکون معطلۃ من الادراک وکانت ممالایدرک لا بالات جسمانیۃ فذہب بعضھم الا انھا تتعلق باجسام اخرولایخلواما ان لا تصیر صورۃ لھا وہذاماذکرہ الشیخ ومال الیہ اوتصیر فتکون نفوسالھا وھذا القول بالتناسخ الذی سیطلہ الشیخ اما المذہب الاول فقد اشارالیہ فی کتاب المبداء والمعادوذکر ان بعض اھل العلم من لا یجازف فیما یقول واظنہ یرید الفارابی قال قولا وھوات ھولاء واذا فارقوا البدن (☆۱) اور جس تناسخ کا بوعلی نے استحالہ بیان کیا ہے اس سے جسم اصلی کی طرف نفس مفارقہ کا اعادہ محال ہونا ثابت نہیں ہوتا باقی رہا حکماء کا وقت کو عوارض شخصیہ معتبرہ فی الوجود سے لیکر اعادہ معدوم بعینہ کے استحالہ سے حشر اجساد کا استحالہ ثابت کرنا سو بنائے فاسد علی الفاسد ہے، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں......

بیہودہ گونہیں اس سے معلوم ہوا کی بوعلی کو اس قاعدہ میں شک ہے اور اس کے محال ہونے پر کوئی

بقیہ۔ کمالا یخفی غرضیکہ ارواح کا اپنے ابدان مفارقہ کے ساتھ دوبارہ تعلق ہو جانا محال نہیں بلکہ امر ممکن ہے اور شریعت میں قبر اور قیامت میں دوبارہ تعلق ہونے کا صراحتاً ثبوت بھی ہے اس لئے اس کی تصدیق واجب ہے اسی طرح دنیا میں اپنے اجسام کے ساتھ بعض ارواح کا دوبارہ تعلق ہو جانا امر ممکن ہے چنانچہ بعض مردے بامر الٰہی زندہ ہوئے یا حسب مذہب جمہور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد چیونٹیوں کے اجسام کی مثل نکالکر حضرت آدم علیہ السلام کو جو دکھائی گئی اور ان کو الست بربکم کہا گیا جس کے جواب میں انھوں نے بلیٰ کہا جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے واذا حذ ربک من بنی اٰدم من ظهور هم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوابلىٰ شهدنا (☆۳) ۔پس ایک تو اس وقت ارواح کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے ہوا پھر دوبارہ جب وہی اجسام بسبیل نطفہ نسلاً بعد نسل اپنے اپنے وقت مقررہ پر ظہور میں آتے گئے ارواح کا ان سے تعلق ہوتا گیا اور یہاں مذہب جمہور کی اس لئے قید لگائی گئی کہ بعض محققین اس کے خلاف پر ہیں چنانچہ زمخشری اور شیخ ابومنصور اور نجارج وغیرہ قولہ تعالیٰ واذا خذ ربک من بنی ادم ظهورهم الایہ کو باب تمثیل سے لیتے ہیں اور معنیٰ اس کے یوں کرتے ہیں اولاد آدم کو اپنے باپوں کی پشت سے پیدا کیا اور ان کے واسطے ادلہ اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر قائم کیں اور ان کو عقل جو ہدایت اور گمراہی میں تمیز کرنے والی ہے پس گویا کہ ان کو اپنے نفس پر گواہ بنایا گیا اور ان کو الست بربکم کہا گیا اور گویا کہ انھوں نے اس کے جواب میں بلیٰ انت ربنا کہا اور انکی حجت یہ ہے کہ من بنی اٰدم ظهورهم خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے نہ کہ من ظهر ادم اور دوسرے یہ کہ سوال و جواب تو ہم کو یاد ہی نہیں پھر اس کے حجت ہونے کی کیا صورت۔جس کا جواب بعض مفسرین کی کلام سے یہ نکلتا ہے کہ مخبر صادق کا اس امر کو یاد دلانا خود اپنی یاد کے قائم مقام ہے۔جس سے اس کا حجت ہونا ظاہر ہے لیکن یہ جواب تکلف سے خالی نہیں۔کمالا یخفی۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

(☆۱) پھر تحقیق کہ وہ نفوس نہیں جائز کے معطل ہوں ادراک سے اور تھے وہ کہ نہیں ادراک کرتے تھے مگر الات جسمانیہ کے ساتھ پس بعض اس طرف گئے ہیں کہ وہ متعلق دوسرے اجسام سے ہو جاتے ہیں اور نہیں خالی اس حال سے کہ یا تو ان کی صورت نہ ہونگی اور اس کا شیخ نے ذکر کر دیا اس کی طرف میلان یا صورت کے ہو جائینگے پس ان اجسام کے نفوس بنیں گے یہی قول تناسخ کا جن کو شیخ باطل کرے گا لیکن مذہب اول کی طرف کتاب مبداء اور معاد میں اشارہ کیا ہے اور ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم نے جو اپنی کلام میں بیہودہ گو نہیں میں گمان کرتا ہوں کہ شیخ کی مراد فارابی ہے کہا ہے ایک قول اور وہ یہ ہے کہ یہ نفوس جسوقت اپنے بدن سے الگ ہوئے۔(☆۲) اور نہ کہو جو کوئی مارا جاوے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں نہ بلکہ وہ زندہ ہیں۔

(☆۳) اور جس وقت تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی اولاد اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر کہا میں نہیں ہوں رب تمہارا بولے البتہ ہم قائل ہیں۔

دلیل اس کے نزدیک قائم نہیں ہوئی اگر یہ محال ہوتا تو اس کے قائل کو یوں نہ کہتا کہ وہ بے ہودہ گو یا درغگو نہیں کیونکہ امر محال کے قائل ہونے سے اور کونسا جھوٹ بڑھ کر ہے بعض اوقات قائل یوں کہتا ہے کہ بوعلی نے اس کا ذکر بطور تقیہ کے کیا ہے کیونکہ کتاب النفس میں جو اس نے مسئلہ تناسخ کا بیان کیا ہے اس میں نفس کے تناسخ ابدان کا استحالہ ثابت کیا ہے اور یہ بعینہ حشر اجساد وابطال کی دلیل ہے سو ہم یوں کہتے ہیں کہ تناسخ کے محال ہونے میں دلیل بیان کی ہے وہ دلیل تحقیقی نہیں ہے کیونکہ اس نے تناسخ کے محال ہونے میں یہ بیان کیا ہے کہ اگر روح کا اعادہ جسم کی طرف ہو تو اس کا اس جسم کی طرف اعادہ ہوگا جو قبول کی استعداد رکھتا ہے اور جو قبول کی استعداد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح کا افاضہ اس کی طرف ہو گیا اس لئے کہ جسم مستعد بذاتہ صورت کے قبول کرنے کا مستحق ہے اور اس کا مستحق ہونا روح کے فیضان کو چاہتا ہے اور نفس مفارقہ بھی اس کے ساتھ متعلق ہوا اب ایک بدن کے لئے دو نفس ہوئے اور یہ محال ہے اور اس دلیل مذکورہ کو حشر اجساد کے معلوم ہونے میں استعمال کر سکتے ہیں یہ دلیل ضعف ہے کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اجسام کی استعدادیں مختلف ہوں ایک جسم میں ایسی استعداد ہو جو نفس مفارقہ کے مناسب ہو جو اول موجود تھا یہاں تک کہ وہ جسم اس نفس کے ہی تدبیر کے ساتھ مختص ہو اور نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہ ہو کیونکہ مثلاً اگر ایک حالت میں رحموں یعنی بچہ دانوں میں دو نطفہ قبول نفس کے مستعد ہوں تو واہب الصور یعنی جناب الٰہی سے ان کی طرف دو نفسوں کا فیضان ہوگا اور ان دونوں نطفوں میں سے ہر ایک ایک نفس کے ساتھ خاص ہوگا اور اس کا مختص ہونا اس میں نفس کے حلول ہونے کی جہت سے نہیں ہے اس لئے کہ نفس کا جسم میں عوارض کی طرح حلول ہی نہیں ہوتا بلکہ دونوں مستعد جسموں میں سے ایک جسم کا ایک نفس کے ساتھ مختص ہونا اس مناسبت کے سبب سے ہے جو ان کے مابین اوصاف کی جہت سے ہے ایسا ہی دوسرے جسم کا دوسرے نفس کے ساتھ مختص ہونا پس جبکہ دو نفس متناسب ہیں میں یہ اختصاص ہو سکتا ہے تو نفس مفارقہ میں جو اول سے موجود تھا اور نئے نفس میں کیونکر نہیں ہو سکتا سو جب ایک جسم مستحق کو نفس مفارقہ کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوگی تو وہ جسم واہب الصور یعنی خدا تعالیٰ سے نئے نفس کے فیضان کا محتاج نہیں ہوگا جب وہ محتاج نہ ہوا تو اس پر نئے نفس کا فیضان بھی نہیں ہوگا اس کلام کے لئے زیادہ تقریر ہے میں اس میں خوض نہیں کرتا کیونکہ مقصود اس بات کا بیان کرنا ہے کہ جو شخص حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں جب اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوئی تو موت کے بعد قبر اور قیامت میں ادراکات حسیہ اور خیالیہ کا ہونا سمجھا گیا۔ اگر کوئی یہ کہے

کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں اس کو نہ کچھ حس ہوتی ہے نہ حرکت ہم کہتے ہیں کہ سکتہ والے کو بھی ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ادراک ایسی چھوٹی جزو کے ساتھ قائم ہو کر وہ جز غیر متجزی ہونے کے قریب ہو اور میت کے دیکھنے والا اس کو نہ دیکھے اس میت میں حرکت کے دیکھے جانے کا کچھ اعتبار نہیں۔

فصل

[1]حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے دفتر میں منتقل ہونگی اور مظلوم کی برائیاں ظالم کے دفتر میں سو بعض اوقات جو شخص جوہر نبوت کے اسرار احادیث کو نہیں سمجھتا وہ اس کو محال جانتا ہے اور کہتا ہے کہ نیکیاں اور برائیاں اعمال اور حرکات میں اور اعمال وحرکات تو گذر چکے اور دور ہو گئے پھر معدوم کا انتقال کیونکر ہوگا بلکہ اگر اعمال اور حرکات باقی بھی رہیں تو وہ عوارض ہیں پھر عوارض کا انتقال کیسے ہوگا ہم کہتے ہیں کہ ظلم کے سبب نیکیوں اور بدیوں کا منتقل ہونا ظلم کرنے کے وقت دنیا میں ہی ہوتا ہے لیکن اس کا انکشاف قیامت کو ہوگا پس اپنی طاعت کو دوسرے کے دفتر میں اور دوسرے کی بدیوں کو اپنے دفتر میں دیکھے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لمن الملک الیوم للّٰہ الواحد القہار آخرت میں اس طرح کے ہونے کی خبر دی حالانکہ دنیا میں بھی تو ایسا ہی کچھ اسکا آخرت میں تجدد نہیں ہوگا لیکن سب خلقت کو اس کا انکشاف قیامت میں ہی ہوگا اور جس چیز کو انسان نہیں جانتا وہ چیز اس کے لئے موجود نہیں ہوتی اگرچہ وہ چیز واقع میں موجود ہو جب اس کو جان لیتا ہے تو اس وقت اس کے لئے موجود ہو جاتی ہے پس گویا اس کے حق میں موجود ہوئی اور اس حالت میں اس کے نئے ہونے کا اعتقاد کرتا ہے چنانچہ تجدد وجود کا وہم کرتا ہے پس جو شخص کہتا ہے کہ معدوم کس طرح

---

[1] بخاری نے بروایت ابو ہریرہ قریب قریب اس کے ایک حدیث بیان کی ہے اس میں دفتر کا ذکر نہیں مضمون حدیث بخاری کا یہ ہے کہ اگر ظالم کے اعمال صالح ہونگے بقدر ظلم کے اس کے عمل لیکر مظلوم کے دیئے جائیں گے اور اگر عمل صالح نہ ہوئے مظلوم کے گناہ اس سے اٹھا کر ظالم پر رکھے جائیں گے اس میں اعمال صالح یا گناہوں کے دیئے جانے سے ان آثاروں کے انتقال مجازی مراد ہے اس قسم کی احادیث میں بعض اہل حدیث کا قول تعالیٰ الا تزر وازرۃ وزر اخری الآیہ کے ساتھ خدشہ کرنا یا اس قسم کے انتقال کو محال سمجھنا محض جہالت ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

انتقال کرے گا اس تقریر سے اس کا قول ساقط ہو گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ طاعت کے منتقل ہونے سے اس کے ثواب کا انتقال مراد ہے نہ خود طاعت کا منتقل ہونا لیکن جبکہ طاعت سے مقصود ثواب ہوتا ہے اس کے مقصود کو نقل کرنے کو نقل طاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور یہ بات مجاز اور استعارہ میں شائع ہے اگر یہ کہا جائے کہ طاعت کا ثواب یا تو عرض ہوگا یا جوہر اگر عرض ہے تو اس کے انتقال میں اشکال باقی ہے اگر جوہر ہے تو وہ جوہر کیا ہے کہتا ہوں کے ثواب طاعت سے اثر طاعت مراد ہے کہ دل کو نورانی کرتا ہے اور گناہ سے اس کی تاثیر مراد ہے کہ دل کو سخت اور سیاہ کرتی ہے انوار طاعت سے تو بندہ قبول معرفت اور مشاہدہ[۱] حضرت ربوبیت کا مستعد ہوتا ہے اور سخت اور سیاہ دلی میں مشاہدہ جمال الٰہی سے دوری اور حجاب کا مستعد ہوتا ہے سو طاعات دل کے نور اور صفائی کے وسیلہ سے لذت مشاہدہ کو پیدا کرتی ہیں اور گناہ دل کی ظلمت اور سختی کی جہت سے حجاب کو پیدا کرتے ہیں اب نیکیوں اور بدیوں کے اثروں میں تعاقب اور تضاد ٹھہرا اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحسنٰت یذھبن السیئات[۲] اور رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں اتبع السیئة الحسنة تمحھا[۳] اور تکلیفیں گناہوں کو مٹادیتی ہیں چنانچہ رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں ان الرجل یثاب علی کل شیء حتی الشوکة تصیب رجلہ[۴] اور رسول مقبول ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کفارات لا ھلھا یعنی تکلیفیں موجب کفارہ ہیں تکلیف زدوں کے لیے سو ظالم ظلم کے سبب

[۱] مشاہدہ کا درجہ بعد طے کرنے منازل سلوک کے حاصل ہوتا ہے جن سے میں اول منزل توبہ ہے دوسری تزکیہ و تصفیہ نفس صفات ذمیمہ کے دور کرنے اور صفات حمیدہ کے حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ دوام ذکر لسانی و قلبی و روحی دوسری یعنی ناسوتی و ملکوتی و جبروتی و لاہوتی ان منازل کے طے کرنیکے بعد سالک کو مشاہدہ حضرت ربوبیت کا ہوتا ہے اللھم ارزقنا اور آنحضرت ﷺ نے احسان یعنی اخلاص کے بیان میں جو فرمایا ہے کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اس میں حالت[۱] اول کو صوفی مشاہدہ کہتے ہیں دوسری حالت کو حضور قلبی سے نامزد کرتے ہیں۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

[۲] البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔

[۳] بدی کے پیچھے نیکی کر کہ اس کو مٹا دے ترمذی باندک زیادت دراول داخر

[۴] تحقیق آدمی بدلا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ کانٹے پر بھی جو اسے پاؤں کو لگے ترمذی نے بروایت عائشہؓ یہی مضمون بیان کیا ہے الفاظ اس کے یہ ہیں قالت قال رسول اللہ ﷺ تصیب المومن شوکتہ فما فوقھا الا رفعہ اللہ بھا درجہ وخط بھا خطیئة۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

خواہش نفسانی کا اتباع کرتا ہے اس سے اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے اور طاعت کی جہت سے جو اس کے دل میں اثر نور کا تھا دور ہو جاتا ہے پس گویا کہ اس کی طاعت ہی چھینی گئی اور مظلوم تکلیف پاتا ہے اور خواہش نفسانی اس کی دور ہو جاتی ہے اس سبب سے اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور سیاہی اور سختی دل کی جو اس کو نفسانی خواہشوں کے اتباع سے حاصل تھی دور ہو جاتی ہے اب گویا کہ نور ظالم کے دل سے مظلوم کے دل کی طرف منتقل ہوا اور سیاہی نے مظلوم کے دل سے ظالم کے دل کی طرف انتقال کیا نیکیوں اور بدیوں کے انتقال سے یہی مراد ہے اگر کہا جاوے کہ یہ تو انتقال حقیقی نہیں بلکہ اس کا حاصل یہ ٹھہرا کہ ظالم کے دل سے نور باطل ہو گیا اور مظلوم کے دل میں ایک نئی تاریکی پیدا ہو گئی یہ انتقال حقیقی نہیں ہم کہتے ہیں کہ لفظ نقل کبھی اس قسم پر بھی بطور مجاز اور استعارہ کے بولا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے انتقل الظل من موضع الی موضع یعنی سایہ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف انتقال کیا اور یہ بھی بولا جاتا ہے انتقل نور الشمس والسراج من الارض الی الحائط ومن الحائط الی الارض یعنی آفتاب اور چراغ کی روشنی زمین سے دیوار کی طرف اور دیوار سے زمین کی طرف منتقل ہوئی اور (مثلاً) جب حرارت موسم گرما میں زمین پر غالب ہوتی ہے تو طبعی یوں بولتا ہے انهزمت البرودة الی باطنها اور انہزام انتقال ہی کو کہتے ہیں اور جیسا کہ بولتے ہیں نقلت ولایت القضاء والخلافة من فلان یعنی قضا اور خلافت کی ولایت فلانے سے فلانے کی طرف منتقل ہوئی ان سب قسموں کو نقل ہی کہتے ہیں پس نقل حقیقی تو یہ ہے کہ جو چیز محل ثانی میں حاصل ہوئی ہے یہی بعینہ وہی چیز ہو جو محل اول سے نکلی ہے اگر وہ چیز اس کے ہم مثل ہو اور بعینہ وہ نہ ہو تو اس قسم کو مجازاً نقل کہتے ہیں نقل طاعت سے بھی اس قسم کی نقل مراد ہے اور نقل طاعت میں اتنی ہی بات ہے کہ طاعت سے کنایۃً ثواب مراد ہے جیسا کہ سبب سے کنایۃً مسبب مراد ہوتا ہے اور ایک

۱؎ یہاں دل سے مراد لطیفہ قلب یعنی روح ہے نہ کہ مضغۂ صنوبری کیونکہ نیکی یا گناہ کے کرنے سے قلب لحمی روشن یا سیاہ نہیں ہوتا بلکہ لطیفہ قلب ہوتا ہے اور عرف اہل شرع میں حقیقتاً قلب اس کو کہتے ہیں اس کا تعلق قلب جسمانی سے جس کو باعتبار لغت کے قلب کہا جاتا ہے ایسا ہے جیسا کہ قوت بینائی کا تعلق چشم ظاہری سے جن لوگوں کو علم شریعت یعنی علم تکلیفات شرعیہ علم طریقت یعنی معرفت معاملات قلوب علم حقیقت یعنی دریافت مکاشفات ارواح حاصل ہے وہ قلب حقیقی کی حقیقت اور نیکی اور گناہ سے اس کے مصفا اور مکدر ہونے کو خوب پہچانتے ہیں، مفتی شاہ دین سلمہ ربہ۔

وصف کا ایک محل میں ثابت ہونا اور اس وصف کے مثل کا دوسرے محل میں باطل ہونے کا نام نقل رکھا گیا یہ سب بول چال میں مشہور ہے اگر اس میں شرع وارد نہ ہوتی تو بھی اس کے معنیٰ دلیل کے ساتھ معلوم ہیں جب کہ شرع میں بھی اس کا ثبوت ہو گیا پھر کیونکر نہ ثابت ہو فصل خواب میں حق سبحانہ تعالیٰ کے دیدار کا تو نے سوال کیا جس میں لوگ مختلف ہو رہے ہیں پس جان لے کہ جب اس مسئلہ کی حقیقت کا انکشاف ہو جاوے تو کچھ خلاف اس میں متصور نہیں ہوتا حق تو یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خواب میں دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بولتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب میں دیدار ہوتا ہے اب خواب[1] میں رسول ﷺ کے دیدار کے کیا معنیٰ سمجھے جائیں شاید جس عالم کی طبیعت عام لوگوں کی طبیعت سے قریب ہے وہ یہ ہے سمجھے کہ جس شخص نے رسول مقبول ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے حضرت کا جسم مبارک ہی دیکھا جو مدینہ منورہ کے روضۂ مقدس میں رکھا گیا ہے کہ قبر کو شق کر کے حضرت ایک مکان کی طرف تشریف لائے سو ایسے عالم سے بڑھ کر جاہل کونسا ہوگا کیونکہ کبھی خواب میں ایک شئی ایک رات میں ایک یہ حالت میں ہزار جگہ دیکھی جاتی ہے پھر کب ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی حالت میں ہزار جگہ میں مختلف صورتوں کے ساتھ یعنی بوڑھا اور جوان اور دراز قد اور کوتاہ قد تندرست اور بیمار ہو اور ان تمام صورتوں میں دیکھا جائے جس شخص کی حماقت اس حد تک پہنچ گئی وہ تو عقل سے خارج ہے اور مخاطب ہونے کے لائق نہیں اب شاید وہ یہ کہے کہ جو شخص حضرت ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک کو نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہے گا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے اگر مثال جسم کے کہے جو گوشت اور ہڈی اور خون ہے ہم کہتے ہیں جسم تو بذات خود محسوس ہے اس کے تمثیل کی

[1] خواب میں آنحضرت ﷺ کے دیدار کی کیفیت من رآنی فی منام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی کے معنی میں بعض علما کا اختلاف نووی وغیرہ نے لکھا ہے کہ بعض فقد رآنی کے یہ معنی لیتے ہیں کہ رؤیاہ صحیحہ یعنی خواب اس کی صحیح ہے اضغاث احلام یعنی خوابہائے شوریدہ وتسویلات شیطان سے نہیں بعضوں نے یہ کہا ہے کہ فقد رآنی یعنی فقد ادرکنی اور ادراک کے لئے قرب مسافت اور جس کو دیکھا جائے اس کا زیر زمین یا بالائے زمین ہونا شرط نہیں بلکہ موجود ہونا شرط ہے اور جسم آنحضرت ﷺ کا تو موجود ہی ہے پس اس کی رویت خواب میں ہوتی ہے اور بعضوں نے کہا ہے صورت مخصوصہ پر اگر ہوئی تو رؤیا حقیقت ہے ورنہ رویا تاویل اور بعضوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خواب میں دیدار خواہ صورت مخصوصہ پر ہو یا غیر مخصوصہ پر آنحضرت ﷺ کی رویت حقیقتاً ہی ہے کیونکہ وہ صورت آنحضرت ﷺ کی روح مقدس کی مثال ہے صحیح قول یہی ہے کما لا یخفی۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

کیا حاجت پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول ﷺ کے جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اس نے تو نبی علیہ السلام کو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا جو نبی علیہ السلام کی حرکت دینے کے ساتھ متحرک تھا کیونکہ نبی روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے پس کیونکہ جسم کی مثال دیکھنے سے رسول مقبول ﷺ کے دیکھنے والا ہوگا بلکہ حق تو یہی ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کے روح مقدس کی مثال ہے جو محل نبوت ہے اور جو اس نے شکل دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے وہ حضرت نبی علیہ السلام کی روح اور اس کا جوہر ہے جسم نہیں ہے اگر کہا جاوے کہ حضرت علیہ السلام کے اس قول کے کیا معنی ہوئے جو حضرت ﷺ فرماتے ہیں من رآنی فی المنام فقد رآنی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ﷺ کی اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ جو اس نے دیکھا مثال ہے کہ معرفت حق کے لئے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہوگئی پس اب جیسا کہ جوہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت کی جو بعد مفارقت حضرت کے باقی ہے اور شکل اور صورت سے پاک ہے لیکن مثال مطابق[1] کے واسطہ سے امت کو واسطہ اپنے اور بندہ کے درمیان خیر کے فیضان اور ایصال حق کے لئے پیدا کرے سو یہ واسطہ پیدا کرنا تو موجود ہے اس کے امکان کا کس طرح انکار ہوا اگر کہا جاوے کہ اس مجازی اطلاق کا رسول مقبول ﷺ کے حق میں تو اذن[2] ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ کے حق میں تو وہی اطلاقات جائز ہیں جن کا اذن ہو ہم کہتے ہیں کہ اس کے اطلاق کا بھی اذن وارد ہوگیا ہے قال رسول اللہ ﷺ رایت ربی فی احسن صورۃ یہ قول حضرت کا ان اخبار میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات صورت میں وارد ہیں قولہ خلق اللہ اٰدم علیٰ صورتہ اور اسی طرح اس سے صورت ذات کی مراد نہیں ہے کیونکہ ذات کے لئے تو صورت ہی نہیں مگر باعتبار اس تجلی کے جو مثال کے ساتھ ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت اور دیگر صورتوں میں ظاہر ہوئے یہاں تک کہ رسول مقبول ﷺ نے حضرت جبرائیل کو کئی بار دیکھا حالانکہ صورت حقیقی میں دو دفعہ ہی دیکھا اور جبرائیل کا[3] دحیہ کلبی کی صورت میں ممثل ہونا اس اعتبار سے نہیں ہے کہ حاجت نہیں

---

[1] مثال مطابق کے کہتے ہیں مثال کاذب یعنی غیر مطابق سے احتراز ہوگیا کیونکہ مثال کاذب نفس الامر میں نبی علیہ السلام کی مثال نہیں پس اس مثال کے دیکھنے پر جز مذکورہ مرتب نہیں ہوتی۔

[2] اس اذان پر وہی حدیث دلیل ہے جو اول گزری یعنی قولہ علیہ السلام من رانی فی المنام فقدرانی۔

[3] حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہوکر آنے کی حدیث بخاری و مسلم نے بیان کی ہے بروایت اسامہ بن زید۔

کیونکہ عقل ایسی شے ہے کہ کوئی اور شے حقیقت میں اس کے ہم مثل نہیں ہے اور ہم کو جائز ہے کہ عقل کی مثال آفتاب بیان کریں اس واسطے کہ عقل اور آفتاب میں ایک امر کی مناسبت ہے وہ یہ ہے کہ نور آفتاب سے محسوسات[1] کا انکشاف ہو جاتا ہے جیسا کہ نور عقل[2] سے معقولات کا سو اسی قدر مناسبت مثال کے لیے کافی ہے بلکہ سلطان کی مثال شمس ہے اور وزیر کی مثال قمر سلطان اپنی صورت اور معنی میں آفتاب کے مماثل نہیں اور نہ وزیر چاند کے ہم مثل ہے مگر یہ بات ہے کہ سلطان کو سب پر غلبہ ہوتا ہے اور سب کو اس کا اثر پہنچتا ہے اسی قدر میں آفتاب کو اس سے مناسبت ہے اور چاند اثر نور کے فیضان کے لئے آفتاب اور زمین کے درمیان واسطہ ہے جیسا کہ نور عدل کے فیضان کے لئے وزیر بادشاہ اور رعیت کے درمیان واسطہ ہوتا ہے یہ مثال ہوئی نہ کہ مثل اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کأنہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبٰرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور۔[3] اب خدا تعالیٰ کے نور اور شیشہ اور طاق درخت اور روغن میں کونسی مماثلت یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ انزل من السماء ماءً فسالت اودیۃ بقدرھا فاحتمل السیل زبداً رابیاً الیٰ اٰخرہ۔[4] اس آیت میں قرآن شریف کی تمثیل بیان کی توصیف قدیم ہے جس کی کوئی مثل نہیں پھر پانی اس کی کیوں مثل ہو گیا اور اکثر خوابین حضرت علیہ السلام کو دکھائی گئیں جیسا کہ دودھ اور حبل یعنی رسی کو دیکھا اور

---

[1] محسوسات کے انکشاف کو علم حسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اکثر شعور کا اطلاق بھی اسی پر آتا ہے اسی لئے حواس کو مشاعر کہا جاتا ہے مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] عقل صفت علمی کو بھی کہتے ہیں کما مر اور ایک قوت کو بھی کہتے ہیں جو قلب حقیقی انسان میں بمنزلہ نور کے ہے جس کے باعث علوم نظری کے قبول کرنے اور خفیہ صناعات فکر کے سوچنے کی اس کو استعداد ہوتی ہے اس کی مثال نور آفتاب کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کیونکہ نور عقل معقولات کے ادراک کا ذریعہ ہے جیسا کہ نور آفتاب محسوسات کے انکشاف کا وسیلہ ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[3] ترجمہ: اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی کہاوت اسکی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں چراغ ہے دوسرا ایک شیشہ میں شیشہ جیسے ایک تارہ ہے چکنا تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت کے ہے وہ زیتون ہے۔ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف نکلتا ہو اس کا تیل کے سلگ اٹھے ابھی نہ لگی ہو اس کو اس روشنی پر روشنی۔

[4] اتارا آسمان سے پانی پھر بہے نالے اپنے اپنے موافق پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا۔

فرمایا کہ دودھ[1] اسلام ہے اور حبل قرآن شریف اور بہت مثالیں ہیں جن کا کچھ شمار نہیں اب دودھ اور اسلام میں کچھ مماثلت نہیں اور نہ حبل اور قرآن شریف میں لیکن ان کے درمیان مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ حبل یعنی رسی کے ساتھ تو نجات دنیاوی کے لئے چنگل مارا جاتا ہے اور قرآن شریف کے ساتھ نجات آخرت کے لئے اور دودھ غذا ہے جس سے ظاہری زندگانی ہے اور اسلام وہ غذا ہے جس سے حیات باطنی ہے یہ تمام مثالیں ہیں مثلیں نہیں بلکہ ان چیزوں کے لیئے تو کوئی مثال ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی مثل نہیں لیکن اس کے لئے مثال ہیں جو بسبب مناسبات عقلیہ کے اللہ تعالیٰ کی صفات سے خبر دیتی ہیں کیونکہ جس وقت ہم مرید کو سمجھائیں گے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو کس طرح پیدا کرتا ہے اور کس طرح ان کو جانتا ہے اور کس طرح ان کی تدبیر کرتا ہے اور کس طرح کلام کرتا ہے اور کس طرح کلام بذاتہ قائم ہوتی ہے ان سب کی مثال انسان کے ساتھ ہی بیان کریں گے اگر انسان اپنے نفس میں ان صفتوں کو نہ سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی ان کی مثال اس کی سمجھ میں نہ آتی مثال اللہ تعالیٰ کے حق میں حق ہے اور مثل باطل اگر کہا جاوے کہ اس تحقیق سے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار خواب میں ثابت نہیں ہوتا بلکہ رسول مقبول ﷺ کا بھی خواب میں نہ دیکھا جانا ثابت ہوا کیونکہ جو دیکھا گیا ہے وہ تو مثال ہے اس کا عین نہیں پس رسول ﷺ کے قول من رانی فی المنام فقد رانی میں ایک طرح کا مجاز ہوا معنی اس کے یہ ٹھہرے کہ جس نے میری مثال کو دیکھا گویا اس نے مجھ کو دیکھا اور جو اس نے مثال سے سنا گویا اس نے مجھ سے سنا ہم کہتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے رایت اللہ فی المنام اس کی یہی مراد ہوتی ہے اور یہ مراد نہیں ہوتی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھا جبکہ اس بات پر اتفاق ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور نبی ﷺ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور ان مثالوں کا دیکھا جانا جائز ہے جن کو سونے والا خدا تعالیٰ کی ذات اور نبی ﷺ کی ذات اعتقاد کرتا ہے اب اسکا انکار کیونکر ہو سکے باوجودیکہ خوابوں میں اس کا وجود ہے جس شخص نے اس مثال کو خود نہ دیکھا ہوگا اس کو ان لوگوں سے خبر متواتر ہی پہنچی ہوگی جنہوں نے ان مثالوں کو دیکھا ہے اور مثال معتقدہ کبھی تو سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی اور سچی مثال کو تو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے اور نبی علیہ السلام کے مابین بعض امور کے معلوم کرنے کے لئے واسطہ بنا دیا ہے اور

---

[1] بخاری نے بروایت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ کے خواب میں دودھ کے دیکھنے کی حدیث بیان کی ہے مگر اس میں تعبیر دودھ کی علم کے ساتھ ہی علم اور دودھ میں بھی یہی مناسبت ہے کہ دودھ غذا اسی حیات ظاہری ہے اور علم غذائے حیات قلوب۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ایسا ہی اس روح کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک شکل ہوتی ہے جو اس کے لئے رنگت اور صورت ہوتی ہے اگر چہ جو ہر نبوت یعنی روح شکل اور صورت اور رنگت سے منزہ ہے۔ اب ایسا ہی ذات باری تعالیٰ شکل[1] اور صورت سے پاک ہے لیکن بندہ کو جو اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو مثال محسوسہ کے واسطہ سے ہوتی ہے وہ مثال محسوسہ خواہ قسم نور سے ہو یا اس کے سوا کوئی اور قسم صورتوں جمیلہ میں سے ہو جو اس جمال حقیقی مقبول کی مثل بن سکتی ہو جس کی کچھ صورت اور رنگت نہیں سو یہ مثال صادق معرفت کے لئے واسطہ ہو اب جو دیکھنے والا کہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ میں نے خدا تعالیٰ کی ذات اور روح اور جسم کو دیکھا بلکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں نے اس کی مثال دیکھی اگر کہا جاوے کہ نبی علیہ السلام کے لئے تو مثال ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تو کوئی مثل نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تو مثل اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی بات ہے مثل تو وہ ہے کہ تمام صفتوں میں مساوی ہو اور مثال میں تمام صفات میں مساوات جبرئیل کی ذات دحیہ کلبی کی ذات کے ساتھ منقلب ہوگئی بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ رسول مقبول ﷺ کو وہ صورت ایک مثال ظاہر ہوئی جو جبرئیل کی طرف سے پیغام الٰہی کو عطا کرتی تھی ایسا ہی قولہ تعالیٰ فتمثل لہا بشرا سویا (یعنی پھر بن آیا جبرئیل[2] مریم کے آگے آدمی پورا) پس جبکہ یہ متمثل ہونا جبرئیل کی ذات میں

---

[1] ذات باری کی شکل وصورت سے پاک ہے کیونکہ شکل وصورت خواص اجسام سے ہے جو بواسطہ کمیات وکیفیات واحاطہ حدود ونہایات کے حاصل ہوتی ہے اور باری تعالیٰ تو جسمیت سے مبرا ہے اس لئیے کہ جسم مرکب ہوتا ہے اجزاء سے اور ہر مرکب وجود میں محتاج ہوتا ہے اپنے اجزاء کی طرف اور خدا تعالیٰ واجب الوجود ہے اور احتیاج منافی وجود کے ہے جب جسمیت سے پاک ہوا تو خواص جسمیت یعنی شکل وصورت سے بھی پاک ہوا پس جواب میں دیدار باری تعالیٰ کا کسی صورت میں ہونا جیسا کہ نور وغیرہ سور جمیلہ میں اس کو تجلی مثالی پر حمل کیا جائے گا کیونکہ تجلی حقیقی پر اس کا محمول کرنا محال ضروری ہے۔ مفتی شاہ دین سلمہ ربہ

[2] حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت بی بی مریم کے پاس آدمی کی شکل میں آنا اس وجہ سے تھا کہ حضرت بی بی مریم کو کلام کے سننے میں ان سے انست ہو مریم کے معنیٰ لغت عبرانی میں خادم کے ہیں کیونکہ آپ کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر کیا تھا اس لئے ان کا نام مریم ہوا جبرئیل کے لفظی معنیٰ عبداللہ کے ہیں کیونکہ جبر معنیٰ بندہ بے اختیار اور ایل بمعنیٰ اللہ ہے چنانچہ تفسر ابن جریر وابن ابی حاتم میں ابن عباسؓ وعکرمہؓ وعلقمہؓ سے مروی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس بھی کہتے ہیں چنانچہ ایک حدیث صحیح میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

استحالہ اور انقلاب نہ ہوا بلکہ جبرئیل اپنی صفت اور حقیقت پر ہی رہے اگر چہ نبی علیہ السلام کو حیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوئے ایسا ہی یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں محال نہیں خواہ بیداری میں ہو خواہ خواب میں اطلاق صورت کا جائز ہونا خبر کی جہت سے ثابت ہوا اور سلف سے بھی باری تعالیٰ پر صورت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اس میں بہت سے اخبار اور آثار منقول ہیں اگر اخبار و آثار سلف سے اس کا بولنا ثابت نہ ہوتا تب بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں صادق ہو اور سننے والے کے نزدیک خطا کا وہم نہ ڈالے بلا تحریم اور منع اس کا باری تعالی پر بولنا جائز ہے اور دیدار الٰہی کے لفظ سے بھی بسبب کثرت استعمال زبانوں کے نزدیک دیدار ذات کا وہم نہیں پڑتا اگر ایسا شخص فرض کیا جاوے جو اس کے نزدیک اس قول سے حق کے برخلاف وہم پڑے تو اس کے ساتھ یہ قول بولنا لائق ہی نہیں بلکہ اس کے لیے اس کے معنیٰ کی تفسیر کی جائے گی جیسا کہ ہم کو جائز نہیں ہے کہ ہم بولیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں اور اس کو ملنا چاہتے ہیں کیونکہ ان اطلاقات سے کئی لوگوں کو خیالات فاسدہ سمجھ میں آئے ہیں اور اکثر لوگ ان اطلاقات سے وہی معنیٰ سمجھتے ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور ان کو کچھ خیال فاسد نہیں ہوتا سو ان اطلاقات میں مخاطب کے حال کی رعایت کی جائے گی جہاں مبہم نہ ہو وہاں بغیر کشف اور تفسیر کے بولنا جائز ہے اور جہاں مبہم ہو وہاں تفصیل اور کشف ضروری ہے فی الجملہ اس بات پر اتفاق ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں دیکھی جاتی اور جو دیکھی جاتی ہے اس کی مثال ہے اور اس بات میں اختلاف ٹھہرا کہ بولنا لفظ دیدار کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر جائز ہے یا نہیں اب جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں مثال کا ہونا محال ہے سو یہ گمان اس کا خطا ہے بلکہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے لئے مثال بیان کرتے ہیں اور اس کی ذات کو مثل سے پاک اور منزہ جانتے ہیں نہ کہ مثال سے **فصل** جبکہ روح کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو ثواب وعذاب قبر بھی جان سکتا ہے روح جب بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو قوت وہمیہ بھی بدن سے چلی جاتی ہے اور بدن کے ہیئات میں سے کوئی چیز روح کے ساتھ نہیں رہتی اور یہ تجھ کو معلوم ہو چکا ہے قوام روح کا بغیر بدن کے بھی ممکن ہے ہر شخص کو اپنے مرنے اور دنیا سے جانے کا علم رہتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ خود ہے مرا اور اپنا ہی بدن دفن ہوا جس طرح کہ زندگی میں جانتا تھا قبر میں وہ اپنے اعمال نیک وبد کی جزاء پائے گا ہر ایک کے لئے اعمال کے لحاظ سے قبر یا تو باغ ہے یا گڑھا بمصداق حدیث نبوی کریم ﷺ کہ القبر اما روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر

النار[۱] اگر وہ نیک بخت ہے تو فراغ بالی و نیک حالت یعنی ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور ایسے سرسبز چمنوں میں جس میں غلمان وحوریں ہیں اور پاکیزہ پانی کے پیالے وغیرہ موجود ہیں جس طرح وہ اعتقاد رکھتا تھا اپنے کو پاتا ہے یہی ثواب قبر ہے اور اگر نہیں تو ان تکالیف میں جو عذاب کے طور سے اس کو پہنچتی رہتی ہیں جن کی خبر مخبر صادق نے دی ہے رہتا ہے اسی کو عذاب قبر کہتے ہیں قبر فی الحقیقت اسی حالت وصورت کا نام ہے اس میں ثواب ہے یا عذاب اور پھر زندہ ہونا قیامت میں جس کو دوسری پیدائش سے تعبیر کرتے ہیں نفس کا اس صورت سے نکل پڑنا ہے جیسا کہ بچہ بچہ دان سے نکل پڑتا ہے۔ قولہ تعالیٰ قل یحییها الذی انشأ هااول مرة وهوبكل خلق عليم[۲] قولہ تعالیٰ الذی جعل لکم من الشجر الا خضر ناراً فاذاأنتم منه تو قدون[۳] اس پیدائش کی روشن دلیل ومثال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ولله الحمد والمنة والصلوٰة علیٰ نبيه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

---

[۱] قبر چمن ہے جنت کے چمنوں سے۔ یا گڑھا ہے آگ کے گڑھوں سے۔

[۲] کہہ تو اے نبی (ﷺ) کہ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے اسے پیدا کیا وہ ہر ایک کے حال سے واقف ہے۔

[۳] یعنی سبز جہاں سے آگ نکالا جس سے تم سیکھتے ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ

امام حجۃ الاسلام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ ۴۵۰ھ میں بمقام طوس میں پیدا ہوئے وطن شریف آپ کا غزالہ ہے طوس کے دیہات میں سے تحصیل علوم آپ نے ابو حامد اسفرائی اور ابو محمد جوینی سے کی ابتداء میں آپ طوس میں رہے پھر بغرض تکمیل علوم بمقام نیشاپور امام الحرمین ابوالمعالی کے پاس تشریف لے گئے اصول وفروع مذہب امام شافعیؒ کے آپ ماہر تھے آپ کی تصنیفات کا مجموعہ چارسو جلدیں ہیں احیاء العلوم آپ نے ایک ہزار پچیس دن میں تالیف کی حل مسائل غامضہ کی تصنیف بعد احیاء العلوم کے ثابت ہوتی ہے تفسیر یاقوت التاویل آپ کی چالیس جلدوں میں ہے کیمیائے سعادت اور بسیط اور وسیط اور وجیز اور خلاصہ اور مستصفی اور تہافتہ الفلاسفہ اور محک النظر اور معیار العلم اور مقاصد اور مضنون بہ علی غیر اہلہ اور جواہر القرآن اور المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء الحسنیٰ اور مشکوٰۃ الانوار وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں کتاب نخول جب آپ تصنیف کر کے اپنے استاد امام الحرمین کی خدمت میں لے گئے تو انھوں نے فرمایا تم نے مجھ کو زندہ ہی دفن کر دیا یعنی تمہاری تصنیفات کے سامنے میری تصنیفات کی قدر جاتی رہی جب نظام الملک امیر بغداد کی طرف سے مدرسہ نظامیہ واقعہ بغداد کا منصب درس وتدریس آپ کے تفویض ہوا وہاں عرصہ تک آپ نے درس دیا آپ کا درس ایسا مقبول عام ہوا کہ جب مدرسے سے مکان کو آتے تو پانسو فقیہ دہنے بائیں بس وپیش آپ کے گرد ہوتے پھر آپ نے زہد اختیار کیا اور درس وغیرہ کو ترک کر کے قصد حج استوار کیا حج بیت اللہ سے کامیاب ہو کر ملک شام میں مراجعت فرمائی ایک عرصہ تک وہاں ریاضتیں کیں بعد ازاں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے وہاں سے مصر میں گئے کچھ مدت اسکندریہ میں رہے پھر جانب شام معاودت کی کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن مالوف طوس میں تشریف لے گئے اور آخر عمر تک اسی جگہ قیام فرمایا ایک عرصہ اور ایک خانکاہ بنوا کر اپنے اوقات کو تعلیم و دیگر امور خیر میں تقسیم کیا یہاں تک کہ دوشنبہ کے روز چودھویں جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں ۵۵ برس کی عمر میں رہگرای علیین ہوئے۔

ادخلہ اللہ فی جنۃ النعیم۔

میزان عمل

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی

تصنیف

مترجمہ

ملک نصر اللہ خان صاحب عزیز بی اے ایڈیٹر اخبار مدینہ

بجنور سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

دیباچہ

سعادت کی تلاش وجستجو میں ہر زمانہ کے لوگ سرگرداں رہے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور عمل کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی ان کی حقیقت اور اندازہ معلوم کرنے کے لئے علمائے سلف وخلف نے اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ ہم علم اور عمل میں تمیز کرنے اور پہچان کے لئے ایک معیار مقرر کریں اور کھرے اور کھوٹے کی شناخت کے لئے ایک کسوٹی معین کریں چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں کامل غور وخوض سے کام لے کر بتادیں کہ سعادت کے حصول میں سہل انگاری اور تکاسل سے کام لینا حماقت ہے اور اس کے لئے علم وعمل کا اجتماع لازمی ہے۔

اس سے بہرہ اندوز ہونے کا طریق معین کریں اور بتائیں کہ عمل سعید کیا ہے اور اس کا رستہ کیا ہے ان تمام امور کی توضیح کے لئے ہم دلائل وبراہین پیش کریں گے محض تقلیدی رنگ مدنظر نہ ہوگا۔ یہ درست ہے کہ اس طرح تحریر طویل ہو جائے گی لیکن کیا کریں اس کے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ ہم کوشش کریں گے کہ علم کے اصول وقوانین کی حدود سے تجاوز نہ کریں، واللہ المستعان

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول

پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے غزالی

فصل

سعادت کی طلب میں سہل انگاری حماقت ہے

سعادت اخروی سے ہماری مراد ہے وہ بقاء جو غیر فانی ہے۔ وہ شراب نشاط جس میں دردو غم نہ ہو وہ مسرت جس کو غم کی تلخی منغص نہ کرے، اور ایسی عزت ابدی جو ذلت سے آشنا نہ ہو۔ وہ بے فکری و استغناء جس میں احتیاج کو کبھی دخل نہ ہو اور وہ کمال جسے زوال نہ ہو، ساتھ ہی ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جاسکتی ہے، ہر وہ شے جس کے لئے دل تڑپ سکتا ہے، حاصل اور موجود ہو، ہاں اور یہ چیزیں ابدالآباد کیلئے ہوں اور زمانے کی تیز تلوار ان کا رشتہ منقطع نہ کر سکے، فرض کرو کہ تمام دنیا اناج سے اٹی پڑی ہے پھر ایک پرندہ ہے جو ہزار سال کے بعد ایک دانہ اس میں سے چگ لیتا ہے، تو یقین سمجھو کہ ایک روز وہ اناج ختم ہو جائے گا لیکن سعادت اخروی کا وہ گنج بے پایاں ہے جو کبھی نمٹ نہیں سکتا اس قسم کی نعمت عظمیٰ کی ترغیب و تحریص دلانے کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں۔

جب کہ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ تمام عقل منداور سمجھدار لوگ اس سے بدرجہا کمتر اور ادنی چیزوں کے حصول کے لئے ہزاروں قسم کے مصائب و تکالیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور دنیا کی لذتیں تیاگ دیتے ہیں رنج و مصائب ہزار بیشمار ہوں آخر ختم ہو جاتی ہیں اور دنیا کی لذتیں لاکھ بے حساب ہوں آخر گزر جاتی ہیں ہمارے نزدیک تو عقلمند وہی شخص ہے جسے آئندہ کی یقینی اور بہتر نعمت کیلئے موجودہ اور ادنیٰ شے کو چھوڑنا آسان ہو۔ چنانچہ جو لوگ صنعت اور تجارتی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس زرین اصول کے خوب کاربند ہیں۔ علم و فن کی تلاش میں لوگ غریب الوطن، فقر و فاقہ۔ ذلت اور برتر از وہم و قیاس مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں اور ان کے قلب اور سکون خاطر کی ذمہ دار صرف یہ بات ہوتی ہے کہ زمانۂ مستقبل میں وہ گوہر گراں ہاتھ لگ جائیگا جو زمانہ حال کی تمام تکالیف و شدائد کا بہترین عوض اور موجودہ رنج و ملال کا بہترین اجر ہوگا۔ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو زر و مال کا طالب نہ ہو اور اسے کہا جائے کہ تمہیں ایک ماہ کے بعد اکسیر اعظم دیدی جائیگی بشرطیکہ تم گھر

سے سونا خرچ کرو اور ایک ماہ تک انتظار کرو تو وہ اس پر عمل نہ کرے اگر کوئی شخص اس قسم کی آئندہ نعمتوں کی امید میں تھوڑی سی بھوک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اسے کوئی شخص عقلمند تصور نہیں کر سکتا اور شاید اس قسم کے شخص کا وجود بھی عنقاء کا حکم رکھتا ہے۔ حالانکہ دنیا فانی ہے موت گھات میں اور سونا آخرت میں کام نہیں دیتا اور ممکن ہے کہ وہ مہینے کے اندر یا بعد جان جان آفرین کے سپرد کر دے غور کرو کہ یہ شخص اکثیر کی طمع میں بیدریغ مال و زر خرچ کرنے کے لیے تیار ہے اور ہر طرح کی مصیبت اٹھانے کے لئے آمادہ۔ پھر عقلمند لوگ اس عمر ناپائیدار میں جس کی حد سو سال ہے اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی لذتوں کی حد بندی کرنے میں کیسے کوتاہی کر سکتے ہیں جبکہ اس عمل کا حوض عیش سرمدی اور آرام جاوداں کی صورت میں ملنے والا ہے

عرفی اگر بہ گریہ میر شدے وصال
صد سال مے تواں بہ تمنا گریستن

اور جو ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ سعادت کی شاہراہ گامزن ہونے سے گریز کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھیں قیامت پر پورا یقین ہی نہیں ورنہ عقل ناقص کا بھی تقاضا ہے کہ سعادت کے حصول کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے چہ جائے کہ وہ لوگ اس کا انکار کریں جو عقل کامل سے بہرہ مند ہیں۔

فصل

قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

ہماری رائے ہے کہ قیامت کے متعلق ایمان میں کوتاہی کرنا بھی بیوقوفی پر دال ہے کیونکہ اگر غفلت وخود فراموشی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پرواہی بھی نہ ہو آخرت کے باب میں لوگوں کے چار گروہ ہیں۔

اول وہ گروہ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر ونشر اور جنت ودوزخ بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے اور ان میں سب سے زیادہ رطب اللسان اور فصیح قرآن ہے ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح پر ہونگی جیسے دنیا میں مباشرت کھانا، پینا، سونگھنا چھونا، پہننا اور دیکھنا ہے۔ اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر مستزاد اور قسم قسم کی لذات وسرور ہونگی۔ لیکن ان لذتوں کی کیفیت اور صنف حیطۂ بیان سے باہر ہے یہ وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کان نے سنی نہیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصوف سما سکتا ہے۔ یہ غیر منقطع ہے اور ابد الاباد تک رہے گی یہ علم وعمل کی بدولت ہی حاصل کی جا سکتی ہے اس گروہ میں تمام مسلمان اور یہود ونصاریٰ کا اکثر حصہ داخل ہے۔

دوسرا فرقہ جس میں مسلمانوں فلاسفہ کا وہ طبقہ جو الٰہیین کہلاتا ہے داخل ہے کہتا ہے وہ ایک قسم کی لذت ہے جو انسانی قلب کے تصور میں نہیں آسکتی اس کا نام لذت عقلی ہے اور حسیات تو خارجی طور پر ان کی موجودگی کے وہ منکر ہیں ہاں جیسے نیند میں ہوتا ہے خیالی طور پر ان کا وجود ہوسکتا ہے لیکن نیند کے حالات بیداری کیساتھ زائل ہو جاتے ہیں اور یہ ہمیشہ رہیں گے ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں اور جن کے دل اس جانب بہت مائل ہیں وہ ان کو لذات عقلیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے بہر حال اگر آخرت کی کیفیت صرف اسی قدر ہو تو بھی اس کی طلب میں کوتاہی مناسب نہیں وجہ یہ ہے کہ لذت بھی وہی چیز دیتی ہے جس کے ذوق سے انسان کا دل چھونے کھانے یا دیکھنے کے ذریعہ متاثر ہو چکا ہو۔

خارجی امور حصول اثر کا موجب ہیں لذت ایک داخلی اثر ہے جو خارجی اشیاء کی

موجودگی سے پیدا ہوتا ہے جب بغیر خارجی امور کے وجود کے تاثرات حاصل ہو سکتے ہیں جیسے حالت نوم میں تو ان کی موجودگی میں اثرات کے حصول کے متعلق تو کوئی شک وشبہ کو گنجائش نہ رہی۔

تیسرا طبقہ: یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت حسیہ کے انکار کی طرف گئے ہیں ان کا خیال ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے موت بدن اور روح میں جدائی ڈالدیتی ہے اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے جب ایک دفع روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی چنانچہ صرف آلام ولذات باقی رہتی ہیں یہ حسی نہیں بلکہ بزرگتر ہیں انسان اس عالم میں طبعی لذات عقلیہ کی جانب مائل ہے اور اس سے زیادہ آلام عقلیہ سے نفور یہی وجہ ہے کہ حصول معاش میں لذت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے سزا کے وقت علیحدگی کو دوست رکھتا ہے مباشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے وقت اسے پردہ داری محبوب ہے اور گزشتہ رنج وآلام اور مصائب کی یاد اسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ شطرنج کھیلنے والے دو ایک روز تک شطرنج کے شوق میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں کیونکہ کھیل کی لذت عقلی کھانے کی لذت حسی پر غالب آ جاتی ہے لذت عقلی کے غلبہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے جم غفیر پر پل پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اس حرکت کے پیچھے یہی خیال کارفرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت وجوانمردی کی تعریف کرینگے اور یہی خیال اسے زندگی کو خیرباد کہہ دینے پر ابھارتا ہے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حسیات ان لذات کے مقابلہ میں جو دار آخرت میں ہونگی کوئی نسبت نہیں رکھتیں ممکن ہے ان کی نسبت ان کے ساتھ وہی ہو جو نفیس ولذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے بلکہ اس سے بھی دور تر کی کوئی نسبت ہو ان کا گمان ہے کہ جب عوام کے فیضان سے یہ باتیں بلند تر ہیں تو مثال کے طور پر ان کے سامنے انہیں لذات کا بیان کیا جاتا ہے جن سے وہ آشنا ہیں جیسے ایک لڑکا ہو اور اسے فضل وقضا اور وزارت کے عہدے پر فائز کرنے کے لئے تعلیم دی جائے تو چونکہ وہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی حقیقت سے نا آشنا ہے اور ان کی کیفیت نہیں جانتا اس لئے اسے ان چیزوں کی ترغیب دی جاتی ہے جن کی لذت سے وہ واقف ہے مثلاً گیند جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہے یا چڑیا جسے وہ اڑاتا ہے حالانکہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہاں گیند اور چڑیا سے کھیلنا اور کہاں حکومت ووزارت کی لذت لیکن چونکہ اس کا فہم اعلیٰ شے کے ادراک سے قاصر

رہتا ہے اس لئے اس کے سامنے ادنیٰ بات کی مثال پیش کی جاتی ہے اور وہ اپنی استعداد کے مطابق بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے اگر لذات آخرت کو صرف اسی کے مطابق بھی مان لیا جائے تو طلب وجستجو میں کوتاہی مناسب نہیں بلکہ جدوجہد کو دوگنا کرنا چاہئے صوفیہ اورانہیں اسی طرف گئے ہیں اول سے آخر تک یہاں تک کہ مشائخ صوفیاء نے تصریح کر دی ہے اور مزید تشریح کی گنجائش نہیں رکھی اور وہ کہہ اٹھے ہیں کہ جو شخص طلب جنت کے لئے یا خوف دوزخ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ لئیم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف قصد کرنے والوں کا مقصود ان چیزوں سے بہت بالاتر ہے جو شخص مشائخ سے ملے گا ان کے عقائد کے بارے میں ان سے گفتگو کرے گا اور ان کی مصنفات کا بغور مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہو جائیگا کہ ان کا یہ اعتقاد ان کے احوال کے عین مطابق ہے۔

فرقہ چہارم، عوام اور جہلاء مطلق کا گروہ ہے جو اپنے نام کے ہجے بھی نہیں جانتے ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے اور طاعت ومعصیت کی جزاء وسزا نہیں انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست ونابود ہو جاتا ہے جس طرح ولادت سے قبل تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ مذہب کسی جماعت کا نہیں کہ نہ ہی کسی مشہور صاحب نظر سے منسوب ہے البتہ یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے جن پر خواہشات نفسانی کا دیو غالب اور ان کا شیطان ان پر مستولی ہو چکا ہے وہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنے پر قادر نہیں ان کی خود پسندی اور خود برائی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقاومت خواہشات میں اپنے عجز کا اعتراف کریں چنانچہ اپنے قصور فہم کے باعث وہ عذر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی بات واجب اور حق ہے اپنی بات کی پچ رکھنے کے لئے وہ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور باطل کی پیروی میں محور ہو جاتے ہیں اتباع ہوائے نفسانی بیوقوفوں کو سب سے زیادہ باطل عقیدوں کی تصدیق میں عجلت کرواتی ہے بعض بدبخت اس عقیدہ باطل کو بعض مشہور دقیقہ رس علماء مثلاً ارسطو فلاطون یا کسی اور فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں یہ ایک فریب ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں سامع سے کہتے ہیں میاں تمہاری معرفت ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی ٹوہ میں صرف کر دیا ہے غریب اور سادہ لوح سامع اس تلبیس کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے ظالموں سے کوئی حوالہ طلب نہیں کرتا جس سے معلوم ہو کہ واقعی ان لوگوں کا یہ مذہب تھا حالانکہ اگر اسے کوئی ایسی اطلاع دی جائے جس سے اس کا چند ٹکوں کا نقصان ہوتا ہے تو اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک

کوئی دلیل و برہان پیش نہ کی جائے اگر کوئی شخص اسے کہے کہ تمہارے باپ نے فلاں شخص سے دس روپے دینے کا اقرار کیا تھا اب اس کے ترکہ میں سے ادا کرو اس کے پاس ایک دستاویز بھی ہے جس پر گواہوں کے دستخط بھی ثابت ہیں تو وہ فوراً پکار اٹھے گا حجت لاؤ اور زندہ گواہ کہاں ہے جو اس کی شہادت دے اور دستاویز اور نقل خطوط کا کیا اعتبار ہے پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص چند ٹکوں کے باب میں اس قدر محتاط تھا مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہ ہے کہ مذہب کی بابت کے حوالے کی تصدیق کے وقت دو گواہ بھی طلب نہیں کرتا جو اس امر کی شہادت دیں کہ ہاں ہم نے یہ بات سنی ہے اور بغیر کسی تحریر یا اس کی تصانیف دیکھنے کے اگرچہ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہو آمنا وصدقنا پکار اٹھتا ہے حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اپنے کانوں سے بھی سن لے پھر بھی اسے تسلیم کرنے میں توقف کرے جب تک اس کے بارے میں کوئی دلیل و برہان نہ مل جائے اگر صرف دیکھا دیکھی پیروی کرنا مقصود ہے تو انبیاء اولیاء علماء کی تقلید بلکہ جمہور انام کی پیروی اس ایک شخص کی تقلید سے اولیٰ ہے جو خطا سے معصوم ہے۔

ان تمام معتقدات کو سن لینے کے بعد اگر تم متلاشی حق ہو تو اس گمراہ فرقہ کے اعتقاد کے بارے میں تمہاری حالت چار باتوں سے خالی نہیں اول یہ کہ تم قطعاً اس کے بطلان کے معترف ہو دوم یہ کہ تم اس کے بطلان کے متعلق ظن رکھتے ہو سوم یہ کہ اس کی صحت کے بارے میں تمہیں ظن غالب ہو یا امکان بعید کے طور پر اس کے بطلان کو درست سمجھو اور چہارم یہ کہ اس کی قطعی صحت کے متعلق تمہارا یقین ہو بہر حال تمہاری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تم علم وعمل میں مشغول ہو جاؤ اور لذائذ دنیوی سے اعتراض کرو ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری عقل سلیم اور طبیعت نیک ہو تم پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں تمہاری عقل کا اقتضائ یہی ہے کہ تم علم وعمل کی طلب میں کمر ہمت چست باندھ کر سرگرم عمل ہو جس طرح دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ طلب نفع کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری مہیا کی جائے یا طلب ریاست کے لئے اول شباب میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کوئی اور عزت وجاہ کے منصب کے حصول کے لئے اس کے مطابق کوشش کی جائے حالانکہ ان تمام امور کے نتائج ظنی ہیں اور قطعی نہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حریص آدمی کے دل میں یہ بات سما جائے کہ کیمیا کا وجود عنقا نہیں اور اسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی مشقت کے بعد وہ اس سے ہم آغوش ہو جائیگا اور عیش کے بسر اوقات کریگا تو اس کی عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ مصیبت و مشقت کا مہینہ خوش خوش بسر کر دے اور اس تکلیف کو حقیر سمجھے اگر اسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں تو بھی

کامیابی کا خیال اس کے لئے صد وجہ تسلی ہوتا ہے۔

اگر تم تیسری حالت میں ہو اور اس کی صحت کا ظن غالب ہو انبیاء اولیاء اور جمہور علماء کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو تو بھی تمہاری عقل یہی کہے گی کہ طریق امن وسلامتی پر گامزن ہونا اور خطرناک صورت حالات ۔ سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور محرمان راز میں سے ہو سکو مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا ظن غالب ہو کہ اس کے سرانجام دینے سے بادشاہ سلامت خوش ہو کر تمہیں خلعت و دینار عطا فرمائینگے ساتھ ہی ظن غالب کے خلاف ایک احتمال بھی ہو اس امر کا کہ کسی وقت ممکن ہے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے وہ غضبناک ہو کر تمہیں عذاب شاہی میں مبتلا کرے تمہاری ذلت ورسوائی کا موجب ہو اور تمہیں تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈالدے تو تمہاری صائب رائے یہی مشورہ دیگی تم اس خطرے میں کودنے سے پرہیز کرو کیونکہ اگر تم اس خدمت کے سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر تمہارا ساتھ نہ دے گا اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو تمہاری زندگی بھر تمہارا پیچھا چھوڑنے کا نہیں اس کے لیئے کامیابی کا ثمرہ ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہوسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک طشت رکھا ہوا اور چند لوگ یا ایک شخص کہدے کہ یہ زہر آلود ہے حالانکہ اس کا حال نبیوں کا سا بھی نہ ہو جو معجزات کے ذریعہ سے اپنے قول کی تائید کی قدرت بھی رکھتے ہیں پھر تم اس کے کذب کے متعلق ظن غالب بھی رکھتے ہو جس طرح تم تیسری صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے کذب کا ظن غالب رکھتے ہو تو تم اسے سچا ہی سمجھنے کی کوشش کرو گے اور سمجھو گے کہ کھانا کھالینے میں لذت ہے اور زبان کا چٹخارا لیکن اگر وہ زہر آلود ہوا تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ اس لحاظ سے بھی عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم دانشمند ہو تو خطرے سے اجتناب ہی کرو چنانچہ کہتے ہیں حضرت علیؓ سے ایک شخص نے آکر جھگڑنا شروع کیا اور امر آخرت میں شک وشبہ کا اظہار کیا حضرت علیؓ سے ایک نے فرمایا میاں البحث ومجادلے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں اگر تو صورت حالات وہی ہوئی جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائینگے لیکن اگر بات وہی نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم تو مارے جاؤ گے اور ہم

نجات پا جائیں گے حضرت علیؓ کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا صریح ستم ظریفی ہوگی کہ امیر المؤمنین کو امر آخرت میں کوئی شک وشبہ تھا نہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی تنبیہ ہے مخاطب کی حد جہل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر ہے اس طرز استدلال کو ہم نے استعمال کیا ہے تا کہ جو لوگ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور باطل پرستی کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنا آسان ہو جائے۔

یہ بات قطعی طور پر واضح ہوگئی کہ کوئی عظیم الشان مصیبت اگر چہ معلوم نہ ہو احتمال کے رو سے اسے یقین مستقر پر ترجیح دینی چاہیے وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اضافی ہوتا ہے تو چاہیے کہ تم عمر کے انجام اور اسودہ حال لوگوں کے حصہ دنیا پر غور کرو اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے دوام کے بارے میں جو تین فرقوں کا اعتقاد ہے اسے قبول کرو اور بدیہی طور پر جان لو کہ دنیا کے عیش وآرام سے جو تم حصول آخرت کے بدلے میں چھوڑتے ہو نہایت حقیر ہے۔

اور اگر تم چوتھی صورت میں ہو یعنی تم چوتھے گروہ کے معتقدات کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو ہم تمہاری انتہائی جہالت وقصور فہم کو مدنظر رکھ کر دو طریق پر تم سے خطاب کریں گے اول یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی حقیقی اور ضروری دلیل نہیں گو غلط ثابت نہ کیا جا سکے حتی کہ کہا جائے تمہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت میسر ہوئی ہے جس کو انبیاء اولیاء حکماء اور جملہ عاقل لوگ معلوم کرنے سے قاصر رہے جب اس قدر بزرگ باوجود اپنی کثرت تعداد وسعت معلومات بلندی نظر اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اس کے متعلق غلطی میں پڑ گئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس معاملہ میں صحیح مسلک پر گامزن ہو اور غلطی سے محفوظ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کر لو لیکن اگر تم کہتے ہو کہ ممکن ہے کہ ان لوگوں سے بھی غلطی ہوگئی ہو اور مجھ سے بھی غلطی ہوگئی ہو تو تم تیسری حالت میں ہو جاؤ گے پھر اگر تمہارا سینہ اس قدر وسیع نہیں کہ اس بات کو بھی قبول کر سکو اور کہو کہ میں نے تمام دنیا کے اعتقاد کا باطل ہونا پہچان لیا ہے اور یہ محال ہے کہ روح موت کے بعد پھر از روئے جوہر باقی ہو یا پھر لوٹ کر آئے اور اس بات کا تمہیں ایسا ہی یقین ہو جیسے تم معلوم کر چکے ہو کہ ایک تمہاری بد مزاجی اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے اور اس قسم کا دشمن عقل وخرد ایسے مرض میں گرفتار ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں آہ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل یہ لوگ چار پائے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔

دوم یہ لوگ سعادت اخروی کا انکار تو کرتے ہیں لیکن دنیوی سعادت کے منکر نہیں

ہیں اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے؟ عزت و حرمت، بلند اقبالی حکومت قدرت و اختیار رنج و بلال غم و آلام سے سلامت رہنا اور ہمیشہ راحت و آرام سے زندگی بسر کرنا تو یہ امور بھی علم و عمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آ سکتے علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اسے کوئی شخص معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی باطل جیسے دنیا کی حکومت اور سیادت سے کوئی افسر معزول و موقوف ہو سکتا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علماً کو علم اور انکشافات علمیہ میں جو وہ اکثر مشکل مسائل کے حل کرنے میں خصوصاً جب وہ مسائل زمین و آسمان کے ملکوت اور الہیات سے متعلق ہوں وجدانی کیفیت اور لطف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنھیں مشکلات حل کرنے کا بھی موقعہ میسر نہیں ہوا پھر یہ ایسی لذت ہے۔ جس کی انتہاء نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ٹوک ہے کیونکہ جوں جوں وارفتگاں علم کی کثرت ہوتی جاتی ہے توں توں معلومات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں بلکہ جب عالم حطام دنیا اور اس کی ریاست کا طالب ہو تو کثرت شرکائے وہ علم سے زیادہ انس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا ہی تو ہے جو مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے اور علم تو کثرت طلاب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے پھر باوجود یکہ دنیا کا کامل ترین لذات میں سے ہے اس شخص کے لئے جو اس سے مایوس ہے تو وہ زیادہ دائمی ہو جاتی ہے جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ اور اس کے فرشتے ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ عالم خالصۃً علم کا ہو رہے اس لئے تم دیکھتے ہو کہ روٗسا اور والیان ملک ہمیشہ معزول ہو جانے کے سوہان روح میں مبتلا رہتے ہیں اور ان کو بھی اشتیاق ہوتا ہے کہ ان کی عزت علماء کی سی ہو۔

عمل سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو درست راستہ پر لگایا جائے رہوار غضب کو ضبط غیض کی لگام دی جائے اور نفسانی صفات کو توڑا جائے تا کہ نفس عقل کے تابع ہو جائے اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہو اور اپنی حاجات کے بر لانے میں جو تدابیر وہ اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل

پس کوئی شخص اپنی صحت کو مغلوب کر لے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد اور زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا میری سلطنت تمہاری حکومت سے عظیم تر ہے بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ جس کے تم بندے ہو وہ میرا غلام ہے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے اور زاہد کی خواہشات نفسانی مقہور و مغلوب ہو چکی

ہیں خواہشات نفسانی کا بندہ جوان پر غالب نہیں آ سکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے دائمی رنج و غم میں مبتلا اور متواتر مصیبت میں گھرا رہتا ہے اگر ایک روز اپنی مراد دلی سے شاد کام ہو لیتا ہے تو کئی روز مایوسی و نامرادی سے ہم کنار رہتا ہے اس کے علاوہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اسے ہزاروں قسم کے خطرات سو طرح کے مصائب اور لاکھوں مشقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی اسباب رنج و الم کی حد بندی ہے اور ان کو مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت مجاہدے کو کام میں لایا جائے اور یہی عمل کے معنیٰ ہیں یا تو جب عالم باعمل کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے جو سعادت کو صرف دنیا میں ہی محدود سمجھتا ہے۔ (دنیا کسی کی ہو کے نہیں رہتی اور اس کی لذتیں اس کی مصیبتوں سے بھی زیادہ ہیں) اتباع شہوت میں غرق رہنے والا اور معقولات میں نظر و فکر کرنے سے اعراز کرنے والا شخص بالاتفاق دنیا میں شقی اور بدبخت ہے اور تینوں فرقوں کے نزدیک وآخرت میں بھی بے نصیب ہے ہاں بیوقوفوں کی ایک قلیل جماعت جن کی ہستی کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی عقل مندوں میں ان کو گنا جا سکتا ہے مستثنیٰ ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم و عمل میں کوشش و مستعدی کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے وہ جاہل ہے اگر تم پوچھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا، جو اس میں کوتاہی کرتے ہیں لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے یہی غفلت ان کی زندگی پر مستولی ہے لوگ اس وقت تک اس خواب خرگوش سے بیدار نہیں ہوتے جب تک خواہشات متواتر اور پے در پے آ کر ان کو فریب دیے رکھتی ہیں ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے ایک پاکیزہ سیرت واعظ کی ضرورت ہے افسوس کہ موجودہ زمانے میں اس قسم کے لوگ عنقا ہو چکے ہیں اور اگر شاذ و نادر طور پر کوئی ہو بھی تو یہ لوگ اس کی جانب ملتفت نہیں ہوتے اور اگر التفات کریں اور کچھ احساس اور حسن عزم زمانہ مستقبل میں طاعت میں یکسو ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہو تو ہوا و ہوس ان پر ہجوم کر کے آتی ہے اور تنبیہ و اعتبار کی جو روح ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے غفلت و خود فراموشی کا پردہ لوٹ آتا ہے۔ اور عقل مند انسان پھر اپنی نامطبوع حرکات کا مرتکب ہونے لگتا ہے جن سے اسے منع کیا گیا تھا اور وہ اسی مہلک اور خطرناک رستہ پر گامزن رہتا ہے حتیٰ کہ

ہادم لذات اس کی روح وجسم میں جدائی ڈال دیتی ہے یہ تمام ہوا پرستیاں یہ جملہ شہوات کی پیرویاں اور یہ سب بدعملیاں اسے موت کی دستبرد سے بچا نہیں سکتیں اس وقت حسرت ونامرادی کے سوا اور کوئی چارہ کار اسے نظر نہیں آتا اللہ ہمیں اس غفلت وبدمستی سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ یہی تمام شقاوت وبدبختی کی جڑ بنیاد اور اصل الاصول ہے۔

فصل

شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل

اگر تم کہو کہ یہ تو ہم پر واضح ہو گیا کہ شاہراہ سعادت پر قدم زنی عقل مندی کی دلیل ہے اور اس میں سستی اور تساہل سے کام لینا جہالت کا ثبوت لیکن جو شخص اس راستہ سے واقف ہی نہیں وہ کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ اور ہم کس طرح معلوم کریں کے علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے تا کہ ہم اس پر توجہ صرف کریں تو اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔

اول **مجملا** پرانا راستہ ہی مناسب ہے یعنی تم اس راستہ پر ملتفت ہو جاؤ جس پر اول تین فرقے متفق الرائے ہیں ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ فوز ونجات صرف علم اور عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے وہ اس امر میں متفق اللسان ہیں کہ علم عمل سے اشرف ہے عمل گویا علم کا تتمہ ہے عمل علم کو اپنے پروں کو لیکر مائل پرواز ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے اس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کلمات طیب اسی کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح ان کو بلند کرتا ہے، پاکیزہ کلمات بحث ونظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو یہی صعود ہے اور یہی موقعہ پر پہنچنا ہے عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے اور لیکر چلتا ہے علم کی علومرتبت کے بارے میں یہ ایک تنبیہ ہے۔

فرقہ اول جمہور پر مشتمل ہے اور مفہوم اول یعنی ظاہر شرع پر متمسک ہے اس کا مذہب ومسلک علم وعمل کے ذریعہ نجات ہونے کے متعلق بالکل صاف اور عیاں ہے اور اس کا مکمل بیان احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔ صوفیا اور فلاسفہ بھی جو اللہ اور یوم آخرت پر بالجملہ ایمان لا چکے ہیں اگرچہ اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف الرائے ہیں اس امر میں متفق الخیال ہیں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں مضمر ہے باوجود اسکے ان لوگوں کا علم اور عمل کی تفصیل کا انتظار کرنا

اور باوجود اس اتفاق رائے کے توقف کرنا سراسر حماقت ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطباء کی کتابیں اور ان کے اقوال باوجود اصناف طب کے اختلاف کے اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے مبردات مفید ہیں تو اگر مریض اس میں توقف کرتا ہے تو اس کی عقل میں فتور ہے بلکہ ایسی حالت میں تو اسے نہایت مبادرت سے کام لینا چاہیے تھا ہاں بعض اوقات مریض کو مرض کے ازالہ کے بعد اس امر کا موقعہ مل جاتا ہے کہ اس بات کے متعلق تحقیقات کرے۔ تقلید جمہور کے لئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور مبردات کے مرض کے ازالہ کے لئے مناسب ہونے کی وجہ کا راز معلوم کرنے کے لئے چنانچہ اسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے اور جب غور فکر سے مستقل طور پر کام لیتا ہے تو اتباع و تقلید کے عمیق گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت ہونے کی فلک پیما چوٹی پر پہنچ جاتا ہے غرض صوفیہ اور ان کے علاوہ تین فرقوں کا یہی دعویٰ ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اس مقام کو بصیرت اور تحقیق کے ذریعہ حاصل کر لے اس کی صورت یہی ہے کہ تم موت کی حقیقت کو پہچان لو اور اس بات سے خوب واقف ہو جاؤ کہ موت آلہ کو ناقابل استعمال کر دیتی ہے۔ اسے معدوم نہیں کرتی۔

اس کے بعد یاد رکھو کہ اول ہر ایک چیز کی سعادت اس کی لذت اور راحت صرف اس چیز کا کمال خاص حاصل کر لینے میں مضمر ہے دوم انسان کے لئے کمال خاص یہ ہے کہ وہ ان عقلیات کی حقیقت کا ادراک کر لے جن پر اس کی ہستی کا دارومدار ہے ان سے وہ توہمات اور محسوسات خارج کر دینے چاہئیں جن میں ان کے ساتھ حیوان بھی مشترک ہیں۔ سوم روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے سخت تشنہ کام ہے اور فطری طور پر اس کے لئے مستعد، شہوات بدنیہ، اور دوسرے عوارض میں اس کا مشغول و مصروف ہو جانا اسے اس کمال کے حاصل کرنے سے مانع ہے جب انسان ان پر غالب آ جائے شہوات کو توڑ دے ان کو بے دست و پا کر دے عقل کو اس کی غلامی سے رہا کر دے۔ اور اس کی حلقہ بگوشی سے آزاد اس وقت انسان ملکوت السمٰوٰت والارض مطالعہ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کرتا ہے بلکہ اپنے نفس اور اس کے متعلق عجائبات کو نظر عمیق ملاحظہ کرتا ہے یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پالیتا ہے دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت اندوز ہوتا ہے کیونکہ سعادت کے معنیٰ یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اس کمال کو پالے جو اس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں اس لذت سے ذوق

آشنا نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص ہو جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیز ترین کھانا رکھیے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہ ہو گا لیکن اگر یک لخت اس کی حس ذائقہ عود کرائے تو وہ فوراً کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا اس لحاظ سے موت کی مثال حسی ذائقہ کے عود کر آنے کی سی ہے چنانچہ میں نے بعض سر آمد حلقہ تصوف کو سنا کہ فرماتے تھے سالک الی اللہ جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ کے اس گوشۂ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے بشرطیکہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکے اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ علائق دنیوی سے یکسر علیحدگی اختیار کی جائے اور امور الہیہ میں فکر و نظر پر پوری ہمت صرف کی جائے حتیٰ کہ الہامات الٰہی کے روشن رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنے لگے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ روح کو ان تمام کدورتوں سے صاف کر لیا جائے اس مقام بلند پر پہنچنے کا ہی دوسرا نام سعادت ہے اور عمل اس کے لئے مدو معاون ہے پس یہی وہ گروہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معارفت کو مناسبت حاصل ہے چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا جو کچھ انھوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان مجاہدہ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، جیسے کہ اللہ نے فرمایا الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنے راستہ دکھادیں گے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کرو بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف تم پر نفی و اثبات کے ذریعہ سے ہو گا تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم علم و عمل سے مشروع کرو جس پر تینوں فرقوں کا اتفاق ہے کیونکہ تمہاری غرض سوال سے بحث و جدال نہیں بلکہ جستجوئے کامرانی ہے۔ اس مریض کی مانند کہ جب تمام اصناف کے طبیب اس کے مرض کے بارے میں متفق الرائے ہو جائیں تو بغیر جھگڑا کرنے کے شفا کی طلب میں مصروف ہو جاتا ہے

فصل

تزکیہ نفس کا اجمالی بیان

اگر تم کہو کہ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ علم و عمل میں مشغول ہونا واجب ہے لیکن علوم بے شمار ہیں اور یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ نوع اور مقدار کے لحاظ سے کثیر اور مختلف ہیں مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ مبردات بیماری کو نافع ہیں جب تک مبردات کی نوع ان کی مقدار

ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یا متفرق طور پر استعمال کرنے کا طریق وغیرہ وغیرہ جو امور ضروری طور پر تفصیل کے محتاج ہیں معلوم نہ ہوں۔ لہذا نہایت ضروری ہے کہ قسم اور کمیت بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے ان سوالات کا مجمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں پر منقسم ہیں۔

اول وہ لوگ جو تقلید پر قانع ہیں وہ بحث ونظر کی مشقت گوارا کرنے سے مستغنی ہیں بلکہ وہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی موجب سعادت وطمانیت سمجھتے ہیں۔

دوم وہ لوگ جو تقلید کا ممنون ہونا پسند نہیں کرتے وہ مریض کی طرح طبیب کے فرمودہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں بلکہ ان کو اس امر کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اطبا کا رتبہ حاصل کرے یہ منزل بہت دور کی ہے اس کے لئے نوح علیہ السلام کی عمر چاہیے اس منزل کو پالینے کی سعادت صدیوں میں کسی ایک کو ملتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر طور پر لیکن ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں تقلید اور پیروی کی ذلت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے طریقے بتادیں اگر توفیق الٰہی تمہاری امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا داعیہ تمہارے دل میں پیدا ہو جائے تو تم مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ یاد رکھو تم اپنی آرزو کو نہیں پا سکتے جب تک اپنے نفس اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت کا حق حاصل نہ کرلو کیونکہ جو شخص زید سے واقف نہیں وہ اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کرسکتا ہے مجاہدہ معالجہ نفس ہے جس سے اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کرلیتا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاکیزہ بنایا اور وہ نائب وخاسر ہوا جس نے اسے دبائے رکھا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اس کی میل کے دور کرنے کا تصور کیسے کرسکتا ہے چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملہ کو تخصیص واکرام کے طور پر عظمت عطا فرمائی اور اس کو اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا انی خالق بشراً من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں سے ادراک حاصل کرتا ہے اور نفس عقل اور بصیرت سے نہ حواس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسد کو مٹی کی نسبت دی اور اس کی روح کو اپنی ذات سے خداوند کی زبان میں روح وہی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے اور یہ اس لئے کہ ارباب بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ نفس انسانی امور الٰہیہ میں سے ہے اور پست درجہ اجسام ارضی سے ارفع اور زبردست تر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ویسئلونک عن الروح قل الروح من امرر بی تم سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا تھا اے بنی آدم اپنے نفس کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان لو گے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسہ اعرفکم بربہ تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے اور ولا تکونوا کا لذین نسوا اللّٰہ فا نساھم انفسھم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے لازم وملزوم کا تعلق رکھتے ہیں ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے مرادف ہے۔ اسی لئے فرمایا سنریھم اٰیاتنافی الآفاق وفی انفسھم اور وفی انفسکم افلا تبصرون یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو بہائم کو بھی نظر آتا ہے کہ چہ جائیکہ انسان کو مختصر یہ کہ جو شخص اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا وہ دوسری خارجی اشیاء سے بدرجہ اولیٰ بے خبر ہوگا اللہ عزوجل کے بندوں پر خاص الخاص رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے انسان کے وجود میں باوجود اس قدر صغیر الجثہ ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور اوصاف وخصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا حریف ہو رہا ہے گویا تصنیف عالم کی یہ ایک جیبی تقطیع ہے اور یہ اس لئے ہے کہ انسان میں غور وفکر کر کے اللہ عزوجل کے علم کی طرف مواصلت حاصل کرے۔

نفس کے متعلق جملہ حالات کا میں استقصا تو کروں لیکن اندیشہ ہے کہ گفتگو بہت طویل ہو جائے گی لیکن اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم مجمل طور پر ضرور کچھ بیان کریں جس سے تمہیں تفصیلی حالت معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو تو کان دھر کر سنو کہ نفس حیوانی کے دو قوتیں ہوتی ہیں۔ اول قوت محرکہ دوم قوت مدرکہ محرکہ کی پھر دو قسمیں ہیں باعثہ اور مباشرۂ حرکت ،مباشرۂ حرکت وہ قوت ہے جو اعصاب وعضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ عضلات کو سکیڑنے ،نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے۔ مبدا کی جانب کھینچے یا یہ کہ ان کو ڈھیل دے اور نرم چھوڑ دے تا کہ اعصاب اور نسیں مبداء کے مقابل جانب کو ہو جائیں یہ قوت باعثہ محرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت منقش ہوتی ہے جو مرغوب طبع ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب وتنفر کے جزبات پیدا کرتی ہے اس کا نام باعثہ ہے۔ اور وہ قوت مباشرۂ حرکت کو جنبش پر مائل کرتی ہے اس قوت باعثہ کے دو شعبہ ہیں ایک کو شہوانیہ کہتے

ہیں اور دوسرے کو غضبیہ شہوانیہ انسان کو ان اشیاء کی جانب طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے جس کو وہ اپنے لئے ضروری اور منفعت بخش سمجھتا ہے اور غضبیہ انسان کو ان چیزوں کے دفعہ کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی تحریص دلاتی ہے جن کو وہ اپنی ہستی کے لئے ضرر رساں اور نقصان دہ سمجھتا ہے۔

اب رہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ ،ظاہرہ ہواس خمسہ پر مشتمل ہے۔ہم اس کی تحقیق و تفتیش میں زیادہ غور و خوض نہیں کریں گے اگرچہ اس کے حقائق کی معرفت کے بارہ میں بھی بہت طویل گفتگو چاہیے لیکن ہماری غرض اجمالی بیان ہے اس لئے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں باطنہ پانچ ہیں۔اول خیالیہ یہی وہ آئینہ ہے جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں چنانچہ صورت مرئی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہیں تو وہ قوت جس کے پردے پردہ چھپ جاتی ہے اس کو قوت خیالیہ کہتے ہیں اور جب جملہ حواس خمسہ کے مدرکات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ حس مشترک کہلاتی ہے۔

دوسری کا نام حافظہ ہے۔اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کیسی چیز کی صورت کو تمسک کرنے والی قوت اور ہے اور اس کو قبول کرنے والی طاقت آ ور موم اپنی پوست کے باعث نقش کو تمسک کرتا ہے اور رطوبت کے ذریعہ قبول اور پانی قبول کرتا ہے تمسک نہیں کرتا قوت مقبلہ اور ان قویٰ یعنی حواس خمسہ کے مدرکات قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ کرنے والی قوتوں کا مسکن مقدم دماغ کے جوف اول میں ہے اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں مختل ہو جاتی ہیں یہ باتیں علم طب میں مفصل مذکور ہیں۔

سوم وہمیہ ہے اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جو غیر محسوس ہوں جس طرح وہ قوت جو بکری کو سمجھاتی ہے کہ بھیڑیئے سے بھاگنا اور بچنے کی طرف جانا چاہیے۔

چوتھی ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے جو محسوس نہیں کیئے جا سکتے جیسے قوت دوم صورتوں کو حفظ کرتی ہے وہ حافظہ صوری ہے اور یہ حافظہ معانی اس کا نام ذاکرہ ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے اب جوف دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا اور یہ قوت مفکرہ کا مسکن ہے جو خزانہ صوری اور خزانہ معانی کے درمیان مرتب ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ اپنی ثواب دید کے مطابق بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے اور بعض کو منتشر کر دے

عام طور پر اس کا ذکر قوائے مدرکہ میں کیا جاتا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو قوائے متحرکہ میں شمار کیا جائے کیونکہ اس کا ادراک حرکت کی نوع سے ہے یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا وہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہیں جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل وترکیب پر حاوی ہے مذکورہ بالا قویٰ حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں صرف قوت مفکرہ مستثنیٰ ہے اس کی بجائے حیوانات میں ایک قوت قریب قریب اس کے ہوتی ہے اس کو متخیلہ کہتے ہیں مگر وہ انسان کی قوت مفکرہ کے برابر طاقت ور اور قوی نہیں ہوتی۔

اب رہا نفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کے لحاظ سے اس کی قوتوں کی دو قسمیں ہیں قوت عالمہ اور قوت عاملہ ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے لیکن اس میں مشترک کے طور پر کیونکہ عاملہ کو عقل صرف اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عالمہ کی خادمہ ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے قوت عالمہ نظریہ جس کا ہم ابھی ذکر کریں گے اقتضا کے مطابق وہ افعال معینہ جو جزئی ہیں اور فکر ورویت کے ساتھ مختص ہیں ان کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا یہ مبداء ہے چاہیے کہ قوائے بدنیہ اس قوت عملیہ کے سوائے سب مقہور ومغلوب اور طابع فرمان ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے اثر پذیر نہ ہو اور دوسری تمام قوتیں اس قوت کے فرمان واشارہ کے مطابق سکون وحرکت اختیار کریں کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدنیہ میں خواہشات کی اطاعت وانقیاد کی ہیئتیں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں بداخلاقیوں سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر یہ قوت دوسری قوتوں پر تسلط ہو جائے اور غلبہ پالے تو اس استیلاء وغلبہ کو اخلاق فاضلہ وحسنہ کہتے ہیں اور اس کو دو نسبتیں حاصل ہیں اس قوت کے استیلاء کی صورت کے معنی یہ ہیں کہ دوسری تمام اس کی مطیع ومنقاد ہوں اور یہی مراد ہے اخلاق حمیدہ سے غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ حواس خمسہ اس کا ادراک کر سکیں البتہ عقل اس کو معلوم کر سکتی ہے یا اس کے آثار وفعال سے اس کے متعلق دلائل دے سکتی ہے نفس کو دو نسبتیں حاصل ہیں اول نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار سے خدا نے اسے ایک قوت دے رکھی ہے جس سے ان پہلوؤں اور نفس کے درمیان علاقہ کا نظم قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عملیہ ہے اور یہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر وسیاست کا قوت عالمہ نظریہ جس کا مذکور اب ہوگا ایک ایسی قوت ہے جو اوپر کا پہلو کا اندازہ رکھتی ہے تاکہ اس سے اثر پذیر ہو اور استفادہ کرے ان

ملائکہ سے جو انسان کے نفوس پر مؤکل بنائے گئے ہیں تا کہ اس پر علوم کی بارش کریں کیونکہ علوم اللہ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کیے جاتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی یرسل رسولاً کسی انسان سے اللہ صرف وحی کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا رسول بھیج کر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں پہلا بدن کی جانب اور چاہیے کہ یہ تعلق غالب اور مستولی ہو نا اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدنیہ سے منفعل ہونے والا دوسرا تعلق شریف و عالی جانب سے چاہیئے کہ یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے دایم القبول ہو اور ہمیشہ تاثرات حاصل کرتا رہے کیونکہ یہیں نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے یہ قوت نظریہ عالم ہی ہے جس کا کام یہ ہے کہ کلی اور ان عوارض سے پاک معانی کا جو انہیں جزئی اور محسوس بنادیتی ہیں القا کریں معانی کلی کا ذکر ہم اپنی کتاب معیار العلم میں کر چکے ہیں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں تین مراتب پر منقسم ہیں اول اس نسبت کی مانند جو بچے کو کتابت سے ہے کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید ہے یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے مرتبہ ثانیہ یہ ہے کہ اس میں تمام معقولات جو ابتدائی اور ضروری ہیں حاصل کیے جائیں جیسے ایک لڑکا ہو جو صاحب تمیز ہے اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہے اس نے دوات قلم اور حرف مرکب کے علاوہ مفرد کی پہچان حاصل کر لی ہے حالانکہ اسے پنگوڑے میں یہ بات حاصل نہ تھی اس میں کتابت کی قوت مطلقہ تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام معقولات کسبیہ عملی طور پر حاصل کی جائیں اور چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کرلے تو ان پر متمکن ہو جائے اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر کاتب وصناع کا سا ہے جو کتابت سے غافل ہے کہ وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اسے انتہائی کمال حاصل ہے یہ انسانی درجہ کی انتہاء ہے لیکن اس رتبہ میں لاتحصی مدارج ہیں جو کثرت وقلت معلومات اور شرافت وخست معلومات اور ان کی تحصیل کے طریق کے لحاظ سے مختلف ہیں یہ عرف الہام الٰہی تعلیم اور اکتساب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یا تو سریع الحصول ہے یا بطئی الحصول اس علم میں علماء حکماء اولیا اور انبیاء کی منازل بتاتے ہیں اور اس علم کے تفاوت کے حساب سے ان کے مناصب بھی متفاوت ہوتے ہیں اس میں ترقی کرنے کے

مدارج غیر محدود میں اور حصر کے قابل نہیں سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر اکتساب اور تکلیف اٹھانے کے بلکہ کشف کے ذریعہ سے نہایت قلیل دقت میں اور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان اس کے وصال سے شاد کام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرب اسے حاصل ہو جاتا ہے مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے ادب کا فرمان ہے کہ اس مقام کے بارے میں گفتگو کی باگ تھام لی جائے کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ قرب سے گزر کر ذات احدی کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں چنانچہ بعض پکار اٹھے سبحانی ما اعظم شانی دوسروں نے انا الحق کا نعرہ مارا بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصاریٰ نے لاہوت وناہوت کے اتحاد سے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں واللہ خداوند جل وعلا کی ذات بلند ان بد بخت لوگوں کے قول سے بہت ارفع واعلیٰ ہے الغرض خدا کی طرف پہنچنے کے منازل بے حد وشمار ہیں سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے اس سے واقف ہو جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ تمام منازل کو جن کو وہ قطع کر چکا ہے پوری طرح پہچان لیتا ہے لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا الا بطور اجمال کے اور ایمان بالغیب کے چنانچہ حقیقت موت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا جس طرح جنین بچے کے حال سے آشنا نہیں اور بچہ صاحب تمیز لڑکے کی کیفیت اور ان ضروری معلومات سے جو اس پر کھل چکے ہیں ناواقف ہوتا ہے پھر صاحب تمیز لڑکا صاحب عقل کے حال اور ان علوم نظریہ سے جو اس نے حاصل کیے ہیں بے خبر ہوتا ہے اسی طرح صاحب عقل وشعور لوگ ان حالات سے نابلد محض ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف وفراوانی رحمت سے ان پر نوازش کئے ہیں بقولہ تعالیٰ وما یفتح اللہ للناس من رحمة فلا ممسک لہا اللہ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو بند نہیں کر سکتا یہ اکرام وعنایات محض جود الٰہی سے مبذول ہوتے ہیں ان میں کسی کا اجارہ نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے تزکیہ نفس کے ذریعہ استعداد حاصل کرنا ضروری ہے اور جس طرح ایک رنگدار صورت کا اس میں کوئی قصور نہیں اگر زنگ آلود ہے تو اس کا عکس نہیں پڑتا۔ اس کا باعث تو لوہے کا کھردراپن اور درشتی ہے جب اس کو صیقل کر لینے سے اس کی کھردراہٹ اور درشتی زائل ہو جاتی ہے اور وہ روشن ہو جاتا ہے اسی طرح تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ پردہ تمہاری طرف سے ہے رحمت الٰہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔ ع

جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لها جانب الٰہی کے غایت جود اور نوازش فرمائی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بے حد زوردار الفاظ میں ترغیب وتشویق کے لیے فرمایا ینزل اللّٰه کل لیلة الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخیر فیقول هل من داع فاستجیب له هل من مسترحم فارحمہ ع

ہر شب کے آخر میں خدا
اس آسمان پر آنکر
دیتا ہے رحمت کی صدا
مجھ سے طلب کوئی کرے
دونگا میں اس کو برملا
مضطر ہو یا بیتاب ہو
بیمار ہو یا لاچار ہو
ہے طالب رحمت کوئی؟
مانگے کہ دوں گا میں اسے
سنتا ہوں میں سب کی دُعا

اور فرمایا من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذرعا ومن اتانی یمشی آتیته هروله جو شخص ایک بالشت میری جانب آتا ہے میں اس کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے، میں اس کی سمت دوڑ کر جاتا ہوں تمہیں لازم ہے کہ تم ان امور کی جستجو کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کرو کیونکہ یہ باتیں حصر واحصا سے خارج ہیں[1]۔

---

[1] احادیث میں یہ بھی ہے لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه (حدیث قدسی) میرا بندہ میرا تقرب نوافل کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے نیز یہ بھی مذکور ہے اگر شیاطین نبی آدم کے دلوں کو نہ گھیر لیتے تو وہ ملکوت السمٰوٰت والارض کو دیکھ لیتے۔

فصل

قوائے نفس کا آپس میں ارتباط

یاد رکھو کہ قویٰ مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں بعض اپنی ذات کے لئے مخصوص ہیں اور بعض دوسروں کے لئے بعض خادم ہیں اور بعض مخدوم رئیس مطلق وہ ہیں جو اپنی ذات کے لیئے خاص ہیں دوسری ان کے لئے مقصود ہو چکے ہیں یہ آخری رتبہ ہے اور اس میں اولیاء اور انبیاء کے مراتب مختلف اور متفاوت ہیں کیونکہ انسان ان امور کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو اس کی فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں اور نفس انسانی سے مخصوص ہیں ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک وسہیم ہیں انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے بہیمت اور ملکیت کے بین بین ہے اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں بحثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیدا کرنے کے وہ نباتات اور حس وحرکت کے اعتبار سے حیوان اور صورت اور قد وقامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیوار پر منقوش ہو یہی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قوت عقل وادراک حقائق پیش کیے گئے تو جو شخص اپنی قوتوں کو علم وعمل کے شاہد سے ہمکنار ہونے کے لئے استعمال کریگا وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا حق یہ ہے کہ وہ ان سے جا ملے گا اور عام یہ کہ وہ بلحاظ نام کے فرشتہ اور ربانی کہلائیگا جیسے قرآن میں ہے ان ھذا الا ملک کریم یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے جو شخص بدنی لذات سے متمتع ہونے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چار پائے جو چارہ کھاتے ہیں جب وہ بہائم کے افق پر آ گرتا ہے تو وہ بیل کی مانند پیٹو، خنزیر کی طرح بدکار کتے کی مثل ذلیل اونٹ کی طرح کینہ ور چیتے کی مانند متکبر اور لومڑی کی طرح مکار ہو جاتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا قوی میں نظر وفکر کریں گے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مقتضیات عقل اس سے بہت بلند وارفع ہیں اور وہ حیران ہو کر دیکھیگا کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان امور میں احکام الٰہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں۔

عقل رئیس مخدوم ہے اس کا وزیر اس کی خدمت بجالاتا ہے اور وہ سب چیزوں سے

زیادہ اس کے قریب ہے اسے عقل عملیہ کہتے ہیں جس کا نام ہم نے مراسم عقل کے مطابق قوت عاملہ رکھا ہے کیونکہ عقل عملی تدبیر بدن کے لئے ہے بدن آلہ نفس ہے اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطہ سے ان ابتدائی علوم کو جن سے حقائق اشیاء استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں شکار کرتا ہے پھر عقل عملیہ کو ہے جس کی چاکری وہم بجالاتا ہے وہم کی خادم دو قوتیں ہیں ایک قوت اس کے بعد ہے اور ایک قوت اس کے قبل ہے بعد والی قوت وہم کے ادراکات کی محافظ ہے.................اور قبل والی قوت سے وہ تمام حیوانی قوتیں مراد ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کریں گے ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مفکرہ ہے اس کے دو مختلف الماخذ خادم ہیں قوت رغبیہ شوقیہ اس کے لئے برانگیختہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے اس کے برانگیختہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے اور وہ قوت حافظہ صور جو حس مشترک میں ہوتی ہے اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب و تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے یہ دونوں قوتیں دو طائفوں کی رئیس ہیں اول صورت کو محفوظ رکھنے والی اس کی امداد کے لئے مشترک مامور ہے جو صورتوں کو اٹھا کر اس کے سامنے پیش کرتی ہے تاکہ وہ انھیں اپنے میں جگہ دے لے دوسری قوت نزوعیہ اس کی خدمت کے لئے شہوت اور غضب مامور ہیں پھر شہوت وغضب کی خادم وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے یہاں پر قوائے حیوانیہ ختم ہو جاتے ہیں قوائے حیوانی کی صرف نباتی قوتیں ہیں نباتی قوتیں تین ہیں مولودہ مربیہ اور غاذیہ ان کی افسر مولودہ ہے اس کی لونڈی مربیہ اور مربیہ کی لونڈی غاذیہ ہے پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں یعنی جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، اور دافعہ جاذبہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے پھر ماسکہ ہے، ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے جو ماسکہ لے چکی ہے دافعہ ان کے بعد آتی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے دافعہ ایک ایسی خادمہ ہے جو سب کی نوکر ہے لیکن اس کی نوکر کوئی نہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے میونسپل کمیٹیوں میں بھنگی ہوتے ہیں ان کے بعد حرارت برودت رطوبت اور یبوست آتی ہیں جو ہاضمہ، جاذبہ، ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں اور یہ جسموں میں قوتوں کے زیریں مدارج ہیں قوائے مذکورہ بالا کی آسان اور سہل الفہم مثال یوں ہے کہ قوت مفکرہ کا مسکن وسط دماغ میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں قیام فرماتا ہے قوت خیالیہ کا مقام مقدم دماغ ہے جیسے صاحب بریدہ کہ اس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہے قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اس کے خادم کی سی ہے قوت ناطقہ اس کا ترجمان ہے قوت عاملہ اس کا کاتب ہے جو اس خمسہ

اس کی خفیہ پولیس ہیں لہجہ نامہ نگاروں کی حیثیت رکھتا ہے ان کا کام یہ ہے کہ افسروں کو وقتاً فوقتاً ان کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کی خبریں مہیا کرتا ہے بصارت عالم الوان کی موکل ہے کان آواز کا اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عملی کے موکل ہیں یہ لوگ ان تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں صاحب بریدہ ان خبروں میں سے غیر ضروری کو چھانٹ کے الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ کو صاف و مصفا کر کے ملک معظم کے حضور میں پیش کرتا ہے بادشاہ سلامت ان کو پرکھتا ہے ان کا نفع نقصان معلوم کرتا ہے اور انھیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے تا کہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کر دے پھر جس طرح وہ اعمال جس پر بادشاہ بذات خود اور براہ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مثلاً لودیت اعتبار قیاس فراست اور نامعلوم باتوں کا استنباط ان خصائل سے اشرف ہیں مثلاً اصابت رائے عزت پذیری قیاس فراست اور استنباط ان چیزوں سے افضل ہیں جو نفس کے خدام استعمال کرتے ہیں کیونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت مفکرہ کے واسطہ سے بادشاہ ہے یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے جو کعب اخبار سے مروی ہے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ارشاد کیا انسان کی دونوں آنکھیں اوڑھنا بچھونا ہیں دونوں کان سواری ہیں ان کی زبان اس کا ترجمان ہے دونوں ہاتھ فوج ہیں اسکے دونوں پاؤں ایلچی ہیں اور دل بادشاہ ہے جب دل اچھا ہے تو تمام لشکر اچھا ہو جاتا ہے پھر فرمایا میں نے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا یہ نفس کے احوال کا مجمل بیان ہے جسے ہم نے مختصر کر کے تمہارے سامنے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس کے عجائبات میں سے یہ چند باتیں ہیں اگر تم تشریح اعضا پر نظر کرو اور عروق اعصاب نسوں ہڈیوں شریانوں اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرو پھر ان اعضاء کو دیکھو جو بطور آلہ کے نفس انسانی کے لئے طعام کو اول ہضم پھر اسے دور کرنے کی خاطر تیار کیے گئے ہیں ان آلات پر غور کرو جو نسل انسانی کے بقا کے لئے بنائے گئے ہیں تم ان عجائبات پر مطلع ہو جاؤ گے جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں تشریح اجسام سے فارغ ہو کر جب ان اجسام کے قوئی کی تفصیل پر نظر کرو گے اور علوم طبیعی کے حقائق کی معرفت کا استقصاء کرو گے تو تمہارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہے گی پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو خدا کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے رو گردانی کرتا ہے کہ وفی الارض ایات للموقنین وفی انفسکم

افلاتبصرون اور ان میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے نفسوں میں کیا تم نہیں دیکھتے؟ ہاں بلکہ ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ واحد ہے جو شخص خدا پر[۱] اجمالاً ایمان نہیں لاتا وہ عقلمندوں کے گروہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کلمات سے اسے خطاب کیا جائے بلکہ ہمارا روئے سخن تو اس شخص کی طرف ہے جو اجمالی رنگ میں خدا کی تصدیق کرتا ہے پھر ہم اسے خدا تعالیٰ کی قدرتوں میں بحث ونظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے اس کا ایمان اور یقین ترقی پائے اور خدا کی عظمت وجلال اس کی نظروں میں زیادہ ہو پس جس شے کا ادراک حواس خمسہ نہیں کر سکتے اسے اس کے نشانات کے ذریعہ عقل دریافت کر لیتی ہے چنانچہ اس کی معرفت کے استقصا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کو وسیع کیا جائے بلکہ ہم ایک ایسی مثال پیش کریں گے جو تمام لوگوں کے افہام کے قریب ہو علماء میں جس قدر رفقیہ ہو گزرے میں سب ان مذکورہ بالا امور میں اعتقاد رکھتے تھے مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ جو اس قدر بلند پایہ بزرگ تھے کہ ہمارا سر ان کی تعظیم کے لئے بے اختیار جھک پڑتا ہے۔

اور اس امر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا بنظر غائر مطالعہ کرے پھر اس میں مصنف کی صنعت کے عجائبات اور اس کی دانائی کی ندرت طرازیوں سے روشناس ہو اور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے جو اس کتاب کے مطالعہ سے پیشتر تھی بلکہ جوں جوں وہ قابل مصنف کے کلام اشعار یا طرز بیان واسلوب نگارش کے اوصاف وکمالات سے مطلع ہوتا جائیگا توں توں اس کے دل میں اس کی عقیدت تعظیم اور توقیر کی زیادہ ہوتی جائیگی پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ زید اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ زید صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے اب یہ عقیدہ اس شخص کے عقیدہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کے شعروں کو پڑھتا ہے اور ان میں شاعری کے عجائبات

---

[۱] یہ قول بھی قول کے مطابق ہے جو حضرت امام اعظمؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص خدا کے بارے میں ان پڑھ ہونے کا عذر کرتا ہے وہ قابل قبول نہیں کیونکہ خدا کی قدرتیں تو آنکھوں کے سامنے ہیں۔

پاتا ہے وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم وفضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر روشن ہو جاتی ہیں تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ زید کی عظمت قدر اور بلندی رتبہ کے متعلق نہایت مضبوط اور راسخ اعتقاد پیدا ہو جائیگا بخلاف اس کے دوسرے شخص کا اعتقاد ان امور کے متعلق نہایت مجمل ضعیف اور بے بصیرت و تحقیق ہوگا اور یہی فرق ہے عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ کی صنعت کے عجائبات ہیں خدا کی تصنیف ہے یہ صحیفہ الٰہی ہے یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ابداع واختراع کی کارفرمائیاں بھرپور ہیں نفس انسانی کائنات کا ایک جزء ہے اور اپنے کل کی طرف عجائب وغرائب سے مشحون اور مملو ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور وفکر کرتا رہے اس سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان پختہ ہو جائیگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انفس، آفاق اور ملکوت السمٰوت والارض میں نظر وفکر کرنے کی بے حد ترغیب دی ہے اسی کے بارے میں ہے کہ جب آیت ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لأولی الالباب نازل ہوئی تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ویل لمن لاکہا بین لحییہ ولم یتفکر فیہا اس شخص پر افسوس ہے جس نے کائنات کو اپنی ٹھوڑی کے قریب پایا پھر اس میں تفکر نہ کیا۔

فصل

عمل کی علم سے نسبت اِن کا ثمرہ سعادت ہے اہل تصوف اس پر متفق ہیں اور دوسرے اہل نظر موئید ہیں

عمل کی تاثیر یہ ہے کہ وہ نامناسب باتوں کو دور کر دیتا ہے اور علم میں کوشش کرنا ماینبغی امور کے حصول کی سعی ہے اور نامناسب امور کا ازالہ شرط ہے ماینبغی امور کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے مشروط بذات خود مقصود ہے اور یہ شرط سے اشرف ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بیوی ایک ایسے مرض

میں مبتلا ہے جو استقرار حمل کو مانع ہے اب اس شخص کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دو کام کرنا ہونگے اول اس مرض کو دور کرنا جو نطفے کو رحم میں قرار پکڑنے سے روکتا ہے اور دوم مرض کے ازالہ کے بعد نطفہ کو رحم میں ڈالنا اس لحاظ سے امر اول شرط ہے امر دوم کے لیے اور امر دوم ہی غایت مطلوب ہے۔

فرض کرو کہ ایک مکان بادشاہ کے لئے بنایا گیا تھا اس کی شان وشوکت اور زیب وزینت بھی بادشاہ کے نزول اجلال کے حسب شان تھی پھر اس میں خنزیروں اور بندروں نے جبراً جگہ بنائی اب اس کی دوبارہ خوبصورتی اور تکمیل دو باتوں پر منحصر ہے اول ان جانوروں کو نکالنا جو خواہ مخواہ اس پر قابض ہو گئے ہیں اور دوم مستحق کو اس میں تشریف فرما کرنا یا فرض کرو کہ ایک زنگ آلود آئینہ ہے جس کی صفائی اور جلاء کو زنگ نے چھپا دیا ہے اور ہماری صورتیں ان میں منعکس نہیں ہو سکتیں اس لئے آئینہ کا کمال یہ ہے کہ قبول صورت کے لئے مستعد ہو جائے اور جیسی شکل اس کے مقابل کی جائے ویسا ہی عکس دیدے اس کے حصول کے لیے دو باتیں ہیں پہلی بات جلا اور صیقل ہے یعنی اس میل کو دور کیا جائے جو اس پر نہ ہونا چاہیے دوسری بات یہ ہے کہ آئینہ کو ہم اس کے چہرے کے سامنے لائیں جس کا عکس اس میں لینا مقصود ہے اس طرح نفس انسانی اس بات کے لئے مستعد ہے کہ جب حق کی طرف ہر شے میں اسے محاذی کیا جائے تو وہ آئینہ کی مانند ہو جائے اور ان کا عکس لے لے اور ایک لحاظ سے وہی ہو جائے اگرچہ دوسرے لحاظ سے وہ اس کا غیر ہو جیسے صورت اور آئینے کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں نفس انسانی کا اس درجہ کو پہنچ جانا اس کا کمال ہے یہی وہ خاصہ ہے جو نچلے درجے کے حیوانات سے جدا ہو چکا ہے کیونکہ یہ استعداد قوت اور فعل تمام لحاظات سے انسان کے سوا تمام جانداروں سے سلب کر لی گئی ہے جس طرح لکڑی اور مٹی سے صورتوں کا عکس دینے کی قابلیت مسلوب ہو چکی ہے اور ان کا آئینہ نہیں بن سکتا فرشتوں میں یہ استعداد ہمیشہ کے لئے ابدی طور پر پائی جاتی ہے ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی جس طرح صاف پانی میں یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے چنانچہ صاف پانی میں خصوصاً صورتوں کا عکس پڑ جاتا ہے انسان میں یہ استعداد بالقوت ہے باعتبار فعل نہیں چنانچہ اگر وہ مجاہدہ نفس سے کام لے تو افق ملائکہ سے ملحق ہو جاتا ہے لیکن اگر انسان خواہشات کی پیروی میں ایسے اعمال پر ہمیشگی اختیار کرے جن سے روح پر زنگ کے تودے جمع ہو جاتے ہیں تو انجام کار اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے تاریکی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور کلی طور پر اس کی استعداد باطل اور برباد ہو جاتی ہے اس کا نام بہائم کی فرست میں درج ہو جاتا ہے اور اپنی

سعادت اور کمال سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و یاس نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ حالت لا علاج ہے۔

عمل کے معنیٰ ہیں شہوات کو توڑنا اور وہ اس طرح کہ نفس کو ان کے جانب جھکنے سے پھیر کر خدا کی بارگاہ معنی کی جانب اس کا منہ کر دیا جائے تا کہ نفس سے تمام وہ ہیئات خبیثہ اور خلائق ردیہ دور کر دیے جائیں جنھوں نے اسے جانب سافلہ سے جکڑ رکھا ہے یہاں تک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں تو نفس حقائق الہیہ کے نظارے میں مشغول ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امور شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے۔ جس طرح اولیاء انبیاء اور صدیقین پر ہوا کرتی ہے۔

یہ ایک شکار ہے جس میں جس قدر زیادہ کوشش کی جائے گی اس قدر نتائج عمدہ ہونگے چنانچہ شکار کے سازو سامان زیادہ کرنے سے شکار بھی زیادہ ملتا ہے یہی حال تجارت اور سودے کا ہے اور یہی کیفیت فقہ نفس کے غزال کو دوم میں لانے کی ہے ذکاوت فطری کی زیادتی سے تھوڑا اجتہاد بھی مجتہدین کی حد سے گزر جاتا ہے یہی حال ان علائق سے نفس کو پاک کر لینے کا ہے کہ فطرت اول کے اعتبار سے طہارت نفس بھی بہت مختلف ہوتی ہے پھر کوشش کا اختلاف بھی ہے اور یہاں سے اس قدر تفاوت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا حصر ناممکن ہے یہی حال سعادت آخرت کا ہے۔

پس اللہ عزوجل کی اس رحمت کا فیضان غایت مطلوب ہے اور یہی عین سعادت ہے جو نفس کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نفس کے علائق کا ازالہ کر دیا جائے اور صفات ردیہ کو محو کر دیا جائے جو اتباع شہوات کے باعث نفس کو چمٹ گئے ہیں۔

چنانچہ عمل کے معنیٰ یہی ہیں کہ ناجائز امور کا مجاہدہ نفس کے ذریعہ ازالہ کیا جائے جب اس کو اتباع شہوات سے نسبت دی جائے تو ان کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب ماینبغی امور کی تحصیل کی طرف اس کو نسبت دی جائے تو ان کا رتبہ اس سے شرط و مشروط کا سا ہوتا ہے اور خادم و مخدوم کا اس کو اپنے غیر سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس کو اپنی ذات سے ہے اس کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی جب ارشاد کیا الایمان بضع وسبعون بابا ادناھا اماطۃ الاذی من الطریق ایمان کی ستر سے کچھ اوپر قسمیں ہیں ان میں سب سے چھوٹی رستہ سے اذیت دور کرنا ہے اور عبادات کے ذریعہ مجاہدہ کرنے کی زیادہ تر غرض بھی راہ سے موانعات دور کرنا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس حدیث سے مراد اینٹ پتھر اور

ہڈی کو رستہ سے ہٹا دینا ہے اور اکثر لوگوں کے فہم کے قریب یہی بات ہے دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں لوگوں کے افہام مراتب کے حساب سے متفاوت ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے نضر اللّٰہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا ثم اداھا کما سمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ اللہ کی رحمت ہے اس شخص پر جو میرا قول سنے اور اسے ضبط کرے پھر اسے جس طرح سنا تھا ادا کرے کیونکہ بسا اوقات حامل فقہ غیر فقہ ہوتا ہے اور بسا اوقات دانائی کا حامل ایسے شخص کی طرف فقہ کی بات لے جاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہے۔

پس اگر آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بے سمجھ دار آدمی سے سمجھدار آدمی کے لئے زیادہ معانی نہ ہوتے تو اس نصیحت پر زور کیوں دیتے پھر کاش مجھے کوئی شخص بتاتا جب کثرت کو میں دیکھوں تو کیا حق فقیہ کی جانب پایا جائیگا یا فقہ کی طرف یا ان سب کے غیر کی طرف اس میں شک نہیں کہ یہ بات شاذونادر ہے اور غالب اس کے خلاف ہے جو بات فہم جمہور کے سامنے ہو وہ ممکن ہے حق سے دور ہو اور فقیہ اور افقہ اشخاص کی سمجھ میں جو بات آئے وہی درست ہو خصوصاً ایسا لفظ جس کی تصریح بالتخصیص نہ کی گئی ہو چنانچہ لفظ ''اذیت'' عام ہے اور لفظ ''طریق'' بھی عام ہے اگر شارع علیہ السلام کو ظاہر معانی مقصود ہوتے تو شیشہ اور ڈھیلے کے لفظ کا ذکر کرتے اور اس کی مثالیں بیان کر کے تنبیہ کر دیتے یہ ظاہر بھی عموم کے نیچے مندرج ہے اس سے مقصود بھی اصلاح نفس تہذیب اخلاق اور نفس سے غفلت کی خرابی قساوت اور قلت شفقت دور کرنا ہے ہم اسکے طریق کا بیان جلد ہی سوئے اخلاق وحسن اخلاق کے باب میں کریں گے۔

اب تم جان گئے ہو گے کہ سعادت وکمال نفس یہ ہے کہ امور الہیہ کے حقائق کے نقش اس پر ثبت ہو جائیں اور وہ ان سے اتحاد پیدا کر لے یہاں تک کہ اس کی اپنی ہستی فنا ہو جائے اور تا کس نگوید بعض ازیں من دیگر تو دیگری کا مضمون پیدا ہو جائے اور یہ مرتبہ صرف ان ہیئات ردیہ سے جو شہوت وغضب کی مقتضی ہیں نفس کو پاک کر لینے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بات مجاہدہ وعمل ہی سے کر سکتے ہیں عمل طہارت کے لئے ہے اور طہارت شرط ہے اس کمال کی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین کی بنیاد نظافت پر قائم ہے۔

فصل

صوفیا کے نزدیک علم حاصل کرنے کا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے

یا درہے کہ عمل کا پہلو تو متفق علیہ ہے۔ اور یہ صفات ردیہ کو محو کرنے اور اخلاق سیہ سے نفس کو پاک کرنے کے لئے مقصود ہے لیکن علم کی جانب مختلف فیہ ہے صوفیا کے طریقے علماء اہل علم میں سے اصحاب نظر کے طریقوں سے متبائن ہیں کیونکہ اہل تصوف تحصیل علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی حقائق امور سے متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ صفات مزمومہ محو اور تمام علائق کو قطع کرنے اور تمام ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جدو جہد سے ابتداء کی جائے اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو اس پر خدا کی رحمت کی بارش کا سیلاب امنڈ آتا ہے ملکوت کے اسرار ان پر منکشف اور حقائق کے خزانے اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں اس مقام میں مجرد تصفیہ باطن خلوص نیت مع ارادہ صادق و تشنگی تام اور فتوحات الٰہی کا انتظار کامل لازم ہے کیونکہ اولیا اور انبیاؑ پر جن امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال ممکن تک پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی اور بیزاری و کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا کیونکہ من کان للہ کان اللہ لہ جو سائیں کا ہو رہا سائیں اس کا ہوا۔

چنانچہ ایک زمانہ میں جب مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا تو میں نے صوفیائے کرام میں سے ایک پیر کامل سے تلاوت قرآن کی مواظبت اور ہمیشگی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق اور روابط منقطع کر لو اس طرح کہ تمہارا دل نہ اہل و عیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر راغب ہو نہ وطن کی جہت باقی رہے نہ علم و حکومت کا شوق ہو بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم وجود تمہارے لئے برابر ہو جائے پھر تم دنیا سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تم صرف فریضۂ عبادت ادا کرو اور مراتب سلوک طے کرو اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہمہ تن اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبانی طور پر ذکر الٰہی میں مواظبت کرو ہر وقت اللہ اللہ کا وظیفہ

سوچ سمجھ کر اور حضور قلب کے ساتھ ورد زبان رہے یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ ہلاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرت تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے اختیار جاری رہے پھر تم اس حالت پر بدستور قائم رہو یہاں تک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکت زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول ومنہمک رہیں پھر اس حالت کی اس قدر مشق بہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں اور تمہارے دل مین الفاظ کے حروف اور ان کی شکل وصورت کا نشان بھی نہ رہے بلکہ تمہارے دل میں ان کے صرف معنیٰ ہی الدوام لزوم باقی رہ جائیں یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے اس کے بعد صرف پے در پے آنے والے وساوس کو روکنے اور دور کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار رہ جاتا ہے۔

اس مقام سے گزرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے ظہور کا انتظام باقی رہ جائیگا جو اولیاء پر ظاہر ہوا کرتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں ان کی برق خاطف کی سی مثال ہے۔ جو قائم نہیں رہتے پھر لوٹتے ہیں دیر سے آتے ہیں اگر لوٹ کر دوبارہ آئیں تو قائم بھی رہتے ہیں لیکن طول نہیں پکڑتے

ان کی کیفیت صرف ان سے واسطہ اور سابقہ پڑنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے ان کی کوئی ایک قسم اور شاخ نہیں اولیاء اللہ کی پیدائش اور اخلاق کے تفاوت کے باعث اس مقام میں بے حد وحساب منازل ہیں یہی صوفیاء کا اسلوب کار ہے انھوں نے اس معاملے کو تمہاری طرف سے تطہیر محض تصفیہ اور جلد کی طرف پھیر دیا ہے پھر فقط استعداد انتظار کی طرف ارباب نظر وفکر نے بھی اس رستہ کے وجود کا اور اس کے مقصد پر پہنچانے کا انکار نہیں کیا اور یہ انبیا اولیا کے احوال کا بزرگترین حصہ ہے لیکن انھوں نے اس رستہ کو بہت مشکل اور دشوار قرار دیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ اس ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچنا بہت ہی مستبعد ہے ان کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کے ساتھ اس حد تک محو علائق ممتنع کا حکم رکھتا ہے اور اگر کسی حالت میں یہ بات حاصل بھی ہو جائے تو اس کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بعید ہے اور ادنیٰ وسوسہ اور خطرہ تشویشناک ہوتا ہے اس مجاہدہ کے دوران میں ہی مزاج خراب عقل مختل اور جسمانی صحت خراب ہو جاتی ہے اور مالیخولیا تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب نفس نے علوم حقیقیہ برہانیہ کے ذریعہ ریاضت نہ کی تو بعض ایسے خیالات پیدا ہوئے جن کو نفس نے خیال کیا کہ یہ حقیقتیں ہیں جو اس پر نازل ہو رہی ہیں کتنے ہی صوفی دس دس سال تک خلاصی پانے تک ایک ہی خیال میں گھرے رہتے ہیں لیکن اگر وہ پہلے

علوم کے ذریعہ یقین حاصل کر لیتے تو بدیہی طور پر رہائی پا جاتے اس لئے معیار علم کی معرفت اور علوم مفصلہ کے دلائل حاصل کرنے کے ساتھ تحصیل میں مشغول ہونا ہی اولیٰ ہے کیونکہ یہ امر مقصود منزل تک دلیل راہ بن کر وثوق کے ساتھ پہنچا دیتا ہے جس طرح فقہ نفس کی تحصیل کے لئے اجتہاد پختہ کار بناتا ہے حضور ﷺ بغیر اجتہاد کے فقیہ نفس تھے لیکن اگر کوئی مرید چاہے کہ ان کے رتبہ کو مجرد ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کر لے تو اس کی توقع کا پورا ہونا ناممکن ہے اس لئے واجب ہے کہ بحث ونظر کے طور پر نفس کے متعلق علوم حقیقی کو جہاں تک ہو سکے حاصل کرے اس کی صورت یہ ہے کہ اول ان باتوں کو تحصیل کرے جو پہلے ہو کر حاصل کر چکے ہیں اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ ان امور الہیہ کے انکشاف کا انتظار کرے جو غور کرنے والے علماء پر منکشف نہیں ہوئے کیونکہ منکشف امور سے غیر منکشف کی تعداد زیادہ ہے دونوں گروہوں میں یہ اختلاف تباین ہے ہمیں ایک مثال سوجھی ہے جو امید ہے ان کمزور سمجھ والوں کو جو حقائق عقلیہ کے ادراک کے لئے محسوسات کی مثالوں کے محتاج ہیں بات سمجھانے میں مفید ثابت ہو گی اور مذکورہ بالا دونوں فریقوں کے درمیان فرق بتانے کا باعث بنے گی کہتے ہیں کہ اہل چین اہل روم نے ایک بادشاہ کے حضور میں اپنا کمال صناعت ونقش دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا بادشاہ کی رائے اس امر پر ٹھہری کہ دونوں کو ایک کمرہ دیدیا جائے جس کی ایک جانب کو اہل چین نقش ونگار سے آراستہ کریں اور دوسری جانب کو اہل روم لیکن دونوں کے مابین ایک پردہ لٹکا دیا جائے تا کہ ایک دوسرے کی کاری گری سے مطلع نہ ہونے پائیں اور جب فارغ ہوں تو پردہ اٹھا دیا جائے اور دونوں کی کاریگری اور کمال کی پرکھ کر لی جائے چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا رومی نقاشوں نے رنگا رنگ کے بیل بوٹے اور قسما قسم کے نقش ونگار سے اپنی جانب کو آراستہ کرنا شروع کیا پردے کے دوسری طرف چینی باکمالوں نے کسی قسم کا رنگ استعمال نہ کیا بلکہ اپنی جانب کو صیقل اور جلا کرنے لگے لوگ دیکھ دیکھ کر متعجب ہوتے تھے کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ رنگ استعمال نہیں کرتے جب رومی اپنا کام ختم کر چکے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں ان سے پوچھا گیا کیسے؟ حالانکہ نہ تمہارے پاس رنگ وروغن تھا نہ تم نے نقش ونگار بنائے ہیں وہ بولے تمہیں اس سے کیا غرض ہے تم پردہ اٹھاؤ اور اپنے دعویٰ کی تصدیق ہمارا فرض ہے لوگوں نے پردہ اٹھایا اور حیران ہو کر دیکھا کہ چینیوں کی جانب بھی رومیوں کے سے نقش ونگار سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے وجہ یہ تھی کہ ان کی جانب صفائی اور جلالی کی کثرت سے آئینہ کی مانند ہو رہی تھی اور اس میں تمام وہ بیل بوٹے جو دوسری جانب تھے منعکس ہو کر اس کی رونق کو دوبالا کر رہے تھے لہذا تم یوں سمجھو کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں علوم الٰہی کے نقوش منعکس ہوتے

ہیں اس مقام کے حصول کے دو طریقے تمہارے سامنے ہیں (اول) اہل روم کی طرح بذاتہٖ نقش و نگار حاصل کرنا دوم خارجی نقش ونگار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کرنا اور خارجی نگارستان لوح محفوظ اور نفوس ملائکہ ہیں کیونکہ وہ علوم حقیقیہ کے نقوش سے بالفعل اور دوامی طور پر آراستہ پیراستہ ہیں جس طرح تمہارا دماغ اگر تم حافظ قرآن ہو تو قرآن کے الفاظ اس میں تمام کے تمام نقش ہوتے ہیں اور یہی حال تمہارے دوسرے جملہ علوم کا ہے ان کے نقوش نہ محسوس ہو سکتے ہیں اور نہ دیکھے جاسکتے ہیں بلکہ عقلی طور پر ان کے نشانات دماغ میں ثبت ہوتے ہیں جو شخص ان کا انکار کرتا ہے اس کی عقل میں فتور ہے کہ وہ محسوسات سے اوپر کسی اور چیز کا ادراک نہیں کرسکتا۔

فصل

ان دو طریقوں سے اولیٰ کونسا ہے

اگر تم کہو کہ دونوں طریقے تو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جن کا تم نے بیان کیا ہے اب ان میں تمہارے نزدیک اولیٰ کونسا ہے تو یاد رکھو کہ اس قسم کے امور میں فیصلہ کی نوعیت کا انحصار اس اجتہاد کے مطابق ہوتا ہے جس کا تقاضہ مجتہد کا حال اور مقام کرتا ہے جس میں وہ ہو اور حق بات جو مجھ پر روشن ہوئی ہے اور پورا علم تو اس بارے میں اللہ ہی کو ہے یہ کہ اس معاملے میں مطلق نفی یا اثبات کا حکم صادر کردینا غلطی ہے بلکہ اضافی طور پر اشخاص وحالات کے مطابق فیصلے میں اختلاف ہوگا جو شخص سالک بننے کی رغبت رکھتا ہے اس کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے اس کے لئے سب سے بہتر یہی ہے کہ صوفیہ کے طریقہ پر قناعت کرے یعنی قطع علائق اور عبادت پر مواظبت اختیار کرے کیونکہ علوم کسبیہ کی جستجو کرنا تاکہ نفس میں ایک قائم وثابت ملکہ پیدا ہو جائے بہت مشکل ہے اور یہ صرف عنفوان عمر میں آسان ہوتا ہے صغیر سنی میں علم سیکھنا پتھر کی لکیر کا حکم رکھتا ہے بڑھاپے میں ریاضت ایک مصیبت سے کم نہیں کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ جو شخص ہزار سال میں علم حاصل کرنا چاہے وہ کیا کرے جواب دیا مَل مَل کے نہلاؤ شاید اس کی رنگت سفید ہو جائے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لئے اولیٰ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لئے ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ عنفوان اشباب میں ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوئے اگر کوئی شخص اس امر میں تنبیہ

واعتبار حاصل کرے تو یہ اس کی فطری سعادت مندی اور زکاوت کی دلیل ہے۔

پھر اگر اسے معلوم ہو کہ دقیق حقائق عقلیہ کو سمجھنے کی استعداد اس میں نہیں تو بھی اسے واجب ہے کہ عمل میں مشغول ہو کیونکہ فطری علوم میں اس کا اشتغال مفید نہ ہوگا اگر اس کی فطرت علوم کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والا ہو لیکن اس کے شہر یا اس کے زمانے میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو علوم نظریہ کا ماہر اور سابقین کی تقلید سے بے نیاز ہو کر ترقی کرانے والا ہو تو اس حالت میں بھی اس کے لئے عمل ہی اولیٰ ہے کیونکہ اس بات کا حاصل کرنا معلم کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ قوت بشریہ کے لحاظ سے شخص واحد کے لئے ناممکن ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے سوائے چند کے اور وہ بھی ایک عرصۂ دراز کی محنت کے بعد اور اسی لئے مثلاً اگر علم طب مرتب اور اس کا قانون تیار نہ ہو چکا ہوتا اور ازمنہ متطاولہ میں وہ ایک باقاعدہ صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا تو بہترین دل ودماغ کے لوگوں کو بھی ایک بیماری کا علاج معلوم کرنے کے لئے ایک عمر طویل کی ضرورت ہوتی چہ جائیکہ سب بیماروں کے مداوئی کا طریقہ معلوم کرنے کے لئے اور عام طور پر دنیا اس قسم کے عالم متبحر کے وجود سے خالی ہے۔

پس جب قلیل میں سے پھر قلیل جماعت رہ گئی اور یہ وہ لوگ ہیں جو زکی ہوں وہ ابتدائی عمر میں اس بات کے لئے بیداری حاصل کر لیں کہ فہم علوم کی استعداد انھیں مل جائے اور علوم کے مستقل عالم ہو جائیں نہ صرف نام کے لحاظ سے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے اصلی طور پر نہ رسمی طور پر جیسا کہ اکثر علماء کی حالت ہے تو یہ لوگ یا تو اعیان مذاہب کے مقلد ہوتے ہیں یا اعیان مذاہب کے طرز استدلال کے پیرو۔ تو جو شخص ان کی تقلید کرتا ہے اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا یا وہ جوان ہے جس نے طلب علم میں نشو ونما پائی اور وہ فی نفسہ زکی ہے اور اس نے علوم کے انواع کے ساتھ رام ہو کر بیداری حاصل کی ہو اس نوع کے شخص کے لئے دونوں طریقے کھلے ہیں اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے طریق تعلیم پر گامزن ہو چنانچہ وہ ان تمام علوم برہانیہ کی تحصیل کرے جس کا ادراک قوت بشری جدوجہد اور تعلیم کے ذریعہ کر سکتی ہے پھر جب وہ حتی الامکان تحصیل علوم کر چکے یہاں تک کہ ان علوم کی قسم میں سے کوئی علم باقی نہ رہے جسے اس نے نہ پڑھا ہو تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور رحمت الٰہی کا منتظر کرم رہے کچھ عجب نہیں کہ جو باتیں اس راہ کے بہت مسافروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کا نقاب وا کر دے یہ ہماری رائے ہے اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے اس رائے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مخلوق کے

لئے درست طریقہ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں۔

عمل کا ایک حصہ علم عملی ہے یعنی وہ علم جس سے عمل کی کیفیت معلوم ہو علم عملی عمل سے اشرف نہیں بلکہ اس سے ادنیٰ ہے کیونکہ عقل تو مقصود اور علم سے معلوم افضل ہے جس کے لئے علم ہوتا ہے جیسے اللہ کا علم اس کی صفات کا اس کے فرشتوں کا اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور نفس اور ان کی صفات کا علم اور زمین اور آسمانوں وغیرہ کے ملکوت کا علم یہ علوم نظری ہیں اور عملی نہیں اگرچہ ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ان سے عمل میں کچھ انتفاع ہو جائے چونکہ اکثر مخلوقات کے لئے عمل میں ہی بہتری ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے نہایت شرح وبسط سے اور تفصیل وتاصیل کے طور پر ان کا احاطہ کیا ہے یہاں تک کہ لوگوں کو استنجاء کا طریق اور اس کی کیفیت تک سکھادی اور جب علوم نظریہ کے سکھانے کا وقت آیا تو اجمال سے کام لیا اور تفصیل نہ کی اور اللہ تعالیٰ کے صفات کے باب میں صرف اس قدر فرمایا لیس کمثلہ شیء اس کی مثل کوئی شے نہیں وھوالسمیع البصیر اور وہ سنتا دیکھتا ہے ہاں اجمال علم کے بعد اس کی عظمت بزرگی اور اس کا عمل پر مقدم ہونا بیان کیا اس قدر کہ حیطہ بیان سے باہر ہے جیسے فرمایا تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سنۃ (حدیث) ایک گھڑی کا غور وفکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو حاصل ہے وغیرہ وغیرہ اس بارے میں وارد ہے پھر یہ علم جو عمل پر مقدم ہے دو باتوں سے خالی نہیں یا تو علم کیفیت عمل کے لحاظ سے ایک ہی ہے مثلاً فقہ اور علم عبادات یا اس کے علاوہ ہے اور یہ بات کہ اول ہی مراد ہے دو طریق سے غلط ہے (اول) یہ کہ عابد پر عالم کو فضیلت حاصل ہے اور عابد وہ ہے جس کو عبادت کا علم حاصل ہو ورنہ وہ فاسق ہے دوم یہ کہ عمل کا علم ہونا عمل سے افضل نہیں کیونکہ علم عملی مقصود بالذات شے نہیں بلکہ وہ مقصود ہے عمل کے لئے اور جس چیز کے لئے دوسری چیزیں مقصود ہوں لازمی بات ہے کہ وہ ان سے افضل واشرف ہو۔

فصل

جنت ماویٰ تک پہنچنے کے لئے کونسے علم وعمل کی ضرورت ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی اصناف بے شمار ہیں اور اعمال اور ان کی انواع واقسام مختلف اور بھی اقسام وانواع کے اور سب کو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کونسی صنف اور قسم نفع

بخش اور سود مند ہے تا کہ ہم اس میں مصروف و مشغول ہوں تو ہم کہیں گے کہ علم کی دو قسمیں ہیں عملی اور نظری علوم نظری کثیر التعداد ہیں ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ اعصار و بلاد اور اقوام کے لحاظ سے مختلف ہوا سے وہ کمال حاصل ورثے میں نہیں ملتا جو نفوس میں ابدالدہر باقی رہے حالانکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے تا کہ وہ اپنے کمال سے ابدی سعادت مند ہو اور بہا اور اجمال حاصل کر کے مسرور ہوں اس بیان سے علم لغات اور ان کی تفصیل اگر ان میں سے کسی کی ضرورت آپڑے تو اس کی ذات کے لئے طلب نہ کرے بلکہ اس لئے کہ علم مقصود بالذات کے لئے وہ ذریعہ کا کام دے۔

اب ہم علم مقصود کا بیان کرتے ہیں پس اگر ہم حج کے امور کی تعریف کریں تو ہم پر لازم نہیں کہ موزہ اور طہارت کا ذکر بھی کریں اگر چہ حج کرنے کے لئے ان کی ضرورت آپڑتی ہے، ہم تو ان علوم کو ممیز کریں گے جن کی معلومات ابدالآباد تک قائم رہتی ہیں نہ زائل ہوتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں اس قسم کے علوم اختلاف اعصار و امم کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے ان میں داخل ہیں اللہ اور اس کی ذات کا علم اس کے ملائکہ کتابوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمان کے ملکوت کا علم اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا رابطہ و تعلق ہے نہ ان کی ذات کے اعتبار سے مقصود اقصیٰ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے اور ملائکہ الٰہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہیں اسی طرح معرفت نبوت ہے کیونکہ نبی خلقت اور ملائکہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور اسی طرح علوم نظریہ میں سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے ان سب کی انتہاء اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس میں گفتگو کے بے شمار پہلو ہیں چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں اس لئے ان کی تفصیل بھی بے شمار ہے۔

(قسم ثانی) یعنی علم عملی اور وہ تین علوم پر مشتمل ہے علم نفس مع اس کی صفات اور اخلاق کے اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے اور اس کتاب کی سب سے بڑی غرض یہی ہے علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل وعیال اور فرزند و زن اور نوکر چاکر کے ساتھ معیشت کی کیفیت کیا ہو کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اس طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضاء و جوارح تمہارے قوئ اور حواس تمہارے نوکر ہیں جس طرح شہوت وغضب اور دوسرے جذبات خبیثہ کو تمہارے قوائے بدنیہ کے ماتحت لانا ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی تمہارا فرمانبردار بنانا ضروری ہے۔

سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے ملک اور گردونواح کے لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے اس کے لئے اکثر علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے سوائے ان امور کے جو عبادات سے متعلق ہیں منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں آداب قضا ہیں اور ان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ نکاح بیع اور خراج کے قوانین احکام کی معرفت حاصل ہو جائے ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست اور ان صفات میں عدل و میزان کی رعایت رکھنا ہے یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو دور کی رعیت مثلاً اہل وعیال وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے پھر اہل شہر تک تم میں سے ہر ایک شخص راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جوابدہ فکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ سے نکلتا ہے سورج سے روشنی درخت سے سایہ کیا تم درخت کے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سایہ کے سیدھا ہونے کی توقع کر سکتے ہو جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کر سکتا ہے یہ ہے اختصار علوم عملیہ کا ہم ابھی مخصوص ترین علم کا ان علوم سیاسی میں سے اجمال تذکرہ پیش کریں گے کہ یہ مقصود بیان ہے اور قوئی جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں قوت فکر، قوت شہوت، قوت غضب جب کبھی قوت فکر مہذب اور کماینبغی اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کو حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا ارشاد خداوندی وعدہ دیتا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ معتقدات میں جو حق و باطل میں فرق کرنا گفتگو میں صدق و کذب معلوم کرنا اور افعال کے حسن و قبح میں تمیز کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے ان امور میں سے کوئی بات اس کے لئے مشتبہ اور ملتبس نہیں رہتی حالانکہ اکثر لوگ ان امور میں التباس واشتباہ میں گرفتار ہوتے ہیں اس قوت کی اصلاح اور تہذیب میں جس کو ہم نے معیار علم کا نام دیا ہے مدد دیتی ہے دوسری قوت شہوت ہے اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے جو نفس کو فواحش سے روکتا رہتا ہے اور ایثار فدویت کہ مستحسن جذبہ اور ساتھ کی جانب اسے لے چلتا ہے تیسری قوت غضبیہ ہے اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے جس سے مراد ہے غیظ و غضب کو دبالینا اور انتقام پسندی کو روک لینا اور شجاعت پیدا ہوتی ہے جس سے مراد ہے حرص اور خوف کا دور ہو جانا جن کی قرآن میں مذمت آئی ہے اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکریہ کی مطیع و منقاد ہو جاتی ہیں تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اس قسم کے اعتدال کے طفیل ہی آسمان و زمین قائم ہیں اس سے مراد ہے مکارم شریعت کا

جمع ہونا طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا جیسے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم اخلاقاً والطفهم باهله مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو پسندیدہ تریں اخلاق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے نیز فرمایا احبکم الیٰ احاسنکم اخلاقاً الموطنون اکنافاً الذین یالفون ویولفون ہمیں تم میں سے وہ لوگ محبوب ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔

حسن خلق کے متعلق شریعت نے جس قدر تعریف کی ہے وہ بیان سے باہر ہے اس کا مفہوم ان تینوں قوتوں کی اصلاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس آیت میں جمع کر دیا ہے انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ ،ثم لم یرتابوا وجاهدوابا موالهم وانفسهم فی سبیل اللہ اولٰئک هم الصادقون ، مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک نہ کیا اور اپنے مال وجان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور پھر کسی قسم کے شک کی نفی کے ساتھ علم یقینی اور علم حقیقی پر دلالت کی ہے جن کا حصول بغیر قوت فکریہ کی اصلاح کے ایک خیال خام ہے اور جہاد بالمال سے عفت اور جود مراد لئے ہیں یہ دونوں اوصاف اصلاح شہوت کے لئے ضرورت کے مطابق خدمت سرانجام دیتے ہیں۔

جہاد بالنفس سے مراد لی ہے شجاعت وحلم سے یہ دونوں مقرر ہیں اصلاح حمیت کے لئے اور اسے دین اور عقل کے تابع کرنا چاہیے یہاں تک کہ وہ اسے ابھاریں تو یہ جوش میں آئے اور جہاں اسے فرو ہونے کا حکم دیں یہ فرو ہو جائے اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلین اور حضور ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہو تعفو عن من ظلمک وتعطی من حرمک وتصل من قطعک وتحسن لمن اسائک اس کے معنی ہیں کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو جو تمہیں نقصان پہنچائے اسے فائدہ پہنچاؤ جو تعلق منقطع کرے اس سے تعلق پیدا کرو اور جو تم سے برائی کرے اس سے احسان کرو ظالم کے ظلم کو معاف کرنا انتہائے حلم وشجاعت ہے اور نقصان پہنچانے والے پر نوازش کرنا

انتہائے سخاوت اور تعلقات توڑنے والے سے علاقہ پیدا کرنا انتہائے احسان اشرافت ہے۔

فصل

قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ اپنے شہر اور مملکت میں ہوتا ہے اس کی قوتیں اور اعضاء جوارح جو بدن کے خدمت گزار ہیں بمنزلہ کاریگروں اور عالموں کے ہے قوت عقلیہ مفکرہ اس کا مشیر صائب الرائے اور وزیر با تدبیر ہے اور شہوت اس کا بد خصلت غلام ہے جو غلہ اور کھانے پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے چلتا ہے غیرت وحمیت اس کا صاحب شرط یعنی کوتوال ہے غلہ وجنس وطعام لے کر چلنے والا غلام مکار فریبی بد خصلت پر تلبیس ہے جو ناصح مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے اس کی پند ونصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابی پوشیدہ ہے اس کی عادت ہے کہ ہر وقت وزیر کی تدابیر کے خلاف جھگڑا کرتا رہے یہاں تک کہ ایک ساعت بھی اس نزاع وجدال کو ترک نہیں کرتا تو جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظام سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اس بد خصلت کے مشورہ سے اعراض کرتا ہے بلکہ اس کے مشورہ دینے سے ہی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست طریق عمل ہے اپنے کوتوال کو تادیب کرتا ہے اور اسے وزیر کے تابع فرمان بناتا ہے پھر کوتوال کو اس غلام بدطینت اس کے مددگاروں اور پیروں پر مسلط کردیتا ہے حتیٰ کہ غلام مذکور محکوم ومجبور ہو جاتا ہے اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست نہج پر ہونے لگتا ہے اور اس کے ذریعہ عدل ومساوات کا قیام ہو جاتا ہے اس طرح جب نفس عقل سے اعانت طلب کرتا ہے اور حمیت غضبیہ کو مؤدب کر لیتا ہے کبھی غیظ وغضب کی مملکت کی سرحد کو شہوت کے ذریعہ تدبیر سے کم کرتا ہے کبھی غضب اور حمیت کو شہوت پر مسلط کر کے اسے مغلوب ومقہور کرتا ہے اور اس کی مقتضیات کی تقبیح کے ذریعہ سے ان کے قویٰ کو معتدل کرتا ہے اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے اور جو شخص اس درجہ اعتدال سے تجاوز کر جائے اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے افرأیت من اتخذ الھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم پھر فرمایا واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب اور نبی ﷺ نے فرمایا اعدی عدوك نفسک التی بین

جنبلک تیرا سب سے بڑا دشمن تمہارا دل ہے جو تیرے سینے میں ہے اور حق تعالیٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی خواہشات کو مغلوب کر لے واما من خاف مقام ربہ ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هي المأوى جو شخص خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روک لیا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے کثرت شہوات کے وہ معنیٰ نہیں جو بعض لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں یعنی غضب اور شہوت کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور ان کو کلی طور پر مٹا دیا جائے اصل یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھنا اور مؤدب بنانا چاہیے کیونکہ عقل حمیت غضبیہ کی امداد کے بغیر تادیب پر قادر نہیں کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتا دے اور بس کیونکہ وہ اشرف قوی ہے اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت صرف ایک طبیب کی سی ہے جو مفید نسخہ بتا دے تو اگر حمیت غضبیہ جو شہوت کو اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور زجر و توبیخ سے اسے عقل کا نوکر بنانے کی امداد عقل کو حاصل نہ ہو تو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ دے اسی لئے اس شخص کی عقل کی فضیلت نمایاں نہیں ہوتی جو بے حمیت ہو لیکن لازمی ہے کہ اسے ایسا مؤدب بنا دیا جائے کہ عقل مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے یہی حال شہوت کا ہے کہ جماع سے اس کو بالکل روکے رکھنا تکلیف و مصیبت زدا اور سلسلہ تناسل کو منقطع کرنے والا ہے حالانکہ تناسل کے ذریعہ ہی نوع انسانی کی بقا ہے اسے ہی کھانے پینے سے روکنا بھی مضرت رساں اور دشوار ہے کیونکہ اس سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی البتہ اس قدر ہو سکتا ہے کہ طعام کی مضرت کو فنلا کر دیا جائے یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذت یابی اور لطف اندوزی نہ ہو بلکہ جسمانی قوت کا برقرار رکھنا ہو تا کہ علم و عمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے۔

انسان کھانا اس طرح کھائے جس طرح اپنے گھوڑے کو گھاس کھلاتا ہے تا کہ وہ جہاد میں اچھا کام دے انسان کا مقصود فقط کام لینا ہے پھر اس کے دل میں اس بات کی آرزو ہو کاش میں کھانے سے مستغنی ہو جاؤں اور علم و عمل کی قوت بھی باقی رہے۔

ایک اور مثال۔ انسان چونکہ بلحاظ خلقت معنوی لحاظ سے ایک جہان کبیر ہے اور حجم کے لحاظ سے صغیر اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقل بادشاہ ہے جو انتظام مملکت کرتا ہے اس کے حواس ظاہری و باطنی میں سے قوائے مدرکہ اس کا لشکر ہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء جوارح اس کی رعیت ہیں نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کا دوسرا نام شہوت

وغضب ہے بمنزلہ دشمن کے ہے جو اس سے ملک کے بارے میں جنگ کر کے اس کی رعیت کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہوا اس میں انسان کا نفس مقیم ہے جو پہروں کے اندر محفوظ بیٹھا ہے اگر وہ اپنے دشمن سے لڑے اسے قید کر لے اور واجبی طور پر اسے مغلوب کر لے تو جب وہ حضور رب العزت میں حاضر ہوگا تو اس کی عزت کی جائیگی ۔ چنانچہ فرمایا فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلاوعداللہ الحسنی اللہ نے ان لوگوں کو جو مالی اور جانی جہاد کرتے ہیں قاعدین پر بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے اور ہر ایک کو خدا نے نیک وعدہ دے رکھا ہے اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ گیا اور اس کی رعایا مغلوب ہوگئی تو وہ قابل مواخذہ وملامت ہوگا اور اس کو بقائے الٰہی کے وقت سزادی جائے گی (اور محشر اسے کہے گا) جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے یاراعی السوء اکلت اللحم وشربت اللبن ولم تمنع الضالۃ ولم تجبر الکسیر الیوم انتقم منک اے نالائق حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ پیا اور برائی کو نہ روکا ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا تو آج اپنی سزا بھگت یہی وہ جہاد ہے جس کا ذکر زبان سے کرنا مفرح ہے اور روح کی غذا اور اس کی حقیقت معلوم کر لینا اصل میں روح کا معراج ہے اس کی پہچان وہی شخص کرسکتا ہے جو ترک شہوات کے ذریعہ آمادہ جستجو ہو اس لئے صحابہؓ نے فرمایا تھا رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد اکبر انھوں نے کافروں سے تیغ آزمائی کو جہاد اصغر سے موسوم کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ (ﷺ) کونسا جہاد افضل ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جہاد کھواک تیری جنگ تیری خواہشات سے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی پہلوان کو پچھاڑ لینا تو کچھ مشکل بات نہیں دشوار یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کے دیو کو پچھاڑے۔

ایک اور مثال۔ عقل کی مثال سوار شکاری کی سی ہے جو شکار کھیلنے کو نکلے اس کی شہوت بمنزلہ گھوڑے کے ہے اس کا غصہ اس کا کتا ہے تو جب سواری ماہر فن ہو گھوڑا قابو میں ہو سدھایا ہوا سکھایا ہوا اور اطاعت گزار ہو تو جستجوئے شکار کامیاب ثابت ہوگی اور جب سوار بذات خود انجان ہو اس کا گھوڑا سرکش ہو اور اس کا کتا ناسمجھ ہو تو چونکہ نہ ہی اس کا گھوڑا اس کے حکم کے تابع ہو کر گام فرسا ہوگا نہ کتا اس کا مطیع ہو کر اشارے پر کار کے پیچھے بھاگیگا۔ اس لئے شکاری کو شکار حاصل کرنا تو بجائے خود سخت تکلیف ومصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

فصل

مجاہدۂ ہوی میں نفس کے مراتب، ہوی و عقل کے مشورہ میں کیا فرق ہے

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں۔

(اول) یہ کہ خواہشات فتح پا کر اس پر قابض ہو جائیں اور وہ ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عزوجل کا ارشاد ہے افرأیت من اتخذ الٰھه ھواہ کیونکہ الٰہ کے معنی معبود ہی تو ہیں اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی اتباع کی جائے تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوگی وہی ہوا وُہوس کو اپنا خدا بنا چکا ہوگا۔

(دوم) یہ کہ لڑائی ان کے مابین الحرب بیننا وبینکم سجال کے مصداق ہو کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آ جائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں یہ شخص مجاہدین میں شمار ہوگا اگر اسی حالت میں ھادم اللذات اس کی روح اور جسم میں مفارقت دائمی کر دے تو وہ شہید ہوگا کیونکہ وہ فرمان نبوی ﷺ کے امتثال میں مشغول تھا۔ جاھدوا اھواء کم کما تجاھدو ن اعدائکم اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمائی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پچھاڑ کر ان پر قابو حاصل کر لے اور کسی وقت وہ اس پر غالب نہ آ سکیں یہی ملک کبیر ہے یہی نعیم حاضر اور یہی حریت کامل ہے یہی غلاظت سے پاک ہونا ہے اور اسی کے متعلق سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے ما من احد الا وله شیطان ولی شیطان وان الله قد اعاننی علی شیطانی حتی ملکته ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہوتا ہے اور میرا بھی ایک شیطان ہے لیکن میں نے اللہ کی اعانت سے اسے مطیع و منقاد کر لیا ہے اور عمرؓ کے بارے میں فرمایا جس رستہ سے عمر گزرتا ہے اس رستے کو شیطان چھوڑ دیتا ہے یہاں ایک لغزش کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ

ہم نے اس قسم کا مرتبہ حاصل کرلیا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ راندہ درگارہ شیطان ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع کرتے ہیں لیکن ان خواہشات کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق ہیں اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کررہے ہیں۔

چنانچہ تم نے ایک گروہ کو دیکھا ہوگا جو وعظ ونصیحت اور درس تدریس اور قضاء د خطابت اور قسم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہونگے حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کررہے ہونگے اور وہ گمان کرتے ہونگے کہ ہمارے اعمال کا باعث دین ہے اور طلب ثواب ہماری محرک ہے اور شریعت ہمیں ان امور پر مامور کررہی ہے حالانکہ یہ حماقت اور غرور کی انتہاء ہے اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ کوئی واعظ شیریں بیاں اور مقبول خلق خالصاً للہ نہ کہ مقبولیت عام کے لئے وعظ کہتا ہوگا اور اس کا منشا لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا ہوگا تو اس کا نشان یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مکان پر ہوگا تو بالحاظ بیان بہتر بلحاظ علم وسیع تر اور بلحاظ لہجہ پاکیزہ تر وعظ کہے گا اور وہ خدا کا شکر کرے گا کہ اللہ نے اس فرض کی ادائیگی کی اور دوسرے لوگوں کے بجائے جو اس سے زیادہ مستحق تھے اسے توفیق بخشی جس طرح کسی مرتد اور کافر کے قتل وجہاد کے لئے کسی شخص کو متعین کیا جاتا ہے تو وہ کافر پر برک موزاں بن کر گرتا ہے اور اسے دم بھر میں راکھ کردیتا ہے وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء کو حاصل ہوتا ہے اس کی ایک علامت یہ ہے انسان بڑا بننے سے گریز کرتا ہے اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے مجھے مارڈالو میں تم سے بہتر نہیں ہوں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ تم کہو کہ شیطان تو بروقت بٹ مار کی صورت میں ہمیں قسم قسم کے دجل وفریب کا ہدف بناتا رہتا ہے اور ہم کسی حالت میں اس سے مامون ومحفوظ نہیں رہ سکتے جیسا ان لوگوں کا بیان ہو چکا ہے تو ہم کس طرح مشورہ عقل اور خواہشات کی رائے کے درمیان امتیاز کرسکتے ہیں تو خوب یاد رکھو یہ وادی بہت دشوار گزار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی اس سے بسلامت گزر ہوسکتا ہے اور اس میں بہترین دقیق معیار علم ہے کیونکہ اس سے حق کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور مکر وفریب کے پردے دور ہوجاتے ہیں لیکن وہ اس انداز جس کے ذریعہ تم تحیر اور تذبذب کے متعلق حق وباطل میں تمیز کرلو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہوجائے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے اگرچہ موجودہ حالات کے لحاظ سے اس میں تکلیف اور صعوبت کی ہو اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی اور ترک تکلیف کا مشورہ دیتی ہے تو جب کوئی معاملہ تمہیں درپیش ہو اور تم کو اس کے عیب وصواب کا

علم نہ ہو تو تم تکلیف دہ امر کو لازم کرلو اسے چھوڑ دو جس کی تمہیں رغبت ہو اخلاق پسندیدہ کا بیشتر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے چنانچہ دربار رسالت پناہی ﷺ کا فرمان ہے حفت الجنت بالمکارہ والنار بالشھوات جنت ناپسند امور کے اندر گھری ہوئی ہے اور دوزخ مرغوب اشیاء میں مستور ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیر ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر پیدا کردے نیز فرمایا عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیرلکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرلکم کیا عجب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک بات کو پسند کرو وہ تمہارے لیے باعث نحوست و شرارت ہو تو جب کبھی تم کو ایسی بات کا خیال ہو جو موجودہ لحاظ سے آرام طلبی آسان اختیاری تکلیف سے بچنے راحت کو ترجیح دینے کی دعوت دے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ محبت اندھا اور بہرہ کردیتی ہے۔

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور استخارہ کے ذریعہ محنت کرو یہاں تک کہ سینا کھل جائے اور مشورے کی صحت معلوم ہو جائے عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف نہایت لغو عذر پیش کرتی ہیں اور عقل حقیقی اور روزنی دلائل سے رہنمائی کرتی ہے بدصورت محبوب کا عاشق اور تلخ طعام کا کھانے والا اپنی عادات کے باعث مجبور ہوتا ہے کہ ان میں شغف رکھے اور عذر ہائے لنگ کے ذریعہ دل کی تسلی کا متلاشی ہو لیکن عقل صاف کہدیتی ہے یہ عذر اور بہانے تکلیف اور تصنع سے پر ہیں الغرض اس حقیقت کا ادراک نور الہی کی روشنی اور تائید آسمانی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حیرت کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب عقل کا میلان بحالات موجودہ تکلیف دہ امر اور عاقبت کا نفع بخش شے کی طرف ہو اور خواہشات کا رجحان اس کی بالکل متضاد اور حال کے لذت بخش مستقبل کی مصیبت ناک بات کی جانب ہو دونوں میں تنازع برپا ہو جائے دونوں فیصلے کے لئے قوت مدبرہ و مفکرہ کے پاس جائیں تو خدا کا نور عقل کی امداد کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے ادھر سے وساوس شیطانی اور ان کی اولیائے کار بھی خواہشات کی اعانت کے لئے دوڑتے ہیں اس طرح دونوں میں ایک معرکہ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوت مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدائی نور سے غافل ہو کر انجام کی منفعت سے اندھی ہو جاتی ہے اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں اور اسی

طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں اگر قوت مدبرہ اللہ اور اولیاء کے لشکریوں سے ہو تو نور خداوندی سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کو چنگل مارتی ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اللّٰہ ولی الذین امنو یخرجھم من الظلمت الی النور والذین کفروااولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النو ر الی الظلمات اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایماندار ہیں انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے اور کافروں کے دو شیطان ہیں جو انھیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں۔

عقل کو اللہ تعالیٰ نے شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور خواہشات کو شجرہ خبیثہ سے چنانچہ فرمایا الم ترکیف ضرب اللّٰہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ ہاں تو جب ان دو لشکروں میں صف آرائی ہو کر میدان کارزار گرم ہو جاتا ہے ایک طرف خدا کے دشمنوں کی صف ہے دوسری طرف اولیاء اللہ کی تو اس وقت خدا کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے سوا چارہ کار باقی نہیں رہتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واما ینز غنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللّٰہ انہ سمیع علیم ان الذین اتقوااذا مسھم طائف من الشیطا ن تذکروافاذاھم مبصرون جب شیطان تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالنے لگے تو اللہ کی پناہ میں آ جاؤ اللہ سمیع وعلیم ہے متقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب شیطانوں کا گروہ ان پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور خدا انھیں فوراً بصیرت عطا فرما دیتا ہے شاید تم پوچھو کہ کیا ہویٰ و ہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد ہویٰ سے خواہشات کا وہ حصہ ہے جو مذموم ہے پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں پسندیدہ خواہشات خداوند تعالیٰ کا فعل ہیں اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے تاکہ نفس میں ایک تحریک پیدا ہو اس بات کی کہ ان چیزوں کو حاصل کرلے جن سے اس کے بدن کی بہبودی وابستہ ہے جسمانی بقا کے لحاظ سے یا جسم کے کسی خاص حصے کی بقا کے اعتبار سے یا دونوں کی بہبودی کے قرینے سے، ناپسندیدہ اور مذموم وہ خواہشات ہیں جو نفس امارہ کا فعل ہیں یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنیہ کے باعث ہیں اور جب ان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو ہویٰ ہوس کا نام دیا جاتا ہے قوت مفکرہ کو وہ اپنے تابع فرمان اور خدمت گزار کر لیتی ہیں تاکہ اس کا تمام تر وقت ان کے احکام کی متابعت میں گزرے قوت مفکرہ

شہوت و عقل کے درمیان متر درہتی ہے عقل اس کے اوپر اس کی خدمت کرتی ہے تو بلند مرتبہ اور معزز ہو جاتی ہے اور محاسن اس سے پیدا ہوتے ہیں لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل سافلین میں جا گرتی ہے اور بدیاں اس سے رونما ہوتی ہیں۔

فصل

اخلاق بدل سکتے ہیں

بعض گمراہ اور باطل پرست لوگ گمان کرتے ہیں کہ اخلاق خلقت کے مطابق ہوتے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی انھوں نے اپنے اس باطل عقیدے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی آڑ لی ہے فرغ اللہ من الخلق کہ خداوند تعالیٰ خلقت سے فارغ ہو چکا ہے ان کا خیال ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کرنا خدا کی پیدائش کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے ان لوگوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے چشم پوشی کر لی ہے کہ حسنوا اخلاقکم اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ اگر یہ بات ناممکن ہوتی تو اس کا حکم نہ دیا جاتا اور اگر یہ امر ممنوع ثابت ہو جائے تو ترغیب وترہیب اور مواعظ و وصایا کے تمام دفاتر ردی کی ٹوکری میں ڈالدیئے جاتے ہیں کیونکہ افعال اخلاق کے نتائج ہیں جب نیچے کو گرنا ثقل طبعی کا نتیجہ ہے تو چاہیے کہ یہ لوگ اوپر کی طرف کبھی توجہ نہ کیا کریں بلکہ ہمیشہ نیچے ہی کی جانب جایا کریں بلکہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ استعلائے عقل کے ہوتے ہوتے انسان کو مہذب نہیں بنایا جا سکتا اور بہائم کی عادات نہیں بدلی جا سکتی ہیں جبکہ درندوں کی وحشت کو دور کر کے مانوس کر لیا جاتا ہے کتے سدھانے سے شکار کھانا بند ہو جاتے ہیں اور گھوڑے سرکشی سے باز آ کر اشارے کے مطابق نقل و حرکت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں تغیر خلقت ہی تو ہیں۔

اس باب میں قول شافی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر ہمارا بس نہیں چلتا مثلاً آسمان ستارے بلکہ ہمارے جسموں کے اعضاء اور ان کے اجزاء یہ چیزیں جیسی ہیں ویسی ہی رہینگی۔

دوسرے وہ جن کو پیدا ہونے کے بعد تربیت میسر آ جائے تو بعد میں قبول کمال کی قوت دی گئی ہے اس کی تربیت اختیار سے متعلق ہے مثلاً کھجور کی گٹھلی نہ کھجور ہے نہ سیب لیکن اس میں اس بات کی قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کھجور بن جائے لیکن اس میں اس بات کی

قابلیت نہیں کہ سیب کا درخت ہو جائے۔

البتہ جب انسان کی تربیت کا اس سے تعلق پڑتا ہے تو وہ کھجور بن سکتی ہے اگر ہم کلی طور پر غضب وشہوت کو اپنی جان سے اس دنیا میں دور کرنا چاہیں تو ہم ناکام رہیں گے لیکن اگر ہم ان کو مغلوب کرنا اور ان کو ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ سے مہذب بنانا چاہیں تو ہم ایسا کرسکیں گے اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور یہ چیز ہماری سعادت مندی اور نجات کی شرط قرار پاچکی ہے ہاں جبلتیں مختلف ہیں بعض سریع القبول اور بعض بطی القبول ہیں اس اختلاف کے دو سبب ہیں ان میں سے ایک باعتبار تقدم وجود کے ہے کیونکہ قوت شہوت، قوت غضب اور قوت تفکر انسان میں موجود ہیں سب سے زیادہ مشکل سے تغیر ہونے والی اور سب سے زیادہ سرکش انسان کے لئے قوت شہوت ہے کیونکہ وہ سب قوتوں سے مقدم ہے بلحاظ وجود کے اور سب سے شدید باعتبار گرفت اور چنگل کے چنانچہ یہ اس کے ساتھ آغاز کار ہی سے ہائی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کا وجود اس حیوان میں بھی ہے جو انسان کی جنس سے ہے اس کے بعد قوت حمیت کی باری ہے اس کا باعث یہ ہے اخلاق اس کے بموجب اور اس کے حکم کے ماتحت کثرت عمل کے ساتھ پختہ کیے جاتے ہیں لوگوں اس بارے میں چار مراتب ہیں۔

(اول) وہ انسان غافل جو حق وباطل اور حسن وقبیح میں تمیز نہیں کرسکتا وہ اعتقاد سے خالی رہتا ہے اور نہ ہی اتباع لذات سے اس کی خواہشات قوی اور شدید ہوتی ہیں یہ درجہ مرض سب سے زیادہ قابل علاج ہے اس کو صرف ایک مرشد کی ضرورت ہے جو اسے تعلیم دے اور ایک ولولہ عمل کی حاجت جو مرشد کے احکام کی اطاعت پر اسے ابھارتی ہے چنانچہ اس کے اخلاق قلیل ترین وقت میں اچھے ہو جاتے ہیں۔

(۲) وہ بدعملی کے مضرات سے تو واقف ہیں لیکن عمل صالح کی جانب لوٹنے پر قادر نہ ہو بلکہ اعمال بد کی دلفریبی میں گرفتار ہو شہوات کا مطیع ومنقاد ہو کر اور اصابت رائے سے روگردانی ہے کیونکہ اس کی بیماری بھی دگنی ہے اس کو دو کام کرنے چاہئیں (اول) جو باتیں بدعملی کی طرف کثرت سے مائل کرتی ہیں اور طبیعت میں راسخ ہو چکی ہیں ان کا قلع قمع کرنا (ثانیاً) طبیعت کے برخلاف کرنا اس نوع کا شخص مجموعی حیثیت سے قبول ریاضت کے مقام میں ہے بشرطیکہ جدوجہد کامل اس کی امداد کرے۔

(سوم) اس کا اعتقاد بداخلاقی واجب اور مستحسن ہے بدکاری ہی درست اور پسندیدہ ہے اور پھر اس کا کاربند بھی ہو یہ مرض قریباً لاعلاج ہے اس کی اصلاح شاذ ونادر ہی ہوتی ہے

کیونکہ اس پر گمراہی تو برتو متسلط ہو چکی ہے۔

(چہارم) وہ شخص جس کی نشونما ہی عقائد فاسدہ پر ہوئی اس کی تربیت انھیں پر کاربند ہونے پر ہوئی ہو وہ اپنی بزرگی اور فضیلت کثرت شر اور ہلاکت آفرینی ہی میں سمجھے ان میں اسے خوشی حاصل ہو اور اس کا گمان ہو کہ یہ باتیں اس کی قدر و منزلت کو دور کرتی ہیں تو یہ مرتبہ دشوار ترین ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بھیڑیئے کو مہذب بنا کر مؤدب بنانا اور حبشی کو نہلا کر سفید کرنا ایک عذاب ہے۔

ان مراتب چہارگانہ میں سے اول کو جاہل کہیں گے دوسرے کو جاہل اور گمراہ تیسرے کو جاہل گمراہ اور فاسق اور چوتھے کو جاہل گمراہ فاسق اور شریر النفس۔

فصل

اخلاق کی تبدیلی اور ہوی کے علاج کا مختصر طریق عمل

یاد رکھو کہ مجاہدہ نفس اور اعمال صالح کی ریاضت سے تکمیل نفس اور تزکیہ و تصفیہ سے تہذیب اخلاق مقصود ہے نفس اور ان قویٰ کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے جس کے بیان سے الفاظ کی تنگدامانی قاصر ہے صرف تخیل میں اس کی صورت متشکل ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تعلق محسوسات میں سے نہیں ہے بلکہ معقولات میں سے ہے اور اس کا بیان ہمارے مدنظر نہیں لیکن روح اور جسم دونوں اس سے متاثر ہیں کیونکہ اگر روح صاحب کمال اور پاکیزہ ہو تو جسم سے بھی مستحسن افعال سرزد ہوتے ہیں یہی حال روح کا ہے کہ اگر جسم کے آثار اچھے ہوں تو ان سے روح میں اچھی ہیئتیں پیدا ہونگی اور پسندیدہ اخلاق صادر ہونگے چنانچہ تزکیہ نفس کا طریقہ یہ ہے جو افعال پاکباز اور کامل نفوس سے صادر ہوتے ہیں ان کو پے در پے کیا جائے یہاں تک کہ جب کچھ عرصہ کے تکرار سے ان کی عادت ہو جائیگی تو ان سے نفس میں ایک پختہ ہیئت واقع ہو گی جو ان افعال کو مقتضی ہو گی اس کا تقاضا یہاں تک بڑھے گا کہ یہ باتیں عادت کے باعث طبیعت ثانیہ بن جائینگی پھر جو باتیں پہلے انسان کی طبیعت پر بے حد گراں تھیں اب اس کو بالکل آسان اور سہل معلوم ہونگی۔

اس طرح مثلاً جو شخص چاہے کہ مجھ میں سخاوت کا خلق پیدا ہو جائے تو اس کو چاہیے سخاوت کرنے والے شخص کے افعال کی بتکلف پیروی کرے یعنی مال و زر خرچ کرے اور اس

کام کی مواظبت کرتا رہے یہاں تک کہ یہ بات اس پر آسان ہو جائے اور وہ خود صاحب جود و سخا بن جائے۔

اسی طرح اگر کسی شخص پر تکبر اور پندار کا عفریت سوار ہے اور وہ متواضع اور خلیق لوگوں کے عادات و اطوار پر ہمیشگی کرے اور اس بات کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جسم اور روح کے درمیان ایک چکر سا قائم ہے بدن جب ایک کام بتکلف کرتا ہے تو اس سے روح میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے پھر جب روح میں وہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ الٹ کر بدن کی طرف پھر جاتی ہے اس سے وہ فعل جو جسم نے کیا تھا اور بتکلف کیا تھا اس کی طبیعت میں راسخ ہو کر عادت ثانیہ بن جاتا ہے اس کا معاملہ تمام فنوں اور صنعتوں کا سا ہے کہ اگر کوئی شخص خوشنویسی کا وصف حاصل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی با کمال کاتب کی نقل کرے یعنی خوبصورت الفاظ محنت سے اس کی مانند لکھے پھر حسن خط میں اس قدر مشق بہم پہنچائے کہ خوشنویسی کا ملکہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور اس فن کی مہارت اس کی طبیعت کا ایک وصف بن جائے چنانچہ جو بات ابتداء میں تصنع سے کر سکتا تھا اب بالطبع اور خود بخود کرے گا بات تو ایک ہی ہے ابتداء میں بھی اس کا خط وہی حسن و خوبی رکھتا تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے آورد تھی اب آمد ہے اور یہ تمام کارستانی ایک واسطہ سے تاثر نفس کی ہے۔

اسی طرح جس شخص کو فقاہت کا شوق ہو تو اسے اس کے سوائے چارہ کار نہیں کہ فقہ میں ممارست کرے اسے حفظ کرے اور بار بار پڑھے ابتداء میں اسے طبیعت پر زور دینا پڑے گا یہاں تک کہ علم فقہ اس کے نفس پر منعطف ہو جائے گا اور وہ فقیہہ نفس ہو جائیگا یعنی اس کی طبیعت میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جو تخریج مسائل کے لئے خود بخود مستعد ہوگی اور جو چیز اسے ابتداء میں مشکل معلوم ہوتی تھی اب طبعی طور پر اس کے لئے آسان ہو جائیگی یہی حال تمام صفات نفس کا ہے۔

جس طرح رتبہ فقاہت کا طالب نہ ہو تو ایک رات کی بیکاری سے اس مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے اور نہ ہی ایک رات کی زیادتی سے اس تک پہنچ جاتا ہے اسی طرح کمال نفس کا طالب نہ ایک دن کی عبادت سے اسے حاصل کر لیتا ہے اور نہ ایک دن کا نقصان اسے محروم کر دیتا ہے لیکن ایک دن تعطل دوسرے روز کی بیکاری کو دعوت دیتا ہے پھر یہ سہل انگاری آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ انسان کی طبیعت کسل مندی سے مانوس ہو جاتی ہے

اور تحصیل فقہ کا شوق کم ہو جاتا ہے چنانچہ فضیلت فقہ غائب ہو جاتی ہے۔

یہی حال جملہ صغیرہ گناہوں کا ہے ایک گناہ دوسرے کو بلانے کا کام کرتا ہے۔ جس طرح رات کے تکرار کا اثر نفس کے تفقہ میں محسوس نہیں ہوتا کیونکہ قد کے بڑھنے اور بدن کے نشو نما پانے کی طرح یہ تھوڑا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ایک ایک طاعت وعبادت کے عمل کا اثر نفس اور اس کے کمال میں محسوس نہیں ہوتا لیکن مناسب یہ ہے کہ انسان اسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ اس کا اثر مجموعی حیثیت سے ہی ظاہر ہوگا۔

قطرہ قطرہ بہم شود دریا
دانہ دانہ بہم شود خرمن

پھر کوئی طاعت نہیں جس کا ایک اثر نہ ہو اگرچہ کتنا ہی مخفی ہو اور یہی حال ہر ایک معصیت کا ہے۔

کتنے ہی خود سر فقیہ ہیں جو ایک دن اور ایک رات کی تعطیل کو معمولی خیال کرتے ہیں اور اسی طرح پیاپے بے کار رہتے ہیں اور کمال علم کے حصول سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں یہی حال اس شخص کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے کہ انجام کار حرمان سعادت سے اسے روشناس ہونا پڑتا ہے اور بہت سے صاحب توفیق فقیہ ہیں جو ایک دن رات کی تعطیل کو بھی معمولی نہیں سمجھتے اور پیاپے سرگرم عمل رہتے ہیں اور شاہد کمال نفس سے ایک روز ہمکنار ہو جاتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہیں سمجھتے سمجھنے کا انجام کار درجات سعادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ تھوڑی شے زیادہ شے کو بلالاتی ہے اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ایمان دل میں ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے جوں جوں ایمان زیادہ ہوتا ہے یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل سفید براق ہو جاتا ہے اور نفاق بھی دل میں ایک سیاہ نکتے سے شروع ہوتا ہے جوں جوں نفاق ترقی کرتا جاتا ہے دل کی سیاہی بھی المضاعف ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ جب انسان کا نفاق کامل ہو جاتا ہے تو دل بھی تمام تر سیاہ ہو جاتا ہے۔

فصل

وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت تزکیۂ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جملہ فضائل کے اکتساب سے ہو سکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل بالتفصیل معلوم کیے جائیں جملہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جودت ذہن وتمیز اور (دوم) حسن خلق۔

جودت ذہن سے اول طریق سعادت وشقاوت میں تمیز حاصل ہوتی ہے تا کہ اس پر گام فرسا ہوا جائے۔

دوم براہین قاطعہ کے ذریعہ سے جو یقین کے لئے مفید ہوں اشیاء کی حفاظت معلوم کرنا نہ تقلیدات ضعفیہ اور نہ کمزور اور بودے خیالات کے ذریعہ سے اور حسن خلق اس لئے ہے تا کہ تمام عادات سیئہ کو جن کی تفصیل شریعت بتا چکی ہے اس کی امداد سے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر مبغوض بنا دیا جائے جس قدر شریعت نے انھیں قرار دیا ہے اور ان سے اسی طرح اجتناب کیا جائے جس طرح گندگی سے انسان اجتناب کرتا ہے نیز اس لئے تا کہ عادات حسنی عود کر آئیں اور انسان کی طبیعت ان کی مشتاق ہو کر ان سے محبت کرنے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جعلت قرة عيني في الصلوة نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اور جب کبھی عبادت گزاری اور ترک محظورات دل پر گراں گزریں تو یہ نقصان کی دلیل ہے اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی ہاں اس پر ہمت سے ہمیشگی کرنا نیکی کی غایت ہے لیکن اسی نسبت سے جو اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت ہے۔

جو شخص غیر مہذب ہے اس کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں اس لیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانها لكبيرة الا على الخاشعين نماز سوائے خشوع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم رضا مندی کے لئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر ورنہ مکروہات پر صبر کرنے ہی میں بہت نیکی ہے پھر سعادت کے حصول کے لئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں بلکہ چاہیئے کہ تمام عمر میں علی الدوام اس پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر بزرگی زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی اس لئے جب آنحضرت ﷺ سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تمام عمر اللہ کی اطاعت کرنا حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرامؒ موت کو نا پسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

جب عمر کی درازی سے عبادتیں زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا نفیس زیادہ زکی اور اطہر ہوگا اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے علائق بدن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ وافر ہوگی۔

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس نیند سے بیدار ہو جس نے اسے اپنے نفس کے حال سے اور اس کے جمال سے جن سے وہ منور ہوتا ہے اور ان ذلت آمیز خیالات وحالات سے جو اس کی فضیحت اور رسوائی کا باعث ہیں غافل کر رکھا تھا یہ تنبیہ اور بیداری ،تعلقات و مشاغل کے دور پھینکد ینے سے حاصل ہوتی ہے لوگ اصل میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں جب مر جاتے ہیں تو جاگ اٹھتے ہیں یہی بات مجموعہ فضائل اور ان کی غایت ہے کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں بغیر سوچنے کے یاد یکھنے کے یا تکلیف اور رنج وتعب کے اسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے جس طرح مشاق صناع اور خوشنویس کا تب سے نقش ونگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے

انتہائے بدعملی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور وفکر اور بن دیکھے خود بخود بداخلاقیاں مترشح ہوں یاد رکھو کہ یہ تمام فضائل فن نظری اور فن عملی میں محصور ہیں ان میں سے ہر ایک دو طریق سے حاصل ہوتا ہے۔

(اول) تعلیم بشری اور تکلیف اختیاری اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق مواظبت وممارست کی حاجت ہے نیز یہ کے بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کرتے جائیں جس طرح لوگ نشونما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کے لئے ادنیٰ مشق بھی کافی ہے اور یہ بات ذکاوت وبلاوت پر منحصر ہے۔

(دوم) فضل خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان مادرزاد طور پر بغیر معلم کے علم وفاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے یہی حال تمام انبیاء کا ہے ان کو حقائق اشیاء کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ اور بھی اس بات کے اہل ہیں ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر یہ وہ عطیہ الٰہی ہے جس کا اکتساب جدوجہد کے ذریعہ ناممکن ہے جو شخص اس سے محروم ہوا اسے چاہیے کہ فریق ثانی میں سے ہونے کی کوشش کرے۔

یہ بات یاد رکھنے کی قابل ہے کہ اس کا رتبہ ان لوگوں کے مراتب سے کمتر ہوگا سرمہ لگانے سے آنکھوں میں وہ رعنائی نہیں پیدا ہوسکتی جو قدرتی سیاہ آنکھوں میں موجود ہوتی ہے۔

اس بات کو مستبعد بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل ہوں جو اکتساب اور کوشش کے ذریعہ سے ملتے ہیں جس طرح اخلاق میں ہوتا ہے چنانچہ بسا اوقات ایک لڑکا صادق القول سخی اور جری ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف پیدا ہوتا ہے اور یہ باتیں تادیب وتربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر مل جاتی ہے کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہاں تک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہوتو اسے انتہائی بزرگی حاصل ہے اور جو تینوں طور پر ذیل ہوتو وہ غایت رذالت کے گڑھے میں ہے ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا رتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے۔

فصل

تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ

تمہارے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ نفس کا علاج رذائل کو اس سے دور کرنے اور فضائل کے اکتساب سے ہوسکتا ہے اس کی مثال علم طب کی سی ہے۔ جس میں بدن کے مرض کی روک تھام اور تندرستی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جس طرح مزاج کی اصلیت میں اعتدال غالب ہے اور بیماری جو حالت اعتدال کو بدل دیتی ہے اغذیہ وغیرہ کے عارضوں سے ہی حملہ کرتی ہے اسی طرح ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، اور مجوسی بنا لیتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تعلیم اور بڑوں کی دیکھا دیکھی بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس طرح بدن ابتداء میں غیر مکمل پیدا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ غذا کے ذریعہ سے نشونما اور تربیت پا کر کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی

ناقص پیدا ہوتا ہے اور تزکیہ تہذیب اخلاق اور علم کی غذا دینے سے ہی کامل ہوتا ہے مثلاً بدن اگر تندرست ہو تو طبیب کا کام یہ ہے کہ قانون حفظ صحت پر عمل کرائے اور اگر مریض ہے تو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ اسے تندرست کرے یہی حال نفس انسانی کا ہے اگر وہ پاکیزہ وطاہر اور مہذب ہے تو مناسب ہے کہ اس کے ان اوصاف کو قائم رکھا جائے اور مزید قوت اور صفائی باطنی سے اسے بہرہ اندوز کرایا جائے اور اگر عدیم الکمال ہے اور صفائی اسے حاصل نہیں تو چاہیے کہ پہلے اس میں یہ باتیں پیدا کی جائیں جس طرح حالت اعتدال کو بدل کر مرض پیدا کرنے کی علت کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے اگر سردی سے ہو تو گرم دوائیں دی جاتی ہیں اور اگر گرمی سے ہو تو سرد دوائیں اسی طرح نفسانی امراض کے اسباب وبواعث کا علاج بھی ان کی ضد سے کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ جہالت کا علاج بہ تکلف تعلیم سے بخل کا بہ تکلف سخاوت سے غرور کا بہ تکلف انکسار سے اور پرخوری کا غذاؤں سے بہ تکلف ہاتھ کھینچنے سے کرنا چاہیے اور جس طرح ہر ایک ٹھنڈی دوا گرمی سے پیدا ہونے والے مرض کو کافی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک وزن خاص میں کر دی جائے کیونکہ اس دوائی کی تیزی کمزوری، دوام وعدم اور اس کی قلت وکثرت بھی مختلف ہوتی ہے اس کے لئے ایک پیمانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی نفع بخش مقدار کا اندازہ معلوم کیا جائے کیونکہ اگر اندازے کے مطابق دوائی نہ دی جائے تو مرض بڑھ جائیگا اسی طرح امراض اخلاق کے علاج کے لئے جو دوا دی جاتی ہے اس کے لئے بھی ایک اندازے کی ضرورت ہے پھر جس طرح دوا کا اندازہ بیماری کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب تک طبیب یہ معلوم نہیں کر لیتا کہ مرض کی علت حرارت ہے یا برودت اور اگر اس کی علت حرارت ہے تو اس کا درجہ قوی ہے یا ضعیف اس وقت تک مرض کے علاج کو ہاتھ نہیں لگاتا اور جب ان تمام امور سے واقف ہو جاتا ہے تو حالات بدن حالات موسم اور مریض کے پیشہ کی جانب توجہ کرتا ہے اور انجام کار سب حالات وواقعات کو مدنظر رکھ کر علاج میں مشغول ہوتا ہے اسی طرح شیخ متبوع کو جو مریدوں کے نفوس کی بیماریاں دور کرتا ہے چاہیے کہ اپنے مریدوں پر خاص قسم کی ریاضت شاقہ اور تکالیف کا ہجوم نہ کر دے جن سے ان کے اخلاق وعادات مانوس نہ ہوں تو جب اسے معلوم ہو جائے کہ فلاں برائی مرید پر سوار ہے اس کی مقدار کو جان لے اس کا حال اور مدت اسے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم کر لے کہ فلاں بات علاج میں مفید ہوگی تو علاج کا طریقہ معین کرے یہی وجہ ہے کہ بعض پیر اپنے بعض مریدوں کو شہر میں جا کر محنت ومشقت کرنے کا حکم دیتے ہیں یہ اس لئے کہ مرید میں کسی قسم کا تکبر اور حکومت

کی بو پائی جاتی ہے اس لئے پیران امراض کا علاج ایسے طریق سے کرتا ہے جو اس کے ان عادات کے نقیض دیکھتا ہے یہاں تک کہ اس کے تکبر کو اس کے ذریعہ سے چور چور کر دیتا ہے بعض مریدوں کو پانی بھرنے اور استنجے کے ڈھیلے گننے کا ارشاد ہوتا ہے اور یہ اسلیئے کہ مرید کا نفس رعونت کی جانب مائل نظر آتا ہے اور حد اعتدال سے زیادہ نفاست پسندی اس کی طبیعت میں پائی جاتی ہے بعض کو روزہ رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے اور افطاری کے لئے برائے نام کھانے کی مقدار دی جاتی ہے اور یہ اس لیئے کہ مرید جوان قوی الشہوت اور پیٹو ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ تہذیب نفس کے طریقے برتے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے متعلق روایت ہے جو قوت غضب کو دور کر کے قوت علم پیدا کرنے کے لئے کم حیثیت آدمیوں کو اجرت دیتے تھے اور اس بات پر مقرر کرتے تھے کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان پر خوب گالیوں کی بوچھاڑ کریں چنانچہ علم اور بردباری کے اوصاف ان میں پیدا ہو گئے یہاں تک کہ ان کی قوت برداشت ضرب المثل ہو گئی۔

کچھ اور لوگ تھے، جو اپنے میں وصف شجاعت پیدا کرنے کے لئے جاڑے میں دریا میں تیرتے تھے کچھ ایسے بھی تھے جو عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے اور خود پر خوری کی بد عادت دور کرنے کے لئے نان جویں پر گزارہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے سادھو عبادت میں سہل انگاری اور سستی کے مرض کا علاج تمام رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے کیا جاتا ہے اور بعض لوگ حب مال کی بیماری کا علاج یوں کرتے ہیں کہ تمام مال واسباب فروخت کر کے اس کے دام اٹھا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

الغرض تہذیب اخلاق کے طریقوں کا یہ مختصر اور اجمالی بیان ہے اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے۔

مدعا یہ ہے کہ شائق لوگ اپنے اخلاق کے بارے میں تزکیہ نفس کریں پس اگر تمہارا نفس پہلے ہی مہذب ہے تو اس کی حفاظت کرو تا کہ بگڑنے نہ پائے اور اگر وہ بگڑنے کی جانب مائل ہے تو اسے پھیر کر حد اعتدال پر لے آؤ اس کے طریقہ کی تفصیل ابھی آئیگی اعتدال حاصل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ افراط وتفریط کی حالت دور کر دی جائے کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان کو نفس سے بالکل پاک کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس ومحبت کے طور پر نفس ان کی جانب کبھی

متلفت نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اسے رنج محسوس ہو ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کیے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اسے کوئی تکلیف نظر نہ آئے چنانچہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو اور نہ ہی ٹھنڈا تو ہم اسے معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں آب فاتر جو ٹھرنے کو چھوڑ دیا ہو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد تو یہی حال ان صفات کا ہے۔

تمہارا کام یہ ہے کہ تم غور کرو کہ جس خلق کے باب میں تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں وہ کیسے ہیں پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو تو سمجھ لو کہ جس خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے اور اگر وہ فعل قبیح ہے مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اسے دبا رکھنے میں خوشی اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بخل ہے پس تمہیں چاہیے کہ تم اپنی طبیعت کو اس کے برخلاف عمل کی طرف پھیر لے جاؤ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کی تفصیل شریعت کر چکی ہے اور آداب نبی ﷺ کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں وہ ان کو جامع ہیں ہم ان کی جانب جلد ہی اجمالی اشارہ کریں گے ہماری مراد اعتدال سے یہ ہے کہ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے اسی کو تبدیز سے تعبیر کیا گیا ہے محمود و معتدل حالت وہ ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں اور جو کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم پر شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو، خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا اور شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو یہی صورتِ معاملہ ہے تمام صفات میں ان میں ایک کی مثال کافی ہے۔

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا ماخذ مقدار صفات و اخلاق ہے تو تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی کہ ان کے باب میں اختلاف اشخاص کے ساتھ راستہ بھی مختلف ہو گا نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہو گا۔

چنانچہ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت و سبب کے پیچھے پڑیگا اور اس کا علاج اس کے طریقے کے مطابق کرے گا لیکن چونکہ اکثر لوگ لائق نہیں اور شریعت کے لئے مشکل ہے کہ ایسی تحصیل پیش کرے جو سب لوگوں کے لئے سب زمانوں میں کافی و وافی ہو اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کو بیان کر دینا کافی سمجھا جن کی حدیں طاعات و ترک معاصی کو گھیر رہی ہیں پھر ان سباعات کے ذکر کو چھوڑ دیا جو امور جمیلہ کے

ساتھ لذت پانے کے لئے مقصود ہیں مثلاً فرمایا حب الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اہل بصیرت نے جان لیا کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت مامحذور اور اس کا رستہ کیا ہے اور تفصیل سے واقف ہو کر ان لوگوں کو اس راستے پر گامزن کیا جنھوں نے اتباع کی اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوئے کہ انھوں نے اس چیز کی تفصیل بیان کی جن کو انبیاء نے اجمالاً بیان کیا تھا اور جس کو صرف بطور تمہید کہا تھا انھوں نے اس کی تشریح کی اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی علماً نبیوں کے وارث ہیں۔

فصل

امہات فضائل

یوں تو فضائل بے شمار ہیں لیکن چار چیزیں تمام شعبوں اور قسموں پر حاوی ہیں یعنی حکمت شجاعت عفت عدالت حکمت سے قوت عقلیہ کی فضیلت مراد ہے شجاعت سے قوت غضبیہ کی اور عفت سے قوت شہوانیہ کی اور عدالت سے مراد ہے ان تمام قویٰ کا ترتیب مناسب میں واقع ہونا اس کے ذریعہ تمام امور کامل ہوتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زمین وآسمان عدل پر قائم ہے ہم ان بنیادی امور میں سے ایک ایک کی تشریح کریں گے نیز ان کے بیان کی ان کے ماتحت جملہ انواع کی تشریح کریں گے۔

حکمت کے ہم وہی معنیٰ لیتے ہیں جن کی عظمت اللہ تعالیٰ نے اس قول میں بیان فرمائی ومن یوتی الحکمۃ فقط اوتی خیرًا کثیر اور جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا الحکمۃ ضالۃ المؤمن۔ حالی

کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو

جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

حکمت قوت عقلیہ کی طرف منسوب ہے تم پہلے جان چکے ہو کہ نفس کی دو قوتیں ہیں اول جو اوپر سے آتی ہے اسی سے ضروری نظری اور کلی حقائق علوم ملاء اعلیٰ کی طرف سے انقا ہوتے ہیں یہ یقینی علوم ہیں اور سچے ہیں ازلی اور ابدی لحاظ سے اختلاف اعصار وامم ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جیسے اللہ تعالیٰ اس کی صفات اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم اور

عالم میں خدا کی تمام مخلوق کی تمام اصناف کا علم۔

قوت ثانیہ وہ ہے جو نیچے کی جانب متوجہ رہتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر اور سیاست کی جانب اسی کے ذریعہ سے نیک اعمال کا ادراک ہوتا ہے اس کو عقل عمل کہتے ہیں اس کے ذریعہ سے نفس کے قوی اہل شہر اور اہل خانہ کی قوتیں قابو میں رکھی جاتی ہیں اس کا نام ایک لحاظ سے حکمت مجازی طور پر ہے کیونکہ اس کی معلومات گرگٹ کی مانند بدلتی رہتی ہیں ایک جگہ قرار نہیں پکڑتی چنانچہ اس کی معلومات میں سے ایک یہ ہے مال خرچ کرنا اچھا کام ہے حالانکہ بعض اوقات اور بعض اشخاص کے حق میں یہ بات بھی برائی ہو جاتی ہے اس لئے اول الذکر کے لئے حکمت کا نام زیادہ درست ہے اور مؤخر الذکر اول کا کمال ہے اور تتمہ یہ حکمت خلقیہ ہے اور وہ حکمت عملیہ و نظریہ حکمت خلقیہ سے ہماری مراد ہے نفس کی عاقلہ کی وہ حالت اور فضیلت جس سے قوت غضبیہ و شہوانیہ قابو میں لائی جاتی ہے اور مناسب اندازے کے ساتھ ان ض وانبساط میں مقدار مقرر کی جاتی ہے اس سے مراد قوت فیصلہ ہے یہ ایک فضیلت ہے جس کو دو خرابیاں احاطہ کیے ہوئے ہیں اول مکاری دوم سادہ لوحی یہ دونوں کنارے ہیں افراط و تفریط کے مکاری افراط کی انتہائی صورت ہے یہ وہ حالت ہے جس میں انسان مکر و حیلہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے جب قوت غضبیہ اور شہوانیہ مطلوب کی طرف حد سے زیادہ تحریک کرتی ہیں اور سادہ لوحی انتہائی تفریط اور حد اعتدال سے کم ہونے کا نام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں نفس قوائے عصبیہ و شہوانیہ کے مشورہ کو حد سے کم قبول کرتا ہے اس کی وجہ فہم کی کمزوری اور قوت فیصلہ کی کمی ہے۔

شجاعت قوت غضبیہ کے لئے فضیلت ہے بوجہ اس کے قوی ہونے کے حمیت کے ساتھ یہ عقل کی مطیع و منقاد ہے اور بڑھنے اور گھٹنے میں شریعت کے احکام کی پابند قوت غضبیہ کی دو برائیوں کے درمیان جو اسے گھیرے ہوئے ہیں یہ ایک متوسط درجہ ہے دونوں برائیاں تہوار اور بزدلی ہیں تہور اعتدال سے بڑھی ہوئی کیفیت کا نام ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں انسان ایسے خطرناک امور میں کود پڑتا ہے جن سے بچنا قرین دانشمندی تھا بزدلی اعتدال سے گھٹتی ہوئی حالت ہے اس میں حرکت غضبیہ کی حد سے زیادہ کمی کے باعث انسان ان امور کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے جن کا سامنا کرنا عقل و خرد کے مطابق تھا جب یہ تمام اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں تو ان سے افعال صادر ہوتے ہیں یعنی خلق شجاعت سے دلیرانہ اقدام دنیا در ہوتا ہے جہاں چاہیے اور جیسا چاہیئے یہی طرز عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد

اشداء علی الکفار رحماء بینھم سے بھی یہی ہے یعنی کفار پر سخت گراں اور آپس میں نہایت مہربان بہر حالت میں نہ تو سختی درست ہے نہ نرمی ہے بلکہ مناسب طرز عمل وہ ہے جو عقل و شریعت کے معیار پر پورا اترے تو جس کو یہ حد اعتدال حاصل ہو جائے اسے چاہیے کہ اپنے افعال سے اسے ہمیشہ محفوظ رکھے اور جسے یہ بات میسر نہ ہو تو چاہیے کہ وہ غور کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت کی شجاعت یعنی بزدلی کی جانب مائل ہے تو بہادروں کے افعال کی پیروی تکلف کرے اور اس پر ہمیشہ عمل کرے یہاں تک کہ یہ بات اس کا طبعی خلق اور عادت بن جائے اور شجاعت مند لوگوں کے کارنامے اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے متجاوز حالت کی یعنی تہور کی طرف مائل ہے تو یہی مناسب ہے کہ اپنے تئیں ان کے نتائج سے ڈرائے اور ان کے خطرات کی عظمت سے دل کو مرغوب کرے ان باتوں پر اسے ابتدا میں بہ تکلف عمل کرنا پڑیگا یہاں تک کہ اس کی طبیعت حد اعتدال یا اس کے قریب کے کسی مقام کی طرف ہٹ آئیگی کیونکہ حد اعتدال کی حقیقت پر قائم رہنا نہایت مشکل بات ہے اور چونکہ یہ بات عسیر الحصول ہے اس لئے فرمایا وان منکم الا وار دھا تم میں سے ہر ایک اس میں وارد ہوگا۔

کسی بزرگ نے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور آپ کا اس فرمان سے کیا مطلب ہے کہ مجھے سورۃ ھودؑ نے بوڑھا کر دیا ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان نے کہ فاستقم کما امرت یعنی صراط مستقیم پر استمرار اور افراط و تفریط سے بچکر توسط اختیار کرنا نہایت سخت مرحلہ ہے یہ بات بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز تر ہے جیسے کہ پلصراط کے باب میں بیان کیا گیا جس شخص نے دنیا کے راستے پر استقامت اختیار کر لی وہ آخرت میں بھی مستقیم رہے گا کیونکہ انسان اسی بات پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی بسر کی اور اس کا حشر اس بات پر ہوگا جس پر وہ مرا اسی لیئے نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں آیت اھدنا الصراط المستقیم داخل ہے طالب پر استقامت سب باتوں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے اگر ایک خلق میں بھی اس کا مکلف قرار دیا جائے تو مصیبت طویل ہو جائے حالانکہ ہمیں تمام اخلاق میں باوجود ان کے بے حد وحساب ہونے کے اس بات کا مکلّف کیا گیا ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوگا خطرات سے عہدہ برائی توفیق الٰہی رحمت خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا الناس کلھم موتی لا العالمون والعالمون کلھم موتی الا العاملون والعاملون کلھم موتی

الاالمخلصون والمخلصون علی خطر عظیم لوگ سب مردے ہیں سوائے عالموں کے اور عالم سب مردے ہیں سوائے عاملوں کے اور عامل سب مردے ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلصین بڑے بڑے خطروں میں ہیں تو ہم خداوند تبارک وتعالیٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اپنی توفیق سے ہماری مدد فرما تاکہ ہم اس دنیا میں خطرات سے بچ کر سلامت نکل جائیں اور غفلت وخودفراموشی کے دام میں گرفتار نہ ہوں۔

عفت تو یہ قوت شہوانیہ کی بہترین صورت ہے اس سے مراد قوت شہوانیہ کو نرم اور ہموار کر کے قوت عقلیہ کے تابع کر دینا ہے یہاں تک کہ اس کی حرکت وسکون اس کے اشارے کے مطابق ہو جائے اس کے دونوں جانب دو خرابیاں ہیں شہوت پرستی اور نامردی شہوت پرستی سے مراد ہے لذات نفسانی میں افراط اس حد تک کہ قوت عقلیہ اسے ناپسند کرے اور اس سے منع کرے نامردی سے مراد ہے کہ آگ کا بالکل بجھ جانا اور اس میں اس قدر بھی جوش نہ رہنا جس کی موجودگی کا عقل تقاضا کرتی ہے یہ دونوں باتیں بری ہیں عفت ان دونوں کا درمیانی اور پسندیدہ نکتہ ہے انسان کو چاہیے کہ اپنی شہوت کی نگہبانی کرے اس پر اکثر افراط غالب ہوتی ہے خصوصاً شرمگاہ اور پیٹ کی مقتضیات اور مال وریاست اور جب ثنا پر یا درکھو ان باتوں میں افراط وتفریط دونوں نقصان رساں ہیں۔

انسان کا کمال اعتدال میں ہے اور اعتدال کا معیار عقل وشرع ہے مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کے اخلاق کی غایت مطلوبہ کا علم ہو جائے مثلاً اس بات کی واقفیت ہو جائے کہ خواہش طعام اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غذا لینے کی تحریک کرے جو حرارت عزیزی میں خلل آنے کا سد باب کرتی ہے حتی کہ بدن زندہ رہتا ہے اور حواس سالم تاکہ حصول علوم اور حقائق اشیاء کے ادراک کی طاقت پیدا ہو............ یہ حالت طبقہ علیا سے مشابہ ہے کیونکہ اس میں امن کے خواص پائے جاتے ہیں یعنی رتبہ ملائکہ یہی کمال سعادت ہے جو شخص ان باتوں کی معرفت حاصل کر لے اس کی غرض تناول طعام سے عبادت گزاری کا تقویٰ ہوتی ہے نہ کہ اس سے حظ نفس وہ کم خوری کی عادت کر لیتا ہے لامحالہ مائل پرواز ہوتا ہے اور اس کی حرص تیز نہیں ہونے پاتی وہ جانتا ہے کہ خواہش مباشرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جماع کی تحریک کرے جس سے نوع انسانی کی بقا کی حفاظت کا رشتہ وابستہ ہے اور تاکہ نکاح کی طلب پیدا ہو اولاد پیدا کرنے اور بدکاری سے بچنے کی غرض کے لئے نہ محض لہو ولعب اور حظ نفس حاصل کرنے کے لئے اور اگر لہو لعب اور تمتع میں مشغول ہوا تو اس کا باعث محنت اور الفت ہوگی جو حسن صحبت اور دوام نکاح

کی تحریک کرتی ہے وہ صرف اسی قدر شادیاں کرے گا جس قدر اس کے حقوق کی ادائیگی میں مزاحم نہ ہوں۔

جو شخص ان باتوں سے واقف ہو جائے اس کے لئے کم شادیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے یہاں آدمی اپنی ذات کا شارع علیہ السلام کی ذات بابرکات پر خیال نہ کرے کیونکہ بیویوں کی کثرت حضور ﷺ کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کرسکتی تھی اور نہ ہی آپ کو طلب دنیا پر مجبور کرسکتی تھی

جو شخص کثرت سے شادیاں کرتا ہے کہتا ہے کہ بیویوں کی کثرت حضور ﷺ کے لئے مضر تھی مجھے بھی ضرر نہ کریگی۔اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو خیال کرتا ہے کہ نجاست کا جو ڈھیر ایک بحرنا پیدا کنار کو متغیر نہیں کرسکتا اس سے سمندر میں سے ایک لوٹا بھر پانی بھی متغیر نہ ہوگا اور جو لذیز اور مرغن غذائیں ایک قوی الجثہ جوان اور بھرپور شخص کو نقصان نہیں پہنچاتیں وہ ایک شیر خوار اور کمزور بچے کو بھی ضرر نہ کریگی بہت سے عقل کے دشمن بڑائی کے لیتے ہوئے اپنی ذات کو حضور ﷺ کی ذات پر قیاس کرتے ہیں کہاں راجہ بھوج اور کہاں کنگو تیلی ۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بری طرح برباد ہوتے ہیں کہ نشان بھی نہیں ملتا نعوذ باللہ۔خدا ہمیں کور باطنی سے محفوظ رکھے کیونکہ ظاہری اندھا ہونے سے بدتر ہے ظاہری آنکھ کا اندھا تو اپنے عجز اور بیلے کسی کا اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے رستہ پر ہو لیتا ہے لیکن یہ باطن کے اندھے اس قدر فریب نفس میں گرفتار ہوتے ہیں کہ کسی صاحب نظر کی انگلی تھامنا ذلت سمجھتے ہیں پھر نہ ان کا نور تکمیل پاتا ہے نہ وہ سیدھے راستہ پر گامزن ہوسکتے ہیں ان کے مال کی خرابی یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں رہتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوئے۔

میں نے بعض طبقہ عوام کے بے وقوفوں کو دیکھا کہ تصوف کے بارے میں اپنی رائے سے اٹکل پچو لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ خواہشات اور شہوتیں پیدا ہی نہ کی جاتیں اگر ان کی پیروی مذموم اور مہلک ہوتی افسوس انھیں یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں شہوتوں کی پیدائش یعنی شرمگاہ اور شکم کی خواہشات کی خلقت میں دو زبردست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

(اول)انسان کے وجود کی بقا بذریعہ غذا کے اور نوع انسانی کی بذریعہ جماع کے کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات میں ضروری ہیں سنت الٰہی کے مطابق مشیت الٰہی کے ساتھ جاری ہیں جو نہ تبدیل ہوسکتی ہے نہ روکی جاسکتی ہے۔

(دوم)لوگوں کو سعادت اخرویہ کے حصول کی ترغیب دینا کیونکہ جب تک ان کو لذات و آلام کے ذریعہ سے تکلیف و آرام کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک نہ وہ جنت کی رغبت

کریں گے نہ دوزخ سے خوف کھائیں گے۔

اگر انھیں کسی ایسی چیز کا وعدہ دیا جائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا تو ان کے نفوس پر اس کا خاک بھی اثر نہ ہوگا عفت کا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔

عدل، حکمت اور شجاعت اور عفت کی اس منتظم حالت کا نام ہے جس میں وہ مناسب طور پر ایک ترتیب واجب کے ساتھ مختار منقاد ہوں اصل میں یہ فضائل اخلاق کا جز نہیں بلکہ یہ عبارت ہے جملہ فضائل سے اس کی صورت یوں ہے کہ جب بادشاہ اس کے لشکر اور اس کی رعیت کے درمیان ایک عمدہ ترتیب قائم ہو بادشاہ صاحب بصیرت اور صاحب جبروت ہو اس کا لشکر طاقت ور اور اطاعت شعار ہو، اور رعیت مطیع و منقاد ہو تو کہا جائیگا کہ ملک میں عدل قائم ہے لیکن اگر بعض میں ضروری صفات موجود ہوں اور بعض میں نہ ہوں تو عدل کی موجودگی سے انکار کیا جائیگا مملکت بدن میں بھی ان صفات کے مابین اسی طور سے ہوتا ہے۔

نفس کے اخلاق میں عدل سے لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ معاملات و سیاسیات میں توازن قائم ہو عدل کے معنیٰ ہیں ترتیب مستحب خواہ اخلاق میں خواہ معاملات میں یا ان اجزاء میں جن سے شہر و ملک کا قوام ہے۔

معاملات میں عدل غبن و تغابن کا درمیانی نکتہ ہے یعنی انسان وہ چیز لے لے جو لینے کے قابل ہے اور وہ چیز دیدے جو دینے کے لائق ہے غبن یہ ہے کہ ناجائز طور پر کوئی چیز لے لی جائے اور تغابن یہ ہے کہ کسی معاملے میں وہ شے دیدی جائے جس کا نہ اجر ہے نہ احسان سیاسیات میں عدل یہ ہے کہ شہر کے مختلف اجزا اس طرح مرتب کئے جائیں کہ شہر بلحاظ اس کے تعلقات کے اور باعتبار اپنے اجزاء کے تناسب کے اور بحساب اپنے ارکان کے تعاون کے حسب منشا طور پر ہو جائے یعنی اس کی اجتماعی حیثیت شخص واحد کی سی ہو ہر ایک چیز اپنے مناسب مقام پر رکھی جائے اس کے باشندوں میں بلحاظ طبقہ کے تقسیم کر دی جائے کون شخص کون سی خدمت سرانجام دے گا کون خادم ہے اور کون مخدوم کس کس طریق سے خادم خدمت کرے گا اور کس کس عنوان سے مخدوم خدمت لے گا جیسا کہ ہم قوائے نفسانیہ کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

عدل کے لئے افراط و تفریط کوئی شے نہیں اس کا مقابل خلق ایک ظلم ہے کیونکہ ترتیب اور عدم ترتیب میں کوئی درمیانی نکتہ نہیں اس قسم کی ترتیب اور عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں

یہاں تک کہ تمام کائنات شخص واحد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قویٰ اور اجزا سب ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

اور اب جبکہ ہم یہ تمام امہات فضائل بیان کر چکے ہیں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک فضیلت اور ذیلت بزرگی اور خرابی جس قدر فضائل اور ذائل کے اقسام وانواع ہیں ان کی تفصیل درج کریں۔

اس بارے میں قوت عقلیہ سے ابتدا ہوگی پھر قوت غضبیہ اور آخر میں قوت شہوانیہ کی باری آئیگی تاکہ ان کا بیان مکمل ہو جائے

فصل

فضیلت حکمت اور اسکی افراط وتفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی

حکمت کے ماتحت حسن تدبیر جودت ذہن، نقایۃ الرائی اور صواب ظن کا اندراج ہوگا

حسن تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تم عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل سیاست مدینہ دفاع دشمن اور رفع شر کے معاملات میں تم سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرو جو افضل اور اصلح ہو غرض یہ کہ ہر ایک اور مہتم بالشان امر میں تمہیں یہ بات حاصل ہو لیکن اگر معاملہ حقیر اور آسان ہو تو اس کے متعلق جو غور و فکر ہوگا اسے حسن تدبیر نہ کہیں گے اسے محض اندازہ کہہ دینا کافی ہوگا

جودت ذہن یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہو جائیں اور ان میں بحث ونزاع درپیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو۔

نقایۃ رائے کا مفہوم ہے پیش آمدہ امور کے بارے میں جو اسباب وبواعث دلپسند نتائج برامد کرنے والے ہوں اور ان پر تیز دستی سے پہنچ کر قائم ہو جانا۔

صواب ظن یہ ہے کہ بغیر دلائل کی اٹکل پچو لگانے کے مشاہدات پھر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے۔

مکاری کے ماتحت حد سے زیادہ تیز فہمی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی حد سے بڑھی ہوئی عقلمندی کے باعث کسی کام کے سرانجام دینے میں ایسے طرق کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا ہو لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان

میں نفع خاصہ ہواب اگر نفع خسیس ہوتو اسے فریب کاری کہیں گے حد سے زیادہ تیز فہمی اورفریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے۔

سادہ لوحی کے ماتحت ناتجربہ کاری حماقت جنون کے نام آئینگے۔

ناتجربہ کاری۔ سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالجملہ قلت تجربہ کا نام ہے اگرایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آزمودہ کار ہے ورنہ ناآزمودہ کار مجمل طور پر ناتجربہ کار شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو۔

حماقت یہ ہے کہ انسان منزل مقصود پر پہنچنے کے درست راستہ کے تعین میں ہی غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے حماقت اگر پیدائشی ہوتو اسے حماقت طبعی کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں[1] اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے اس لئے جب وہ مرض دور ہو جائے تو حماقت بھی دور ہو جاتی ہے۔

جنون: یہ فساد تخیل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان ناقابل قبول شے کو قابل قبول شے پر ترجیح دیتا ہے یہاں تک کہ اس کا قرعہ انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے جنون کی خرابی اس کی غرض ہے اور حماقت کی خرابی کرنا کیونکہ احمق کی غرض وغایت بھی عاقل کی سی ہوتی ہے اس لیے ابتداء میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس کی بے وقوفی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جنون چونکہ فساد غرض ہے اس لئے شروع ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

فصل

فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ درج ہوگا

شجاعت کے عنوان کے ماتحت جودوکرم، دلیری خودداری برداشت بردباری ثابت قدمی، شہامت قدردانی اور وقار آتے ہیں۔

جودوکرم، کنجوسی اور اسراف کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القدر اور عظیم النفع امور میں خوشی سے خرچ کرنا اس کو آزادہ روی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں۔

دلیری، یہ جسارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ضرورت کے

[1] مطلب یہ کہ علاج بہت مشکل ہے ورنہ انسان میں ہرایک کمال کی استعداد ہے۔

وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے۔

خود داری۔ یہ تکبر اور ہیچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے اس وصف کے ذریعہ انسان اس بات پر قادر ہو جاتا ہے کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنائے اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علماء کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے اور فرومایہ لوگوں کے اکرام و عزاز میں مسرت نہ پائے ادنیٰ امور میں اسے کوئی لطف نہ ملے اور نہ ہی اتفاقات حسنہ خوش نصیبی کے طور پر جو مفاد و منفعت حاصل ہو اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو

برداشت۔ یہ جسارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے اس سے مراد ہے تکلیف دہ اور ایذارساں امور سے نہ گھبرا جانا۔

حلم، ظلم وسفاکی اور بے غیرتی کے درمیان ہوتا ہے اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے۔

ثابت قدمی کے معنیٰ دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا ہیٹا نہ ہونا ہے۔

شہامت، سے مراد ہے حسن وخوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی عمل میں حریص ہونا

قدردانی۔ بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا۔

وقار یہ تکبر اور انکسار کے بین بین ہوتا ہے۔

وصف شجاعت کے دو کنارے ہیں اول تہور جنس و نامردی ان کے تحت میں چھچھورا پن اور خست، جسارت اور بزدلی اکڑفوں اور اہیچ میرزی، بےصبری اور تیز مزاجی سرد مزاجی تکبر اور کینہ پن، عجب و مہانت، کا اندراج ہوگا ان میں سے جو باتیں حد اعتدال سے زیادتی کی طرف مائل ہیں تہور کا حصہ ہیں اور جو حد اعتدال سے کمی کی طرف راجح ہیں جن کے ماتحت ہیں

چھچھورا پن یعنی ناواجب امور پر جیسے زینت وغیرہ خرچ کرنا اور اس سے مقصود محض لاف زنی رکھنا۔

خست یعنی دنائت طبع ضرورت کے مقام پر نہ خرچ کرنا اور ادنیٰ باتوں میں فخر کرنا۔

جسارت، بے سود موت کی تلاش کرتے پھرنا موقع بے موقع جان پر کھیل جانے کو تیار رہنا۔

بزدلی جہاں ہلاکت کا خوف نہ کرنا چاہیے وہاں موت کے خوف سے کپکپی پیدا ہو جانا

اکڑفوں بغیر استحقاق کے بڑی بڑی باتوں کا اپنے تئیں اہل سمجھنا۔

ہیچ میرزی اپنے درجہ سے خود کو کم سمجھنا۔

جسارت، ہلاکت کی بے فائدہ باتوں میں تلاش کرتے پھرنا ضرورت بے ضرورت مرنے پر تیار رہنا۔

بے صبری، ایذا رساں اور رنج وآلام کے نام سے دم فنا ہونا۔

تیز مزاجی، فوراً غضبناک ہو کر بھڑک اٹھنا۔

بے غیرتی۔ کسی بات پر غصہ نہ ہونا خواہ کیسی ہی ذلت ہو جائے۔

تکبر۔ اپنے تئیں مقدور سے زیادہ بلند،، مرتبہ سمجھنا۔

خست اپنے تئیں حد سے زیادہ ذلیل سمجھنا اگر مناسب حد تک ہو تو اسے منکسر مزاجی کہتے ہیں۔

نخوت تکبر سے پیدا ہوتی ہے اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچاننا اور ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں۔

لوگ تکبر اور بخل کو کینسر پن اور فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں کیونکہ یہ سب برے وصف ہیں۔

خست اور فضول خرچی اگر چہ برے اوصاف ہیں لیکن یہ تواضع اور سخاوت سے مشابہت رکھتے ہیں اس لیئے پسند کیے جاتے ہیں پھر بھی حقیقت میں یہ اخلاق رذیلہ میں داخل ہیں اور اعتدال سے دور اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا طوبی لمن تواضع من غیر منقصة وذل نفسه من غیر مسکنة اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو مناسب انکسار کرے اور اپنے تئیں حقیر سمجھے لیکن مسکنت کا اظہار نہ کرے۔

فصل

عفت اور اس کے متعلق اخلاق رذیلہ کا اندراج

فضائل عفت میں حیا، شرمیلا پن مسامحت، صبر وسخا، حسن تقدیر انبساط، نرم خوئی، انتظام خوبصورتی، قناعت، استغنا، ورع، طلاقت مساعدت، رشک اور ظرافت شامل ہیں۔

حیا شوخی اور زنانہ پن کے درمیان ہوتی ہے اس کی تعریف یوں ہے کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کے عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے

جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فردایہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے اور یہ تحفظ نفس ہے مذموم باتوں سے غرض یہ ہے کہ حیا کا استعمال بری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا ہے جس چیز کو ایک شخص برا سمجھتا ہے اس سے اس کی طبیعت گھبرا سی جاتی ہے یہ موخر الذکر صورت لڑکوں اور عورتوں کے لئے زیبا ہے اور عقلمندوں کے لئے مذموم ہے شرم کی پہلی صورت سب سے اچھی ہے اور حدیث کا اشارہ اسی کی طرف ہے جب فرمایا: ان اللہ یستحی من ذی شیبۃ فی الاسلام ان یعذبہ ۔ کہ خدا مسلمان بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے یعنی اس کو عذاب دینا ترک کر دیتا ہے۔

شرمیلا پن، یعنی فرط حیا سے دل کا گھبرا جانا، مردوں کے سوائے لڑکوں اور عورتوں میں اس کا ہونا پسندیدہ امر ہے انسان اس سے شرماتا ہے جس کو دل میں اپنے سے بزرگ و برتر سمجھتا ہے انسانوں سے شرمانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص لوگوں سے خود کو کمتر سمجھتا ہے اور جو شخص اللہ سے نہیں شرماتا تو اسکے معنی یہ ہیں کہ جلالت مرتبہ کو نہیں پہچانتا اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا استحیو ا من اللہ حق الحیاء اللہ سے اس کے حق کے مطابق شرم کرو، اس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے اولم یعلم بان اللہ یری ۔ وہ نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے کیونکہ اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خدا دیکھ رہا ہے تو اگر وہ دیندار اور خدا کی عظمت کو پہچاننے والا ہے تو ضرور شرم کھا جائیگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا ایمان لمن لا حیاء لہ جس شخص میں حیا نہیں اس میں ایمان بھی نہیں کیونکہ حیا انسان کے لئے عقل کا پہلا تقاضا ہے اور ایمان عقل کا آخری مرتبہ پھر جو شخص پہلا پہلا زینہ بھی طے نہیں کرتا وہ آخری زینہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے۔

مسامحت بعض حقوق کو خوش دلی سے چھوڑ دینے کا نام ہے یہ مناقشت یعنی حساب میں باریکی کرنے اور اہمال یعنی ترک کامل کے بین بین ہوتی ہے۔

صبر، نفس انسانی کا ہواء ہوس سے مقابلہ کرنا اور لذات قبیحہ سے دور رہنا۔

سخاوت فضول خرچی اور انتہائی کنجوسی کا وسطی مقام یعنی خرچ کرنے میں آسانی اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب۔

حسن تقدیر، اخراجات میں بخل اور تبذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال اختیار کرنا

نرم خوئی، اشتیاق مشتہیات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ۔

انتظام نفس کی وہ حالت جس میں اسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا اندازہ معلوم ہو جائے۔

خوبصورتی، جائز اور واجب زینت کا شوق جس میں رعونت کو دخل نہ ہو۔

قناعت، معاش حسن تدبیر جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو۔

استغناء جو چیزیں لذات جمیلہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہو جانا

ورع، ریا کاری اور رسوائی کے بین بین یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین کرنا

کمال نفس اور قرب الٰہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریاء کو دخل ہوتا ہے نہ اعلان کو۔

طلاقت، بامذاق، خوش مزاجی جس میں فحش اور افترا کو دخل نہ ہو جدل ہزل کی افراط وتفریط کے درمیان وسطی مقام ہے۔

ظرافت ترش روئی اور مسخرا پن کے بین بین ہوتی ہے یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے اور خوش طبعی کا موقع محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے اور ہر ایک شخص سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے جب ایک آدمی کا دل چاہے کہ میں ہنسی مذاق کے ذریعہ دل خوش کروں، تو اسے دس باتوں میں سے ایک کا خیال رکھنا ضروری ہے اسے محبت اور پاکیزہ مزاج سے جو مسخرگی اور بے ہودگی کی حد تک نہ پہنچے اور صرف اتنی مقدار میں جس سے پریشانی طبع دور ہو جائے کام لینا چاہیے لغو گوئی اور تمسخر سے کامل احتراز کرنا چاہیے حضور ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خوش طبعیوں کا مذکور کتابوں میں درج ہے۔ جس سے اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہمیں اس موضوع کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

مسامحت: سرکشی اور چاپلوسی کے درمیان کا وسطی نکتہ یعنی قابل عمل امور میں انکار اور مخالفت چھوڑ کر لوگوں کے آرام کے لئے اپنا فائدہ ترک اور ان کا کام کر دینا۔

رشک: حسد اور شماتت کے مابین، یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی پر اندوہ گین ہونا۔

عفت: کی افراط وتفریط کے ماتحت حسب ذیل امور درج ہونگے بے حیائی، زنانہ پن فضول خرچی، کنجوسی، ریا کاری، ذلت پسندی، ترش روئی، بے ہودگی چھچھورا پن، بدمزاجی تملق، حسد اور شماتت۔

بے حیائی: علانیہ برے کاموں کی پیروی کرنا، بے عزتی اور مذمت کا خوف کئے بغیر۔

زنانہ پن۔انسانی طبیعت کی وہ حالت جس میں انسان فرط حیا سے قولاً اور عملاً کھل نہ سکے۔

فضول خرچی: عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرنا، نہ بات کا دھیان اور دولت برباد کیے جانا۔

کنجوسی: جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے، وہاں ہاتھ کھینچ لینا،اس کے تین اسباب ہیں بخل شح اور لئامت، ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے۔

بخیل تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے اس خوف سے کہ تنگدست اور مفلس ہو جاؤ نگا تو کھاؤ نگا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں بخل کا سبب خیال کی بزدلی ہے۔

شحیح وہ ہوتا ہے جس میں تنگدستی کو بے وجہ خوف اور دشمنوں کے ڈر کے ساتھ اسے دوسروں کی حالت کی بہتری ناپسند ہوتا کہ محتاج لوگ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں اور اس کو اس طرح مرتبہ اور رفعت حاصل ہو اس کا باعث جہالت ہے۔

لئیم،اس میں مذکورہ بالا سب بداخلاقیاں جمع ہوتی ہیں اور اس پر مستزاد یہ بات ہوتی ہے کہ وہ حقیر باتوں میں شرم نہیں کرتا اس کا سبب خباثت نفس کی ایک قسم ہے اس کی مثال چور اور دیوث کی سی ہے۔

ریا کاری: نیک اعمال میں لوگوں کی مشابہت اس لیے کرنا کہ لوگ سنیں اور تعریف کریں اور عزت کریں۔

ذلت پسندی: نیک اعمال کے ذریعہ روح کو زینت دینے سے اعراض کرنا اور بد اعمالی کا ارتکاب۔

ترش روئی: متانت کی حد افراط۔

بے ہودگی: حد سے زیادہ مسخرگی۔

چھچھورا پن: انیس اور دوست کی ملاقات پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا۔

اندوہ گینی: مجلس میں بیٹھ کر اندوہ گین سا رہنا۔

بدمزاجی: لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا۔

بدمزاجی: لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا۔

تملق: لوگوں سے اس درجہ عاجزی اور خوشامد سے پیش آنا کہ گویا استحقاف اور

ذلت کی پرواہ ہی نہیں ہے۔

حسد: مستحق لوگوں کے آسائش اور کامیابی دیکھ کر پیچ وتاب کھانا اور ان کے زوال عزوجاہ کا آرزومند ہونا۔

شماتت: نالائق لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچتے دیکھ کر خوش ہونا اور ملامت کرنا۔

عفت: کا اعتدال ان تمام اخلاق فاضلہ کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کے بالکل مقابل کی حالت جملہ اخلاق رذیلہ کے مجموعہ کا نام ہے۔

ان اخلاق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف کے متعلق احادیث واخبار میں تحریک امیز احکام نہ صادر ہو چکے ہوں اور اخلاق رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس سے متعلق تنبیہ اور زجر توبیخ کے لئے اخبار واحادیث میں بیان موجود نہ ہو اس لئے ہم اس بارے میں گفتگو کر کے تجربہ کو طول دینا نہیں چاہتے جو شخص ان کا طالب ہو اسے عادات وآداب نبی ﷺ اور حالات صحابہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔

اس تذکرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ انسان ان تینوں قوتوں کے سبب سے ان اخلاق کے قریب ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی دو جانیں ہیں اور ان کے درمیان ایک مقام اوسط ہے اب انسان اس بات پر مامور ہے کہ وہ ان سب میں افراط وتفریط کے دونوں کناروں کے درمیان توسط اور استقامت اختیار کرے یہاں تک کہ جب اسے یہ سب باتیں حاصل ہو جائینگی تو اس کا کمال مرتبہ تکمیل کو پہنچ جائیگا اور یہ کمال اسے خداوند جل وعلیٰ کا قرب بلحاظ رتبہ عطا فرمائیگا لیکن مکانی قرب جیسے ملائکہ مقربین کو میسر ہے اسے نہیں ملے گا بہائے اعظم اور کمال تم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

موجودات میں سے ہر ایک شے کمال ممکن کی اشتیاق ہے اور یہی غایت مطلوبہ ہے تو اگر اسے پالیا تو وہ اپنے سے اسے اوپر کے عالم میں جا پہنچا اور اگر ناکام ومحروم رہا تو اس غار عمیق میں جا پڑا جو اس کے نیچے ہے اس طرح جب انسان اس کمال کو حاصل کر لیتا ہے تو افق ملائکہ پر اللہ کے قرب کے مقام سے ملحق ہو جاتا ہے اور یہی اس کی سعادت ہے یا جب وہ شہوت وغضب کے اخلاق رذیلہ کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے اور بہائم کے درمیان مشترک ہیں اور یہی اس کی شقاوت ہے۔

اس کی مثال رہوار سبک کی سی ہے کہ اس کا کمال تیز رفتاری ہے اگر اس سے یہ بن نہ

آئے تو اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے پھر لوگ اس پر بوجھ لادتے اور گھاس چارہ ڈھوتے ہیں انسان کے لئے کمال کے مراتب ان اخلاق اور غیر محصر علوم کے مطابق ہوتے ہیں اسی لئے آخرت میں لوگوں کے درجات بھی مختلف اور متفاوت ہونگے جس طرح دنیا میں پیدائش اخلاق ثروت اسائش اور دوسرے تمام حالات کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب الگ الگ ہوتے ہیں۔

فصل

وہ بواعث جو نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں یا ان سے روکتے ہیں

دنیوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔ اول ترغیب و ترہیب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔

دوم تحسین، اور شاباش کی امید اور مذمت و ملامت کا خوف۔

سوم طلب فضیلت و کمال نفس کا شوق۔

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا اقتضا ہے اور عوام کا رتبہ اس سے متعلق ہے۔

دوم کا حیا اور مبادیات عقل تقضا کرتی ہیں یہ نوع سلاطین و ملوک اکابر دنیا اور عقلا میں سے اکثر کو مشتمل ہے ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے۔

سوم، کمال عقل کا اقتضا ہے اور اولیاء حکماء اور محقق عقلا کا فعل ہے اسی تفاوت مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے جو اس کی رہنمائی کرتی ہے اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اسے ممنوعات سے روکتی ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اسے بدعملیوں سے باز رکھتا ہے اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے عیوب کو چھپالیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر بجلی چاہیے جو اس پر گرے اور جلا کر راکھ کر دے تاکہ زمین اور اہل زمین اس کے وجود سے نجات پائیں۔

یہ تفاوت اور اختلاف انسان کے بچپن سے بڑھاپے تک اس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ بچپن میں نہ تو زجر و توبیخ ہی ممکن ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برانگیختہ کرنا بلکہ اگر لذیز کھانے پینے کی چیز سامنے لادی جائے یا دو چار تھپڑ رسید کیئے جائیں تو البتہ اس کا احساس چمک اٹھتا ہے جب تمیز حاصل کر کے سن بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو زجر ممکن ہے اور مدح وذم

کے وسیلہ سے تحریک بھی اس کوزجر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی مذمت کی جائے جو جھڑکی کے تختۂ مشق بنتے ہیں اور اس کی برائیاں بیان کی جائیں اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت یہ ہے کہ باادب لوگوں کی کثرت سے تعریف وتوصیف اور بے ادب کی اکثر مذمت بیان کی جائے اس سے اس کے دل پر کافی اثر پڑیگا اور اس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا اکثر لوگ ان دومراتب سے آگے بڑھ کر تیرے درجہ تک نہیں پہنچے ان کی ترقی اور تنزل انہیں محرکات اور متفرقات کی رہین منت رہتی ہے۔

تیسری قسم نہایت معزز ہے اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے ان میں بھی اسی طرح لوگ متفاوت ہوتے ہیں کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں سوائے تاخیر وتقدیم کے بہرحال نیکی جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقلمند کی مطلوب ومقصود ہے اس کی طلب کے محرک امور گنتی میں نہیں سما سکتے البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور ترک معصیت کرتے ہیں ان کے تین مرتبے ہیں:

اول جو لوگ خدا کے بتلائے ہوئے ثواب کی رغبت رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے یا خدا کے عقاب موعود سے خوف کھاتے ہیں جس میں دوزخ شامل ہے یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں۔

دوم خدا کی خوشنودی اور شاباش کی امید اور اس کی ناراضی اور مذمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح وذم یہ صالحین کا مرتبہ ہے اس میں مرتبہ اول سے کم لوگ شامل ہیں۔

قسم سوم، یہ بہت بلند رتبہ ہے یعنی جو شخص صرف قرب الٰہی کا آرزومند ہے اس کی رضا کا طالب ابتغاء وجہہ پر عامل اور زمرۂ مقربین الٰہی ملائکہ مقربین سے ملحق ہونے کا متمنی ہے۔

یہ درجہ صدیقوں اور انبیاء کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو جو اللہ کی عبادت صبح وشام کرتے ہیں اور صرف اسی کی رضامندی کے طالب ہیں ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم خداوند سے جنت کے طلبگار نہ ہو ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں کہ جو شخص خدا کی عبادت کسی عوض کے لئے کرتا ہے وہ لئیم ہے چونکہ عقل ضعیف ہے اس لئے اس قول کی معانی کو کنہ سمجھنے سے قاصر ہے اور اکثر عقلیں کمزور ہی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے جنت ودوزخ پیدا فرمائے اور

وعدہ اور وعید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت دلائی اور نہایت شرح وبسط سے ان کا بیان کیا لیکن مذکورہ بالا معانی کا صرف اشارۃً ہی ذکر کیا ہے مثلاً فرمایا یریدون وجهه اور وعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں تصور آیا جانب الٰہی سے پھرنے والی دو چیزیں ہیں تصور اور تقصیر۔ اور تقصیر مرض مانع اور قوت نفس اور اہل وعیال وغیرہ کی طلب میں ضروری شغل یہ قابل درگزر اور غیر مذموم ہے اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ انسان میں ذرہ کمال سے محروم رہتا ہے اس کا علاج صرف خدا کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل وکرم سے ان رکاوٹوں کو دور فرمائے۔

تقصیر کی دو قسمیں ہیں جہالت اور شہوت غالب ان میں سے جہالت یہ ہے کہ خیر اخروی اور اس کی شرف وبزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو نیز ان کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز وسامان کو حقیر سمجھنے کا داعیہ نہ پیدا ہو اس کے دو مراتب ہیں۔

(اول) یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنما کی ملاقات نہ ہونا ہے اس کا علاج سہل ہے اس کے لئے چاہیے کہ ہر ایک مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو جو مخلوقات کو غفلت وخود فراموشی سے پیدا کرتے ہیں اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب ان کا رخ پھیرتے رہیں لیکن انہیں دنیا کے اکثر واعظوں کا سا اسلوب کا اختیار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس طرح تو لوگ معاصی پر دلیر ہو جاتے ہیں اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔

(دوم) یہ کہ لوگوں کے اعتقاد میں داخل ہو جانے کی سعادت یہی دنیوی لذات اور موجودہ عیش واقبال ہے اور آخرت کی کوئی اصل نہیں یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کو کافی ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے اس کے عمل خواہ کچھ ہی ہوں، یا یہ گمان خدا کے عفو پر ہی تکیہ نجات کا باعث ہوگا۔ اور اللہ کریم ورحیم ہے اسے گنہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کرے گا اسی قسم کی بہت سی حماقتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو حسن عمل سے محروم رکھا ہے اور انہیں ارتکاب معاصی پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کی کوئی اصل نہیں یہ صحیح اور کفر محض ہے اور گمراہی خالص جب جب اور جس جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا اس میں سے انسانیت پرواز کر گئی اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا اور جو

شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ مجرد ایمان ہی سے اسے بس کرنا ہے تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے اور حضور ﷺ کے فرمان مبارک سے روپوشی ہے من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنۃ اخلاص کا مطلب یہی ہے کہ اعتقاد و عمل قول کے مطابق ہو تا کہ انسان منافق نہ ہو اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا نہ بنائے تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے انہیں اپنا معبود بنالیا اور اس فعل نے اس کے قول لا الہ الا اللہ کو غلط قرار دیا اور وہ اخلاص کے منافی ہوا اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے حاصل ہو جاتی ہے بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کیئے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس شخص کا گمان ہو کہ کھانا صرف کہہ دینے سے کہ اس میں گڑ ڈالا گیا ہے میٹھا ہو جائیگا خواہ اس میں گڑ نہ ہی ڈالا گیا ہو یا بچہ پیدا ہو جائیگا صرف کہہ دینے سے کہ میں اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا حالانکہ ہمبستر نہ ہوا ہو۔ اور صرف کہہ دینے سے کہ میں نے اناج بویا حالانکہ اس نے بویا نہ ہو فصل پیدا ہو جائیگی جس طرح یہ تمام مقاصد اسباب کا تہیہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوتے خوب یاد رکھو کہ امر آخرت بھی اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت و امر دنیا ایک ہی ہے صرف زبانی لحاظ سے اس کو آخرت پکارا گیا ہے کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئیگی ماں کے پیٹ سے نکل کر فضائے عالم میں آنے کا وقت شکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے آخرت ہے سن بلوغ کو پہنچ کر تمیز کی عمر کو پہنچتا ہے اس سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے آخرت ہے اور سن بلوغ سے گزر کر رتبہ عقلا میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس سے قبل کے زمانے کی نسبت آخرت ہے مخلوقات کے اندر اسی قسم کا ہیر پھیر ہے۔

موت بہت سی حدود فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک اور قسم اور ایک اور عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی ایک نئی صورت جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا القبر حفرۃ من حفر النار او روضۃ من ریاض الجنۃ آغوش لحد یا تو ایک گڑھا ہے یا ریاض جنت میں سے ایک چمنستان، یا بالفاظ دیگر موت صرف تبدیل منزل ہے جس طرح ایک بھوکا پیاسہ شخص جو رحمت و نعمت الٰہی کے بھروسے پر توکل کر کے بیٹھا رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانہ کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا لازمی طور پر ہلاک ہو جائیگا ....اور جو شخص مال کی جستجو میں خدا کا بھروسہ کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے اور جدو جہد اور سعی و کوشش نہیں کرتا مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا وہ نامراد رہتا ہے............اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلبگار ہیں پھر کوشش بلیغ سے کام لیتے ہیں اور

وہ مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی شکور اور جن کی جد و جہد کامرانی سے ہم آغوش ہوتی ہے اس لئے خداوند جل وعلا نے اس حقیقت کو عالم آشکارا کیا اور فرمایا وان لیس للانسان الا ماسعی انسان صرف وہی کچھ پا سکتا ہے جس کے لئے کوشش کرے۔

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بہائے اکمل اللہ ہی کے لئے ہے اور سعادت اخروی کا راز قرب الٰہی میں مضمر ہے اور یہ قرب مکانی نہیں یہ حسب امکان اکتساب کمال کا ہی دوسرا نام ہے اور کمال نفس حسن اخلاق کے ساتھ علم وعمل اور حقائق امور سے واقفیت حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کریگا وہ قرب الٰہی سے کیسے فائز المرام ہوگا۔

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی علم کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں اگر وہ بیکار بادشاہ کے احسان وکرم پر توکل کر کے گھر پر بیٹھ رہتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرنے میں راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹتا اور صرف فضل الٰہی پر اعتماد کرتا ہے کہ ایک رات سوئیگا اور جب صبح جاگیگا تو اہل دنیا سے افضل وبرتر ہو جائیگا کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل وسیع تر ہے اور اس کی قدر بہت زبردست ہے تو کہا جائے گا کہ اس شخص کا یہ فعل سراسر باطل اور حماقت پر مبنی ہے اور خالی خولی دعویٰ ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو خیال کرتا ہے کہ سعادت اخروی بے کار بیٹھ رہنے اور فضول وقت ضائع کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

فصل

خیرات وسعادت کی قسمیں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بے حساب ہیں لیکن وہ تمام پانچ انواع میں منقسم ہیں۔

(اول) سعادت اخروی یعنی بقائے غیر فانی، وہ مسرت وسرور جس میں غم نہیں اور علم جس میں جہالت نہیں غنا جس میں فقر وتنگدستی نہیں اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اللہ کی امداد واعانت درکار ہے یہ نوع ثانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے۔

(نوع ثانی) فضائل نفسی وروحی، جن کا ہم مفصل ذکر عقل کے امور چہارگانہ میں کر چکے ہیں یعنی عقل کا کمال علم ہے عفت کا کمال ورع وتقویٰ ہے شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے اور عدالت کا کمال انصاف ہے یہی تحقیقی طور پر دین کے اصول ہیں۔

یہ فضائل نوع ثالث سے کامل ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی وجسمی سے اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں، صحت، قوت، خوبروئی، اور طول عمر ان کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے نوع چہارم انسان کے ماحول کے فضائل ہیں ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں مال ومنال، اہل وعیال عزت اور شرافت خاندانی، ان چہارگانہ اقسام وانواع میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح منقطع ہونے کے لئے ایک پانچویں نوع بھی لازمی ہے یعنی فضائل توفیقی یہ بھی چار ہیں ہدایت الٰہی، ارشاد خداوندی، تائید ربانی، اور تسدید الٰہی۔

سعادت اخروی کو چھوڑ کر یہ سولہ سعادتیں ہیں ان میں سے کسی ایک کے اکتساب کے لئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں فضائل نفسی کے اکتساب کی صورت اوپر گزر چکی ہے۔

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں یعنی اخروی، نفسی، بدنی خارجی اور توفیقی ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے مثلاً فضائل نفسی کے بغیر نعیم اخرت کا حصول ناممکن ہے اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے ہمکنار ہونا خواب وخیال سے زائد نہیں، یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال ودولت وغیرہ حاصل ہوں تو فضائل خارجہ کی جانب گامزن ہونے میں ہزاروں مواقع سد راہ ہو جاتے ہیں اگر تم کہو کہ فضائل خارجہ کے حصول کے لئے مال اہل وعیال عزت اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے تو خوب یاد رکھو کہ ان امور کی مثال دست وبازو اور ہتھیار کی سی ہے جن سے مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

مثلاً مال ودولت کو لئے تنگدست اور محتاج کا طلب کمال میں نکلنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں ھل من مبارز کا نعرہ مارتا ہے یا جیسے باز جو پروں کے بغیر شکار کا قصد کرتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح صالح آدمی کے لئے مال صالح ایک نعمت ہے پھر فرمایا تقویٰ کے لئے سب سے اچھا مددگار مال ہے کیونکہ جو شخص فقیر وتہی دست ہے اس کا تمام وقت قوت لباس مسکن اور دوسری ضروریات معیشت کی تلاش میں بسر ہوگا ایسا علم جو افضل فضائل ہے کہ حصول کے لیے تگ ودو کرنے کا موقع وفرست ہی نہ ملیگی پھر وہ فضائل حج صدقہ وزکوٰۃ اور دوسری نیکیاں حاصل کرنے سے محروم رہے گا اور نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے صالح بیوی خاوند کی کھیتی ہے اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے فرمایا آقا دوعالم ﷺ نے نعم العون علی الدین المراۃ الصالحۃ صالح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور

اولاد کے متعلق فرمایا اذا مات الرجل انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریہ او علم ینتفع بہ او ولد صالح ید عولہ آدمی جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں بجز تین کے ا صدقہ جاریہ ۲ علم نافع اور ۳ اولاد صالح جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے جب کسی شخص کے اہل وعیال اور اس کے خویش واقربا زیادہ ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے لئے کانوں، آنکھوں، اور دست وبازو کا کام دیتے ہیں ان کے سبب سے اس کے دنیوی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر وہ منفرد اور تنہا ہوتا تو اس کو یہ وسعت وفراغت حاصل نہ ہوتی جب دنیا کے ضروری اشغال میں تخفیف واقع ہو جاتی ہے تو دل کو بھی عبادت وعلم کے لئے فراغ کامل ملجاتا ہے اور اس طرح اسے دین کے بارے میں قدر اعانت میسر ہو جاتی ہے عزت وقوت سے انسان لوگوں کی آزادی کی مدافعت کرتا ہے مسلمان ان سے منکر نہیں ہو سکتا کیونکہ جاہ ومال کے بغیر دشمنوں کا وجود اس کے لئے لازمی ہے اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہونگی جو اس کے وقت کو ضائع اور اس کے دل کو مشوش کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہونگی اس لئے کسی کا مقولہ ہے کہ دین اور سلطنت توام یعنی لازم وملزوم ہیں اور دین قلعہ ہے اور حکومت اس کی پاسبان۔

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے وہ منہدم، اور جس چیز کا پاسبان نہیں وہ ضائع ہو جاتی ہے اس لئے بارگاہ ایزدی کا فرمان ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض اگر اللہ تعالیٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کراتا تو زمین فتنہ وفساد سے بھر جاتی۔

غرض یہ ہے کہ اذیت کی مدافعت عبادت کے لیئے فراغ قلب کے واسطے ناگریز ہے یہ بات عزت وغلبہ وقوت کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہے جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے امور کی مدافعت بھی بذات خود نیکی ہے۔

اب رہی خاندانی وجاہت وشرافت تو آبائی عزت ناقابل وقعت سی شے ہے کہتے ہیں کہ انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے اور لوگ اپنے نیک اعمال کے بیٹے ہیں مجھے اپنی عمر کی قسم ہے حسب خاندانی شرافت بغیر شرافت ذاتی کا مقابلہ ذاتی شرافت کا مقابلہ ذاتی ... بغیر ... شرافت کے کیا جائے تو خاندانی شرافت بھی حقیر اور کم وقعت ہو جاتی ہے تاہم جب ذاتی شرافت بھی حاصل ہو تو شرافت نسبی کی فضیات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ امامت میں جب بھی حسب ونسب کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے حدیث میں ہے

الائمۃ من القریش امام قرشی نسل ہوا کریں اور کیوں نہ ہوں اخلاق مزاجوں اور طبیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول سے فروغ کی جانب چلتے ہیں اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تــمــضــیــر ذالنطفکم اور ایاکم وخضرار لا من یعنی خوبصورت بداصل عورت سے بچو۔

شرافت بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ ابنائے دنیا اور امراو رؤسا سے نسبی تعلق ہو بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک پاک باز اور علم وعبادت اور عقل سے مزین بزرگوں سے انتساب ہو۔

اگر تم پوچھو کہ فضائل جسمی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہیں گے، کہ صحت وقوت اور طویل عمر کی بے شک حاجت ہے۔ بعض لوگ خوبروئی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضائل جسمی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسم امراض سے محفوظ وسلامت ہو، تاکہ فضائل کے حصول میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی ضرورت ہے۔ تاہم یہ بھی ایک سعادت اور خیر ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ اور اخروی اعتبار سے دو طریق پر (اول) بدصورتی مذموم ہے اور طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں حسن ایک طاقت ہے حسین کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوبصورتی بھی ایک کامیاب ذریعہ اور حربہ ہے۔ جیسے مال اور جو شے دنیوی حاجتوں کے پورا کرنے میں معین ومددگار ہے وہ آخرت میں بھی ممد ومعاون ہے کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیوی اسباب کے ذریعہ ہی پہنچا جاتا ہے۔

(دوم) حسن عام طور پر خوبی روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ روح کی روشنی کی نورانیت جب کامل ہو جاتی ہے تو اس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے اصحاب فراست قیافہ سے اخلاق باطنی کے لئے استدلال کیا کرتے ہیں، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں، اسی لئے ان میں غصہ اور شرارت کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت عنوان ہے دل کے خیالات کا، اور زمین کا اندر اگر بڑی شے ہے تو یقین جانو کہ اس کی سطح پر اس سے بدتر ہوگی۔

ایک دفعہ مامون رشید ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک کمزور شخص اس کے سامنے حاضر ہوا۔ مامون نے اس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا، اس نے اس کا نام کاٹ دیا اور کہا یہ روح کی بدی جب ظاہر پر توفگن ہو جائے تو یہ باعث ذلت ہے لیکن یہاں نہ اس کا ظاہر ہے نہ باطن" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبوا الحاجۃ عند احسان الوجوہ "خوبرو لوگوں سے ضرورت طلب کرو۔ پھر فرمایا اذا بعثتم رسولا فاطلبوا حسن الوجہ

وحسن الاسم ۔ جب تم کہیں ایلچی بھیجنے لگو تو اس شخص کا انتخاب کرو جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو۔

فقہاء کا قول ہے کہ جب تمام نمازی درجات ومراتب کے لحاظ سے مساوی ہوں تو امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جسمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا **وزادہ بسطہ فی العلم والجسم** جالوت علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے۔

خوبروئی سے ہماری مراد وہ جمال وحسن نہیں جو محرک شہوت ہو۔ کیونکہ یہ تو نسائیت ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند وبالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو۔ اعضا متناسب ہوں ، چہرہ ایسا بھلا اور سہانا ہو کہ نگاہ پر بار نہ ہو۔

اب تم پوچھتے ہو کہ فضائل توفیق یعنی ہدایت الٰہی ارشاد خداوندی، تسدید الٰہی اور تائید ربی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ توفیق وہ نعمت ہے۔ جس سے انسان کسی حال میں مستغنی نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی حکم وتقدیر الٰہی سے موافقت یہ خیر وشر میں استعمال ہوتی ہے، لیکن خیر وسعادت میں ہی متعارف ہوگئی ہے۔ توفیق کی احتیاج بین وظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نوجونوں کو خدا کی امداد حاصل نہ ہو، تو اکثر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے۔

ہدایت الٰہی کے بغیر طلب فضائل کی طرف ایک قدم چلنا بھی دشوار ہے کیونکہ یہ نیکیوں کا مبدا ہے اور خیر کا منبع۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **اعطی کل شئ خلقه ثم هدی** ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اسے ہدایت دی، اور فرمایا **ولو لا فضل اللّٰه علیکم ورحمته ماز کی منکم من احدٍ ابدا ولکن اللّٰه یزکی من یشاء** اگر تم پر اللہ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی پاکباز نہ ہوتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ اور حدیث میں ہے **مامن احد یدخل الجنة الا برحمة اللّٰه** کوئی فرد بشر جنت میں داخل نہ ہوگا مگر اللہ کی رحمت سے یا بالفاظ دیگر اس کی ہدایت کے ساتھ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔

ہدایت کے تین درجے ہیں، (اول) خیر وشر کے رستہ کی پہچان جس کا اشارہ آیت وھدینٰہ النجدین میں ہے یعنی ہم نے اسے دونوں رستے سمجھائے اللہ نے اپنے کمال فضل وکرم سے اپنے تمام بندوں کو صراط مستقیم کی معرفت عطا فرمائی بعض کو عقل کے ذریعہ اور بعض کو زبان نبوت ورسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا، **واما ثمود فهدیناهم فاستحبوا**

العمی علی الھدی ۔ثمود کو ہم نے درست رستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر بے راہ روی کو ترجیح دی۔

(دوم) جو بندے کو کھینچ کر اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے چلتی ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے والذین اھتدوازادھم ھدی فاتاھم تقوا ھم جو لوگ درست راستہ پر گامزن ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقوی عطا فرمایا۔

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے۔اور اس سے رستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل کی شمع نہیں کر سکتی۔ میری دلیل کی بنیاد خدا کے اس قول پر ہے قل ان ھدی اللہ ھوالھدی کہہ دے کہ ہدایت اللہ ہی کی اصلی ہدایت ہے۔اپنی ذات سے نسبت کر کے خدا نے اسے ہدایت مطلق کا نام دیا۔قرآن میں ایک جگہ اسے زندگی سے بھی تعبیر کیا،اور فرمایا،اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ نہ کیا۔اور اس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔دوسری جگہ فرمایا افمن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ ۔جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینا کھول دیا تو وہ اپنے اللہ کے نور پر ہے۔

رشد الٰہی سے ہماری مراد ہے عنایت الٰہی جو انسان کو اس کے مقاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اسے قوت دیتی اور اسے فساد طبیعت کو پراگندہ اور منتشر کرتی ہے اور یہ باطن سے ہوتا ہے۔جیسے کہ اللہ نے فرمایا ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنابہ عالمین بیشک ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے۔

تسدید الٰہی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل مقصود کی جانب ڈالدے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے۔رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرتا ہے اور تسدید اعانت ونصرت ہے تحریک کے ساتھ۔

تائید ربی داخلی طور پر بصیرت کے ذریعہ سے معاملے کی تقویت اور خارجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے۔خداوند تعالیٰ کے قول اذ ایدتک بروح القدس جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی یہی مراد ہے۔

اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیض الٰہی ہے، جس سے انسان خیر میں گرم جوشی اور شر سے اجتناب کی تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ وہ انسان کے اندر غیر محسوس طور پر ایک روک سی بن جاتی ہے۔ اس کی تائید خدا کے اس قول سے ہوتی ہے ولقد همت به وهم بها لو لا ان را برهان ربه عزیز کی بیوی نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا اگر اپنے پروردگار کی براہان نہ دیکھ لیتا۔ ان باتوں کے حصول کے لئے اسی وقت اللہ کی مدد، صاف و تیز فہم، ہوشیار و شنوا گوش، صاحب بصیرت اور بیدار دل، ناصح معلم، فرخ و کشادہ مال و دولت، جو ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ اور اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک دے اہل و عیال اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے بچائے، اور دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رکھنے، کی ضرورت ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

فصل

سعادتوں کی غایت اور انکے مرتبے

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور کو سعادت کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے وہ یا تو لباس مجاز ہیں یا غلط طور پر کیا گیا ہے۔ جیسے سعادت دنیوی، جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ بلحاظ مصداق کے یہ نام سعادت اخروی پر ہی سب سے زیادہ صادق آتا ہے، اور اس میں ہر وہ بات داخل ہے جو سعادت سے ہم کنار کرنے والی شے بذات خود خیر و سعادت ہے۔ نافع اور معاون سباب کی تشریح چار قسمیں کرتی ہیں۔

(اول) جو ہر حال میں سودمند ہیں۔ اور وہ فضائل نفسی ہیں، ان میں سے بعض ایک وقت نفع بخش ہیں، دوسرے وقت نہیں۔ اور نفع زیادہ ہے جیسے تھوڑا امال اور بعض کا ضرر خلقت کے حق میں زیادہ ہے، ان میں علوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں۔ چونکہ ان میں التباس زیادہ ہے۔ اس لئے عقلمند کو لازم ہے کہ ان امور کے حقائق کی معرفت اچھی طرح حاصل کر لے، تاکہ

مضر کو نفع بخش پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ شاہد مقصود سے ہمکنار ہونے میں زیادہ دیر لگے گی، بہت سے آدمی اماس کو فربہی پر محمول کر لیتے ہیں اور کئی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً ڈس لیتا ہے اور حقیقی علم وہی ہے جو ان امور کا انکشاف کرے۔

(تقسیم ثانی) نیکیوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے (۱) موثرۂ لذات (۲) موثرۂ غیر لذات (۳) ایک وقت موثرۂ لذات (۴) اور دوسرے وقت غیر موثرۂ، تو چاہیئے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے موثرۂ غیر لذات مال و دولت ہے جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ، پھر اگر حاجتیں اور ضروریات ان سے پوری نہ ہوں تو وہ تمام زر و جواہر سنگریزے اور ٹھیکریاں ہیں۔

ایک وقت موثرۂ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرۂ کی مثال صحت جسمانی ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان پیدل چلنے سے جس میں پاؤں کی سلامتی ناگزیر ہے۔ مستغنی ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے۔

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ نافع، جمیل اور لذیذ، اور برائیاں بھی تین ہیں۔ مضر، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

اول مطلق، اس میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں، نیکی کے اعتبار سے جیسے حکمت، یہ نافع ہے جمیل ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کے لحاظ سے جیسے جہالت، یہ مضر بھی ہے قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

دوم محدود، اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔ مثلاً بعض اوقات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا یا گلا ہے نافع ایک وجہ سے اور مضر دوسری وجہ سے جیسے غرق ہونے سے بچنے کے لئے زر و مال کو سمندر میں پھینک دینا، کیونکہ مال کے اعتبار سے مضر ہے اور جان کے لحاظ سے مفید آگے نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری، جیسے فضائل نفسی، اور سعادت اخروی کا اتصال۔ دوسرے غیر ضروری، جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری کر سکتی ہے جیسے تسکین صفرا کے لئے سکنجبین۔

(تقسیم رابع) قوائے ثلاثہ اور مشتہیات ثلاثہ کے حساب سے لذات تین ہیں کیونکہ لذت کے معنی ادراک مشتہی ہیں۔ شہوت سے عبارت ہے نفس کا تحریک کرنا اس شے کی طرف جس کی لذات عقلیہ اور لذات بدنیہ مشتاق ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات مشترک

ہیں۔ اور بعض میں چند۔ رہی عقلیات جیسے لذت علم وحکمت، اس کا وجود سب سے زیادہ قلیل اور سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اس کی قلت اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکیم ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر شیر خوار بچہ شہد، فربہ پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت کے ادراک سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ ہی نہیں، اور اس کے رغبت سے دودھ پینے سے یہ مطلب تو نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذیذ اور دل پسند شے ہے۔

عام طور پر سب کے سب لوگ ابتدا میں علم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں۔ اور اسی میں فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لئے جہالت میں انہیں مزا ملتا ہے۔ اکا دکا کوئی اس سے مستثنیٰ ہو تو ہو۔

ومن یک ذا فم مر مریض　　یجد مرا بہ ماء الزلدلد

منہ کے کڑوے پن کا مریض　　آب زلال کو بھی کڑوا سمجھتا ہے

ان کی بزرگی تو چونکہ لازم ہے۔ اور غیر زوال پذیر دائمی ہے۔ اور نہ زائل ہونے والی اس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں۔ اور دار آخرت میں اس کا ثمرہ بے نہایت ہے۔

اور اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہوا کم مایہ اور فانی شے پر راضی ہو جاتا ہے۔ تو لازمی طور پر کہنا پڑیگا کہ اس کی عقل نے دھوکا کھایا اور اپنی شقاوت اور ادبار سے محروم رہا۔ اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی خوبی یہ ہے کہ فضائل نفسی خصوصاً علم وعقل کو نہ تو مددگاروں کی ضرورت ہے نہ محافظوں کی۔ بخلاف اس کے مال ودولت ان کے بغیر آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا۔ علم تو تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور تم مال کی پاسبانی کرتے ہو علم خرچ کرنے سے زائد اور مال کم ہوتا ہے۔ علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش اور سودمند ہے مال وزر کبھی رذائل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت آئی اور بعض جگہوں میں اسے خیر کا نام دیا گیا ہے۔

(دوم) وہ لذات جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں۔ جیسے کھانے پینے کا ذائقہ جنت وطی کی لذت، اس کا وجود سب سے زیادہ ہے۔

(سوم) وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے ریاست وغلبہ کی لذت عقلمندوں کے دماغوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے اسی لئے یہ کہتے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے حب ریاست ہے۔

لذت جماع اور ذوق خور دنوش لذات مطلق نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازالۂ الم ہیں۔اسی کے متعلق کہا گیا ہے الانسان صریع جوع وقتیل شبع انسان بھوک کا غلام ہے اور سیری کا قتیل۔

دنیوی لذتیں سات ہیں، کھانا۔ پینا، مباشرت، پہننا، رہنا، سونگھنا، سننا اور دیکھنا یہ سب کی سب حقیر ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن وملال کے باعث آہیں بھرتے دیکھ کر فرمایا، اے عمار اگر تم آخرت کے لئے آہیں بھر رہے ہو تو تمہاری تجارت بہت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے مضطرب ہورہے ہو تو تمہاری بیقراری او اضطراب ذلیل اور کم مایہ ہے۔میری طرف دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات ، ماکولات، مشروبات، منکوحات، ملبوسات، مسکونات مشمومات، مسموعات اور مبصرات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں، ان میں سے ماکولات میں افضل شہد ہے، یہ مکھی کا فضلہ ہے، مشروبات میں پانی افضل ہے، یہ تمام موجودات میں کم مایہ اور جملہ مفقودات میں بلند مرتبہ ہے۔منکوحات میں فتنہ درفتنہ ہیں، ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کیڑے کی دم کی تار ہے۔اور اسے ایک کیڑا بناتا ہے۔مشمومات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے۔مسموعات ہوا کا ترنم ہے اور بس، اور مبصرات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول۔

لذات دنیوی کے متعلق بدبختی یہ ہے کہ پورا ہونے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں مباشرت سے فارغ ہونے اور کھانا کھا چکنے سے قبل کی حالت قابل غور ہے۔ دیکھو کس طرح مطلوب امر قابل گریز ہو جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس لذت دوام کا مقابلہ کیسے کرسکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔اور اس کی راحت ابد الآباد تک رہتی ہے وہ لذت دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا۔خصوصاً تمام پر علم وعقل کے ساتھ غلبہ اور استیلا پا جانا ہے۔

فصل

مذموم ومحمود خواہشات

بھوک غذا کی طلبگار ہے۔کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔ضروری اور غیر ضروری۔ضروری یہ ہیں کہ جن کے بغیر بدن اور صحت بدن کا قائم رہنا ناممکن ہے جیسے کھانا جو

غذا ابنتا ہے۔ او پانی جو تازگی بخشتا ہے۔ اس کی پھر چار قسمیں ہیں۔ محمود، مکروہ، حرام اور مضر۔

محمود، وہ جس کے بغیر انسان کے لئے علم و عمل کے میدان میں گامزن ہونا ناممکن ہو اگر اس کا استعمال ترک کر دیا جائے تو بدن کی قوتیں تحلیل ہو جائیں۔ اور جسم بیکار ہو جائے اگر اسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل درگذر ہے، بلکہ لائق تعریف اور لائق اجر، وجہ یہ کہ بدن روح کی سواری ہے، جس کے ذریعہ خدا کی کوچہ کی راہیں قطع کی جاتی ہیں۔ جس طرح جہاد عبادت ہے اسی طرح جہاد کرنے والے گھوڑے کی پرورش بھی عبادت ہے۔ کہ اس سے گھوڑا طاقتور ہوگا۔ اور غازی کو اٹھا کر میدان میں جا لڑے گا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عند اکل الصالحین تنزل الرحمة نیک بندے جب کھانا کھاتے ہیں تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کا کھانا ناگریز ہوتا ہے اور اس کی عین آرزو اس سے مستثنیٰ ہو جانے کی ہوتی ہے۔

کھانے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا درختوں اور سبزیوں کے فضلات تناول کرنا خنزیر کے انسان کا پاخانہ اور دوسرے فضلات کو چٹ کرنے کے برابر ہے۔ اگر درختوں کے زبانیں ہوتیں تو وہ سبزیوں او پودوں کے فضلات کھانے والوں کو حیوانات کے فضلہ کھانے والوں سے تشبیہ دیتے۔

مکروہ، کے معنی ہیں حلال کے بارے میں اسراف و امعان، اور حد سے زیادہ مقدار میں کھانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما من وعاء البغض الی اللہ تعالیٰ من بطن ملئی من حلال خدا کو تمام برتنوں میں ناپسند برتن وہ پیٹ ہے جو رزق حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ کیونکہ یہ بات سب بیماریوں کی جڑ ہے۔ فرمایا نبی ﷺ نے البطنة اصل الداء والحمية اصل الدواء وعودوا کل جسد ما اعتاد، پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پرہیز تمام دواؤں کی بنیاد ہے جہانتک ہو سکے پرہیز کرو،

محقق اطبا کی رائے ہے کہ حکیم عالم ﷺ نے تمام طب کا نچوڑ ان تین فقروں میں رکھ دیا ہے۔ طالب سعادت کو مناسب ہے کہ اس زیادتی کو حقیر نہ شمار کرے۔ ہم نے اس کا نام مکروہ رکھا ہے۔ اور اسے مضر نہیں کہا۔ کہ مکروہ نہایت تیزی سے مضر صورت اختیار کر لیتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ خرابیوں کو برانگیختہ کرنے والی قوت شہوانیہ ہے اور اس کی تقویت کا موجب یہی غذائیں ہیں۔ پیٹ کا پر ہونا شہوات کو مضبوط کرتا ہے۔ اور اس کی مضبوطی

خواہشات کو بلاتی ہے۔ اور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو متسلط اور غالب انسان کو اسکے رب سے دور رکھتا ہے اور اللہ کے دروازے سے اسے پھیر دیتا ہے اور دشمن کے کی امداد کرنا اور اس کو قوت دینا گویا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہوچکے ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی تقویت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہوچکا ہے۔ اس نے جواب دیا اس لئے کہ بدن سریع الانبساط ہے اور جلد حد سے گزر جاتا ہے۔ تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ سرکش ہوکر مجھے ہلاک نہ کرڈالے۔ اور مجھے یہ امر زیادہ پسند ہے کہ اسے تکلیف میں ڈالوں بہ نسبت اس کے کہ یہ مجھے فواحش کے ارتکاب پر مائل کردے،

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ تو سن لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے۔ فرمان اول حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبه فان كان لا بد فثلث للطعام وثلث للشراب وثلث لنفس ابن آدم کے لئے صرف چند لقمے اس کے قویٰ کے قائم رکھنے کو کافی ہیں۔ اگر اسے ضرور ہی زیادہ کھانا ہو تو معدے کی ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے ہونی چاہیے۔ لقموں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہیے۔ یہ بات حضور ﷺ کے اس قول میں ملتی ہے جس میں فرمایا المومن یاکل فی معی واحد والمنافق یاکل فی سبعة امعا۔ مومن ایک آنت کھانا کھاتا ہے او منافق سات آنتوں کو پر کرتا ہے سب سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پر کیا جائے، پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ،

میری رائے ہے کہ اکثر لوگوں کے بارے میں صرف تیسرا حصہ ہی درست ہے لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہیے تاکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل کرنے والی قوتیں ضعیف ہوجائیں۔

حرام سے مراد ہے ان غذاؤں کا کھانا جو اللہ عزوجل نے حرام کردی ہیں۔ ان میں مال غیر اور محرمات شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ خدا کے لشکری اور دلی یعنی عقل کے ازالہ اور شیطان کے لشکریوں اور دوستوں یعنی شہوت، اور قوائے حیوانیہ کے غلبہ کے لئے سب سے بڑے بڑے منشیات ہی ہیں۔ غذاؤں کے متعلق یہ مجمل احکام ہیں،

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک

مطعومات کی مقدار اور ان کی حلت کے اس باب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کر لے، کیونکہ معدہ ہی تو تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے۔ اور گویا یہی دروازہ ہے اور یہی کلید ہر قسم کے خیر و شر کی ، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے اعدائے الٰہی کو مغلوب کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے ان الصوم لی وانا الذی اجزی بہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں،

پسندیدہ اور محمود مقدار غذا وہ ہے جو انسان کی زندگی اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ نکاح نوع انسانی کی بقاؤ تحفظ کے لئے ضروری ہے جیسے غذا ہستی کی بقا کے لئے موت تک لازمی ہے،

جس طرح شہوت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ طبیعت کو وطی کرنے کے لئے ابھارے تا کہ بقائے نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو خدا نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقائے شخصیت کا موجب بنے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تنا سلو ا تکثروا فانی مباہ بکم الامم نکاح کرو، اولاد پیدا کرو، تا کہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے، تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول) کثرت مباہات اور اولاد صالح کے حصول کے لئے جو بعد میں دعائے مغفرت سے یاد کرے نسل پیدا کرنا (دوم) طبیعت میں سے فضلۂ منی دور کرنا۔ جو اگر جمع ہوجائے تو تلخی سے پیدا کر دیتی ہے اور خون جب اجتماع پکڑ جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض کے لئے اثر پذیر کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرح طبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب، تو نکاح اس طریقہ پر محمود و پسندیدہ ہے اور مسنون اور اس حدیث کے ماتحت آتا ہے من احب فطرتی فلیستسن بسنتی جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے اسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے، اور جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا اس کے علاوہ تیسری غرض کا مد نظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تا کہ علم و عبادت کے لئے اسے فراغ تام حاصل ہو۔ اس صورت میں نکاح افضل عبادت ہے۔ کیونکہ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔ اسکی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مطلوب ہے کہ پرہیز گاری اور یکسوئی پیدا ہو۔ حسن اخلاق تدبیر منزل کے لئے اور پاکدامنی کے لئے ایمان داری اسی لئے رسول ﷺ نے فرمایا علیک

بذات الدین تربت یداک وایاکم وحضراء الدمن پھر فرمایا تخیر والنطفکم بیوی کی صحت بدنی اور بانجھ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہو، اور یہی بیان کا مقصود ہے۔ اسی لئے عزل اور عورت سے پیٹھ کی طرف سے مباشرت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ امور پیدائش کے خلاف ہیں۔ اور عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں، دوشیزگی اور کنوار پن کے مطالبہ اور آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر استحکام محبت مقصود ہے تو شریعت نے اس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مکروہ بات یہ ہے کہ صرف تمتع اور قضائے شہوت مد نظر ہو۔ پھر انسان اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اسی دھن میں لگا رہے۔ بعض اوقات ایسی غذائیں کھائے جو ازدیاد شہوت کا موجب ہوں یہ شرعاً مضر ہیں لیکن فی نفسہ مکروہ نہیں اور مباح ہیں، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اسطرح طبیعت اتباع ہویٰ کے باعث خدا سے پھر جاتی ہے اور انسان میں گدھوں اور بیلوں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو برانگیختہ کرنا درندوں اور خطرناک چارپایوں کو بھڑکانے اور غصہ دلانے پھر ان سے رہائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے محرمات دو طرح پر ہیں۔

(اول) کہ قضائے شہوت مقام پیدائش میں کی جائے لیکن بغیر عقد شرعی کے، اور بغیر اجازت کے۔ اس کو زنا کہتے ہیں۔ یہ شرک کے قریب ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے الزانی لا ینکح الازانیة او مشرکة زانی مرد زانی اور مشرک عورت کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔

(دوم) خلاف وضع فطری عمل کرنا۔ یہ زنا سے بھی زیادہ برا اور فحش ہے۔ کیونکہ زانی منی تو ضائع نہیں کرتا صرف اسے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اس گراں قیمت شے کو برباد کرتا ہے اور خلاف شریعت امر کا ارتکاب بھی کرتا ہے ایسے شخص کا شمار ان لوگوں کے بارے میں ہے جنکے بارے میں فرمایا ویھلک الحرث والنسل کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام اسراف رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انکم لتاتون الرجال شھوۃً من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔ تم عورتوں، کو چھوڑ کر مردوں سے خلاف وضع فطری کرتے ہو۔ تم تو مسرف لوگ ہو یہ شرمگاہ کی شہوت کے متعلق لوگوں کے مراتب ہیں۔

بعض اوقات سے راہ روی عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یہ عین حماقت اور انتہائی

جہالت ہے۔ یہ بہائم کی حد سے بھی آگے بڑھ جانا ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اپنے محبوب کے متعلق یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں اور صرف اپنے لئے خاص کرلوں کیونکہ عاشق شہوت جماع کے ارادہ پر ہی قناعت نہیں کرتا ، یہ سب سے قبیح شہوت ہے اور سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس میں شرم ولحاظ اٹھ جاتا ہے اس کو بھی دھن لگجاتی ہے کہ میں اپنی خواہشات کو صرف ایک ہی ہستی سے پورا کروں گا اس کے برخلاف حیوانوں میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں اتفاق ہو گیا شہوت کو پورا کرلیا، لیکن عاشق کی یہ حالت ہے کہ جب تک اسے معشوقہ نہ ملے اس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں یہانتک کہ ذلت پر ذلت سہتا ہے۔ ماریں کھاتا ہے غلامیاں کرتا ہے۔ عشق میں عقل شہوت کی خدمت کے لئے مسخر ہو جاتی ہے۔ حالانکہ انسان تو آمر اومطاع پیدا کیا گیا تھا نہ اس لئے کہ شہوت کا غلام بن جائے اور اس کے احکام کی پیروی میں ہر قسم کا مکروفریب استعمال کرے۔ آہ یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں غیرت باقی نہیں رہتی اس سے شروع میں ہی بچنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نظر وفکر کو بے محابا ہونے سے بچایا جائے۔ ورنہ استحکام کے بعد اس کا دفعیہ سخت مشکل ہو جائیگا۔ یہی حال عشق جاہ ومرتبت اور حب مال وزمین، اور محبت اولاد کا ہے۔ یہانتک کہ مرغبازی، نرد، اور شطرنج کا شوق بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں جن لوگوں پر مستولی ہو جاتی ہیں۔ وہ دین دنیا دونوں سے گذر جاتے ہیں۔ ابتدا ہی میں کسی بری خصلت کو روک لینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے گھوڑے کی مکان، کے دروازے میں داخل ہونے سے قبل ہی لگام پھیر لینا اس وقت اس کو روک لینا اور لگام پھیرنا نہایت سہل ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے بعد اس کے علاج کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سوار گھوڑے کو دروازے میں داخل ہونے دے۔ پھر اس کی دم پکڑ کر باہر کو کھینچے...... اس لئے ابتدا ہی میں احتیاط کرنی چاہیے رہا بعد میں دوا کرنا تو اکثر حالتوں میں سخت جدوجہد کے بعد اگرچہ علاج کیا جاسکتا ہے لیکن یہ روح سے لڑائی کرنے کے برابر ہے،

اب افعال غضب کی بھی تین قسمیں ہیں، محمود، مکروہ اور محظور یعنی حرام۔ ان میں سے محمود دو طرح کے ہوتے ہیں:۔

(اول) غیرت، اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی آدمی کی آبرو پر حملہ آور ہو۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے صف آرا ہوتا ہے۔ اس وقت اسے غصہ آتا ہے۔ یہ مدافعت پسندیدہ ہے اور ایسے مواقع پر غیرت نہ آنا نامردی ہے۔ او ہیجڑا پن۔ اسی لے حضور ﷺ نے فرمایا ہے ان سعداً لغیورھا ان اللّٰہ اغیر منہ سعد غیرت مند ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیرت کا مادہ انسانوں میں حفظ انساب کے لئے ودیعت کہہ دیا ہے۔ کیونکہ اگر لوگ مزاحمت میں مسامحت اختیار کرتے، تو انساب مختلط ہو جاتے۔ چنانچہ اسی کے متعلق مقولہ ہے کہ ہر ایک قوم میں غیرت مردوں میں رکھی گئی ہے۔ اور پاکدامنی عورتوں میں۔

(دوم) مناکر وفواحش مشاہدہ کرنے پر دینی حمیت سے مجبور ہو کر اور انتقام لینے کے لئے غضبناک ہونا۔ ان لوگوں کی لسان الٰہی نے بہت تعریف کی ہے۔ کیونکہ وہ اشداٗ علی الکفا ر اور رحماء بینهم ہیں۔ رسول ﷺ نے اس کے متعلق یوں فرمایا خیر امتی احداؤها میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں حدت بہت زیادہ ہے یہاں حدت سے مراد حمیت دینی ہے اور ارشاد خداوندی ہے و لا تاخذکم بها رافته فی دین الله۔ اللہ کے دین کے بارے میں ان سے نرمی نہ کرو مع هذا جب بادشاہ کسی گنہگار کے جرم پر غضبناک ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرے۔ او مجرم کو سزا نہ دے جب تک اس کے بارے میں نظر ثانی نہ کر لے سبب یہ ہے کہ غصہ ایک بوت ہے جو انسان کی عقل کا دشمن ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان غصہ میں آ کر انتقام لینے میں حد واجب سے تجاوز کر جاتا ہے غضب کی مکروہ صورت وہ ہے، جب انسان اپنے ذاتی فوائد ولذات کے ضائع ہونے پر آپے سے باہر ہو جاتا ہے جیسے نوکر اور غلام پر کوئی برتن بھانڈا توڑ دینے پر خفا ہونا یا اپنے خادم کی خدمت کرنے میں تغافل آمیز کوتاہی پر جس سے وہ محترز رہ سکتا تھا ناراض ہونا۔ یہ غصہ وری مذموم کی حد سے متجاوز نہیں۔ لیکن ایسے معاملات میں عفو اور درگذر اولیٰ اور زیادہ محبوب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی دانا سے کسی نے کہا، اپنے غلام سے جب وہ تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کرے تو درگذر نہ کیا کرو۔ کیونکہ اس سے وہ خراب اور ناکارہ ہو جائے گا اس نے جواب دیا۔ اگر میرا خادم میری ذات کے آرام میں خراب ہوگا، تو یہ اس سے بہتر ہے، کہ میری طبیعت غلام کی اصلاح میں بگڑ جائے۔ کیونکہ غلام کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کو برداشت کرنا میری روح کی اصلاح ہے اور سزا دینے میں غلام کی بہتری ہے۔

غصہ میں مذموم صورت وہ ہے جب فخر۔ تکبر۔ مباہات۔ منافست، کینہ حسد اور وہ باتیں جو حظوظ بدنی سے متعلق ہوں انسان کو جامے سے باہر کریں اور اس ناراضگی و خفگی اور سزا دینے میں دین و دنیا کے مستقبل کا کوئی فائدہ مدنظر نہ ہو۔ اس قسم کا غصہ اکثر لوگوں پر غالب ہے یہ حلم و تحلم کے خصائل کی ضد ہے۔ حلم سے مراد ہیجان غضب سے طبیعت کو روکنا، اور تحلم کے معنی

ہیں خواہشات کے جوش کو تھام لینا۔ حسن اخلاق کا کمال حلم میں ہے۔ لیکن تحلم یعنی مکروہات سے باز رہنا بھی بہت سی نیکیوں کا سرمایہ دار ہے۔ یہ ہیں افعال غضب کے مراتب۔

غصے کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں۔ بعض گھاس پھوس کی مانند ہیں۔ جلدی بھڑک اٹھنے والے اور جلدی بجھ جانے والے۔ بعض دیر سے جلتے ہیں دیر سے بجھتے ہیں۔ بعض کو دیر سے آگ لگتی ہے اور جلدی بجھ جاتی ہے ور یہ صورت اچھی ہے بشرطیکہ حمیت وغیرہ کے قصور تک نوبت نہ پہنچے۔

غصے کے اسباب۔ مزاج کے لحاظ سے حرارت اور یبوست پر منحصر ہیں، غضب کی تعریف ان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ غصہ کے معنی ہیں دل کے خون کا کھولنا اگر انتقام اختیار سے باہر ہو تو خون جمع ہو کر دل کی طرف چلا جاتا ہے اس سے حزن وملال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ ایسے شخص پر آئے جو کمزور ہے تو دل کا خون گردش میں آجاتا ہے اس سے غضب حقیقی اور جذبہ انتقام پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کے آدمی پر طیش آئے تو اس سے خون میں ایک تردد سا پیدا ہوتا ہے، کبھی انقباض اور کبھی انبساط، اس سے چہرے کی رنگت میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ کبھی سرخ پھر زرد اور کبھی مضطرب، غرض وقت غضب کا محل دل ہے اور اس کے معنی خون کی حرکت اور کھولنا ہے۔

غصہ دیکھا دیکھی پر منحصر ہے۔ چنانچہ جو شخص غصہ وری اور لڑاکا پن میں ڈینگ مارنے والے اور درندہ مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھے گا، اس میں وہی خصلتیں نقش ہو جائینگی۔

اور جو شخص متین اور پروقار لوگوں کی مجلس اختیار کرے گا۔ اس میں ویسی ہی عادتیں پیدا ہو جائینگی۔

اب رہا یہ سوال کہ غصہ قوت سے فعل کی صورت کیسے اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث نخوت، ا دکھاوا لجاجت۔ مخول لاف زنی استہزا ظلم وستم اور تنافس سد اور خواہش انتقام کی طلب ہیں۔ اور یہ سب مذموم ہیں۔

جس شخص پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ کسی حکیم کا قول یاد کرلے جو اس نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے غصہ دور کرنے کی ترکیب پوچھی حکیم نے جواب دیا آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے...... آپ مطاع ہی نہیں ہیں۔ مطیع بھی ہیں۔

آپ صرف مخدوم ہی نہیں ہیں خادم بھی ہیں آپ کو برداشت بھی کرنا ہے۔ صرف مغلوب الغضب ہی نہیں ہونا۔ اور یہ کہ اللہ آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

غضب کی کئی فروع ہیں ۔جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے ۔ازاں جملہ شجاعت ۔تہور نفسانیت غبطہ۔حسد جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔لیکن ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں۔

شجاعت یہ تہوراور جبن کے درمیان پیدا کی گئی ہے۔اس سے خطرات کے وقت دل کی دلیری وچابکدستی اور ہولنا کیوں کے وقت اپنی نگہبانی میں مستعدی اور حسب موقع میدان میں قدم بڑھانا مراد ہے۔

یہ غصے اور حسن امل سے پیدا ہوتی ہے ۔اس کے ذریعہ انسان شدائد ومہالک کا مقابلہ کرتا ہے،نہیں بلکہ معاصی سے باز رہتا ہے۔کیونکہ غصہ جب خواہشات پر غالب آجائے تو انہیں توڑ دیتا ہے،اب چونکہ دین کی ایک سمت رغبت خیر ہے اور دوسری ترک شر۔چنانچہ فرمان نبوت ہے۔الصبر نصف الایمان صبر نصف ایمان ہے۔اس لئے بعض خرابیاں شرمگاہ اور شکم کی خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں،اور بعض ان دونوں کے علاوہ باتوں سے ۔پھر فرمایا روزہ نصف صبر ہے۔اور صبر دوطرح پر ہیں۔اول صبر جسمی جس سے انسان کا جسم مشقتیں برداشت کرتا ہے۔بلحاظ فعل کے جیسے اعمال شاقہ یا انفعالی طور پر،جیسے ضرب شدید اور مرض عظیم کو برداشت کرنا۔

محمود تام قسم ثانی یعنی صبر نفس ہے۔اگر مشتہیات کے حاصل کرنے سے صبر ہو تو اسے عفت کہیں گے اگر مکروہات کے متعلق ہو تو مکروہات کے اختلاف کے جسارت سے نام بھی مختلف ہونگے ۔اگر کسی مصیبت کے بارے میں ہو تو صرف صبر کہیں گے۔اس کی ضد جزع وفزع ہے۔اگر احتمال غنا میں ہو تو ضبط نفس نام ہوگا۔اس کی ضد سبک مزاجی ہے اور میدان جنگ میں ہو تو شجاعت اس کی ضد بزدلی یا جبن ہے۔اگر غصہ فرو کر لینے میں ہو تو حلم ہوگا اور اس کی متضاد خصلت انتقام پسندی ہوگی،کسی اندوہناک مصیبت کی صورت میں صبر کو حوصلہ مندی کہیں گے،اس کی متضاد خصلت تنگدلی،اندوہ گینی،اور کم ظرفی ہے۔اگر اخفائے کلام کے متعلق ہو تو رازداری کہینگے،اگر عیش وعشرت سے باز رہنے کے متعلق ہوگا تو زہد وقناعت کا نام پائیگا۔اس کی ضد حرص اور بوالہوسی ہوگی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الصابرین فی الباساء مصیبت میں صبر کرنے والے کے والضراء فقر مین وحین الباس اور جنگ میں اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون ،یہی لوگ صادق الایمان اور متقی ہیں،غبطہ منافست اور حسد بھی شاخیں ہیں غبطہ پسندیدہ ہے اور حسد مذموم،فرمایا حضور ﷺ نے المومن یغبط والمنافق یحسد مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد،

منافست پسندیدہ بات ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون اس بارے میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیے، غبطہ سے مراد انسان کی وہ تمنا ہے جس میں یہ خواہش ہو کہ جو چیز دوسروں کو مل چکی ہے۔ مجھے بھی مل جائے بغیر اس آرزو کے کہ دوسروں سے وہ نعمت منقطع ہو۔ اور جب اس رشک کے ساتھ اس کے حصول کی کوشش اور تگ ودو بھی شامل ہو جائے تو اسے منافست کہیں گے۔

حسد تمنا ہے زوالِ نعمت وجاہ کی مستحق لوگوں سے بعض اوقات اسکے ساتھ کوشش بھی شامل ہوتی ہے۔ بدترین حسد وہ ہے جس میں کسی کی نعمت کے ازالہ کی سعی تو ہمراہ ہو، مگر اپنے لئے اس کی طلب کی خواہش نہ ہو۔

حسد انتہائے بخل ہے۔ کیونکہ بخیل اپنے مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے۔ اور حاسد اللہ کے مال کو دوسروں پر مبذول ہونے سے بخل کرتا ہے۔

کہتے ہیں حسد اور حرص گناہ کی دو بنیادیں ہیں، آدم وابلیس کا واقعہ ان کی بہترین مثال ہے[1]۔ ابلیس لعین حسد کے باعث مردود وملعون ہوگیا۔ اور آدم علیہ السلام شجرۂ ممنوعہ کی حرص میں جنت سے نکلے۔ یہ دو درخت ہیں۔ جن کا پھل غموم وہموم اور خسران ہیں اور جس شخص نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ وہ نجات پا گیا۔ غرض یہ ہے کہ حسد عین حماقت ہے کیونکہ جو شخص غیر ملک والوں کو بھلائی پہنچنے پر رضامند نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ اسے وہ بھلائی ملنے والی نہیں۔ تو پھر وہ کس طرح اپنے قبیلے والوں شہر کا پڑوسی اور اہل شہر کو بھلائی ملنے پر خوش ہوگا بعض اوقات اس میں سے اسے کچھ حصہ بھی مل جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لاحسد الا فی اثنین، رجل اتاہ اللہ مالا فجعلہ فی حق ورجل اتاہ اللہ حکمتہ فھو یقضی بھا۔ دو آدمیوں کی حالت کا حسد کرنا جائز ہے۔ اول اس شخص کا جس کو اللہ نے مال دیا پھر اسے وہ ٹھیک استعمال کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے۔

یہ ہے انتہائی کلام ان صفات کو پیدا کرنے کے متعلق۔ اب اگر تم پوچھو کہ جو شخص ان قوتوں کے افعال کو اپنی طبیعت میں ضبط کرے، یہانتک کہ ان افعال کے ذریعہ اس کی طبیعت میں ایسے اخلاق راسخہ پیدا ہو جائیں جن سے یہ افعال آسان اور سہل ہو جائیں تو کیا وہ صاحب عفت بھی ہو جائیگا۔ تو جواب یہ ہے کہ عفت اپنے کمال کو نہیں پہنچتی جب تک ہاتھ زبان، کان

[1] اس تفسیر میں ایک گہرا نکتہ مخفی ہے جسے صرف صحیح عقل اور افکار عالیہ کے مالک ہی سمجھ سکتے ہیں۔

،اور آنکھ کی پاکدامنی شامل نہ ہو۔ زبان کی حد عفت لغو گفتگو ،غیبت چغلی اور نغمت ۔ جھوٹ بہتان اور نام دھرنے سے پرہیز کامل ہے۔کان کی عفت زبان کی تمام بری باتوں کے سننے کو ترک کرنا مثلاً غیبت حرام آوازیں سننا وغیرہ یہی حال دورے قویٰ و جوارح کا ہے۔اور تمام جوارح کی عفت کا نچوڑ یہ ہے کہ انسان ان جوارح اور قوی کو عقل اور شرع کے ایسا ماتحت کردے کہ وہ اپنے خواص کوصرف وہاں اور اس حد تک استعمال کریں۔ جہاں تک عقل و شرع انہیں اجازت دے اس کے بعد بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی جب تک فضائل کے حصول تقرب الی اللہ کی طلب اور اس کی رضا مندی کی تلاش میں اقدام ورجحان کا ارادہ انسان کے دل میں نہ ہو۔اگراس کی عفت سے مقصود ہے زیادہ چیز کا انتظار کرنا۔ کیونکہ موجودہ اس کے موافق مزاج نہیں ۔یا شہوت کا بجھانا۔یا انجام کا خوف۔جیسے عزت و اقبال کا زوال۔یا اس لئے کہ کوئی بات ممنوع ہے۔تو یہ عفت نہیں بلکہ تجارت ہے اور ایک لذت کے کئی دوسری لذات کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ یہ تمام باتیں تحصیل عفت کے لئے ناکافی ہیں ،اور انسان کو یہ باتیں خوب سمجھ رکھنی چاہئیں اس کے بعد اب ہم تعلیم و تعلم اور تہذیب قوت عقلیہ کی تعریف بیان کرینگے۔

فصل

عقل علم اور تعلیم کی بزرگی

اوپر کے بیان سے تم جان چکے کہ علم و عمل دونوں سعادت کے وسائل ہیں عمل علم کی عملی کیفیت کے بغیر متصور نہیں ہوسکتا اور یہ کہ جو علم عملی نہیں ہے مثلاً علم خدا خدا کی صفات اور خدا کے فرشتوں کا علم ،وہ مقصود بالذات ہے ،تو اس سے استفادہ یہ ہوا کہ علم اصل اصول ہے اس لئے اب ضروری ہوا کہ ہم طریقہ تعلیم و تعلم کی جانب تمہاری رہنمائی کریں اور سب سے پہلے ان امور کی شرف و بزرگی مدلل طور پر تمہارے ذہن نشین کردیں۔

تعلیم شریف ترین فن ہے اور فنون تین قسموں پر منقسم ہیں اول اصولی جن کے بغیر قوام عالم ناممکن ہے اور وہ چار ہیں۔ زراعت ،حیاکت ،سیاست عمارت[۱] ان میں سے ہر ایک

[۱] زراعت غذا کے لئے حیاکت ،پوشش کے لئے ،عمارت سکونت کے لئے سیاست امن کے لئے۔

کا مددگار اور ممد ایک ایک فن ہے جیسے لوہار کا کام زراعت کے لئے حلاجت اور سوت کاتنا خیاطت یعنی لباس سازی کے واسطے پھر ان میں سے ہر ایک کی تکمیل کرنے اور زینت دینے والے مزید فن ہیں مثلاً آسیہ سازی اور طباخی زراعت کے لئے اور قصارت اور خیاطت پارچہ بانی کے لئے یہ تمام باتیں قوام عالم ارضی کے ساتھ منسوب ہیں جیسے کسی شخص کے اعضاء اس کے جسم کے ساتھ اس نسبت کے تین انواع ہیں اول اصولی، جیسے دل جگر اور دماغ دوم ان اعضائے رئیسہ کی شاخیں اور خدمت گزار جیسے معدہ، عروق، شریانیں، اور سوم انکی تکمیل وتزئین کرنے والی جیسے ابرو اور پلکیں۔

فنون میں بزرگ ترین سیاسیات ہے کیونکہ اس کے بغیر نظام عالم کا قیام ناممکن ہے اس کی چار قسمیں ہیں اول سیاست انبیاء ان کا حکم خاص و عام پر ظاہر و باطن میں رائج ہے۔

(دوم) خلفا اور ولایت وسلاطین ان کی حکومت خاص و عام پر ہے لیکن صرف ان کا ظاہر ان کے اختیار میں ہے باطن پر ان کا کوئی بس نہیں چلتا۔

(سوم) علماء اور حکماء ان کا راج فقط خواص کے باطن پر ہے۔

(چہارم) واعظین، اور فقہاان کی حکومت صرف عوام کے باطن پر ہے۔

ان چاروں سیاستوں میں سے نبوت کے بعد افادہ علم اور لوگوں کی تہذیب نفوس اشرف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی فن کی بزرگی اس نسبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جو اسے کسی زبردست قوت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے علم حکمت کو علم نباندار پر شرف حاصل ہوتا ہے کیونکہ اوّل الذکر قوت عقلیہ سے متعلق ہے جو سب قوتوں میں افضل ہے اور مؤخر الذکر قوت حسیہ سے متعلق ہے یعنی سماعت سے یا عموم النفع ہونے کے لحاظ سے جیسے زراعت کی بزرگی صیافت پر یا اس موضوع کے معمولات کے اعتبار سے، جیسے صیاغت کی بزرگی دباغت پر ہو۔

مخفی نہ رہے کہ علوم عقلیہ عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں جو سب قوتوں میں افضل ہے اور اسی کے ذریعہ جنت ماویٰ میں پہنچا جاتا ہے بلحاظ نفع اور عموم نفع اور موضوع کے اعتبار سے جس کے مطابق نفوس انسانی عمل کرتے ہیں یہ سب سے افضل ہے بلکہ ان تمام موضوعات سے جو اس دنیا میں موجود ہیں اسے شرف وجد حاصل ہے۔

افادۂ علم ایک لحاظ سے فن ہے ایک لحاظ سے عبادت الٰہی اور ایک لحاظ سے خلافت الٰہی اور یہ سب سے بڑی خلافت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے عالم کے دل پر علم کا دروازہ کھولا ہے جو صفات ربی میں خاص وصف ہے علم گویا خدا کا سب سے پاکیزہ اور نفیس خزانہ ہے پھر عالم کو

اس خزانہ کو ہر محتاج پر خرچ کرنے کا بھی پورا اذن ہے پھر اس سے بڑھ کر کونسا رتبہ ہے کہ بندہ اپنے رب اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ بن جائے جس کے ذریعہ سے وہ لوگ خدا کا تقرب حاصل کریں اور وہ جنت ماویٰ کی طرف انہیں اپنی رہنمائی میں لے چلے علم و عمل کی بزرگی و برتری اس قدر حاصل ہو سکتی ہے جس قدر عقل اور شریعت و احساس کو ضرورت ہو شریعت کہتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا کیا، تو اسے کہا، آگے آ، آگے آئی، پھر کہا پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹی، پھر فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے میں نے کوئی شے پیدا نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہو میں تیرے ذریعہ سے لوں گا تیرے وسیلہ سے دوں گا تیرے ساتھ رحم کروں گا اور تیرے ذریعہ سے عذاب دوں گا یہ عقل ہی تو ہے جس کے ساتھ انسان ان اشیاء کا ادراک کرتا ہے جو عقل اول سے جاری ہوتی ہیں جس کو اللہ نے پیدا کیا جیسے روشنی سورج سے پیدا ہوتی ہے تمام عقلیں اشخاص کی نسبت سے عقلیں ہیں[1] اور یہ عقل مطلق ہے بغیر کسی اضافت کے عقل کی بزرگی کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب سعادت دنیوی و سعادت اخروی اس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے تو پھر وہ کیسے اشرف الاشیا نہ ہو عقل کے باعث سے ہی انسان خلیفۃ اللہ ہوا اسی کے ساتھ اس کا دین کامل ہوا[2] اور اسی کے ذریعہ سے اللہ کا مقرب ہوا اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ لادین لم لا عقل لہ اس شخص کا دین ہی نہیں جس کے عقل نہیں نیز لا یعجبکم اسلام المرء حتی تعرفوا عقلہ کسی شخص کے اسلام پر متعجب نہ ہو جاؤ جب تک اس کی عقل کی پہچان نہ کر لو۔

عقل کی برتری کے لئے یہی بات بس کرتی ہے کہ اللہ نے اسے نور سے تشبیہ دی اور فرمایا اللہ نور السمٰوات والارض اللہ زمین و آسمان کا نور ہے یعنی ان کو منور کرنے والا ہے[3] قرآن حکیم میں اکثر نور و ظلمات کا اطلاق علم و جہالت پر ہوا ہے جیسے فرمایا اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور اللہ مومنوں کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور میں لے جاتا ہے اور یہ سب کچھ عقل کے ذریعہ ہوتا ہے اور اسی لئے

---

[1] عقل اول نور ہے، جو کل کائنات پر فیاض ہے، یہ روح کل ہے، اور اہل معرفت اسے قلب عالم اکبر کہتے ہیں۔

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم یعنی رسول اور شریعت کے ذریعہ دین کو کامل کر دیا۔

[3] کیونکہ خدا اسی کے ذریعہ سے اور اسرار ملکوت السمٰوات والارض کو منکشف اور منور کرتا ہے اور اللہ کے نور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نور روشن کا خالق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا اذا تقرب الناس لخالقهم بابواب البر فتقرب انت بعقلك تنعم ، بالدرجات والزلفی عند الناس فی الدنيا وعند الله في الاخرة جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے قرب الٰہی حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلہ سے خدا کے قریب ہو جاؤ، تمہیں درجات منازل سے سرفراز کیا جائیگا لوگوں کے دیک دنیا میں اور اللہ کے نزدیک آخرت میں۔

اب ہم عقل کے ذریعہ سے تقرب کی وجہ کا بیان کرتے ہیں اور مجرد احساس ہی بتادیتا ہے کہ علم اور عقل بزرگ ہیں یہاں تک کہ بڑے بڑے حیوان شخصی طور پر اور ان کی قوتیں بدنی طور پر جب انسان کو دیکھتی ہیں تو اس کے رعب میں آجاتی ہیں اور اس کے خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ انہیں اس امر کا احساس ہے کہ وہ فلسفی اور جبلی طور پر ان پر متولی ہے انسانوں کو بہائم میں سب سے زیادہ قریب غیر مہذب عرب و ترک ہیں اور ان بہائم کے راعی انہیں میں سے ہوتے ہیں اگر ان کے راعیوں میں کسی کے پاس عقل و درائت زیادہ ہو اور فن وصنعت میں بڑھ کر ہو تو اس کی طبعاً وہ عزت کریں گے اسی لئے تم ترکوں کو دیکھتے ہو کہ طبعی طور پر اپنے شیوخ و امرا کی توقیر کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں کیونکہ تجربہ نے ان کو مزید علم کے ذریعہ سے امتیاز دے رکھا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق طور پر فرمایا الشيخ في قومه كالنبي في امته امیر اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں علم و عقل کے ذریعہ ہی سے ہوتا ہے نہ اپنی شخصی قوت حسن ظاہری، کثرت مال، اور قوت وشوکت کے سبب سے چنانچہ بہت سے دشمنوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب ان کی نگاہیں حضور پر پڑیں تو ان پر ایک ہیبت طاری ہوگئی کیونکہ انھوں نے اللہ کا نور ان کے چہرے میں دیکھا جس سے معاندین کے سینے رعب وداب سے بھر گئے اللہ تعالیٰ نے علم کو روح کے نام سے بھی پکارا ہے فرمایا كذالك اوحينا اليك روحا من امرنا اس کو زندگی کا نام بھی دیا او من كان ميتاً فاحيينا اور حدیث میں ہے ماخلق الله خلقاً اكرم من العقل اللہ نے عقل سے بڑھ کر کوئی مخلوق زیادہ عزت والی پیدا نہیں کی اگر ترغیب علم کے متعلق تمام احادیث واخبار کو جمع کیا جائے تو گفتگو بہت طویل ہو جائے بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہو سکتی ہے کہ خود زبان نبوت فرمارہی ہے ان الملائكة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضاء بما يصنع فرشتے طالب علم کی جدو جہد کے نیچے جوش رضامندی میں پر بچھاتے ہیں۔

فصل

شرف عقل کے اظہار کیلئے تعلیم ضروری ہے

یاد رکھو کہ عقل کو برتری اور فوقیت صرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ علم اور حکمت کا آلہ ہے لیکن نفس انسانی معدن اور منبع ہے علم حکمت کا اور وہ ان میں اول فطرت میں بلحاظ قوت کے مرکوز ہے نہ باعتبار فعل کے جیسے آگ پتھر میں پانی زمین میں اور کھجور گٹھلی میں اس کے نکالنے کے لئے فعل کی ضرورت ہے جیسے پانی نکالنے کے لئے کوئیں کھودنا ضروری ہے لیکن جس طرح پانی بغیر فعل بشری کے دستیاب نہیں ہوتا اور بعض پانی ایسے ہیں، جنہیں حاصل کرنے کے لئے بہت سی محنت اور مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور بعض تک بہت تھوڑی تگ ودد سے رسائی حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح لوگوں کے علم کی حیثیت ہے کہ بعض لوگوں کے لئے بغیر کسی انسان کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کے علم قوت سے فعل میں آ جاتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کہ ان پر ملا اعلیٰ کی جہت سے بغیر کسی واسطہ بشری کے علوم کا انکشاف ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ہیں کہ تحصیل علم کے لئے انہیں دنیا جہاں کی خاک چھاننی اور دماغ کی ٹھیکریاں توڑنی پڑتی ہیں جیسے عام لوگ، خصوصاً غبی اور کند ذہن بڈھے جن کی عمریں غفلت، خود فراموشی اور جہالت میں بڑی ہوگئی ہیں اور انھوں نے ابتدائے عمر میں کسی استاد سے تعلیم حاصل نہیں کی پھر بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں علم کے حصول کے لئے بہت تھوڑی سی جدوجہد کرنی پڑتی ہے جیسے ذکی اور تیز ذہن بچے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے کہ علوم نفوس انسانی میں مرکوز کردیئے گئے ہیں فرمایا واذا خذر بک من بنی اٰدم من ظھورھم ذریتھم واشھد ھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلٰی خدا نے تمام بنی آدمی کی روحوں سے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں سب نے جواب دیا کیوں نہیں یہاں ان روحوں کے اقرار کے معنیٰ وہی ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ارادہ بلحاظ قوت ان میں موجود تھا نہ باعتبار زبانی اعلان کے کیونکہ یہ اقرار تو صرف چند روحوں سے صرف ظہور کے وقت لیا گیا تھا اور اس قسم کا ایک اور ارشاد الٰہی ہے ولئن سئلتھم من خلقھم لیقولن اللہ اور اگر تم ان سے پوچھو تمہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم ان کے حالات کا مطالعہ کرو تو ان کی روحیں اس بات پر گواہی دیں گی پھ فرمایا

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہر ایک آدمی ایمان پر پیدا کیا گیا ہے اور انبیاء صرف توحید لے کر آئے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہو لا الہٰ الا اللہ چونکہ ایمان باللہ نفوس میں فطرتی طور پر مرکوز ہے اس لئے انسانوں کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

(۱) جس نے فطرت سے روگردانی کی اور اسے بھول گیا:۔ جیسے کفار۔

(۲) جو ایک عرصہ کے لئے بھول گیا لیکن پھر اس نے یاد کر لیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گواہی کا حامل ہو مگر غفلت کے باعث بھول گیا لیکن بعد میں اس نے یاد کر لی ولیذکر اولوا الالباب تاکہ عقلمند لوگ یاد کریں واذکروا نعمت اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو اور اس عہد کو جو تم نے باندھا تھا ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے سہل کر دیا پھر کوئی ہے جو غور کرے، تذکر سے اکثر یہی بات عبارت ہے اور اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں کوئی عجیب بات نہیں۔ تذکر کی دو قسمیں ہیں۔

(اول) ایک صورت کو یاد کرنا جو عقل کے ذریعہ سے دل میں مرتسم تھی پھر اس سے پوشیدہ ہو گئی۔

(دوم) جو صورت فطری طور پر انسان میں قرار پا چکی ہے اسے یاد کرنا اسی لیے محققوں نے کہا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے سے انسان کے اندر کوئی شے باہر سے کھینچ کر نہیں آ جاتی بلکہ ایک پردہ سا اٹھ جاتا ہے جو فطرتی قابلیتوں پر پڑا ہوا تھا جیسے زمین میں سے پانی نکالنا یا آئینے کو جلا دیکر اس میں صورت کا ظاہر ہونا۔

یہ ظاہری حقائق ہیں، جو عقل کی آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان کے جمال کا نظارہ وہ شخص نہیں کر سکتا جس کی کوتاہ فہمی ابتدائے عمر ہی میں اس پر غالب آ چکی ہے۔

فصل

عقل کی قسمیں

عقل کی دو قسمیں ہیں فطری اور اکتسابی، اول الذکر قوت قبول علم کے لئے مستعد رہتی ہے اور بچے میں اس کا وجود ایسا ہی ہوتا ہے جیسے گٹھلی میں کھجور کا، اکتسابی عقل استفادہ سے

پیدا، اور علوم سے حاصل ہوتی ہے اور اس حیثیت سے کہ معلوم نہیں ہوتی جیسے صاحب تمیز ہونے کے بعد بغیر علم حاصل کرنے کے علوم ضروریہ کا فیضان بعض اوقات اس کا ادراک ہو جاتا ہے جیسے تعلیم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عقل کی دو قسمیں کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:

رایت العقل عقلین مطبوع ومسموع

میری رائے میں عقل کی دو قسمیں ہیں مطبوع اور مسموع

ولا ینفع مسموع اذالم یک مطبوع

مسموع اگر مطبوع نہیں تو بے سود ہے

کمالا ینفع الشمس وضوا لعین ممنوع

جس طرح بے نور آنکھ کو سورج کی روشنی نفع نہیں دیتی

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بزرگ مخلوق عقل ہے دوم فرمان رسالت پناہی ﷺ ہے کہ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے جنت کا قرب حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلے سے قریب ہو، اول قسم کی وہی صورت ہے جو جسم کے لئے بصارت کی ہے دوسری قسم کی سورج کی روشنی کی سی مثال ہے یعنی اگر آنکھ بے نور ہو تو روشنی اسے فائدہ نہیں دے سکتی اور روشنی کے بغیر بصارت بے سود ہے اسی طرح دیدۂ باطن یعنی عقل چشم ظاہر سے اشرف ہے کیونکہ روح سوار ہے اور بدن گھوڑا سوار کا اندھا ہونا گھوڑے کے اندھے ہونے سے بدتر ہے اللہ تعالیٰ نے باطنی آنکھ کی تشبیہ ظاہری آنکھ سے دیتے ہوئے فرمایا ہے اکذب الفواد مارائی دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا اسی کے قبیل فرمایا نری ابراہیم ملکوت سموٰت والارض ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السموت والارض دکھائے اس کے خلاف حالت کو اندھے پن سے تعبیر کیا اور فرمایا لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ سینوں کے اندر کے دل بے نور ہو جاتے ہیں۔

اور ارشاد ہوا ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمی اضل سبیلا جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہو گا۔[۱]

شاد الٰہی ہے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین۔ قرآن کے ذریعہ سے بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت مراہ کرتا ہے اور صرف بدکار لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فطرت اصلی اور سلامت قلبی سے خارج ہیں۔

مختصر یہ کہ جس کو بصیرت حاصل نہیں اس کو دین سے تعلق نہیں البتہ صرف ظاہر داری ہے بلکہ محض خیال ہی خیال جس کی حقیقت کچھ نہیں چنانچہ علوم شرعی علوم عقلیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے علوم عقلیہ کی مثال صحت کے لئے دواؤں کی سی ہے اور علوم شرعی کی مثال غذا کی سی نقل را عقل باید۔

جو مریض روح دوا سے محروم ہو اسے غذائیں نقصان دیتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبھم مرض ان کے دل بیمار ہیں کیونکہ وہ قرآن سے منفعت پذیر نہیں ہوتے تقلید عامہ کرنے والا شخص جب امور شرعی کے متعلق غور کامل کرتا ہے تو اسے بعض باتیں متناقض معلوم ہوتی ہیں اور اس کی نوعیت ہر شخص کے فہم کے مطابق ہوتی ہے پھر اپنے ضعف عقل اور کمزور طبعی کے باعث وہ غور وفکر کرنے سے گریز کرتا ہے چنانچہ تقلید کے ٹوٹنے کے خوف سے اس پر بے پرواہی سوار ہو جاتی ہے جب وہ سوچتا ہے تو متناقض باتیں اس کے سامنے آتی ہیں اس سے وہ متحیر ہو جاتا ہے اور اس کا یقین باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ دیدہ دل وا کر کے دیکھتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ تناقض کا کوئی موقعہ نہیں اور ہر شئے اپنے حسب موقعہ قائم ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک اندھا جو ایک مکان میں داخل ہوتا ہے اور برتنوں سے ٹھوکر کھا کے لوگوں سے کہتا ہے کہ تم کیسے بدتمیز ہو کہ برتنوں کو سرے راہ رکھ رکھا ہے انھیں اپنی اپنی جگہ پر کیوں نہیں رکھتے تو اسے جواب دیا جائے گا۔ مرد آدمی برتن تو اپنی اپنی جگہ پر ہیں لیکن قصور تمہاری بینائی کا ہے یہ بیان ہے اس علم کا جو عقل سے مستفاد ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقل کے واسطے سے اکتسابی علوم کی دو قسمیں ہیں معارف دنیوی اور معارف اخروی، ان دونوں کے رستے ایک دوسرے سے بعد المشرقین کا حکم رکھتے ہیں جو شخص ایک رستہ پر گامزن ہوگا اس کی بصیرت سے دوسرا طریق اکثر او جھل ہو جائے گا اسی لئے حضرت علیؓ نے تین مثالیں بیان فرمائیں دنیا اور آخرت کی مثال ترازو کے دو پلڑوں کی سی ہے یا مشرق ومغرب کی سی یا زمین وآسمان کی سی، جب تم ایک کو قبول کرو گے تو دوسری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا داری میں بہت ہی دانشمند لوگ آخرت کے لحاظ سے جاہل مطلق ہوتے ہیں اور دین میں سمجھ دار لوگ دنیا کے لحاظ سے ناواقف محض، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا حقیقی طور پر دور اندیش شخص وہی ہے جو اپنے نفس کو حقیر سمجھے اور مابعد الموت کے لئے عمل کرے چنانچہ بعض صالحین کی سادگی طبع کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا گیا اکثر اہل الجنۃ بالبلہ۔ اکثر جنتی بھولے بھالے ہونگے، یعنی امور دنیا کے لحاظ

سے اس کے متعلق حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے، کہ بعض لوگ ہم نے ایسے دیکھے کہ اگر تم انہیں دیکھ پاؤ تو کہو کہ یہ تو دیوانے ہیں، اور اگر وہ تمہیں دیکھ پائیں تو کہیں یہ شیطان ہیں۔ اور اگر کبھی تم کوئی عجیب وغریب دینی بات سن پاؤ تو اسے قبول کرنے سے یہ کہکر ستک نہ جاؤ کہ اگر یہ بات حقیقی ہوتی تو ارباب دنیا میں سے بہترین دل ودماغ کے لوگ اور بڑے حسابی کتابی عالم لوگ ضرور معلوم کر لیتے۔ کیونکہ یہ بات بالکل محال ہے کہ مشرق کو جانے والا شخص مغربی رستہ کی چیزوں سے واقف ہو بعینہ یہی حال امر دنیا وآخرت کا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے ان الذین لا یرجون لقاء نا ورضوا بالحياة الدنيا واطمانوا بها جو لوگ ہماری ملاقات کے متمنی نہیں اور دنیوی زندگی پر رضامند اور مطمئن ہو گئے ہیں پھر فرمایا لیعلمون ظاهراً من الحياة الدنيا وهم عن الآخرة هم غافلون وہ ظاہری دنیوی زندگی سے ہی واقف ہیں اور آخرت سے بالکل غافل۔

دنیا وآخرت کو صرف وہی لوگ یکجا کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معاش ومعاد کی تدبیر کرنے کے لئے مقرر فرمایا اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں ان کی روح القدس سے امداد وتائید کی جاتی ہے اور انہیں ایک ایسی قوت سے اعانت دی گئی ہے جو تمام امور پر حاوی ہے۔

رہے کمزور نفوس تو جب وہ ایک بات میں مشغول ہوتے ہیں تو دوسری بات کو بھول جاتے ہیں اور اس طرح تمام امور کا کمال حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔

فصل

علوم مستعدہ میں استاد اور شاگرد کے فرائض

متعلم کے بہت سے وفرائض ہیں ان کی تفصیل دس جملوں میں آسکتی ہے (وظیفہ اول) بری عادات کو دور کر کے طہارت نفس حاصل کرنا کیونکہ جس طرح ظاہری اعضاء وجوارح کی عبادت نماز میں طہارت ظاہر کے بغیر درست نہیں اور علم عبادت نفس ہے اور زبان شریعت میں ا؎دل کی عبادت، اسی طرح یہ عبادت برے اوصاف اور اخلاق خبیثہ کی موجودگی

ا؎ چونکہ جہاں دو ہیں سفلی علوی یعنی امری اور خلقی اور بعض عارفوں کی زبان میں تدوینی اور تکوینی تکوین تدوین کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ یہ اس کا سایہ ہے۔ شریعت نے انسان کی بلند حقیقت کے ساتھ دل کا نام خاص کر دیا اور انسانیت کی تکوین کو خلقی طور پر نفس کے ساتھ۔

میں درست نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی الدین علی النظافۃ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔

پاکیزگی کے لفظ کا جس طرح ظاہر پر اطلاق ہے اسی طرح باطن پر ہے اور قرآن میں ہے انما المشرکون نجس ،مشرک لوگ پلید ہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طہارت ونجاست صرف ظاہر پر ہی محدود نہیں اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا لاتدخل الملائکۃ فیہ کلب جن گھر میں کتا ہواس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے دل فرشتوں کا مقام نزول ہے ان کا محل نظر اوران سے اثر پذیر ہونے کا گھر اور بری خصلتیں کتے ہیں۔جوفرشتوں کوروکتے ہیں

جب شئے سے بنے ہوئے گھر میں کتے کی موجودگی کے متعلق جو دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے یہ حکم ہے تو دین کے گھر اور صفات حسنہ کے متعلق جو دوسری صفات محمودہ کی طرح نہیں بدرجہ اولیٰ یہ اعتقاد ہونا چاہیے غرض دین کا گھر دل ہے اوراس پر کبھی کتے غالب آجاتے ہیں اور کبھی فرشتے حاوی ہوجاتے ہیں۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ وسو سہ پیدا ہو کہ بعض بد اخلاق طالب بھی علوم کی تحصیل میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو تم دینی حقیقی اور موجب سعادت کے علم کے مفہوم سے ابھی دور ہو بد اخلاق شخص اس بات کو کبھی حاصل نہیں کرسکتا جس کو زبان سے ایک بار رٹتا ہے اور پھر دل سے دھراتا ہے اور کلام اس کی تردید کرتی ہے اگر نور علم کا پرتو اس کے دل پر عکس افگن ہوتا تو اس کے اخلاق ضرور عمدہ ہوجاتے کیونکہ علم کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ انسان کو معلوم ہوجائے کہ گناہ زہر ہے مہلک اور حیات ابدی کو برباد کردینے سے اوران سے اخلاق ردیہ پرورش پاتے ہیں کیا تم نے کبھی ایسے بے وقوف کو دیکھا جو جان بوجھ کر زہر کھالے اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا من ازداد علما ولم یزد ھدی لم یزد د من اللہ الا بعدا جس شخص کا علم بڑھے لیکن ہدایت زیادہ نہ ہو وہ صرف خدا سے زیادہ بعید ہوا چنانچہ بعض محققین کا ایک قول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے کہا میں صرف اللہ کے لئے ہوں یعنی علم ممتنع ہوگیا اور حاصل نہ ہوسکا اوراگر کچھ حاصل ہوا تو وہ خالی قول تھا یعنی حقیقی علم نہ تھا شاید تم کہو کہ ہم نے بعض صاحب فضیلت فقہاء کو دیکھا ہے جو علماء متبحر ہیں اور ساتھ ہی بد اخلاق بھی ہیں تو جواب یہ ہے کہ جب تم مراتب علم معلوم کرچکے ہو اور شاہراہ سعادت پر گام فرسا ہونے کے ساتھ ان کی نسبت سے بھی واقف ہو چکے ہو تو تم جان گئے ہو گے کہ یہ حضرات فقہاً حقیقت سے بالکل نا آشنا ہیں اور منزل مقصود سے بے پرواہ ہیں۔

(وظیفۂ ثانی) دنیوی مشاغل کے علائق کم کر دینا اور اہل وعیال اور اولاد وطن سے دور ہو جانا کہ تعلقات دلوں کو مصروف و مشغول کر کے منزل مقصود سے پھیر دیتے ہیں وماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے اور پریشان دماغ ادراک حقائق سے قاصر رہتا ہے اس لئے کہتے ہیں علم کا ایک حصہ بھی تمہیں حاصل نہ ہوگا جب تک تم اپنا سارا وجود اس کے لئے وقف نہ کر دو جب تم از فرق تا بقدم اس کے لئے ہو جاؤ گے تو وہ تم پر اپنے تئیں نثار کر دے گا جب دل پراگندہ ہو جائے تو وہ ایک نہر ہے جس کا پانی بکھرا ہوا اور پراگندہ ہے ہوا اور زمین اسے جذب کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ سب پانی ضائع ہو گیا اور مجتمع ہو کر کھیتی تک پہنچنے اور اسے سرسبز و سیراب کرنے کے قابل نہ رہا۔

وظیفہ ثالث، علم اور اہل علم کے مقابلہ میں تکبر نہ کرنا اور استاد پر مسلط نہ ہو جانا بلکہ اپنے باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دیدینا تا کہ وہ راہ علم پر جس طرح چاہے اس کی رہنمائی کرے استاد کی پند و نصائح کو اسی طرح آویز گوش بنائے جس طرح مریض طبیب کے تابع فرمان ہوتا ہے علم پر تکبر کرنے سے یہ ہوگا کہ اگر علم سے مستفید ہونے میں معلوم پر ناک بھوں چڑھائے گا تو عین حماقت کا مرتکب ہوگا یاد رکھو کہ حکمت حکیم کا گم شدہ لال ہے جہاں اسے پائے اپنا مال سمجھے اس سے استفادہ کرے اور جذبۂ احسان مندی کے ساتھ اس کی پیروی کرے۔

فالعلم حرب الفتی المتعال کالسیل للمکان العالی

ترجمہ: علم نے نہ تو تکبر کی فنا کر ڈالی جیسے سیلاب گراتا ہے مکان عالی

غرض تواضع اور انکسار ناگزیر ہیں چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید یہ امور اس شخص کے لئے باعث نصیحت ہیں جو صاحب دل ہے سنتا ہے اور غور کرتا ہے یا بالفاظ دیگر علوم میں مشغول ہوتا ہے صاحب دل ہونے سے یہی مراد ہے یا اسے عقل حاصل ہے جو اسے سننے کان دھرنے اور غور کرنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

جب تک تعلیم اپنے معلم کے سامنے زمین تشنہ کام کی طرح نہ ہو جائے جس پر جوں ہی موسلا دھار بارش برسے وہ فوراً دیوانہ وار اسے جذب کر لے وہ علم سے پوری طرح منفعت پذیر نہیں ہوگا اور جب معلم اپنے شاگرد کو تعلیم کی صورت میں ایسی بات بتائے جسے شاگرد صاف طور پر غلط سمجھتا ہو تو طالب علم پر واجب ہے کہ صبر کرے اور حوصلہ مندی سے کام لے اور اپنے استاد کی اتباع کرے کیونکہ اگر استاد خطا کرتا ہے تو یہ شاگرد کے اپنے صواب سے بہتر ہے جس طرح

ایک مسافر تجربہ سے ان باتوں کا استفادہ کیسے ہوتا ہے جن کو دیکھ کر مبتدی حیران ہو جاتا ہے اسی کے متعلق خدا نے قصۂ خضر و موسیٰ میں تنبیہ کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا کیا میں تمہاری اتباع کروں تاکہ تم مجھے اپنے علم سے جو تمہیں حاصل ہے کچھ مجھے بھی سکھا دو پھر حضرت موسیٰ صبر نہ کر سکے۔ بار بار اور پے در پے خضر علیہ السلام کو ٹوکا اور اعتراض کیا یہاں تک حضرت خضر نے فرمایا ہذا فراق بینی وبینک یہاں ہم تم جدا ہوتے ہیں اس کے بعد ان اسرار و معارف کو ان پر کھولا جو ان کی حیرانی اور استعجاب کا باعث تھے اس کی تفصیل قرآن میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ معلم کو وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا متعلم کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ ہر وہ متعلم جو اپنے استاد کے طریقہ تعلیم کے مراسم کی پیروی نہیں کرتا وہ بے خبر رہتا ہے اور شاید کامیابی سے کبھی ہمکنار نہیں ہوتا اگر تمہارا اعتراض یہ ہے کہ خدا کا ارشاد ہے فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون اہل ذکر سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع کرنے کی نقیض نہیں ہے اور نہ ہماری گفتگو کے خلاف، کیونکہ نہی تو اس بات کی ہوتی ہے کہ جس چیز کو متعلم کی قوت ادراک نہ پہنچے اس کے طلب کرنے سے منع کیا جائے تو جب استاد شاگرد کو سوال کرنے سے ممانعت کر دے تو اسے باز رہنا چاہیے مقصود یہ ہے کہ شاگرد کو اپنے رتبہ علم کے مطابق تفصیل معلوم کرنے کا شوق دلایا جائے۔

(وظیفۂ رابع) علوم نظریہ میں انہماک کرنے والے شخص کو مناسب نہیں کہ ابتداء ہی متشابہات مشکوک اور حیران کن امور میں طبیعت کو مائل کرے کیونکہ یہ بات اصل علم کے بارے میں اس کے عزم میں فتور پیدا کر دے گی اور جن اسباب کا ہم کتاب معیار العلم میں ذکر کر چکے ہیں ان کی بناء پر ادراک حقیقت سے مایوس کر دے گی لہٰذا اسے چاہیے کہ جو رائے اور اصول اس کے استاد نے اختیار کیا ہے اس پر خوب یقین رکھے پھر اس کے بعد مشابہت اور اس کے تعاقب کی تعریف میں غور و خوض میں مشغول ہو۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو کفار سے اختلاط اور میل جول کرنے سے منع کیا ہے جو ابھی اسلام میں پختہ نہیں ہوا یہاں تک بعض کا خیال ہے کہ خنزیر کی تحریم کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ کافر لوگوں کی یہ عام طور پر غذا ہے چنانچہ اسے حرام کر دیا گیا تاکہ مسلمان کافروں کے ساتھ مل جل کر کھانے پینے سے بچیں اور اس طرح کافروں سے ان کا ربط وضبط نہ بڑھے اس لئے عوام کو اہل ہوائے و ہوس کی مجلس سے بچانا چاہیے

جس طرح حرم کی مفسدوں سے حفاظت وصیانت کی جاتی ہے پھر جو شخص دین میں پکا ہو جائے اور اس کے دل میں اسلام کی حجت و برہان قرار پکڑ جائے تو اسے کفار سے مخالطت میں کچھ حرج نہیں بلکہ اسے ان سے ربط وضبط اور میل ملاپ بڑھانا زیادہ اچھا ہے اور شبہات اور ان کے حل کرنے میں مشغول ہونا زیادہ پسندیدہ ہے اس طرح وہ ایک قسم کا مجاہد ہوگا کیونکہ جو شخص جہاد کی قدرت رکھتا ہے اسے کفار کی صف پر پل پڑنا مستحب ہے اور کمزور ناتوان شخص کے لئے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اس طرز استدلال سے ان لوگوں کا یہ قول غلط ثابت ہو گیا جن کا گمان ہے کہ دین کے لحاظ سے قوی اور ضعیف لوگوں کے فرائض وظائف ایک ہی ہیں یہاں تک کہ ایک صوفیؒ بزرگ کا قول ہے کہ جس شخص نے مجھے ابتداء میں دیکھا اس نے مجھے صدیق خیال کیا اور جس نے مجھے انتہاء میں دیکھا وہ مجھے زندیق سمجھا یعنی ابتداء ایسے مجاہدے کی متقاضی ہے جو ظاہر آنکھ کو نظر آ رہا ہے کثرت عبادات کی صورت میں مگر انتہاء میں عمل باطن کی طرف رجوع کر جاتا ہے اول دل تو بدستور عین شہود اور عین حضور میں رہتا ہے البتہ ظاہری اعضاء سکون پذیر ہو جاتے ہیں اس پر ظاہر بین لوگ سمجھتے ہیں یہ تہاون فی العبادت ہے یہ استغراق عبادات کا نچوڑ اور عطر ہے اور ان کا لب لباب اور غایت لیکن کور باطن شپرہ چشم لوگ آفتاب حقیقت کی روشنی مشاہدے کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

(وظیفہ خامس) متعلم کو لازم ہے کہ علم کی ہر ایک قسم اور ہر ایک فن اس کی نظر سے گزر جائے وہ ان کی غایت سے واقف ہو اور طریقہ اور مقصد سے آشنا ہو پھر اگر اس کی عمر اس کا ساتھ دے اور اسباب میسر ہوں تو متبحر علم حاصل کرے کیونکہ علوم تمام کے تمام ایک دوسرے کے معاون اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جہاں تک حالات اجازت دیں ان سے مستفید ہو یہاں تک کہ علم کا جہالت کے باعث کوئی شخص بیری نہ رہے کیونکہ لوگ جس بات سے ناواقف ہوں اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واذلم یہتدو ابہ فسیقولون ہذا افک قدیم جب انھوں نے ہدایت نہ پائی تو کہنے لگے یہ تو پرانا وہم ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے

ومن یک ذا فم مر مریض یجد مرا بہ الماء الزلالا

منہ کے کڑوے پن کا مریض آب زلال کو بھی کڑوا ہی سمجھتا ہے

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے پھر اسے چاہیے کہ علم کی کسی نوع کو حقیر نہ سمجھے بلکہ ہر ایک علم حاصل کرے اس کا حق ادا کرے اور اسی کا رتبہ پہچانے کیونکہ ہر ایک علم

اپنے اپنے درجے پر ہے بعض انسان کو اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں یا اس سفر کے لیے اسباب مہیا کرنے والے ہر ایک علم کی پھر مقصود سے قرب و بعد کے اعتبار سے مختلف منازل بھی ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی لازمی ہے جس طرح حج اور جہاد کے رستہ میں پہرہ دار اور چوکیاں ہوتی ہیں۔

وظیفۂ سادس، یہ ہے کہ تمام فنون میں دفعتاً نہ کود پڑے۔ بلکہ ان کی ترتیب کی رعایت رکھے چنانچہ ابتداء سب سے اہم فن علم سے کرے اور اس وقت تک دوسرے فن کو ہاتھ نہ لگائے جب تک پہلے فن کو تکمیل کے درجہ تک نہ پہنچائے کیونکہ علوم کی بھی ایک ترتیب ہے جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ایک فن سے دوسرے فن کی جانب راہ نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترتیب و تدریج کی نگاہ داشت کے متعلق فرمایا ہے۔ الذین اتینا ہم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں یعنی اس وقت تک ایک فن کو چھوڑ کر دوسرے فن کی طرف رخ نہیں کرتے جب تک علمی اور عملی طور پر اس میں مستحکم نہیں حاصل کر لیتے طالب علم کا مقصد ہر علم سے یہ ہونا چاہیے کہ اوپر کے علم کی جانب ترقی کا شوق پیدا ہو پھر یہ بھی لازم ہے کہ کسی علم کے متعلق غلط اور خراب ہونے کا حکم صرف اس لیے نہ لگایا جاوے کہ اس علم کے معاملوں میں اختلاف واقع ہے یا ان میں سے کوئی غلطی پر ہے یا ان کے علم اور عمل میں تضاد و تخالف ہے۔

بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئیں گے جنہوں نے عقلیات اور فقہیات میں نظر و فکر کرنا چھوڑ دیا ہوگا صرف اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی کوئی اصلیت ہوتی تو عقلاء اور فقہاء اسکا ضرور ادراک کر لیتے اس شبہ کا ازالہ ہماری کتاب معیار العلم میں گزر چکا بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئیں گے جو علم نجوم کی صحت کے صرف اس لیے معتقد ہونگے کہ ایک شخص کو اس کے درست ثابت ہونے کا اتفاق ہوا دوسرا فریق صرف ایک شخص کے لیے اس کے غلط ہونے کی بنا پر اس کے بطلان کا قائل ہو جائے گا یہ تمام گروہ غلطی پر ہیں مناسب یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی معرفت فی نفسہ حاصل کی جائے ہر ایک علم پر ہر ایک شخص حاوی نہیں ہو سکتا ہر کار و ہر مردے اسی لئے حضرت علیؓ کا قول ہے لوگوں کے ذریعہ سے تم حق کی معرفت نہیں حاصل کر سکتے البتہ حق کی پہچان کے بعد اہل حق سے روشناس ہو جاؤ گے۔

وظیفہ ہفتم، اگر جمیع علوم کی تحصیل کے لئے عمر ناپائیدار کفایت نہ کرے تو چاہیے کہ ہر ایک علم میں سے اس کا بہترین حصہ اخذ کر لے کہ ہر ایک علم میں سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کافی ہو

گا اور زندگی کا آسودہ ترین حصہ اس علم کی تحصیل کے لئے صرف کرے جو نجات اور سعادت کا سبب ہے یہی شے تمام علوم کی غایت ہے اور یہی بات حقیقی اور درست طور پر معرفت الٰہی ہے[۱] اس علم کے سب علوم خادم ہیں اور یہ خود بالکل آزاد ہے کسی کی نوکری نہیں کرتا اسی کے متعلق ارشاد الٰہی ہے قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون کہہ واللہ، پھر انھیں اپنے خیال میں مگن رہنے دو۔ یہاں صرف زبان سے ان حروف کو ادا کر دینا مقصود نہیں چنانچہ ارشاد رسالت پناہ ہے من قال لا الٰہ الا اللّٰہ مخلصاً دخل الجنۃ جس نے خلوص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا زبانی جمع خرچ کسی کام کا نہیں جب تک وہ دل پر اثر نہ کرے یا جب تک اس اعتقاد کی پختگی کا اثر دل سے صادر نہ ہو اس کا نام ایمان رکھا گیا ہے پھر یہ ایمان بتدریج ترقی پا کر حضرت ابوبکرؓ کے ایمان تک منتہی ہو جاتا ہے ان کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور تمام دنیا کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھیں، تو حضرت ابوبکرؓ کا ایمان صاف وزنی نکلے گا کیونکہ انھیں تم پر کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر فضلیت حاصل نہیں بلکہ اس راز کی وجہ سے جو ان کے دل میں مخفی ہے۔

یہاں سے منصف مزاج آدمی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیا کا طریق اگرچہ بہت سے ظواہر میں دور ہو جاتا ہو زبردست شواہد کے ذریعہ سے اس پر شریعت شہادت دیتی ہے اس لئے ناواقف شخص کو محض اپنے قصور فہم اور جہالت کی بناء پر اس سے دشمنی نہ رکھنی چاہیے مختصر یہ کہ معرفت الٰہی کل معرفت کی غایت ہے اور کل مذاہب کے مطابق جملہ علوم کا ثمرہ روایت ہے کہ ایک بار کسی نے دو عابد وزاہد بزرگوں کی صورتوں کو مسجد میں دیکھا دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک رقعہ تھا ایک پر لکھا تھا اگر تم تمام نیکیاں کرلو تو مت خیال کرو کہ تم نے کوئی نیکی کی ہے حتی کہ تم اللہ کو پہچان لو۔ اور معلوم کرلو کہ خدا مسبب الاسباب ہے اور تمام اشیاء کا موجد دوسرے پر تحریر تھا میں معرفت الٰہی حاصل کرنے سے پہلے پینے کے باوجود پیاسا تھا یہاں تک کہ جب میں نے اسے پہچان لیا تو بغیر پینے کے سیر ہو گیا۔

---

[۱] ان دونوں باتوں سے حاصل حریت عقل نظری۔ جو وہم اور تقلید سے بے نیاز کرنے والی ہے اور حریت عقل عملی جو جسم کی غلامی سے رہائی بخشنے والی ہے جب ایک شخص کو یہ دونوں حریتیں بدرجہ کمال حاصل ہو جائیں تو وہ اس مقام پر پہنچ جائے گا جسے نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کی حقیقت وارد ہوئی۔

وظیفہ ہشتم ، بعض علوم کا بعض علوم سے اشرف ہونے کی پہچان کر لینا ، علم کی فضیلت دو طرح سے پہچانی جاتی ہے ۔ اول اس علم کے ثمرہ کے اشرف ہونے کے لحاظ سے ، دوم اس علم کے متعلق دلائل کی پختگی کے اعتبار سے ۔ مثلاً علم دین اور علم طب علم دین کا ثمرہ حیات ابدی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں اس لئے وہ علم طب سے افضل ہے جس کا ثمرہ حیات بدنی ہے ۔ جو موت تک ہے ۔

پھر علم حساب کا اگر تم علم طب سے مقابلہ کرو گے تو اول الذکر مؤخر الذکر سے باعتبار پختگی دلائل اشرف ثابت ہوگا کیونکہ علم حساب کے متعلق جس قدر نظریے ہیں سب یقینی ہیں اور تجربہ کے محتاج نہیں بخلاف اس کے طب کو یہ بات حاصل نہیں ، ہاں علم طب باعتبار ثمرہ کے علم حساب سے افضل ہے کیونکہ صحت بدن گنتیاں اور مقداریں معلوم کرنے پر فضیلت رکھتی ہے فضیلت ثمرہ پر نظر رکھنا پختگی دلائل کی تلاش سے بہتر ہے اور تمام علوم سے ثمرہ کے لحاظ سے افضل علم خدا اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم ہے مع ہر اس علم کے جو اس علم کی اعانت کرے کیونکہ اس کا ثمرہ سعادت ابدی ہے ۔

وظیفہ نہم ، یہ ہے کہ تم علوم کی اقسام کی مجمل طور پر شناخت کر لو اور وہ تین ہیں :۔

اول وہ علم جو لفظ سے متعلق ہے بحیثیت معنیٰ پر دلالت کرنے کے ۔

دوم وہ علم جو صرف معنیٰ سے تعلق رکھتا ہے اول الذکر سے وہ علم مراد ہے جس سے ہم چاہتے ہیں کہ تم ان الفاظ کی شناخت کر لو جو ان پر دلالت کرنے کے لئے اصطلاحی طور پر وضع کئے گئے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک علم لغات اور علم لغات اور اس کے دوسرے متعلقات ہیں جیسے علم مشتقات و اعراب و نحو و صرف ، اور علم عروض و قوافی اس کی آخری حد علم مخارج حروف مع اپنے متعلقات کے ہے ۔

علم متعلق بامعنیٰ ، موقع و محل کے لحاظ سے جس قسم کے الفاظ اس پر صادق آئیں گے نام حاصل کرے گا کبھی علم جدل و مناظرہ کبھی علم برہان اور کبھی علم خطابت کیونکہ جو شخص ان علوم میں صاحب نظر ہے اور لغت موجبات الفاظ ، معنی وغیرہ علوم کا عالم ہے تو جس رنگ اور جس عنوان سے وہ ان کو استعمال کرے گا اسی رنگ اور عنوان کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا اگر وہ علم یقینی کی تحصیل کا کام کر لیتا ہے تو علم برہان ، اگر فریق مقابل کو خاموش کرنے کے لئے تو جدل و مناظرہ اگر دلوں کو نرم کرنے کے کام آئے تو خطابت اور وعظ کہیں گے اسے دلیل بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ مخاطب کو مقاصد حقہ کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور ان اعتقادات کی طرف انھیں

لے کر چلتا ہے جس میں ان کی نجات ہے احادیث اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں قرآن کافروں کے خلاف اسی رنگ میں استدلال سے کام لیتا ہے اور قرآن بلحاظ عموم جمہور کے حق میں سب سے بڑھ کر ہے مستقل طور پر برہان حقیقی ویقینی کا ادراک اور فہم صرف اکابر علمائے ہی کو حاصل ہوتا ہے جن کی زمانہ قدر نہیں کرتا۔

جدل ومناظر ہدایت کے لحاظ سے کم ترین نفع دینے والی شے ہے کیونکہ محقق اپنے دلائل و براہین کو چھوڑ کر فریق مخالف کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی دل میں اس کا قائل ہوتا ہے اور عامی بات ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے سمجھنے کے لئے اپنے فہم کو نا کارہ پاتا ہے خود مناظرہ کرنے والے لوگ عام طور پر شکست کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد پر قائم رہتے ہیں اور کوتاہی دلیل کو اپنے قصور علم پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہمارا امام زندہ اور موجود ہوتا تو اس بات کا فیصلہ کن جواب دے سکتا اس لحاظ سے تم دیکھو گے کہ اکثر وہ باتیں جو ماہرین علم کلام اور مناظر اپنے مناظروں میں کر چکے ہیں کم وبیش جدلیات ہیں اور یہی حال ہے تمام باتوں کا جو فقہی مباحثوں میں واقع ہوتی ہیں یہی سبب ہے کہ مناظرہ کرنے والے لوگ خبردار ہو کر بھی دوسرے کے مذہب کو قبول نہیں کرتے۔

قسم سوم، معنوی کی دو قسمیں ہیں، محض علمی اور عملی، علمی قسم میں اللہ تعالیٰ ملائکہ، انبیاء اور مراتب نبوۃ، ملائکہ کے مراتب اسرار ارض وسما، آفاق ونفس اوران کے اندر کی سب چیزیں، کواکب سماوی، عالم بالا کے نشانات، جملہ اقسام موجودات، ان کے ایک دوسرے سے ترتیب کی کیفیت، قیامت، حشر نشر، جنت ودوزخ، صراط، میزان، جن وشیاطین، کی معرفت کا نام ہے علاوہ ازیں اس امر کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنیٰ بھی وہی ہیں یا کچھ اور مثلاً عام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت امور کا تخیل اپنے ذہن میں پیدا کر رکھا ہے مثلاً اللہ کا عرش پر مقیم ہونا دنیا سے بلند بلحاظ مکان کے، اور اس سے پہلے زمانہ کے اعتبار سے، فرشتوں، شیاطین اور آخرت کے واقعات جنت ودوزخ کے متعلق ان کے کیا عقائد ہیں کیا یہ امور ایسے ہی ہیں جیسے انھوں نے سمجھے ہیں بغیر کسی قسم کے تفاوت کے یا یہ مثالیں اور خیالات ہیں کیا ان کے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی کچھ معنیٰ ہیں غرض ان تمام امور کی تحقیق کرو، سچائی کے ساتھ شک وشبہ سے پاک بطریق حقیقت ظاہر نیت کے ادہام باطلہ کو دور پھینک کے اندازہ اور اٹکل پچو لگانے سے دور ہٹ کر، یہ ہیں علوم نظریہ اور ان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ اب رہے عملی تو ان میں احکام شرعیہ علوم فقہیہ، سنن نبویہ شامل ہیں ان میں معرفت سیاست نفس، اور

تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، اہل وعیال، لباس وطعام، معیشت اور معاملات کی معرفت داخل ہیں اسے علم حقہ کہتے ہیں۔ یہ چہارگانہ معاملات نکاح اور شرعی حدود پر مشتمل ہے پھر جب اس کی انواع کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے مراتب کی پہچان اور شناخت کی طرف توجہ کرنی چاہیے تاکہ اوقات عزیز صرف منزل مقصود کی طرف گام فرسائی میں صرف ہوں۔ یا ان امور میں جو اس کے قریب لیجائیں۔

اب جو شخص قسم اول یعنی متعلق باللفظ علوم پر ہی قناعت کر گیا تو گویا وہ محض چھلکے پر ہی قانع ہو گیا ان میں سے جس نے نحو، اعراب، عروض اور مخارج حروف پر قناعت کی تو اس میں بھی صرف پوست پر انحصار رکھا اور جو شخص اس رستہ کی پہچان میں منہمک ہے تو وہ ایک امر اہم میں مشغول ہے پھر اگر اسی بات پر قصر کر دے تو گویا اس نے صرف آلہ اور وسیلے پر اکتفا کیا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ کرے پھر اونٹ اور زاد راہ اور سواری خرید لے اور گھر میں بیٹھا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں بہت اہم ہیں اور بوجہ آلہ اور وسیلہ حج ہونے کے ضروری ہیں لیکن جب ان کو اس بات میں استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے ان کو خرید کیا گیا ہے تو وہ بالکل بے سود ہیں الی ہذا القیاس طیغ وسنان اور خنجر ودشنہ بے کار ہیں۔ اگر انھیں جنگ میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

اور جو شخص علوم عملیہ میں منہمک ہے اور صرف انہیں پر اکتفا کرتا ہے یعنی فقیہات وغیرہ پر تو اس کا حال لغات پر انحصار رکھنے والے کے زیادہ قریب ہے وہ اضافی طور پر عظیم القدر ہے جس طرح علم لغات اضافی طور پر علم رقص وسرور سے زیادہ رفیع الشان ہے لیکن اگر اس کو منزل مقصود کی نسبت سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بہت ہی بعید ہے۔ یہ بات مثال کے بغیر پورے طور پر سمجھ میں نہ آئے گی۔

چنانچہ جب ایک آقا اپنے غلام سے وعدہ کر لے کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا بشرطیکہ تم حج کر آؤ، اور اس کے بعد میں تمہیں سرداری عطا کر دوں گا تو سعادت آزادی وغیرہ کے حصول کے لئے غلام کے لئے تین مقامات ہیں۔

اول اسباب کا تہیہ کرنا مثلاً اونٹ، مشق زاد راہ وغیرہ خریدنا اور سامان سفر تیار کرنا (دوم) وطن چھوڑ کر بیہ پیمائی اور راہ نوردی پر کمربستہ ہو جانا اور منزل بمنزل چل کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہونا۔

سوم فریضۂ حج کا ایک ایک رکن ادا کرنا ان تمام امور کو طے کرنے کے بعد اسے آزادی کی نعمت حاصل ہوئی اسے منزل بمنزل ایک بات کو طے کرنے کے بعد دوسری منزل

میں قدم رکھنا پڑتا ہے اور ایک منزل کے اسباب وسامان کی تیاری کے بعد دوسری منزل کے وسائل کے تہیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے یہی حال کمال نفس کا ہے طہارت اخلاق رُزائل وزمائم کے ازالہ اور حقائق ومعارف کے انکشاف سے اخلاق کو مکمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس تشبیہ میں مال کی مثال موت کی سی ہی جو اس حجاب کو دور کر دیتی ہے جو انسان اور اس کے رتبہ کے درمیان حائل ہیں اس کے وسیلے سے نفس اپنے کمال اور جمال کی حقیقت سے رُوشناس ہوتا ہے چنانچہ جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے تو نفس اپنے کمال کو دیکھ لیتا ہے جو اعلیٰ علیین میں اسے حاصل ہے اسے اس نظارے سے ایک ابدی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور منزل بمنزل قطع راہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنا خلق بداخلاقیوں کو محو کرنے اور علوم نظریہ کو دوسرے علوم کے علاوہ ایک ایک کر کے حاصل کرنے سے مہذب بنالیا ہے۔

توشہ دان اور مشک وغیرہ کی تیاری، اور راہ اور سواری کی خریداری کی مثال کے مطابق وہ تمام علوم ہیں جو فقہ اور لغت جیسے علوم نظریہ کے خادم ہیں اور جو شخص فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کی حیثیت توشہ دان وغیرہ کی تیاری کرنے والے کی سی ہے اور جو شخص انہیں پر بس کر دیتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان بنا کر بیٹھ رہے۔ علاوہ ازیں جو شخص علم لغت کے اندر ہی محدود ہو جائے وہ اس شخص کی مانند ہے جو توشہ دان کی کھال کو رنگ چھوڑنے پر اکتفا کرے اس لحاظ سے جو شخص اپنے اوقات کو فروعات فقہی میں (جن میں اختلافی مسائل اور وہ باتیں شامل ہیں، جو عہد صحابہؓ میں پائی ہی نہیں جاتی تھیں) مشغول ومستغرق رہتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی توشہ دان کے احکام اور اسے سینے سلانے کے مسائل میں اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے۔ تم کہہ سکتے ہو کہ اگر تم نے یہ باتیں اعتقادی طور پر کہی ہیں تو اجماع فقہاء اس کے خلاف ہے اور اگر بطور حکایت اور مثال کے کہی ہیں تو ان باتوں کو کون مانتا اور تسلیم کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ باتیں حکایت کے طور پر کہی ہیں ان کا تعلق اس مذہب سے ہے جس پر اس کتاب کا اکثر دارومدار اور انحصار ہے اور وہ تصوف ہے۔ عام لوگوں نے ان معانی سے اتفاق کیا ہے جو اس مثال سے مستنبط ہوتے ہیں اگرچہ ان کے نزدیک یہ تشبیہ بعینہ مشبہ بہ کے مطابق نہیں اگر تم پوچھو کہ آیا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ یہ کتاب ان امور کے حق وباطل میں تمیز کرنے کے دلائل وبراہین پیش کرنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی بلکہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ غفلت وخود فراموشی کے ازالہ کے لئے پند ونصیحت کو قلم بند کیا جائے جن کی تعلیم یہ لوگ دیتے ہیں کہ ابتدائے کار میں یہ بات بعید معلوم نہیں ہوتی اس

لیئے جو طالب علم کسی علم وفن کی جستجو میں نکلتا ہے اسے لازم ہے کہ خوب سوچ سمجھ لے تا کہ حقیقت سے واقف کار ہو جائے۔ اور وہ اندھا دھند اس وادی پرخار میں قدم نہ رکھے۔

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنی عمر فقہ کی نذر کر چکے اور تصوف سے تمہیں کوئی شغف اور حسن ظن نہیں علاوہ ازیں تمہارا دل اس قدر وسیع بھی نہیں کہ بدرعیبی اور رسمی طور پر دیدہ دانستہ اس ادنیٰ بات کے درپے ہو جاؤ تو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کے مسلک میں یہ بات ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تم اس کا سبب محقق کرلو گے۔

جب تم ان تمام تفاصیل کے باخبر ہو جاؤ گے جو اوپر گزر چکیں اور جن میں ہم نے بتایا ہے کہ سعادت کے حصول کے معنیٰ یہ ہیں کہ تزکیہ نفس کے لئے نامناسب امور کو نفس سے محو کر دیا جائے اور کشف حقائق سے تکمیل نفس کے لئے مناسب امور کو نفس میں جاگزیں کیا جائے۔

اور اس بات کے حصول کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ انعامات الٰہی اور ملکوت السمٰوت والارض میں نظر وفکر سے کام لیا جائے تا کہ ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور فقہ اس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن اس کا دست نگر ہے بدن کی بقا کا انحصار علم ابدان یعنی علم طب اور ادیان یعنی فقہ پر ہے باعث یہ کہ آدمی کی خلقت کچھ ایسے نہج اور عنوان پر عمل میں آئی ہے کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح تنہائی اور علیحدگی کی زندگی نہیں بسر کر سکتا اسے لازمی طور پر سوسائٹی میں رہنا پڑتا ہے ایک دوسرے کی امداد واعانت کا وہ محتاج ہے کھانے پینے اور پہننے اور دوسری ضروریات کے تہیہ میں وہ ایک دوسرے کا دست نگر ہے غرض چونکہ انسانوں کا اجتماع ناگزیر ہے اس لئے ان میں عدل ومساوات قائم کرنے اور آپس میں لین دین اور معاملہ کرنے کے لئے قانون کی بھی اشد ضرورت ہے ورنہ بنی آدم میں ہمیشہ تنازعہ اور جنگ وجدال برپا رہ کر انھیں ہلاک کرتا رہے گا اور فقہ میں اسی قانون کا بیان ہوتا ہے۔ اور نکاح وطلاق، معاملات اور عقوبات اس قانون کی تفصیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رستہ میں بادیہ پیما ہونے والوں کے لئے بدن کی حیثیت ایک ناقہ، اور توشہ دان وغیرہ کی ہے۔ جن کی ضرورت رجح میں پڑتی ہے بدن کی مصلحتیں ناقہ اور توشہ دان کی طرح ہیں علم مصالح بدن کا کفیل ہے۔ جس طرح توشہ دان بنانے کے لئے سینا، وضع قطع کرنا، اور دباغی کے فنون کفیل ہیں، اس لئے جو تعلق ان چیزوں کو اس مقصد کے ساتھ ہے وہی رتبہ علم کو اپنے مقصد سے ہے۔ سلوک استعداد اور مقصد کے بارے میں ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور بے عیب ہے، ان کا قول ہے کہ اگر خدا کو دنیا کی آبادی منظور نہ ہوتی تو

پردے اٹھ جاتے ،غفلت دور ہو کر تمام دنیا کی مخلوق اللہ کی جانب دیوانہ وار متوجہ ہو جاتی ۔ اور لوگ ہر اس بات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے جو منزل مقصود سے بے تعلق کرنے والی ہے لیکن ہر کس بخیال خویش خبطے وارد اسی بے خبری کے ذریعہ سے کائنات کا قیام ہے ورنہ صنعتیں اور فنون سب رائیگاں ہو جاتے ۔تم خود غور کرو کہ اگر درزی ،حجام اور دوسرے کاریگروں کے دل سے ان فوائد کا اعتقاد جاتا رہے جو انھیں اپنے فنون کی جانب مائل کئے ہوئے ہے تو وہ فوراً ان سے دست بردار ہو جائیں اور ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ کی صنعتوں کی جانب جھک پڑے ۔ نتیجہ یہی کہ صنائع سے چیزیں تیار کروائی جاتی ہیں ۔ چنانچہ یہ غفلت اور بے خبری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک لحاظ سے رحمت ہی ہے اور بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان (اختلاف امتی رحمتہ) میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے ،کو اسی بات پر محمول کیا ہے ۔ یعنی امتیوں کی ہمتوں اور رجحانات کا اختلاف باعث رحمت ہے ۔ اگر خاک روب کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پیشہ بے سود اور لغو ہے تو وہ اسے آج ہی چھوڑ دے ۔ پھر علماء ، خلفاء اور اولیاء کو خود اپنی نجاست اٹھانی پڑے ۔ یہی حال دباغی ، حدادی زراعت ، اور تمام پیشوں کا ہے چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو علم فقہ علم نحو ، علم مخارج حروف ، اور طب کا لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہونا منظور نہ ہوتا تو یہ علوم بالکل بے کار اور معطل ہو جاتے اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا ۔ جو شخص کسی علم یا صنعت میں تمام دوسرے خیالات کو چھوڑ کر مصروف ہو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اپنے رتبہ اور اپنے فوق کی نسبت کے مطابق اطلاع حاصل کرے ۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کے قدر اور نسبت کے موافق اسے معلومات ہونا چاہئیں علوم کے تمام مراتب سے مطلع ہونا تو صرف اسی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے جو تمام علوم کا متکفل ہو یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہے اور حقائق اشیاء کا کماحقہ مشاہدہ کروا دیا ہے ۔ تو یہ جواب ہے ان کا اس کے بعد ہم تمہیں یہ رائے دیتے ہیں ۔ کہ جس بات میں تم مصروف ہو ، اسی پر اکتفا کرو یا ان لوگوں کے رستہ پر چل پڑو اور اس فن میں حق وصداقت کی شناخت کے لئے بحث ونظر سے کام لو ۔

وظیفہ دہم ، یہ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھے اس سے اس کا مقصود دنیا میں اپنے نفس کا کمال اور فضیلت ہو اور آخرت میں تقرب الی اللہ ریاست وجاہ ، مال ومنال اور احمقوں کا فخر ومباہات اور علماء کی ریاکاری مطلوب نہ ہو ۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من تعلم العلم لیبا ہی بہ السفہا ویماری بہ العلماء دخل النار جو شخص بے وقوفوں پر فخر کرنے اور علماء کے

دکھاوے کے لئے علم حاصل کرتا ہے دوزخ میں جائے گا اوپر گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ عز و جل تک علوم کے ذریعہ سے رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کے مختلف مدارج ومنازل ہوتے ہیں ان علوم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے رستہ میں نگہبانی کے لئے پہرہ دار مقرر کرنا جب کوئی شخص ہر ایک علم کا مرتبہ پہچان لے اس کا حق ادا کرے اور اس سے صرف رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے علم کے درجہ کے مطابق دنیا اور آخرت میں بلندی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یرفع اللہ الذین امنوامنکم والذین اوتوالعلم درجات اللہ تم میں سے مومنوں اور عالموں کو بلند مرتبے عطا فرماتا ہے۔ اور فرمایاہم درجات عنداللہ ان کو اللہ کے نزدیک مدارج حاصل ہیں صوفیوں کا مسلک جو ہم نے علوم کے متعلق بیان کیا ہے اس سے تمہارے دل میں علوم کے متعلق بدظنی نہ پیدا ہونی چاہیے کیونکہ ان کا مطلب اس سے حقارت علوم نہیں، بلکہ یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی حرمت اور عظمت کی نگہداشت کرے، انھوں نے علوم کے متعلق اولیاء اور انبیاء کے مرتبہ کی علوشان مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے بعینہ جس طرح تم اولیاء اور انبیاء کے مقابلہ پر سلاطین و وزراء کو کتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو، لیکن جب انہیں کے رتبے کو تم خاکروبوں اور جمعداروں کے مرتبے سے قیاس کرو تو انہیں اس طرح ذلیل کہنا درست نہ ہوگا بلند ترین مرتبہ سے اتر آنے سے کسی چیز کی بالکل ہی قدرت ومنزلت تو برباد نہیں ہو جاتی چنانچہ سب سے اوپر کا درجہ انبیاء کا ہے پھر اولیاء کا پھر علماء کا اپنے اپنے مراتب کے تفاوت سے پھر نیک عمل کرنے والوں کا مختصر یہ کہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ جورائی برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا اور جو شخص قرب الٰہی کا علوم کے ذریعہ سے قصد کرے گا اسے اللہ تعالیٰ لامحالہ فائدہ دے گا اور رفعت قدر عطا فرمائے گا۔ یہ وظائف تو معلم کے لئے ہیں۔

رہا معلم تو اس کے لئے آٹھ باتیں قابل توجہ ہیں، سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ انسان کے لئے علم کے لحاظ سے چار حالات ہیں جس طرح مال جمع کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں، اول استفادہ کی حالت جس سے وہ اکتساب کرتا ہے، دوم وہ جو مال اس نے کمایا ہے اسے ذخیرہ کرتا ہے، اس سے دوسرے لوگوں سے سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، سوم اس مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے کی صورت ہے اس میں انسان مال سے نفع اٹھاتا ہے یا چہارم کمائے ہوئے مال کو دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے، تو صاحب عزت اور سخی

کہلاتا ہے یہ چاروں صورتوں میں افضل ہے یہی حال علم کا ہے صاحب علم کا ایک حال یہ ہے کہ وہ طالبعلم ہے دوسرے وقت میں جب وہ تحصیل علم سے فارغ ہو چکا ہے تو دوسرے لوگوں کا دست نگر ہونے سے مستغنی ہے تیسری استبصار کی صورت ہے یعنی جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے اس میں تفکر کرتا ہے، چوتھی صورت تبصیر اور تعلیم کی ہے اور یہ سب صورتوں سے اشرف اور برتر ہے۔

جس شخص کا علم سے سابقہ پڑے پھر وہ خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے تو وہ سورج کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے اور دوسروں کو بھی منور بناتا ہے یا کستوری کی مثال ہے جو خود بھی خوشبودار ہے اور دوسروں کو بھی معنبر کرتی ہے اور جو شخص دوسروں کو نفع پہنچائے لیکن خود فائدہ نہ اٹھائے وہ کتب خانہ کی مانند ہے کہ دوسرے اس سے متمتع ہوتے ہیں لیکن اسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وظیفہ اول یہ ہے کہ معلم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ متعلم کو اپنے بیٹے کی مانند سمجھے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں تم پر ایسا ہی مہربان ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا ہے اور متعلم کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ استاد کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے کیونکہ باپ تو بیٹے کی حیات فانی کا سبب ہے اور استاد اس کی حیات ابدی کا مؤجب، چنانچہ جب سکندر نے کسی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے استاد کی عزت زیادہ ہے یا باپ کی، تو جواب دیا میرے استاد کی۔

جس طرح ایک باپ کے بیٹوں کا فرض ہے کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہیں اور بغض وعناد نہ رکھیں اسی طرح ایک استاد کے بیٹوں کا حق ہے کہ اس سے شاگرد بغض وعناد نہ رکھے۔ اور محبت سے پیش آئے بلکہ ہم تو کہیں گے کہ سب دینی بھائیوں کا یہی حق ہے علماء سے ، خدا کی جانب جانے والے مسافر ہیں، اور اس کے رستہ کے سالک اور مسافروں کو جو ایک ہی رستہ پر چل رہے ہیں آپس میں گہرا پیار اور مودت رکھنی چاہیے چنانچہ علمی برادری کو پیدائشی اخوت پر فوقیت حاصل ہے۔

آپس میں تباغض وتحاسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انھیں علم سے مال وجاہ کا حصول مقصود ہو جب یہ حالت ہو تو خدا کے رستہ پر چلنے کی منزل سے نکل جاتے ہیں اور ارشاد الٰہی کے دائرہ انما المؤمنون اخوۃ (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) سے خارج ہو کر اور خدا کے اس قول کے اندر داخل ہو جاتے ہیں کہ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض

عدو الا المتقین قیامت کے روز دنیا کی دوستیاں ختم ہو جائیں گی اور سوائے متقیوں کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔

وظیفہ دوم، یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی اقتداء سے سر منہ باہر نہ ہو اور نہ ہی تعلیم دینے کا کوئی اجر اور معاوضہ طلب کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا اے رسول (ﷺ) کہہ دو کہ میں تعلیم شریعت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا چنانچہ جو شخص علم کے ذریعہ سے مال و دولت اور اغراض دنیا طلب کرتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے ہاتھوں کی میل کچیل کو اپنے چہرے اور ڈاڑھی سے مل کر ہاتھوں کو صاف کر لیا اس نے مخدوم کو خادم بنا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لباس اور غذائیں بدن کی خدمت گذار پیدا کی ہیں، اور بدن کو نفس کا خادم اور مرکب بنایا ہے اور نفس کو علم کا چاکر مقرر کیا ہے علم مخدوم ہے خادم نہیں۔ اور مال خادم ہے مخدوم نہیں۔

اس حقیقت کے عکس کے معنیٰ ہی گمراہی ہیں۔

تعجب ہے کہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے زمانہ اس قدر پلٹا کھا چکا ہے اور زمین علمائے دین سے اس طرح خالی ہو چکی ہے کہ متعلم اب معلم کی تقلید میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو احسان جتاتا ہے اس کے بالمقابل بیٹھتا ہے اور اپنے استفادے سے دنیوی اغراض کا لالچ مدنظر رکھتا ہے، یہ ذلت و پستی کی انتہاء ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معلمین ریاست و تحمل کی آرزو میں کثرت متعلمین کے متمنی ہوتے ہیں ایک تو علم انھیں کم ہوتا ہے دوسرے ذاتی طور پر انھیں اپنے کمال سے کوئی ذوق نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم بھی ان سے یہی چیز حاصل کرتے ہیں۔

تیسری اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ طالب علم کو نصیحت کرنے کے وقت ذلیل وخوار نہ کرے اسے بداخلاقیوں سے روکنے کے لئے یا اپنے استحقاق سے مافوق رتبہ کے شوق اور اپنی طاقت سے بڑھ کر محنت کرنے سے باز رکھنے کے لئے یا غایت علوم سے آگاہی دینے کے لئے تصریح سے کام نہ لے اگر استاد دیکھے کہ کوئی شاگرد صرف طلب جاہ و مال اور فخر و مباہات کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تو اسے تعلیم حاصل کرنے سے روکے نہیں تاکہ اس کا علم سیکھنے میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اعراض کرے کیونکہ ممکن ہے کہ جب وہ علم کا اکتساب کرے تو حقیقت نفس الامری سے آگاہ ہو جائے اور جان لے کہ اغراض دنیوی کے لئے علم حاصل کرنے والا زیاں کار ہے علمائے کرام نے اس مفہوم کو اپنے قول ذیل سے واضح

کیا ہے کہ ہم نے جب غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے ماسوا اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو تو چاہیے کہ انھیں علم کی کسی ایسی نوع کی طرف دعوت دیں جس سے جاہ و مال حاصل ہو پھر انھیں طمع ریاست کے ذریعہ سے وہ علم سکھائیں یہاں تک کہ علم حاصل ہونے کے بعد بتدریج وہ حق کی طرف آ جائیں اسی لئے علم مناظرہ اور علم فقہ کا ترک کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ علوم ہمیشہ ابتداء میں طلب مباہات کے باعث ہیں اور انجام کار فساد نیت سے خبردار کر دیتے ہیں اور انسان کو منہاج قویم کی طرف لے آتے ہیں اس مفہوم کے بعینہ مطابق ہے ہماری وہ مثال جس میں ہم نے کہا تھا کہ بچے کو ریاست جاہ و مال کے لالچ دلا کر تعلیم کی جانب مائل کیا جائے ہم اسے چوگان کھیلنے پرندے خریدنے اور لہولعب کے اسباب کا طمع دلاتے ہیں اور بعض اوقات ہم اسے ان باتوں میں مطلق مصروف کر دیتے ہیں تاکہ اس کے دل میں تعلیم حاصل کرنے کے داعیے پیدا ہوں اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہماری مرضی اور منشا کی طرف بتدریج آ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے کے ارادے کو شریعت اور علم کا نگہبان بنا دیا ہے طمع ریاست اور نیک نامی کے ساتھ متعلمین کے دلوں میں علم کی آگ بھڑکانا ایسا ہی ہے جیسے بیل کو خوب پھیلانے کے لئے باغ بان رسیاں اور لکڑیاں قریب قریب گاڑتے ہیں، یا جیسے غذا اور نکاح کی خواہش۔

ان دونوں کو خدا نے اس لئے خلقت کیا ہے کہ ان سے داعیہ پیدا ہو جس سے شخصیت اور نوع انسانی کی بقا ہے اور اگر علم مناظرہ کے بارے میں یہ مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو اس کی کسی صورت میں اجازت نہ دی جاتی کیونکہ اس کے ذریعہ سے کبھی تبدیلی مذاہب اور ترک معتقدات کی لذت نہیں آئی۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ جن باتوں سے شاگرد کو روکنا واجب ہے ان سے اسے تعریض کے ساتھ باز رکھنے کی کوشش کرے۔ تصریح کا استعمال نامناسب ہوگا کیونکہ تعریض یعنی اشارے کنائے سے کام لینا زجر و توبیخ میں مفید ہوتا ہے۔ اور تسریح یعنی صاف صاف تنبیہ کرنے سے منع کی ہوئی بات کی دل میں اور خواہش پیدا ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لو نهى الناس عن فت البعر لغقوه وقالوما نهينا عنه الا وفيه شىء

اگر لوگوں کو پشکل بکھیرنے سے منع کیا جائے تو وہ اسے ضرور بکھیریں گے اور کہیں گے اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہے تو ہمیں اس بات سے باز رکھا گیا ہے آدم وحوا کا قصہ اس حقیقت کی بین مثال ہے بعض اوقات تعریض تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نفوس فاضلہ استنباط غیر معروف باتوں کی کنہ معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ وہ تعریض کے معنیٰ معلوم کرنے کے لئے نہایت محبت سے مائل ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ تعریض استاد کے لحاظ اور رعب کا پردہ بھی چاک نہیں کرتی حالانکہ تصریح کامل طور پر اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے اور شاگرد میں مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

وظیفہ پنجم، یہ ہے کہ استاد کو چاہیے کہ علاوہ اس علم کے جو وہ اپنے تلامذہ کو پڑھا رہا ہے دوسرے علوم کی انھیں نفرت نہ دلوائے جیسے معلمین لغت کا قاعدہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے فقہ کی برائی بیان کر کے ان کو اس سے روکتے ہیں اور فقہاء کی عادت ہے کہ علوم عقلیہ کی ہنسی اڑا کر شاگردوں کو ان کے قریب پھٹکنے سے منع کرتے ہیں بلکہ چاہیے کہ طالب علم کے دل میں اوپر کے علم کی قدر و منزلت بٹھائے تاکہ وہ موجودہ علم میں تکمیل کا درجہ حاصل کر کے اس میں مشغول ہو جائے اور اگر استاد وہ علم پڑھا سکتا ہے تو جب شاگرد ایک علم سے فارغ ہو تو دوسرے علم کی حصول کی طرف ترقی کر لے، اور اسی طرح بتدریج اوپر چڑھتا جائے۔

وظیفہ ششم، یہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے وہی چیز پیش کرے جو ان کے افہام واذہان کے حسب حال ہے چھوٹتے ہی انھیں تابڑتوڑ بیک وقت جلی سے دقیق کی طرف اور ظاہر سے خفی کی سمت نہ لے جائے بلکہ کافہ انام کے معلم اور مرشد کائنات ﷺ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق انھیں ترقی دے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلہم ولکلم الناس بقدر عقولہم ہم معشر انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کے مقام کے مطابق نیچے اتریں اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔

اور فرمایا احد یحدث قوماً حدیثاً لایبلغہ عقولہم الا کان ذالک فتنۃ علی بعض جب کوئی شخص لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کی بلندی کو ان کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں تو وہ بات ضرور ان میں سے بعض کے لئے باعث فتنہ ہو جاتی ہیں۔

علیؓ کا قول ہے دنیا میں علوم کی ایک کثیر تعداد ہے کاش ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا موقع ملتا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا۔ کلموا الناس بما یعرفون

ودعوا ماینکرون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ ۔لوگوں سے وہ باتیں کہو جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں، اوران باتوں کو چھوڑ دو جن کا وہ انکار کر دیں گے۔کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو جھٹلا بیٹھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا۔ ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم اگر اللہ ان کے اندر کوئی بھلائی دیکھتا تو انھیں سنا کے رہتا ایک دفعہ کسی محقق سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اس نے بتانے سے گریز کیا۔سائل نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من کتم علماً نافعاً جاء یوم القیامۃ ملجما بلجام النار جس شخص نے کوئی نفع بخش علم چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں لیکر آئے گا محقق نے کہا لگام کو پھینک اور یہاں سے چلا جا اگر کوئی سمجھ دار شخص آیا اور میں نے اس سے علم چھپایا تو وہ مجھے لگام دے لے گا۔اللہ تعالیٰ نے ولا تؤتوا السفھا اموالکم اپنے مال سفہاءٗ کو نہ دو فرما کر اس بات کی تنبیہ کی ہے کہ علم کی حفاظت کرنا اور اسے روک رکھنا اس شخص سے جو اسے خراب کر دے اولیٰ ہے اور فان اٰنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم پھر جب ان کو صاحب تمیز معلوم کرو تو ان کے مال ان کو دیدو ارشاد کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ جو شخص علم میں صاحب تمیز ہو جائے تو چاہیے کہ اس کے سامنے حقائق علوم کھول دے ظاہر اور جلی سے باطن کے دقیق اور خفی مسائل کی طرف لے چلے چنانچہ مستحق سے کسی چیز کو روک رکھنا غیر مستحق کو وہ چیز دیدینے سے کم ظلم نہیں متقدمین میں سے کسی شاعر کا قول ہے

فمن منح الجھال علما اضاعہ ومن منع المستحقین فقد ظلم

جو شخص جاہلوں کو علم سکھاتا ہے اسے ضائع کرتا ہے اور جو مستحقین سے اسے روکتا ہے وہ بھی ظلم کرتا ہے۔

حقائق علوم کو مستحق لوگوں سے چھپا رکھنا بھی بہت بری بات ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے واذا اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمون جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ وہ تعلیم حق کا اعلان کرینگے اور لوگوں سے نہ چھپائینگے۔

وظیفہ ہفتم یہ ہے کہ کند ذہن اور غبی طالبعلم سے ایسی گفتگو کرے جو اس کے فہم کو حوصلہ مند کرے اس سے یہ بھی نہ کہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے تمہاری پہنچ سے بالاتر ہے اس کے پیچھے نہ پڑو کہ اس سے اس کی رائے میں خرابی واقع ہوگی اور

جو کچھ اسے بتایا جائے گا اور علم سے جو کچھ اسے دیا جائے گا وہ اسے قبول کرنے سے نا قابل ہو جائے گا بخلاف اس کے استاد کو چاہیے کہ اس کے دل و دماغ میں یہ بات ڈال دے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا یہی اصل مقصود ہے پھر جب وہ اس پر مستقل طور پر قائم ہو جائے تو اسے بتدریج دوسری باتوں کی طرف ترقی کرائے اس سے یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ عوام میں سے جو شخص قید شرع کے اندر اپنے تئیں بند کرے اور ظاہری طور پر اعتقادات رکھے اور اس کی سیرت کے لحاظ سے اس کا حال پسندیدہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے اعتقاد کو متزلزل اور مشوش کرے اور ظواہر کی تاویلات پیش کرے کیونکہ اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ آہستہ آہستہ شریعت کی قید سے وہ بے پرواہ ہو جائے گا پھر خواص کی تحقیق کے اندر وہ مقید نہ ہو سکے گا انجام یہ ہوگا کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان جو دیوار حائل ہے اٹھ جائے گی اور وہ شیطان اور شریر ہو جائیگا بلکہ چاہیے کہ عبادات ظاہری کے علم اور اس صناعت میں دیانت داری سے کام لینے کی طرف (جس کے وہ قریب ہے) اس کی رہنمائی کرے اور اس کے دل کو ترغیب و ترہیب سے لبریز کر دے اس کے لئے طریقہ وہ استعمال کرے جو قرآن نے کیا ہے اور شاگرد کے دل میں شبہات نہ پیدا ہونے دے لیکن اگر شک و شبہ سر اٹھالے اور اس کا دل ان کے حل کرنے کے شوق میں گرفتار ہو جائے تو اس کے شبہات کا ازالہ اس طرح کرے جس طرح ایک عامی کو سمجھایا جاتا ہے اگر اس سے کام نہ چلے تو دلائل کے حقائق کے ذریعہ سے عمل پیرا ہو۔ یہ بھی نامناسب ہوگا کہ اس کے سامنے باب بحث و طلب کھولدے کہ اس سے اس کی کاریگری اور صنعت کو نقصان پہنچے گا جو صفحہ زمین کی رنگینی کے باعث اور خلقت کے نفع کی موجب ہے پھر درک علوم سے بھی وہ قاصر رہیگا۔

اگر استاد اپنے شاگرد کو ذکی الطبع اور ذہین پائے اور حقائق عقلیہ کے قبول کرنے کے لئے مستعد دیکھے۔ تو اسے اجازت ہے کہ تعلیم میں اس کی امداد اور حل شبہات میں اس کی اعانت کرے امم سابقہ میں سے کسی کے متعلق حکایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مدت تک متعلم کے اخلاق کی خبر گیری کرتے تھے۔ پھر اگر کوئی اس میں عجیب بات پاتے تو اسے تعلیم دینے سے انکار کر دیتے اور کہتے کہ علم کے ذریعہ سے وہ اپنے برے اخلاق کے تقاضے کے مطابق امداد حاصل کرے گا اور علم اس کے حق میں آلہ شرارت بن جائیگا اور اگر اسے مہذب اخلاق کا پاتے تو اسے مدرسے میں بند کر دیتے اسے پڑھاتے سکھاتے اور درجہ تکمیل حاصل کرنے سے پہلے اسے نہ چھوڑتے وہ ڈرتے کہ اگر صرف چند علوم پر اس نے اکتفا کر لیا تو اس کی تعلیم کمال حاصل

نہ کریگی اس کا دل خراب ہو جائیگا اور اس کے ساتھ اس کا اپنا دین اور دوسروں کا دین برباد ہو جائیگا اس کے متعلق کہا گیا ہے نیم ملا خطرہ ایمان، نیم حکیم خطرہ جان، نیم مولوی دین میں فساد کرتا ہے اور نیم حکیم زندگی کو برباد کر دیتا ہے۔

وظیفہ ہشتم، معلم کے لئے ضروری ہے کہ علم عملی یعنی شرعیات پر خود کاربند ہو، تاکہ اس کے قول کی تکذیب اس کا فعل نہ کرے۔ ورنہ لوگ اس سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے سے نفرت کر جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل بصارت کو نظر آتا ہے اور علم سے صرف بصیرت واقف ہوتی ہے اور بصارت ظاہری کے مالک اصحاب بصیرت سے زیادہ ہیں اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ تذکیہ اعمال کی طرف اس کی توجہ بہ نسبت خوبیٔ علم اور اس کے توسیع سے زیادہ ہو چنانچہ جو طبیب خود تو ایک چیز کھائے اور لوگوں کو اس سے روکے اور کہے اسے مت کھانا یہ زہر ہے یہ زہر ہے تو اس کی یہ بات مذاق اور حماقت سمجھی جائیگی اور لوگ اس شے کو سب سے زیادہ نفع بخش تصور کرینگے یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کو کسی چیز سے باز رکھنا چاہتا ہے لیکن الٹا اسے اور مرغوب اور مطبوع بنا دیتا ہے نصیحت سننے والا شخص واعظ سے وہی حیثیت رکھتا ہے جب کسی چیز میں نفس ہی نہیں تو اس سے مٹی کیسے نقش حاصل کریگی اور سایہ کیسا سیدھا ہوگا جبکہ لکڑی ٹیڑھی ہے اس کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

لاتنہ عن خلق وتأتی مثلہ   عار علیک اذا فعلت عظیم

جو کام تم خود کرتے ہو اس سے لوگوں کو منع نہ کرو جب تم خود کرو گے تو زیادہ شرم کا مقام ہوگا اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے أتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم کے گناہوں کا بوجھ غیر عالم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ بوجھ پر بوجھ اٹھاتا ہے جیسے سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ جو شخص کوئی برا طریقہ رائج کریگا تو اس کا وبال اس پر ہے اور وبال ہر اس شخص کا جو اس پر عمل کرے قیامت تک تو ہر ایک گنہگار کے لئے ہر ایک معصیت میں ایک بات قابل توجہ ہے یعنی ترک معصیت اور ترک اظہار تاکہ لوگ اس کے اتباع میں ہلاک نہ ہوں چنانچہ جب اس نے اس گناہ کا اظہار کیا تو اس نے دو فرائض سے اعراض کیا اور اگر اس نے اخفاء سے کام لیا تو ایک واجب امر کے ترک کا ارتکاب کیا چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا قصم ظھری رجلان جاھل مستنسک وعالم متھتک فالجاھل بغیر الناس بنسکہ والعالم یغرھم بتھتکہ دو

شخصوں نے میری کمر توڑ دی جاہل پرستار اور عالم بے باک نے کہ جاہل لوگوں کو اپنی پرستاری سے فریب میں ڈالتا ہے اور عالم اپنی بے باکی سے ان کا ایمان چھینتا ہے۔

فصل

مال حاصل کرنا اور اس کے اکتساب کے ضروری امور

معلوم رہے کہ جب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ اور دنیا وآخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت، افگن، دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے تریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے کہتے ہیں مال اوسط درجے کی نیکیوں میں سے ہے کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مضرت رساں اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سود مند حصے پر اکتفا کیا جائے اور اس کے ہلاکت آفریں حصہ سے احتراز اصل بات یہ معلوم کرنا ہے کہ مقاصد کے لحاظ سے مال کا کیا مرتبہ ہے تمام امور کی بنیاد حقائق اشیاء کا علم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں سعادت اخروی کے طالب اور متلاشی کے لئے چند اہم اور ضروری باتیں ہیں جو اسے مال کے طامع میں آمدوخرچ اور استعمال کی مقدار واجب کے اعتبار سے مدنظر رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات مال کے مراتب کی پہچان ہے اوپر گزر چکا ہے کہ فراہمی زر کے لحاظ سے تین مرغوب صورتیں ہیں پہلے نفسی پھر بدنی پھر خارجی خارجی سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے ہر قسم کا مال خارجی قسم میں داخل ہے اور اس کی ادنیٰ صورت درہم ودینار اور روپے پیسے ہیں کہ یہ دونوں خادم ہیں اور ان کا خادم کوئی نہیں کیونکہ نفس فضائل نفسیہ کے لئے علم کا خدمت گزار ہے اور بدن نفس کا نوکر ہے اور اس کے ہتھیار کا کام ہے اور غذا ولباس کی چیزیں بدن کی چاکر ہیں اوپر گزر چکا ہے کہ غذا کی چیزوں سے مقصود بدن کی بقا ہے اور بدن سے مقصود تکمیل نفس تو جس نے اس ترتیب کو معلوم کر لیا اور اس کی رعایت ملحوظ رکھی اس نے مال کی قدر ومنزلت اور اس کے مرتبہ کی وجہ معلوم کر لی اور مال کے شرف ومجد کی بلحاظ اس امر کے کہ وہ کمال نفس کے لئے ضروری ہے پہچان حاصل کر لی۔

جو شخص کسی چیز کی غرض وغایت سے واقف ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اسے

استعمال میں لائے تو وہ شاہد کامرانی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اس وقت اسے چاہیے کہ صرف اسی قدر طلب کرے جس قدر اس کے مقاصد کے حصول میں امداد واعانت کے لئے مفید ہو اس مثال سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مال کی مذمت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ فرمایا انما اموالکم واولادکم فتنه تمہارے اموال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں اور نیز اس اشکال کو جو اللہ تعالیٰ کے مال کا احسان جتانے سے برپا ہوتا ہے کہ فرمایا ویمددکم باموال وبنين اللہ تمہیں مال اور بیٹوں کے ذریعہ سے امداد دیتا ہے اس لئے مال اس لحاظ سے کہ وہ وسیلہ آخرت ہے پسندیدہ ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ آخرت سے روگردان کر دیتا ہے مذموم ہے اس لئے سرور عالم ﷺ نے فرمایا نعم المال الصالح سب سے اچھا مال وہ ہے جو اعمال صالح میں امداد کرے اور قرآن میں ہے لاتلهكم اموالكم ولااولادكم عن ذكر الله ومن يفعل ذالك فاولئك هم الخاسرون مسلمانو تم اپنے مال اور بچوں کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جایئے اور جو ایسا کریں گے وہی خاصرونا کام ہونگے بھلا نامراد خاسر کیوں نہ ہو وہ شخص جو اپنے سواری کے جانور کے لئے جو خریدتا ہے پھر جانور کو بھول جاتا ہے اور جو کی صفائی اور اسے ماپنے اور اس کے گرد دیوار تعمیر کرنے میں مصروف ومشغول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جانور بھوک کے مارے ہلاک ہو جاتے ہیں یہی مثال ہے اس شخص کی جس کی دنیا اس کی آخرت کو پرے پھینک دے اور یہی سب سے بڑا گھاٹا ہے بلکہ یہ مثال ہے تمام لوگوں کی دنیا کی شیفتگی اور اس کی لذات پر جھکے پڑنے کی جیسے ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں اور وہ کسی مشہور شہر کی طرف روانہ ہوں جہاں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی توقع ہو لیکن کشتی انہیں لیکر کسی ایسے جزیرے کے ساحل سے جا لگے جہاں حبشیوں کی آبادی ہو وہ انھیں کہیں کہ نہانے دھونے کے لئے کشتی سے نکل آؤ اور ایسا نہ ہو کہ جزیرے کے وحشی تمہیں نقصان پہنچائیں پھر وہ انہیں خوبصورت پتھر اور دلفریب چیزیں دکھائیں وہ مسافران پر فریفتہ ہو کران کے ساتھ شامل ہو جائیں اور کشتی سے دور ہو جائیں سفر اور مقصد کو بھول جائیں اور کھیل کود اور لہو لعب میں مصروف ہو جائیں یہاں تک کہ کشتی سمندر کی لہروں میں بہ جائے اور رات کی تاریکی اپنی سیاہی روئے عالم پر پھیلا دے پھر حبشی ان پر پل پڑیں انھیں زدوکوب کریں اور مارے طمانچوں کے منہ لال کر دیں اس وقت انھیں وہ خوب صورت پتھر وغیرہ کوئی فائدہ نہ دیں ان میں سے ایک چلائے یا لیتنی کنت ترابا اے کاش میں مٹی ہوتا اور دوسرا روکر کہے ما أغنى عني ماليه هلك

عنی سلطانیہ مجھے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا میں برباد ہو گیا وہ پکاریں واحسرتا ہم نے کیوں اللہ کے رستہ سے علیحدگی اختیار کی سوائے ابدی حسرت وندامت کے انھیں کوئی چارہ نہ ہو درندوں اور سانپوں کا پڑوس ہو اور ذلت ورسوائی اور عذاب ومصیبت ان کا حصہ جو لوگ متاع دنیوی کے فریب خوردہ ہیں ان کی بعینہ یہی مثال ہے اسی خطرہ عظیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تھی اور کہا تھا اجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام مجھے اور میری اولاد کو صنم پرستی سے دور رکھو ان کی مراد تبوں سے یہی زر وجواہر اور چاندی سونا تھی کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ پتھروں کو خدا سمجھنے لگے۔

اس کے متعلق حضرت علیؓ نے فرمایا اے سرخ وسفید حسن میرے علاوہ کسی اور کو جا کر فریب دے اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی درہم ودینار اور سیم وزر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا بندگان دینار کے لئے ہلاکت ہے۔

دوسری اہم بات آمد وخرچ کی صورتوں کے متعلق یہ ہے کہ آمدنی یا تو کمانے سے ہوتی ہے یا اتفاق حسنہ اور خوبی قسمت سے یعنی ورثا میں مال ودولت مل گیا یا کوئی خزانہ گڑا دبا پا لیا یا کسی سے بن مانگے کچھ بطور عطیہ مل گیا کمائی کی صورتیں سب لوگ جانتے ہیں غرض اگر مال ایسے طریقے سے ہوتا ہو تو شرعاً مذموم ہے تو چاہیے کہ اسے حاصل نہ کرے کمائی کی صورت وہی اچھی ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور حلال وطیب طریقہ شریعت نے سب بتا دیئے ہیں چنانچہ اگر حلال وطیب مال ملے تو لے لے لیکن اگر حرام ہو تو اس سے اجتناب کرے اگر بے رنج وتعب حلال مطلق مال کے حصول کی طاقت ہو تو مشکوک مال کو جس کے متعلق خیال غالب اس کے حلال ہونے کا ہو چھوڑ دے کیونکہ جو جانور چراگاہ کے گرد چرے اندیشہ ہے کہ کسی وقت اس میں گھس جائے اور اگر حلال مطلق روزی بہت طویل تکلیف ومصیبت اور وقت ومحنت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو تو دو صورتیں ہیں اگر محنت ومشقت سے کما کر کھانے والا عام اعتقاد کا آدمی ہے اور عزم مصمم رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ طلب حلال میں مشغول ہو اگر اس میں اسے رنج ومحنت اٹھانا پڑے گی تو یہ بھی دوسری تمام عبادتوں کی طرح عبادت ہے کہ اگر تم اصحاب قلوب اور ارباب علوم سے ہو اور حلال مطلق کی تلاش اور کمائی میں وقت خرچ کرنے سے تمہارے شغل علم وعبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو جو چیز بھی آسانی سے میسر ہو اس میں سے بقدر حاجت لے لو کیونکہ جو چیز محض مضر ہے وہ اس مضر محض شے کے مقابلہ پر مباح ہو جاتی ہے جو اس سے زیادہ خراب ہے مثلاً جس شخص کے حلق میں لقمہ اٹک جائے تو اسے جائز ہے کہ جان

بچانے کے لئے شراب کا گھونٹ پی لے یاد رکھو علم اور عمل کے برابر کوئی شے نہیں ہر ایک اس کا خادم ہے تو جس طرح کسی غیر شخص کے مال کا نقصان کر لینا جان بچانے کی غرض سے جائز ہے بلکہ خنزیر کا گوشت کھانا بھی حلال ہے اسی طرح مشتبہ موقعہ پر حقیقت معلوم کرنے کی رغبت میں سستی کر لینا جائز ہے ایسے موقع پر جاہل شخص کسی ایسی چیز کے حاصل کرنے کی طرف نہایت رغبت سے متوجہ ہوتا ہے جسے عالم خود تو لیتا ہے اور جاہل کو روکتا ہے کیونکہ جاہل شخص ان دونوں باتوں کے درمیان کے باریک فرق کا ادراک نہیں کر سکتا، اور عالم کو چاہیے کہ اس بات میں نرمی سے کام لے تاکہ شیطان کے بند نہ کھل جائیں۔

تیسری ضروری بات مقدار کا خیال رکھنا ہے جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ مال حاصل کرنا ناگزیر ہے تو اس کو حاجت مذکور کے مطابق ہونا چاہیے لباس مکان اور غذا کے بغیر چارہ نہیں اور ان تینوں کے لحاظ سے تین مراتب ہیں ادنیٰ، اوسط، اور اعلیٰ مکان کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اتنی جگہ ہو جہاں انسان لیٹ سکے، یا مسجد ہو، یا کوئی وقف شدہ عمارت ہو اوسط درجہ مکان کا یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی جگہ ہو کوئی شخص مزاحم نہ ہو اور تم تنہائی اختیار کر سکو اور وہ جگہ تمہاری زندگی بھر تمہارے پاس رہے یہ حسن بنا اور کثرت آسائش کے لحاظ سے کمترین درجہ ہے اور یہ کفایت کی حد ہے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک گھر ہو کھلا، وسیع خوبصورت اور بہت ہی آرام دہ۔ اور اس میں قسم قسم کی آسائشیں ہوں جن کا کوئی شمار نہیں جیسے تم دنیا داروں کے ہاں دیکھتے ہو یہ سب اوپر کا رتبہ ہے درجہ اول ضرورت کے مطابق ہے کہ مسکن سے مقصود اتنی جگہ ہے جس میں انسان لیٹ سکے اس کے گرد دیوار ہو، جو درندوں کے گزند سے محفوظ رکھے اور اس پر چھت ہو جو تمازت آفتاب اور بارش اولوں سے بچائے لیکن اس پر صرف متوکل لوگ ہی قناعت کر سکتے ہیں اوسط درجہ مقدار کافی کی حد ہے اور اس کے اوپر جو کچھ ہے دین سے خارج ہے اور دنیا داری میں شامل اس قسم کے مکان میں بیٹھنا بشرطیکہ اس کی خوبیوں کی طرف توجہ نہ جائے اور اس کی آسائشوں اور دلفریبیوں میں مسرور گرفتار نہ ہو مباح ہے، رہا اس کی تزئین میں وقت صرف کرنا تو یہ عوام کے لئے جائز ہے فقہاء نے عوام کی جہالت قصور فہم اور ممنوع بات سے نہ رکنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت تجویز کی ہے لیکن طریقہ تصوف میں یہ حرام ہے تصوف سے ہماری مراد ہے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف گام فرسا ہونے عبادات سے اور اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہتے ہیں کہ صوفیہ کی مباحات فرائض ہیں اور ان کے فرائض مباحات یعنی مباح چیزوں سے بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں اور فرائض پر اسی طرح مواظبت کرتے ہیں جس طرح وہ ان مباحات پر، مواظبت کرتے ہیں تو وہ ان کے

نزدیک بلحاظ مواظبت کے مباحات ہی ہوتے ہیں اب غذا کا معاملہ آیا یہ بنیادی بات ہے کیونکہ معدہ نیکیوں اور بدیوں کا سرچشمہ ہے اس کے لئے بھی تین ہی مراتب ہیں ادنیٰ درجہ بقدر حاجت مقدار ہے یعنی جو زندگی کو باقی رکھے اور بدن اور قوت کو قائم اس کا کم کرنا بھی عادت کے ساتھ ممکن ہے بعض اوقات غذا کو آہستہ آہستہ کم کرتے جانے سے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دس بیس روز تک اس کے بغیر گذار کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے بعض زاہدوں نے مقدار غذا کو یہاں تک کم کر دیا تھا کہ روزانہ ایک چنے پر ان کا گزارہ تھا بعض نے بیس بیس دن تک کچھ نہ کھایا بعض کے متعلق چالیس دن مشہور ہیں اور یہ بہت بلند رتبہ ہے کوئی شخص اس سے بھی کم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن اگر اس بات کی قدرت نہ ہو تو درجہ اوسط ہی مناسب ہے اور وہ تیسرا حصہ شکم ہے بہر حال جس مقدار کی شریعت نے حد مقرر کر دی ہے اس سے زیادہ کرنا ہرگز مناسب نہیں اور اس سے زیادہ شکم سیری ہے پھر نوع غذا کے لحاظ سے بھی انسان اوسط درجہ اختیار کرے جس طرح اس کی مقدار میں اس نے کیا تھا وہ شخص کیا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے جو ہر لحاظ سے غذا میں کفایت کے درجہ کو اپنا مسلک قرار دیتا ہے لیکن قدر کفایہ کی تجدید بلحاظ وقت مختلف ہوتی ہے چنانچہ بسا اوقات انسان ایک دن کے کھانے کے لئے بے فکر ہوتا ہے تو دوسرے روز کے لئے دلگیر، یونہی اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جاتا ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہوں گا۔ اور چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی فراغت سے بسر کرے پھر اس کی بے شمار آرزوئیں اور حاجتیں برپا ہو جاتی ہیں اور چاہتا ہے کہ میں کثرت کے ساتھ خزانے جمع کرلوں اور یہ گمراہی محض ہے، ذخیرہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں ادنیٰ درجہ تک رات کی قوت ہے، سب سے بڑا درجہ وہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ہو اور اوسط مرتبہ ایک سال کی خوراک ہے، سب مدارج سے بلند درجہ یہ ہے کہ انسان کل کی فکر سے آج کے خیال تک آ جائے پھر آج کے خیال سے ایک گھڑی تک اور ایک گھڑی سے ایک سانس تک آ جائے ہر ایک سانس کے ساتھ خیال کرے کہ میں دنیا سے ابھی کوچ کرنے والا ہوں اور روانگی کے لئے تیار و مستعدر ہے جو شخص اس طریق عمل پر کاربند نہ ہو اور جب ایک سال کی خوراک سے بے فکری حاصل کر لے تو اگلے سالوں کی فکر میں پڑ جائے تو اس کا شمار مردودوں میں ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے: یحسب ان ماله اخلده وہ خیال کرتا ہے کہ میرا مال ہمیشہ رہے گا۔

لباس کے بھی تین مدارج ہیں ادنیٰ درجہ بلحاظ مقدار کے اتنا ہے جو ستر پوشی کر دے یا

ستر کے جملہ ملحقات کو ڈھانپ لے اورادنیٰ قسموں کا اور کھردلدار ہواوروہ وقت کے اعتبار سے کم ازکم ایک دن رات کے لئے ہو جیسے کہ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے قمیض میں درخت کے پتے کا پیوند لگایا لوگوں نے عرض کیا یہ تو قائم نہ رہیگا فرمایا کیا میں اس کے پھٹنے تک زندہ رہوں گا لباس کا اوسط درجہ وہ ہے جو انسان کے حال کے مطابق ہو نہ اس میں تنعم اورآرام پسندی کا شائبہ ہواور نہ حرام لباس جیسے ریشم کا جزو اس میں غالب ہو اعلیٰ درجہ کپڑوں کا جمع کرنا ہے اوران سے آرام طلبی کی کوشش ہے جیسے کہ تمام دنیاداروں کا طریق عمل ہے۔

اب نکاح کی باری آتی ہے اس کا اضافہ اس شخص کے بارے میں ہوتا ہے جس کا نفس اسے جماع پر مجبور کرے اوراسی کے مطابق اس کی حاجت بڑھتی ہے ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ نکاح کونسا پسندیدہ ہے اور کونسا مذموم ،اور جو کچھ ہم نے اس فصل میں ذکر کیا تھا وہی کافی ہے جو شخص ان امور میں کافی مقدار کی مساعدت سے شاد کام ہو پھر اپنے دل کو ان کے علاوہ باتوں میں مشغول کرے تو وہ زیاں کار ہے بلکہ ملعون رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے من اصبح اٰمنا فی سر بد معافاًفی بدنه ولوقوت یومه فکانما خیرت له الدنیا بخیر افیرھا جو شخص صبح کو بخیریت جاگے اوراس کے گھر میں اس روز کی خوراک بھی موجود ہو تو گویا دنیا نے اس کو اپنے دونوں کناروں سے گھیر لیا اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا آخرت تک پہچانے والی ہے۔اور پہنچانے کے لئے اسی قدر زاد راہ کافی ہے پھر جو کچھ اس سے زائد ہے وہ مقدار کفایہ سے زاید اور فضول ہے اور اس کا وجود اور عدم وجود عقلمند کے نزدیک برابر ہے۔

چوتھی بات خرچ کرنے کے متعلق ہے۔جس طرح آمدنی کے وجوہات معین ہیں اسی طرح خرچ کے لئے بھی مواقع مقرر ہیں اوران کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے آمدنی کی طرح خرچ کرنے کی صورتیں بھی بعض پسندیدہ اور بعض مذموم ہیں خرچ کی پسندیدہ صورت وہ ہے جو لازمی ہے مثلاً دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دینا ایسے طریقے سے جو شرعاً مستحب ہے، مذموم خرچ کی دو قسمیں ہیں افراطی اور تفریطی ،اول الذکر یہ ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر صرف کرے ،اور ناواجب طور پر جو چیز اہم ہے اس پر خرچ نہ کرنا اور جو چیز غیر اہم ہے اس پر مال لٹائے جانا مؤخرالذکر یہ ہے کہ جس موقع پر خرچ کرنا درست ہو وہاں ہاتھ روک لینا اوراپنی وسعت اور مناسبت حال سے کم خرچ کرنا جب بندہ درست طریق سے مال حاصل کرے اوردرست طریق پر ہی خرچ کرے تو اس کا فعل پسندیدہ ہوتا ہے اوراس کو نیک اجر ملتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال کی وسعت دے اور وہ اس کو نیک کاموں میں خرچ کرے تو کیا یہ اولیٰ ہے یا اس کے حاصل کرنے سے اعراض کرنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ اس بارے میں مختلف الخیال ہیں ان کی تین قسمیں ہیں اول وہ جو دنیا میں منسلک ہیں اور عقبیٰ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ہاں قولی طور پر زبانی جمع خرچ بہت کرتے ہیں ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے انہیں کتاب اللہ عبد الطاغوت اور شر الدواب وغیرہ کا خطاب دیتی ہے دوسرے وہ لوگ ہیں جو مذکورہ بالا گروہ کے بخط مستقیم مخالف ہیں انہوں نے اپنی تمام توجہ عقبیٰ پر صرف کر رکھی ہے اور دنیا کی طرف التفات کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں یہ تارک الدنیا لوگ ہیں صنف سوم ان دونوں کے درمیان ہے وہ دونوں گھروں کو اپنا اپنا حق دیتے ہیں دنیا کو بھی اور عقبیٰ کو بھی، یہ لوگ محققین کے نزدیک افضل ہیں کیونکہ ان پر دنیا اور آخرت کے قوام کا دارومدار اور انحصار ہے ان میں تمام انبیاء علیہم السلام شامل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ معاش اور معاد میں بندوں کے لئے مصالحت قائم کریں بعض کا خیال ہے کہ اس قول خداوندی میں یہی تینوں گروہ مراد ہیں۔ وکنتم ازواجاً ثلٰثه فاصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنة واصحاب المشئمه ما اصحاب المشئمة والسابقون السابقون اور تم تین گروہ تھے اصحاب میمنہ، اصحاب مشئمہ، اور سابقون، تو جو شخص دین اور دنیا کی جیسا کہ چاہیے رعایت رکھتا ہے اور ان دونوں کو جمع کرتا ہے اللہ کا نائب ہے اس دنیا میں اور اسی کا نام سابق ہے اگر تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون میں نے جن وانسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کے بندوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا بذات خود عبادت بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے حضور رسالت پناہ ﷺ کا ارشاد ہے الخلق كلهم عيال الله واحبهم الى الله انفعهم لعياله مخلوق خدا سب اللہ کا قبیلہ، اور جو اس کے قبیلہ کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔۔۔۔اقبال

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

اگر تم کہو کہ بعض محققین نے تو کہا ہے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں اول وہ جو معاش سے بے فکر ہو کر اپنے معاد میں مشغول ہیں یہ کامیاب و بامراد گروہ ہے دوسرے جو معاد سے بے پرواہ ہو کر خیال معاش میں غرق ہیں یہ ہلاک ہونے والے ہیں تیسرے جو دونوں میں مشغول

ہیں یہ خطرے میں ہیں اور کامیاب شخص خطرہ کی حالت والے شخص سے افضل ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اس بات میں ایک بھید ہے کہ بلند درجے اور اعلیٰ مراتب خطرات ومہالک میں کودنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے مذکورہ بالا امر بطور تحذیر وتنبیہ کے ہے کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں خلافت الٰہی بہت خطرے کا مقام ہے تاکہ جو شخص مقدور نہیں رکھتا اس کی خواہش ہی نہ کرے حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے بیٹے کو علم وحکمت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہوا تو وہ لوگوں کو چھوڑ کر عزلت گزین ہو گیا اور دنیا سے بے رغبت، آخر اسے ایک بادشاہ نے لکھا کہ تم نے ہر اس شے کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہم مصروف ہیں تو اگر جس حالت میں تم ہو وہ ہماری حالت سے افضل ہے تو ہمیں بتاؤ کہ ہم بھی ڈریں اور بچیں۔ لیکن بے دلیل وحجت قول کو میں کبھی تسلیم نہ کروں گا اس پر اس نے جواب دیا سنو ہم شہنشاہ رحیم کے غلام ہیں جنہیں اس نے دشمن سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم اسے مغلوب ومقہور کرلیں یا اس سے صحیح وسلامت بچ نکلیں جب میدان کارزار برپا ہوا تو ہمارے تین گروہ ہو گئے اول خائف اور کمزور جنہوں نے بادشاہ سے معافی طلب کرلی اس نے ان سے درگذر کیا اور ان کو ملامت بھی کی مگر وہ تعریف کے مستحق نہ ہوئے دوم مہتور جو بے سمجھے بوجھے دشمن پر پل پڑے تو اس نے انھیں بچھاڑ لیا اور مجروح کر کے مغلوب کرلیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے عذاب اور ناراضی کے مستوجب ہوئے تیسرے شجاع جو دیکھ بھال کر دشمن پر حملہ آور ہوئے دشمن سے میدان قتال گرم کیا مصیبتیں اٹھائیں جدوجہد کی اور کامیاب اور سرخرو نکلے، اور یہ پوری کامیابی ہے، جب میں نے دیکھا کہ میں کمزور اور ضعیف ہوں تو میں نے ادنیٰ صورت قبول کرلی۔ تو اے بادشاہ تم تینوں گروہوں میں سے افضل فریق میں شامل ہو جاؤ اللہ کے ہاں ان میں سب سے زیادہ صاحب عزت اور محبوب ہو جاؤ گے، معاملہ زیر بحث میں یہ گفتگو حقیقت نفس الامری کا کماحقہ انکشاف کر رہی ہے اور ہمیں اللہ کے اس قول کی صحت سے آگاہ کرتی ہے کہ وابتغ فیما اتاك اللّٰہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللّٰہ الیک ولا تبغ الفساد جو کچھ اللہ نے تمہیں دار آخرت سے دیا ہے وہ طلب کرو اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور دنیا میں فساد پھیلانے کی خواہش نہ کرو اب احسان جبھی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں صرف مال کے ذریعہ سے خوشی اور مسرت پیدا کی جائے لیکن اس میں خطرہ بھی بہت بڑا ہے کیونکہ بسا اوقات ضعیف البصیرت آدمی بے خبری میں اس کی مضر صورتوں میں منہمک ہو جاتا ہے اسی

خطرے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے باز رکھنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے چنانچہ

بدریا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

پانچویں بات یہ ہے کہ اخذ و ترک مال و زر میں انسان کی نیت صالح اور نیک ہو کہ جو کچھ حاصل کرے اس لئے کرے کہ اس کے ذریعہ سے عبادت میں اعانت چاہیے اور کھائے تو اس لئے کہ عبادت کرنے کی قوت پیدا ہو، اور کچھ ترک کرے تو اس لئے کہ اس سے بے رغبتی ہو اور اسے حقیر سمجھتا ہو چنانچہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے من طلب رزق علی ماسن فھو جھاد جس نے سنت کے مطابق رزق طلب کیا تو یہ بھی جہاد ہے نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حضور ﷺ نے ارشاد کیا ان المؤمن لیوجر فی کل شیء حتی للقمۃ یضعھا فی فم امرأتہ مومن ہر ایک بات میں اجر حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جو لقمہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی باعث ثواب ہے مومن سے حضور کی مراد وہ شخص ہے جو حقائق امور سے واقف اور عطیات الٰہی سے اسے رضائے الٰہی اور خدا کے رستہ پر چلنے میں مدد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے یہاں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے، اگرچہ اس کے یہاں ہفت اقلیم کے خزانے ہوں اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص دنیا و مافیہا کا مال اکٹھا کر لے لیکن اس سے رضائے الٰہی مقصود رکھے تو اسے مال کی محبت میں گرفتار نہ کہیں گے اس لئے چاہئے کہ تمہاری تمام حرکات و سکنات اللہ کے لئے ہوں یہاں تک کہ تمہاری نقل و حرکت عبادت کے لئے یا عبادت میں امداد حاصل کرنے کے لئے ہو۔

عبادت گذار لوگ ان باتوں سے مستغنی نہیں جیسے کھانا پینا اور قضا حاجت وغیرہ کہ یہ بھی عبادت میں معین و ممد ہیں حالانکہ عبادت کے لحاظ سے یہ بعید ترین باتیں ہیں اس لحاظ سے کامل النفس شخص دنیا حاصل کرنے میں اس ماہر عرق نکالنے والے کی طرح ہے جو سانپ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے زہر سے بچ کر اس کا جوہر اور عرق نکالتا ہے اسی تشبیہ کو قائم رکھتے ہوئے جب آدمی اس ماہر راقی کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے سانپ کو اس لئے پکڑا ہے کہ اسے اس کی شکل و صورت پسندیدہ اور دلفریب معلوم ہوتی ہے اس کی جلد نرم و نازک ہے اور چھونے میں اسے بھلی معلوم ہوتی ہے اور سانپ کو پاس رکھنا وہ اچھا سمجھتا ہے چنانچہ جب اس قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ سانپ کو پکڑ لیتا ہے اور اس سے ڈس

کر ہلاک ہو جاتا ہے دنیا کو سانپ سے ہی تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ دنیا ایک سانپ ہے جو ہلاکت آفرین زہر اگلتا ہے۔ خواہ وہ چھونے میں نرم ہی معلوم ہو جس طرح اندھے شخص کو قلھائے کوہ سمندروں کے کناروں اور خارزار منزلوں سے گذرنے میں صاحب بصارت اور آنکھوں والے آدمی سے تشبیہ دینا محال ہے اسی طرح عامی کو کامل سے دنیا حاصل کرنے میں برابر نہیں کیا جا سکتا جب ملک سلیمان اور دوسرے لوازمات کی جو انھیں دیئے گئے مع رتبہ نبوت کے آرزو کی جا سکتی ہے تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ زہد دل کی زہد ہے نہ کہ ہاتھ کا خالی ہونا، بھلا انبیاء اور اولیاء کو دنیا کس طرح ضرر پہنچا سکتی ہے جب کہ انھیں اس کے وجود کے منافع مضرات اور مراتب کی خوب شناخت ہے اور انھیں معلوم ہے کہ انسان کو اپنے وجود میں تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں منزل اول ماں کے پیٹ میں، منزل دوم، فضائے عالم میں، اور منزل سوم موت کے بعد دنیا اس مثال میں سرائے کی سی ہے اور منزل اوسط میں مسافر اس میں پہنچتا ہے اس میں اسباب برتن اور خوراک کے سامان مہیا کر دیئے گئے ہیں مسافران سے عنایت اور عاریت کے طور پر نفع اور تمتع حاصل کرتا ہے اور اپنے بعد آنے والوں کے لئے اسے خالی کر جاتا ہے شکریہ کے ساتھ ان چیزوں کو قبول کرتا ہے اور فراخدلی اور انشراح صدر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے اس سرائے فانی میں بعض ایسے بیوقوف بھی آ ڈیرے جماتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ یہ منزل اپنا گھر ہی ہے اور یہ تمام ساز و سامان مانگنے کا نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں دیدیا گیا ہے پھر جب تک ان کے ہاتھ نہ توڑ دیئے جائیں اور ان کا سر نہ پھوڑ دیا جائے وہ اسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے بعض کا خیال ہے کہ دنیا و مافیہا سے جو کچھ انسانوں کو دیا گیا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی ہو جو ایک مکان تیار کرے اور اس میں لوگوں کو آنے کی دعوت دے ایک کے بعد ایک علی الترتیب چنانچہ ایک شخص آئے اور مکان میں داخل ہو تو ایک طلائی تھال اس کے سامنے پیش کیا جائے اس تھال میں کھجور اور خوشبودار چیزیں ہوں تاکہ وہ انھیں سونگھے اور اپنے پاس والے شخص کے لئے چھوڑ دے، اور اس تھال پر قبضہ نہ جمالے لیکن جو شخص اس رسم کو نہ سمجھے اور خیال کرے کہ یہ تھال مجھے بطور عطیہ نذر کیا گیا ہے پھر جب وہ تھال اس سے لوٹایا جائے تو وہ چیخے چلائے اور واویلا کرے اور جو اس رواج سے واقف ہو وہ اس تھال سے فائدہ حاصل کرے اور شکریہ ادا کرے اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اسے واپس کر دے دنیا کے مال و منال سے متمتع ہونے کے متعلق یہ باتیں مدنظر رکھنے کے قابل ہیں۔

فصل

غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ

جب انسان کو مال کے لحاظ سے امن، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا ساز و سامان دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا اس کی حماقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں یا تو اسے اس کے لئے غم ہے کہ یہ چیزیں جاتی رہینگی یا آئندہ کا اسے خوف ہے یا موجودہ حالت پر اسے افسوس ہے پھر اگر گزر جانے والی شے کی وجہ سے ہے تو عقلمند کو معلوم ہے کہ فوت شدہ امر پر جزع و فزع کرنا نہ اسے واپس لا سکتا ہے نہ اسے بنا سکتا ہے اور جس بات کا کوئی علاج اور چارہ ہی نہیں اس پر رنج و غم کرنا عقل کا دامن چاک کرنا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لکیلا تا سو علیٰ فاتکم جو چیز تم سے جاتی رہی ہے اس پر تم افسوس نہ کرو اور اگر موجودہ کے متعلق افسوس ہو تو یا اپنے کسی واقفکار کی نعمت و جاہ کے حسد کے سبب سے ہوتا ہے یا اپنی محتاجی اور افلاس پر اور جاہ اور سامان دنیا کے فقدان کے باعث ہوتا ہے اس کا باعث مصائب دنیا اور اس کی زہر آلودگیوں سے ناواقفی ہے اگر انسان کو کما حقہ علم حاصل ہو جاتا تو وہ سبکدوش ہونے کو گراں بار ہونے پر ترجیح دیتا، اور خدا کا شکریہ ادا کرتا اور اگر عاشق اپنے محبوب کے حسن کے انجام کو سوچ لیتا ہے تو اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا اور مصائب لازم و ملزوم ہیں جیسے شراب پینے والوں کو ورے پڑتے ہیں مخلوقات قسم قسم کی آزمائشوں اور تکالیف میں گرفتار ہو جاتی ہے اس کا ہر ایک لقمہ حلق میں اٹکتا ہے یہاں کوئی شخص بھی دنیا کی محبت میں اسیر ہو کر تین باتوں سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی غصہ مصیبت اور آرزو، تو جس شخص کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہو جائے کہ دنیا کی نعمتیں روز بروز نئی ہوتی جاتی ہیں اور ایک سے چھن کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں اور جس کو وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان پر پے در پے مصائب کا نزول ہوتا رہتا ہے اور ان کے فقدان سے انتہا کا رنج: ملال پیدا ہوتا ہے تو ان کے فوت ہو جانے سے اس کو ذرہ برابر غم

اور تاسف نہ ہوگا، چنانچہ کسی شخص سے کسی نے کہا تم فقدان نعمت پر اظہار رنج کیوں نہیں کرتے تو اس نے کہا جو چیز جا چکی ہے اس پر افسوس کرنے سے مجھے واپس نہیں مل سکتی تو میں اس پر رنج ہی کیوں کروں۔

جو جاتا ہو اس کا غم نہ کیجئے۔

غرض جوں جوں انسان ارباب دنیا کی آخرت سے غفلت و بے پرواہی پر غور کریگا اور مصائب کا ان پر ہجوم کرنے کو دیکھے گا توں توں اس کا دل مطمئن ہوگا۔اور دنیا کو چھوڑنا اسے آسان ہو جائیگا کسی صوفی کا یہ روزمرہ کا وظیفہ تھا۔کہ روزانہ ہسپتال جاتا تاکہ بیماروں اور ان کی بیماریوں،اور ان کے رنج ومحن کو مشاہدہ کرے،پھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا تاکہ مجرموں کو اور ان کی سزاؤں کو دیکھے،نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں ان کی ماتم داری اور بے سود رنج ومحن اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور وفکر کرتا اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا کہ الٰہی تو نے مجھے بے حد وحساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں کہ میں مصائب وتکالیف اور حزن وملال سے محفوظ ہوں انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کو طرف نگاہ کرے جو اس سے کم درجہ پر ہیں تاکہ شکر گزار ہو اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ ان کو دیکھے جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں تاکہ ترغیب وتحریص حاصل کرے شیطان جب انسان پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے اور اس کے برعکس کر دیتا ہے چنانچہ جب اسے کہا جاتا ہے کہ تم برے کام کیوں کرتے ہو تو وہ عزر پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص تو مجھ سے بھی زیادہ برے کام کرتا ہے حالانکہ معصیت اور کفر میں ریس کرنا درست نہیں اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو اس پر قناعت کیوں نہیں کرتا تو جواب دیتا ہے فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے تو جب وہ اسے کمانے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں، یہ خاص گمراہی اور جہالت محض ہے۔جب اس عارضے کے ساتھ غمگینی بھی شامل ہو جائے تو حسد کا غم بھی باطل ہو جاتا ہے تو جس شخص کو خدا کسی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے تو اگر وہ اس کا مستحق ہے تو اس پر افسوس نہ کرنا چاہیے اگر وہ اس کا غیر مستحق ہے تو اس کا وبال اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔

اگر مستقبل کے لئے انسان کو اندیشہ ہے تو اگر کسی بات کا ہونا ممتنع ہے یا اس کا ہونا واجب ہے جیسے موت تو اس کا علاج محال ہے اور اس کا ہونا ممکن ہے تو غور کیا جائے گا کہ اگر اس کا دفعیہ نہیں ہوسکتا تو غم کرنا حماقت کی دلیل ہے اور اگر اس کا دفعیہ ہوسکتا ہے تو افسوس بے معنیٰ ہے بلکہ چاہیے کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی عقلی تدبیر عمل میں لائی جائے اور حزن وملال کا

اظہار نہ کیا جائے پھر جب اپنے مقدور بھر انسان اس کے دفعیے کی تدابیر اور حیلے عمل میں لے آیا تو اسے سکون خاطر کے ساتھ قضائے الٰہی اور کرشمۂ تقدیر کا انتظار کرنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ جو بات اللہ کو منظور ہے اس سے مفر نہیں اور جو مصیبت ٹل نہیں سکتی اسے صبر سے برداشت کرنا چاہیے اسے یہ بات تحقیق کے طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے ہو کر رہیگا اور خدا کے اس فرمان کو یاد کرے۔ ما أصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبرأها تمہیں دنیا میں اور تمہاری اپنی جانوں میں وہی مصیبت آتی ہے جو اس کے پیدا ہونے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی گئی ہے ساز و سامان دنیا کی تیاری کے لالچ منبع یہ بات ہے کہ انسان فریب عقل میں گرفتار ہو جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ آخر کسی روز یہ مصیبتیں ختم ہو جائینگی غم کی کالی گھٹائیں چھٹ کر عیش و آرام کا صاف مطلع طلوع کرے گا برے دن چلے جائیں گے اور بھلے دن آئیں گے۔ افسوس صد افسوس۔

حضرت علیؓ کا قول ہے جب لوگ کسی کو کسی بات کی خوشخبری دیں تو یقین جانو کہ اس پر مصیبت بھی آنے والی ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ان الليالى لم تحسن الى احد الا اسائت اليه بعد احسان

جب زمانہ کسی سے نیک سلوک کرتا ہے تو ضرور تکلیف بھی دیتا ہے۔

مومن ؎

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آسمان نہیں

الغرض عقلمند شخص وہ ہے کہ جب ان امور میں بنگاہ عمیق فکر و غور کرے تو غموم و آلام کا اکثر حصہ اس کے دل سے دور ہو جائے۔

یاد رکھو جب انسان کا دل کسی انسان محبوب، مال زمین حرفت، عہدہ، حکومت، یا کسی دوسری شے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق حزن و ملال سے جبھی رہائی ہو سکتی ہے کہ ان کے تعلق سے دست بردار ہو جائے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ ان سے بتدریج ہاتھ کھینچتا چلا جائے اور دوسری چیزوں میں مشغول ہو جائے اگرچہ وہ بھی انہیں چیزوں میں شامل ہو جن سے بعد و ہجر اختیار کرنا واجب ہے کہ خون کو خون سے دھونے میں کچھ حرج نہیں جبکہ اول الذکر خون دوسرے سے لیس اور جماؤ میں بڑھ کر ہو یہ ریاضتوں کے باریک اسرار و معارف ہیں۔ کیونکہ

جس چیز سے الفت اور محبت پیدا ہو چکی ہے اس سے دفعتاً اور یکلخت ہاتھ اٹھالینا مشکل بلکہ ممتنع ہے چنانچہ جس لڑکے کو گیند بلّے اور کھیل کود وغیرہ میں ترغیب دلانے کے ذریعہ سے ادب سکھایا جائے وہ بہت جلدی ترقی کرتا ہے پھر ثروت مال اور خوبصورت کپڑوں وغیرہ کے شوق کے ذریعہ سے وہ کھیل کود سے دست بردار ہو جاتا ہے پھر ان چیزوں کو چھوڑ کر وہ نیک نامی تعریف وتوصیف، عزت اور حکومت کی ترغیب سے ترقی کرتا ہے پھر سعادت اخروی کی ترغیب اور قطع منازل کرتا ہے چنانچہ حکومت کا شوق آخری شے ہوتی ہے جو صدیقین کے دماغ سے نکلتی ہے یہ اس معالجہ کا طریقہ ہے ان باتوں کے لئے جو نفسہ قابل حذر ہیں، لیکن اضافی طور پر ان چیزوں سے زیادہ قابل قبول ہیں، جو بدتر ہیں گویا یہ مدارج اور منازل ہیں جن کو ایک ایک کر کے آدمی بتدریج طے کرتا ہے اس تدریجی طریق کے بغیر ان سے خلاصی ناممکن ہے اس طرح ہر اس بات کے متعلق طرز عمل اختیار کرے جو نفس پر مستولی ہو گئی ہے۔ اور اس کا تعلق سخت ہو گیا ہے یہ حقیقت ہے کہ قطع علائق سے رنج و غم بیخ و بنیاد سے اکھڑ جاتے ہیں۔

فصل

موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں، ماقبل موت، اور عند الموت، ماقبل موت کے لحاظ سے چاہیے کہ انسان ہمیشہ موت کو یاد رکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اکثروا من ذکر ھازم اللذات فانہ ماذکرہ احد فی ضیق الا وسعہ علیہ ولا فی وسعۃ الا ضیقھا علیہ موت کو اکثر یاد کیا کرو، کہ جس شخص نے اسے تنگی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہو گیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ عسیر الحال ہو گیا، موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں،۔ اول غافل، یہ حقیقی احمق ہے، جو موت اور مابعد الموت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتا، ہاں جب اپنی اولاد اور متروکات کا خیال اسے آتا ہے تو یاد کر لیتا ہے اپنے حالات نفس پر تدبر نہیں کرتا مگر جب کوئی جنازہ دیکھتا ہے تو اسے موت یاد آجاتی ہے۔ اور صرف زبان سے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہہ دیتا ہے اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ جھوٹا ہے اپنے قول کے لحاظ سے کہتا کچھ ہے، کرتا کچھ ہے دوم عاقل وزیرک، وہ

مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتا ہے جیسے حاجی کہ ہر وقت اس کے پیش نظر دیار حبیب کا منظر رہتا ہے جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے ، وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا غرض یہ ہے کہ ہازم اللذات کی یاد سراب آرزو سے محفوظ رکھتی ہے حوادث و مصائب آسان ہو جاتے ہیں اور انسان سرکش ہونے سے بچا رہتا ہے موت کی یاد سے خدا کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے حسد اور حرص دنیا رخصت ہو جاتے ہیں اور عبادت میں نشاط و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔ جس شخص کو عبادت الٰہی میں لطف نہ آئے اور سستی اور کسلمندی آگھیرے اسے چاہیے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا میری قضا آچکی ہے کہ یہ کچھ بعید نہیں جب انسان خیال کرے کہ موت کچھ سالوں کے بعد ہی آئیگی تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو۔ اور دنیا کی محبت کیوں دور ہو بلکہ چاہیے کہ ایک دن کی مہلت بھی سمجھے کہ میسر نہیں ، ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میرا آفتاب حیات غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے ،تو اسے چاہیے کہ حاضر ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہے پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجب نہیں کہ بلانے والا آ جائے اور وہ غفلت کے باعث عنایت شاہی سے محروم رہ جائے ،کوئی وقت اور کوئی لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہے اگر تم کہو کہ موت دور کا حادثہ ہے تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو اور یہ ایک دن سے ہم میں ہو سکتا ہے اور کچھ بعید بات نہیں موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں۔

(اول) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گزشتہ گناہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑیگا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے اگر شکم و شرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا ہو لذت طعام کے معنی ازالہ جوع ہے اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ کو وہ چیز ناپسند ہونے لگتی ہے جس کی پہلے اشتہا تھی جیسے کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سائے میں بیٹھنے کی

لذت سے لطف اندوز ہو یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بند ہو کہ برفاب پینے کا اسے لطف آئے۔ یہ عین حماقت اور خلاف عقل بات ہے۔

اگر صورت دوم کے باعث ہو تو یہ اس لئے ہے کہ انسان دنیا کے ادنیٰ خسیس اور حقیر چیزوں کے مقابلہ پر ملک کبیر اور نعیم مقیم، (جس کا متقیوں کے لئے وعدہ دیا جا چکا ہے کو ادنیٰ سمجھتا ہے، تو اگر یہ حالت موت کے بعد اپنے انجام سے بے صبری کے باعث ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علم حقیقت طلب کرے جس سے موت کے بعد کے حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت حارثہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا حضور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرش خداوندی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جنت میں اہل جنت سیر کرتے دکھائی دیتے ہیں، اور دوزخی دوزخ میں عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں اور یہ علم حقیقت و ماہیت اور اس کے بدن سے تعلق اس کی خاصیتوں اور ان خاصیتوں سے لذت یاب ہونے اور باوجود رزائل مانعہ کے اس کے کمال حاصل کرنے کے متعلق بحث و نظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے شریعت نے بہت سے مقامات پر ان امور سے خبردار کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو، ملکوت السمٰوٰت والارض میں تفکر کیا کرو۔

اگر یہ خوف موت سے پیشتر کئے ہوئے گناہوں کے باعث ہو تو اس میں جزع وفزع اور رنج وغم کوئی نفع نہیں دیتا، اس کے برعکس گناہوں کا علاج توبہ میں عجلت اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح کرنی چاہیے رنج وغم کرنے اور اس کا تدراک نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل کر اس میں سے خون نکل جائے۔ وہ اس کو بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے پر قادر بھی ہو، پھر بھی اسے بہنے دے، اور بیٹھ کر افسوس کا اظہار کرتا رہے، کہ میرا خون بہہ رہا ہے یہ بھی حماقت ہے، کیونکہ جو چیز جا چکی ہے اس کا کوئی تدارک نہیں اس پر تاسف کرنا بے سود ہے اسے چاہئیے کہ مستقبل کے متعلق مشغول ہو جائے۔

حالت ثانی یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں

(اول) صاحب بصیرت، وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم و گناہ گار ٹھہراتی ہے، اور کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی چمکتی ہے۔ اور غائب ہو جاتی ہے۔ ذوق

ہنگامہ گرم ہستی ناپائیدار کا
چشمک ہے برق کی تبسم شرار کا

اسے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں گذرتا سوائے اس کے کہ اب خدا کی خدمت کرنے کا موقعہ جاتا رہے گا یا یہ کہ اب میں خدا کے قریب ہوا ہوں اور ڈر ہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہیگا جیسے کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا تم موت سے گھبراتے کیوں ہو تو جواب دیا، اس لئے کہ میں ایک ایسے رستہ پر چلنے والا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی جانتا ہوں مجھے کیا کہا جائیگا اور کیا حکم ہوگا۔ اس قسم کا شخص موت سے بھاگتا نہیں۔ بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آ جاتا ہے تو بسا اوقات موت کا مشتاق ہو جاتا ہے کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات میں کہا تھا الہٰی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس کے معنٰی یہ ہیں کہ میں تجھ سے دور رہنا چاہتا ہوں اور تیرے قرب سے بے رغبت ہوں چنانچہ تیرے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے من احب لقاء اللّٰہ احب اللّٰہ لقائہ ومن کرہ لقاء اللّٰہ کرہ اللّٰہ لقاءہ جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے خدا بھی اس کا مشتاق ہے اور جو خدا سے ملنے سے گریز کرتا ہے خدا بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

(دوم) بے بصیرت، گناہوں سے آلودہ دامن دنیا میں منہمک، اس کے تعلقات میں جکڑا ہوا، آدمی جو دنیا کی زندگی سے راضی ہو چکا ہے اور دار آخرت سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے جیسے کافر لوگ مردوں سے چنانچہ جب وہ دار خلود کی جانب روانہ ہوتا ہے تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے عالم بالا کی ہوا اور ملاء اعلیٰ کی مصاحب راس نہیں آتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے من کان فی ھذہ اعمی فھوفی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور سخت بدراہ، جس کو درشن ات نہ اس کو ات نہ اُت کہ دنیا مذکورہ بالا شخص کے لئے قید خانہ ہے اور اس شخص کے لئے جنت، اول الذکر اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوش خوش لبیک کہے اور شاداں وفرحاں جوش خدمت میں حاضر ہو جائے اور مؤخر الذکر اس غلام مفرور کی طرح جو پکڑا جا کر اپنے مالک کے پاس لایا جائے مغلوب ومقہور بیڑیاں پہنا کر اسے اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے تو وہ سر جھکائے اپنے آقا کے سامنے ذلیل وخوار اپنے گناہوں پر شرمندہ کھڑا ہو، آہ یہ دونوں حالتیں کس قدر متخالف ومتفاوت ہیں۔

(قسم سوم) مذکورہ بالا دونوں مرتبوں کے درمیان کا آدمی، جو اس دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس کی مجلس سے متنفر، لیکن اب اس سے مانوس اور مالوف ہو

چکا ہے تو اس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے جو ایک اندھیرے اور گندے گھر سے الفت پذیر ہو گیا ہے اسے اس میں اور کوئی شخص نظر نہیں آتا تو اس میں سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا گو اس کے اندر جانا بھی اسے نامطبوع تھا پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکوکار بندوں کے لئے کچھ تیار کر رکھا ہے تو اسے اس مکان سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا، بلکہ کہتا ہے الحمد للہ الذی اذھب عن الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب ، الحمد اللہ کہ اللہ نے ہمارا غم دور کیا ہمارا رب غفور و شکور ہے کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا، جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ انسان کسی چیز کی مفارقت کو ناگوار سمجھے، پھر جب اسے چھوڑ دے تو افسوس کا اظہار نہ کرے چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے روتا ہے۔ پھر جب اسے عقل آ جاتی ہے تو گزشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا، اور موت ولادت ثانیہ ہے جس سے ایک ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا، اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی آفات وعوارض لاحق نہ ہوں، جو اس کے قبول کرنے میں نقصان پیدا کریں جس طرح ولادت ایک ایسے قابل رشک کی باعث ہے جو بچے کو جنین کی حالت میں میسر نہ تھا اور اس میں شرط یہ تھی کہ اس با کمال کے مانع امراض وعوارض اس جنین ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں، اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہیے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور ان کا شکریہ ادا کریں، جیسے ہم جبرائیل، میکائیل، اور اسرافیل علیہم السلام کے لئے دعا کرتے ہیں، جس کے دو سبب ہیں کہ دنیا سے رستگاری حاصل کرنے کا طریقہ انھوں نے بتایا، اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا، اور یہ باتیں سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطہ سے عمل میں آئیں، لیکن ملک الموت اس دنیا سے ہمیں نکالنے کا باعث ہے اس لئے اس کا حق بہت بڑا ہے چنانچہ امم سابقہ میں سے حکماء کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس شخص کی تقدیس وتحمید اور تسبیح سے تعظیم کرتے تھے جس کو وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس عارضی زندگی کے قائم رکھنے میں اعانت نہیں کرتا بلکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے جس کے ذریعہ سے اس دنیائے دوں سے رستگاری حاصل ہوتی ہے

فصل

رہروان الٰہی کی پہلی منزل

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے رستہ کے سالک تو تھوڑے ہیں لیکن اس کے مدعی بہت ہیں ہم تمہیں دو علامتیں بتاتے ہیں جن کو تم معیار قرار دیکر اپنے متعلق اور غیروں کے کھرے اور کھوٹے ہونے کی تمیز کر سکتے ہو۔

(علامت اول) اصلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی ترازو میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا کم وبیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے موافق ہو کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جا چکے اس رستہ پر گام فرسا نہیں ہوسکتا اور یہ تہذیب اخلاق کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس مقام کو حاصل کرنا جبھی ممکن ہے کہ انسان جملہ مباہات کو ترک کر دے کیونکہ جو شخص محرمات اور محظورات کو ترک نہیں کرتا، کس طرح منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور جو شخص عبادات نفلی پر مواظبت اختیار نہیں کرتا شاہد کامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ پھر جو شخص فرائض بلکہ احکام واعمال شریعت میں جن لوگوں کو مکلّف بنایا گیا ہے کو تاہی کرتا ہے۔ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں سے محظورات اور فرائض میں ہی مکلّف کرنے پر حصر کیا ہے اور اس میں عوام الناس بھی مشترک ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان امور میں شغل کو مصروفیت دنیا کی خرابی اور تباہی کا باعث نہ ہو جائے۔

سالک فی سبیل اللہ دنیا سے اس طرح روگردان رہتا ہے کہ اگر تمام دنیا اس کی برابری کرے تو کائنات برباد ہو جائے پھر صرف فرائض وواجبات ہیں محدود رہ کر اور نوافل کو چھوڑ کر کوئی کیسے کامیاب ہوسکتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یـــزال الـعبد یتقرب الیی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت له سمعًا وبصـــرًا فبــی لیسمع ویبصر میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو

میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں پھر وہ مجھ سے دیکھتا اور سنتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ ہوس غالب اور پائیدار کسلمندی کی وجہ سے ہی انسان فرائض میں فروگزاشت کرتا ہے اور محظورات میں بے دھڑک درآتا ہے پھر جو شخص بار بار ہوس اور کاہلی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ خدا کے رستہ پر کیسے چل سکتا ہے۔

پھر اگر تم کہو کہ جب سالک فی سبیل اللہ وہ ہے جو خواہشات اور سستی سے مجاہدہ کرنے میں مشغول ہو، تو جوان کو مغلوب کر چکا وہ تو واصل باللہ ہوا، سالک نہ ہوا، تو جواب یہ ہوا کہ یہ عین فریب ہے اور رستہ اور منزل مقصود سے ناواقفی پر شاہد نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص تمام صفات ردیہ اپنی ذات سے دور کر لے تو اس کی نسبت منزل مقصود سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اور چند مجبوریاں اور تعلقات ہیں جو انسان کو گردن سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور خدا کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں تو جب وہ انہیں محو اور دفع کر لے تو اس نے علائق کو دور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہوا، یا تم یوں سمجھو کہ ایک بیوہ عورت ہے جو چاہتی ہے کہ بادشاہ اس سے شادی کر لے جب وہ عدت جو نکاح سے مانع تھی گذار لیتی ہے تو خیال کرتی ہے کہ سب کام ختم ہو چکے اور میں کام دل حاصل کر چکی، افسوس صد افسوس کہ اس نے تو ابھی نکاح کی استعداد ہی حاصل کی ہے اور صرف موانعات کو دور ہی کیا ہے اور بادشاہ کا قبول کرنا اور رغبت کر کے انعام شادی سے نوازنا ابھی باقی ہے۔ یہ خدا کی دین ہے ہر وہ شخص جو نہا دھو کر عطر پھلیل لگا لے جمعہ نہیں پڑھ لیتا اور نہ ہر حسینہ جو عدت گذار لے اپنے محبوب کے وصال سے شاد کام ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سالک کے رتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف عبادات اس سے چھوٹ جائیں اور بعض محظورات اسے ضرر نہ پہنچائیں جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق کہا گیا ہے جو ان امور میں تساہل برتتے تھے تو جواب یہ ہے کہ یہ عین فریب نفس ہے محقق حکماء نے کہدیا ہے کہ خواہ تم کسی شخص کو پانی پر چلتا دیکھا لیکن وہ کسی بات میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ہے اور یہ بالکل حق ہے یہ اسلئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی اس کی رخصت دے رکھی ہوتی ہے پھر اگر وہ محل رخصت سے تجاوز کر لے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا بلکہ خواہشات اور شہوت اس کا موجب ہونگی یاد رکھو انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اسے ہر وقت اندیشہ ہے کہ کسی روز شہوات مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آ جائیں

اس لئے چاہیے کہ ہر وقت ان سے چوکنا رہے اور جب کبھی دیکھے کہ آرام طلبی اور سہل انگاری کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو جان لے کہ شہوات غالب ہونا چاہتی ہیں اور یہ سب باتیں اخلاق ردیہ کا تقاضا ہیں۔

پھر جو شخص اپنے تئیں پاکباز بنالے اور اپنی روح کو علوم حقیقی کی غذا کھلائے۔ تو اسے عبادت میں مواظبت کا درجہ حاصل ہو جائیگا نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیگی اور اسے رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر خدا سے دعائیں کرنے میں تمام چیزوں سے زیادہ لطف حاصل ہوگا یہ منزل اول کی علامت ہے اور انتہاء تک قائم رہتی ہے اگرچہ خدا کی طرف جانے والے رستہ کی کوئی انتہا ہی نہیں ہاں موت تمام جدوجہد اور تگ ودو کے سلسلے یک قلم توڑ دیتی ہے پھر انسان موت کے بعد اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے جو اس نے مدت حیات میں حاصل کیا تھا کہ ہر شخص اس چیز پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی گذاری تھی۔

(دوسری علامت) یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضور میں رہے ضروری اور بے تکلف طور پر اسے اس حضوری میں بے حد لذت حاصل ہو، خشوع، اور خضوع، انکسار و تواضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے وابستہ رہے وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو اگرچہ وہ ضروریات بدن مثلاً کھانا پینا قضا حاجت کو جانا کپڑے دھونا وغیرہ میں مشغول ہی رہے بلکہ چاہیے کہ اس کی مثال تمام حالات میں اس عاشق کی سی ہو جو ایک مدت تک زحمت انتظار کی کڑیاں جھیلتا رہا ہو ایک عرصہ دراز تک۔ ع

مصیبت پر مصیبت چوٹ پر کھائی ؞ چوٹ اس نے

پھر اس کا محبوب اس کے سامنے بصد تحمل جلوہ پیرا ہو جائے اور اس کے دل کا کنول کھل جائے لیکن اس وقت اسے قضائے حاجت کے باعث مجبوراً تھوڑی دیر کے لئے اپنے محبوب سے علیحدہ ہونا پڑے اور وہ بیت الخلاء کو جائے تو اس کا دل بے قرار محبوب کے پاس موجود ہوگا بدن البتہ غیر حاضر ہوگا اگر اس حالت میں کوئی شخص اسے مخاطب کرنا چاہے تو وہ شدت استغراق کے باعث اس کی بات نہ سنے گا۔ وہ اس مصیبت کو سخت مصیبتاک سمجھے گا اور چاہے گا جتنی جلد کٹے اتنا ہی بہتر ہے تو سالک کو چاہیے کہ اپنے اشغال دنیوی میں اسی طرح مصروف ہو بلکہ سوائے ضروریات بدنی کے اسے کوئی شے بے توجہ نہ کر سکے اور اس حالت میں بھی اس کا دل خدا کی عظمت وجلال کے سامنے نہایت انکساری کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر شہوت جماع تحریک کے ذریعہ سے حرکت میں آنے سے باز نہ رہے تو یہ اس شخص کی حالت

میں ہوگا جس پر شہوت غالب ہے اور اس کی آنکھوں میں کسی بشر کی صورت جو گندے اور ناپاک نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ جاگزیں ہوچکی ہے پھر جب وہ محبوب اس کے قریب آتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور اس کے تمام شہوانی خیالات فرو ہو جاتے ہیں اس بے خودی اور کمزور طبعی کا عذر وہ اس کا تن و جمال قرار دیتا ہے پھر یہ عذر کس طرح قابل قبول ہے جب مقابلہ پر اللہ کا جلال و جمال ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

الغرض اس منزل کو تمام و کمال پورا کرنے کے لئے حرص شدید اور عزم صمیم اور طلب بلیغ کی ضرورت ہے حرص و طلب کا مبداء محبوب و مطلوب کا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکاتا ہے اور اس جمال جہاں آرا کے ادراک کے لئے نگاہ شوق اور مشتاق آنکھ کی ضرورت ہے جو تمام دوسری چیزوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی چیز کی ضرورت ہے جو تمہارے شوق کو بھڑکائے اور تمہاری حرص کو برپا کرے۔ اور اسی کے اندازہ کے مطابق تمہاری جدو جہد و تگ و دو کی مقدار ہوگی۔

پھر محبوب کے ساتھ دیر تک یکجا رہنے کے باعث عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس اثنا میں محبوب کے عمدہ اخلاق جو پہلے پوشیدہ تھے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے محبت کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے اسی طرح مبتدی مرید جب پہلے پہل حضرت باری تعالیٰ کے جمال وجلال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے تو بسا اوقات ضعف ادراک کے باعث اس کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں پیدا ہوتی لیکن آہستہ آہستہ طلب و شوق زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

چنانچہ وہ ہر وقت اسی خیرہ کن جمال کے تصور میں محو رہتا ہے پھر اس پر اس کی خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے جاتے ہیں محبت کی آگ اضافہ مضاعفہ شعلہ زن ہوتی ہیں ہر لحہ اور ہر گھڑی محبت بڑھتی جاتی ہے اور جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزومند ہوتا ہے اسی طرح مرید اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں پھرتا ہے یہ قرب مکانی نہیں ہوتا یا جسمی طور پر اس کو مس نہیں کیا جاسکتا یا یوں نہیں ہوسکتا کہ اس کی صورت کے جمال کو کمال طور پر اپنے سامنے دیکھ لیں یہ قرب قرب کمال ہے نہ قرب مکان ان باتوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا اس قرب کمال کی تشبیہ یوں ہے کہ ایک شاگرد ہو اس کو اپنے استاد سے بے حد محبت ہو اور اس کے قرب کمال کا طالب ہو یہ زیادہ سچی تشبیہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے میں اس کا قرب چاہتا ہے یعنی آہستہ آہستہ اس کے رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے بعض حالات میں یہ ممکن ہوتا ہے اور بعض میں معتذر لیکن ترقی بلحاظ رتبہ کے بالکل ممکن ہے چنانچہ رتبہ کے لحاظ سے اس میں زیادتی ہوتی

ہے اور وہاں پہنچ جانا ممکن ہے لیکن اسفل السافلین سے بلندی کی طرف رخ کرنا ممکن ہے شاگرد اپنی نگاہ میں ایک رتبہ مقرر کر لیتا ہے جو محدود ہوتا ہے نہ یہ کہ محبت کے باعث اپنے استاد کا مرتبہ عین پائے بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے اور دفعتاً انتہائی منزل کو پہنچنے کا شوق اس کے دل میں نہیں پیدا ہوتا جب ایک رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اوپر کے درجے کا مشتاق ہو جاتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے جو عالم نہیں اسے چاہئے کہ علماء سے جو ورثۃ الانبیاء ہیں مشابہت اختیار کرے علماء انبیاء و اولیاء کے ذریعہ سے ملائکہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ صفات بشری کلی طور پر محو ہو جاتے ہیں، اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتے بن جاتے ہیں پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات ومراتب ہیں، اور سب سے بلند درجہ معشوق ادنیٰ کا ہے اور یہی نصب العین ہے ملائکہ مقربین وہ ہیں جن کے حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں انہیں جمال اطہر اور بہائے اتم حاصل ہے بلحاظ نسبت کے ان سے جو موجودات کاملہ میں سے ان سے کم ہیں پھر ہر ایک جمال اور کمال حقیر ہو جاتا ہے جب رب العزت کے جمال کی طرف نگاہ جاتی ہے۔

الغرض اسی طرح چاہیے کہ تم قرب الٰہی کا اعتقاد کرو، اس طرح کہ تم خیال کرو کہ جنت میں ایک گھر ہے، اور اس کے قریب کہیں اللہ تعالیٰ فروکش ہے۔ یہ قرب مکانی ہے؛ اور خدائے رب العزت اس سے بہت بلند ہے؛ اور نہ یہ کہ تم عبادت کا ایک تحفہ اس کی خدمت میں پیش کرو، اور اس سے خوش ہو کر اس کی قدر دانی کرے اور تم پر مہربان ہو جائے جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کی رضامندی اور حصول اغراض کے لئے حاضر ہوتے ہیں؛ تو اسے قرب سلطانی کہتے ہیں؛ توبہ توبہ اللہ تعالیٰ بہت بلند اور پاک ہے ان معانی سے جس سے دنیا کے بادشاہ متصف ہوتے ہیں وہ تو خدمت گزاری، عاجزی تابعداری اور دغا کیشی سے خوش ہوتے ہیں گاہے بسلامے برنجند وگاہے، بدشنامے خلعت دہندان کی مشہور صفت ہے۔

اس قسم کے تمام عقائد جہالت پر مبنی ہیں اگر تم کہو کہ اکثر عوام کا یہی اعتقاد ہے تو کیا جو شخص رنگریز کی دکان سے عنبر طلب کرے اسے ملجائیگا، ہرگز نہیں، جب تمہیں ایک شخص کے متعلق معلوم ہے کہ وہ چیز اس کے پاس ہی نہیں تو وہ چیز اس سے کیسے طلب کر سکتے ہو، عوام کالانعام تو گدھے ہیں ان کو لسان الٰہی نے حمر مستنفر فرت من قسورہ سے تعبیر کیا ہے اور واقعی عوام گدھے ہیں کیونکہ انھوں نے علوم کی ممارست نہیں کی کیا تم نہیں دیکھ چکے کہ یہ لوگ خداوند تعالیٰ کے متعلق کس قسم کے خیالات وعقائد رکھتے ہیں، کہتے ہیں وہ عرش پر بیٹھا ہے، اس پر ایک سبز چھتری سائے کئے ہوئے ہے وغیرہ وغیرہ، یہ لوگ اسی قسم کی تشبیہات سے کام لیتے

ہیں۔ کیونکہ لوگ اکثر تشبیہ کے عادی ہیں لیکن تشبیہ میں درجات ہیں بعض لوگ خدا کی صورت کا خیال کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہیں آنکھیں ہیں وہ اترتا ہے، اور چڑھتا ہے بعض لوگ اسے ناراضی، رضامندی، غصہ اور خوشی کے جذبات سے متصف کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے، ہاں اس بات کا شریعت نے تاویل کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ لوگوں کو افہام وتفہیم میں آسانی ہو، بعض لوگ حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں بعض لوگ نہیں سمجھتے اگر تمام لوگ بلحاظ فہم برابر ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد باطل ٹھہرتا،

رب حامل فقه الى من هوافقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه،

ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگزر کرتے ہیں کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی بیڑیاں توڑتا ہے۔

فصل

مذہب اور فرقہ بندی

شاید تم کہو کہ اس کتاب میں تم نے یا تو مذہب صوفیا کے مطابق یا اشعریوں کے موافق یا بعض متکلمین کے مطابق گفتگو کی ہے حالانکہ ایک مذہب کے مطابق ہی گفتگو صحیح سمجھی جا سکتی ہے اب ان مذاہب میں سے کون حق پر ہے اگر سب ہی حق پر ہیں تو یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور ان میں سے بعض حق پر ہیں تو وہ کونسا ہے تو جواب یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کی شناخت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں دو گروہ ہیں۔

(اول) وہ لوگ جو کہتے ہیں، کہ مذہب ایک اسم مشترک ہے تین مرتبوں کی بناء پر

(اول) جو مناظرات ومباہات کے ذریعہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

(دوم) جو کچھ تعلیمات وارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

(سوم) وہ معتقدات جو انسان کے دل میں مشاہدات ونظریات کے ذریعہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہر ایک کامل شخص کو اس اعتبار سے تینوں مذاہب حاصل ہوتے ہیں پہلی صورت کے اعتبار سے مذہب یوں ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوا، یا جس استاد سے تعلیم پائی یا جس شہر میں رہائش ہوئی انہیں کے مطابق مذہب بھی ہو گیا یہ علاقہ شہر اور استادوں کے لحاظ سے مختلف

ہوتا ہے چنانچہ جو شخص معتزلیوں یا اشعریہ، یا شافعیہ، یا حنفیوں کے ملک میں پیدا ہوا، اس کے دل میں وہی بات جم گئی بچپن سے ہی وہ ایک مذہب پر قائم ہو گیا اس کے علاوہ جو طریقہ ہے اسے وہ ناپسند اور مذموم سمجھتا ہے۔

چنانچہ اسے معتزلی، شافعی، اشعری، یا حنفی کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ خاص خیالات کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور ان کی امداد و موالات کرتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک قبیلہ ہو اور اس کے مختلف افراد ایک دوسرے کی امداد و اعانت کریں اس خاص تعصب کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جماعت چاہتی ہے کہ میں عوام کی اتباع حاصل کر کے دوسروں پر غالب آ جاؤں اور عوام کے سامنے جب تک ایک ایسی جماعت کی حیثیت نہ پیش کی جائے جو غلبہ واستیلا کے رنگ میں ہو، ان کو جوش نہیں آتا، چنانچہ تمام دینوں میں مذاہب اسی جماعتی رنگ کے باعث پیدا ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے حسد و نفسانیت کی بلائیں حرکت میں آ گئیں ان کا نصب تخت ہو گیا، اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا جذبہ مضبوط، بعض شہروں میں جب سب لوگ ایک مذہب پر متحد ہو گئے اور طالبان ریاست و حکومت لوگوں کی تابعداری حاصل کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے بعض ایسی باتیں وضع کیں جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان کی ضرور مخالفت کی جائے گی، اور ان کے برخلاف تعصب کا اظہار کیا جائے گا۔ جیسے علم اسود اور غنم احمر، چنانچہ ایک گروہ نے کہا یہ حق ہے کہ وہ سیاہ ہے اور دوسروں نے کہا نہیں بلکہ زرد ہے چنانچہ ان گمراہوں کے سرکردوں کا مقصد حاصل ہو گیا، عوام کی اتباع حاصل ہو گئی اور مخالفین کا بازار گرم ہو گیا عوام نے خیال کیا کہ یہ بہت اہم باتیں ہیں وضع کرنے والوں کے سرگروہوں نے وضع کرنے کی غرض جات سے کر لی۔

(مذہب ثانی) جو ارشاد و تعلیم کے مطابق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے، جو استفادہ کرے اور ہدایت پائے۔ اس کی کوئی خاص ایک ضرورت نہیں معین کی جا سکتی۔ بلکہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے کے مطابق مختلف ہوتی ہے چنانچہ ہر ایک طالب علم ورشد اپنے فہم کے مطابق عقائد قائم کرتا ہے اگر مسترشد ترکی ہے یا ہندی یا کند ذہن درشت مزاج آدمی ہے اور معلوم ہو کہ اگر اس کے سامنے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی مقام نہیں، وہ نہ جہاں میں داخل ہے نہ اس سے خارج، نہ کائنات میں متصل ہے نہ منفصل تو وہ جلد ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو جائے گا اور اس کو جھٹلا دیگا تو چاہیے اس کو بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور یہ کہ وہ بندہ کی عبادت سے خوش ہوتا ہے اور مہربان ہوتا ہے اور اپنے بندوں کو اس

عبادت کے بدلے میں جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اگر مسترشد کے متعلق یقین ہو کہ وہ حقیقت کو اخذ کرنے کا اہل ہے تو اس کے سامنے حق مبین ہی کا ذکر کیا جائیگا اس اعتبار سے مذہب متغیر اور مختلف ہو جائیگا اور ہر شخص کے فہم اور سمجھ کے مطابق اس کی کیفیت ہوگی۔

(مذہب ثالث) وہ عقائد جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک روز کی صورت میں ہیں، ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا، اور ان کا ذکر صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے جو اس کوچے کا مرد ہے اور ان حالات و کیفیات میں اس بندے کا شریک ہے یا اس رتبہ کو پہنچ چکا ہے جو ان باتوں کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے اس کی صورت یوں ہے کہ مسترشد ذکی اور ذہین ہو اس کے دل میں کوئی موروثی یا دوسرا اعتقاد جاگزیں نہ ہو چکا ہو اور نہ اس کا دل کسی خاص رنگ میں رنگا جا چکا ہو، جس کا محو کرنا ناممکن ہو اس کی مثال اس تختی کاغذ کی سی ہے جس پر کچھ لکھا جا چکا ہو، اور اس کا ازالہ صرف جلانے یا پھاڑ دینے سے ہو سکتا ہے اس قسم کے آدمی کی طبیعت بگڑ چکی ہے اور اس کی اصلاح کی طرف مایوس ہو جانا چاہیے چنانچہ جو کچھ اس کے خلاف مرضی کہا جائیگا اسے سننا پسند کے خلاف کی مدافعت کے حیلے تلاش کرے گا اور اگر انتہائی طور پر وہ اور اس کی ہمت اسے سمجھنے پر کمر بستہ ہو جائے تو اسے اپنے فہم کے متعلق شک پیدا ہو جائیگا تو پھر اس بات کا کیا علاج ہے کہ اس کی غرض ہی نہ سمجھنے کی کوشش کرنا ہے، اس لئے آخری طریق کا ان تمام باتوں کے ہوتے سوتے بھی ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کر لے اور اسے اپنے حق پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہی پہلا اندھا شخص نہیں جو اپنی گمراہی کے باعث ہلاک ہو چکا ہے، غرض یہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا طرز عمل ہے، اب آیا فریق دوم اور اس میں اکثر لوگ شامل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ مذہب ایک ہی ہے، یہی وہ اعتقاد ہے جو ہر شخص کے حسب حال اور تعلیم و ارشاد کے مطابق بتایا جاتا ہے اور اسی کا خیال دل میں بٹھایا جاتا ہے اور وہ یا مذہب اشعری ہے یا معتزلی، یا کرامی یا کوئی اور مذہب، پہلے لوگ ان لوگوں سے اس بات میں موافق ہیں کہ اگر وہ مذہب کے متعلق پوچھیں کہ آیا وہ ایک ہے یا تین تو تین کہنا جائز نہ ہوگا بلکہ واجب ہے کہ کہہ دیا جائے کہ وہ ایک ہی ہے اگر تم عقلمند ہو تو تمہاری مذہب کے متعلق زحمت سوال کو باطل کر دے گا کیونکہ لوگ زبانی طور پر اس بات میں متفق ہیں کہ مذہب ایک ہی ہے پھر وہ اپنے باپ کے مذہب یا اپنے معلم کے مذہب یا اپنے اہل شہر کے مذہب پر اڑے رہنے کے متعلق بھی متفق ہیں اگر کوئی شخص اپنے مذہب کا یقین کرے تو تمہیں اس میں کوئی منفعت حاصل نہ ہوگی دوسرا شخص آئے گا تو اس کی مخالفت کرے گا ان میں سے

کسی کے پاس بھی کوئی ایسی محیر العقول سند نہیں۔

جس سے وہ اپنی جانب کا پلڑا جھکا سکے، تم سب مذاہب کو برابر سمجھو اور سچائی کو فکر کے ذریعہ سے تلاش کرو، تاکہ تم خود صاحب مذہب ہو جاؤ اور اندھوں کی طرح نہ بنو کہ اپنے رہنما کے پیچھے اندھا دھند رواں ہو اور وہ تمہیں ایک رستہ پہ چلائے حالانکہ تمہارے ارد گرد ہمارے رہنما کی طرح کے ہزاروں رہنما ہیں جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہ تمہیں گمراہ کر رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے انجام کار اپنے رہنما کی غلطی کو معلوم کر لو گے اس وقت سوائے استقلال کے اور کوئی صورت رہائی کی نہ ہوگی۔

خذ ما تراه ودع شيئا سمعت به
في طالع الشمس ما يغنيك عن زحل

ہم نے اس قسم کی باتیں اس لئے کہی ہیں، کہ تمہیں اپنے موروثی عقیدے میں شک وشبہ پیدا ہو جائے اور تم طلب وجستجوئے حق میں سرگرم وسرگرداں ہو، کیونکہ شکوک ہی حق کی منزل پر پہنچاتے ہیں۔ اور جو شخص شک نہ کرے گا، نظر وفکر سے کام لے گا اور جو غور وفکر سے کام نہ لے گا بصیرت اندوز نہ ہوگا اور جو بصیرت نہ ہوگا، اندھا رہیگا اور قعر گمراہی میں پڑا رہے گا۔

نعوذ باللہ من ذالک

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم

تمام شد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من یهدی اللّٰه فلامضل له ومن یضلله فلاهادی له

رسالہ مسماۃ بہ

نہایۃ السعادۃ

ترجمہ

بدایۃ الہدایۃ

تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

مترجم

مولوی غلام احمد صاحب منتظم کمیشن قرضہ علاقہ سرکار نظام

۱۳۰۹ھ

بدایۃ الھدایۃ

الحمدللہ حق حمدہ والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ
محمدو آلہ واصحابہ من بعدہ

بعد حمد وصلوٰۃ کے گزارش ہے کہ ان دنوں رسالہ بدایۃ الھدایۃ تصنیف حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اس عاجز کی نظر سے گزرا اور اس کے مضامین افادات اگین کے لحاظ سے بے اختیار جی چاہا کہ اس کا ترجمہ بغرض افادہ ونفع عام کے کیا جائے اس رسالہ کے دو حصہ ہیں پہلا حصہ عبادات سے متعلق ہے، اور دوسرا حصہ اخلاق سے عبادات میں جس قدر مسائل بیان ہوئے ہیں وہ سب مذہب امام شافعیؒ کے موافق ہیں اس لئے بالخصوص شافعیوں کیلئے یہ ترجمہ بہت ہی سودمند ہوگا۔ اور دوسرے ائمہ کے پیروی کرنیوالونکے واسطے بھی یہ رسالہ اس واسطے کارآمد ہے کہ اس میں اکثر وہ ادعیہ مندرج ہیں، جو خاص جناب رسالت مآب ﷺ سے ماثور ہیں دوسرا حصہ تو عام مضامین اخلاق سے متعلق ہے جو عموماً مضر ہے اور یہ حصہ جس قدر دلچسپ ہے اور باوجود اختصار کے کیسے کیسے سودمند ابواب کا اس میں ذکر ہے اس کا امتیاز ذوق سلیم خود کر سکتا ہے ترجمہ میں نفس مضمون کا زیادہ تر خیال رکھا گیا ہے محض لفظی ترجمہ کا چنداں لحاظ نہیں کیا گیا اس واسطے کہ لفظی ترجمہ میں اکثر تعقیدات واقع ہو جاتے ہیں جو عام طلباء کے لئے مفید نہیں ہیں اور بعض جگہ مراقی العبودیۃ (شرح اصل رسالہ) کے مضامین بھی مناسبت مقام کے لحاظ سے کچھ کچھ بڑھا دیے گئے ہیں۔

فقط

غلام احمد

آغاز کتاب

جو شخص کہ استحصال علم کا حریص اور آرزومند ہو اس کو پہلے ہی اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ تحصیل علم سے اس کا مقصود کیا ہے اگر صرف ابنائے جنس میں فخر و مباحات اور امتیاز و خصوصیت کا حاصل کرنا ہے یا اجرِ متاع دنیوی پیش نظر ہے۔ تو اس کو یقیناً سمجھ لینا چاہیے کہ وہ خود آپ اپنے ہلاک نفس اور تخریب دین کی کوشش میں ہے اور یہ چاہتا ہے کہ عمدہ متاع دین کو فضول نمود دنیوی کے معاوضہ میں بیچ ڈالے پس اس قسم کا معاملہ بے سود ہے۔ اور ایسی تجارت بے فائدہ۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم کا وبال معلمین پر بھی ہے کہ انکی ایسی تعلیم جو مخبر بہ فساد ہو ان کو بھی اس خسارت میں شریک حال کر دیتی ہے۔ ایسے معلمین کی مثال اس شخص کی سی ہے جو رہزنوں کے ہاتھ ہتھیار بیچے۔ چنانچہ جناب رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں، من اعان علی معصیة ولو بشطر کلمة کان شریکاله یعنی جو شخص کہ معصیت پر تائید کرے اگر چہ ایک جزء لفظ کے ساتھ بھی ہو تو وہ اس کا شریک ہے اور اگر تحصیل علم سے یہ نیت ہو کہ جہل نفسانی دور ہو جائے جہال کی تعلیم و تربیت کی جائے احیائے دین اور بقائے اسلام میں کوشش کرے جھوٹے نام و نمود کا خیال نہ ہو۔ الحاصل یہ خواہش ہو کہ سارا سامان اپنے پروردگار کی رضا مندی کا فراہم کرے تو ایسی نیک نیتی کے نتائج کا کیا کہنا اس کے فضائل یہاں تک مروی ہیں کہ جب ایسا شخص تحصیل علم کے لئے چلتا ہے تو ملائکہ اس کے پیر کے نیچے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں۔ اور جب تک وہ اس شغل میں مصروف رہتا ہے دریا کی مچھلیاں تک اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں بہر حال سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ہدایت جو ثمرہ علم ہے اور اس کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اس کی انتہا تک پہنچنا بغیر اس کے ابتدا کے استحکام کے محال ہے اور اس کے باطن کا حال معلوم کرنا بدون واقفیت اس کے ظاہر کے دشوار ہے اس لئے ہم یہاں ہدایت کے ابتدائی امور کر ذکر کرتے ہیں تا کہ ہر شخص ان کے ساتھ اپنے نفس کی آزمائش اور قلب کا استحضار کرے اگر کوئی شخص اپنے دل میں ہدایت کے حاصل کرنے کا سچا میلان دیکھے اور نفس میں اس کے حاصل کرنے کی

قابلیت پائے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں مدارج نہایات کمالات کے حصول کی بھی صلاحیت موجود ہے اور وہ علوم اسرار لدنی سے بھی حظ وافر حاصل کر سکیگا اگر برخلاف اس کے نفس میں تجاہل وتساہل پایا جاوے اور بہ اقتضائے ہدایت عمل کرنے میں لیت لعل ہو تو سمجھ لے کہ نفس امارہ اس پر اپنا عمل کرنا چاہتا ہے اور شیطان اس بات کے درپے ہے کہ اس کو اپنا مطیع ومنقاد بنالے تا کہ اپنے مکروفریب سے قہر ہلاک میں جھونک دیوے اور بعوض حصول سعادت کے شرو فساد میں مبتلا کر دے یہی نہیں بلکہ ان لوگوں میں شمار ہو جائے جن کے اعمال بدترین اعمال ہیں، اور جس کی سعی وکوشش دنیا میں ضائع گئی ہے اور اپنی کج فہمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیک کام کررہے ہیں ایسے لوگوں کے بہکانے کے لئے اگرچہ شیطان فضیلت علم اور مراتب علما کو بھی ظاہر کرتا ہے، اور جو کچھ فضائل کا ذکر اخبار واحادیث میں آیا ہے اس کو سنتا ہے مگر باوجود اس کے اس مضمون حدیث کے سمجھنے سے ان کو غافل رکھتا ہے کہ من ازداد علما ولم یزدد ھدیٰ لم یزدد من اللّٰہ الا بعدا یعنی گو کسی نے بہت کچھ علم بھی حاصل کیا ہو لیکن اس پر ہدایت کا پرتو نہ پڑا ہو تو اللہ سے سوائے دوری کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہے اور نیز وہ شخص اس مضمون سے نابلد ہے کہ اشدُ الناس عذابا یوم القیامۃ عالم لم ینفعہ اللّٰہ بعلمہ سخت تر عذاب قیامت کے دن اس عالم پر ہوگا کہ جس کو علم سے فائدہ نہ پہنچے اور وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی اس دعاء[1] عبرت انگیز سے بھی واقف ہے جو آپ اکثر بارگاہ قدس میں کیا کرتے تھے کہ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو اور ایسے دل سے کہ جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے عمل سے جو کہ مدارج عالی پر نہ پہنچائے۔ اور اس دعا سے جو مقبول نہ ہو۔ اور نیز فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی شب ایک ایسی جماعت دیکھی کہ جن کے ہونٹ مقراض نار جہنم سے کٹے ہوئے تھے میں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو تو انھوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو نیکی کی ہدایت کرتے رہے مگر خود اس سے غافل تھے اور ان کو شر سے پرہیز کرنے کا حکم کرتے تھے حالانکہ ہم خود اس میں مبتلا تھے جبکہ علماء کی بوجہ ترک عمل ایسی دردانگیز حالت ہے تو جہلا کا خدا ہی حافظ ہے۔ پس انسان کو مواخذہ الٰہی سے بچنے کے لیے جو کچھ حفاظت کرنی ہے وہ ظاہر ہے یہاں تک تو حصول علم کی ضرورت کا ذکر تھا اب مقاصد علم کا حال سنیے کہ بعض تو صرف حصول رضائے الٰہی اور مراتب اخروی کے لحاظ سے

---

[1] اصل دعا یہ ہے، اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع وقلب لا یخشع وعمل لا یرفع ودعاء لا یسمع۔

تحصیل علم کرتے ہیں جن کا شمار زمرۂ فائزین میں ہے اور بعضوں کو دنیوی وجاہت وجاہ کا خیال حصول علم کے طرف مائل کرتا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی کو عمدہ حالت میں بسر کریں۔ جب ایسی نیت ہو جاتی ہے تو ایک قسم کی رکاکت اور خست مقصود سے متعلق ہو جاتی ہے جس سے ایسے گروہ کی حالت خطرناک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر قبل توبہ کے اجل نے تعدیل کی تو سوء خاتمہ کا خوف ہے اور ان لوگوں کے لئے یہ بات بھی مشیت ایزدی سے متعلق ہے کہ فائز بہ توبہ ہوں اور اعمال نیک اختیار کرنے سے تلافی مافات ہو جائے اور بمصداق التائب من الذنب کمن لاذنب له وہ بھی فائزین میں محسوب ہو جائیں تیسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ظاہر و باطن میں بالکل اغراض نفسانی کی پابندی کی ہے اور علم کو محض حصول وجاہت اور تفاخر دنیوی کا خیال کیا ہے اور باوجود اس کے جو علماء کی ہیئت اور لباس اور گفتگو میں ان کے رسوم اختیار کیے ہوئے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ بارگاہ اقدس میں بھی مرتبت حاصل ہے درحقیقت یہ لوگ ہالکین سے ہیں اس لئے کہ اس کا یہ خیال ابلہانہ کہ ہم فائزین سے ہیں ان کو توبہ کرنے سے بھی محروم رکھتا ہے اور وہ اس آیت کریمہ سے بھی غافل ہیں کہ یـا ایهـا الـذیـن اٰمـنـوا لـم تقولون مالا تفعلون اے ایمان والو ایسی باتیں کیوں کرتے ہو کہ جس پر تمہارا عمل نہیں ہے اور انہیں لوگوں کے مناسب حال جناب رسالت مآب ﷺ ارشاد فرماتے ہیں انـا مـن غیر الدجال اخوف علیکم فقیل وماهو یا رسول الله فقال علماء السـوء یعنی مجھے دجال کے سوائے بھی اور لوگوں سے تم کو مضرت پہنچنے کا زیادہ تر خوف ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ دجال کے سوائے اور کس سے مضرت کا اندیشہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ عالمان بےعمل سے یعنی وہ جو صرف برائے نام عالم کہلاتے ہیں جن کا علم زبان پر ہی ہے اور دل نور علم سے منور نہیں ہے یہ بھی منافقین میں سے ہیں جنہوں نے علم کو محض حرفہ کے طور پر حاصل کیا ہے ان کی غرض فقط دنیا حاصل کرنا ہے کیونکہ دجال کا کام تو صرف گمراہ کرنا ہے اور یہ علماء گو زبان سے دنیا کی برائیاں سنا کر لوگوں کے دلوں کو اس سے پھراتے ہیں مگر زبان حال و اعمال سے اس میں پھنسنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بہ نسبت اقوال کے افعال کو طبیعت میں زیادہ تر اثر ہے۔ خاص کر جہال کو امور دنیا کے جانب جو میلان ہو جاتا ہے وہ ایسے ہی علماء کے جرأت دلانے سے ہے پس باوجود اس کے کہ ان کا علم باعث گمراہی عوام الناس ہے کبھی تو یہ حصول جنت کی تمنا میں مبتلا ہیں۔ اور کبھی جمع مال کی آرزو ان کی دامنگیر ہے اور کبھی بلحاظ علمیت اس خبط میں بھی مبتلا ہیں کہ ہم اکثر بندگان خدا سے مشخص وممتاز ہیں۔ لہذا

انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان فریق ثانی (مخاطرین) سے پرحذر رہے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ توبہ کرنے میں جلدی نہیں کرتے اور تعجیل اجل کی وجہ سے اپنی عاقبت بگاڑ لیتے ہیں اور فریق ثالث (ہالکین) میں ہو جانے سے تو بہت ہی احتراز کرنا لازم ہے کیونکہ اس سے سوائے ہلاکت کے مطلقاً نجات کی توقع ہی نہیں ہے۔ بہرحال اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی بیان کرتے ہیں کہ بدایت ہدایت کیا ہے تاکہ ہر شخص اس کو سمجھے اور اس کا تجربہ کرے بدایت ہدایت ظاہری تقویٰ ہے اور نہایت ہدایت باطنی تقویٰ بہرحال سرمایۂ نجات انسان تقویٰ ہے۔ اور جو لوگ صفت تقویٰ سے متصف ہیں وہی فائزین سے ہیں تقویٰ امتثال او امر الٰہی اور اجتناب مناہی کو کہتے ہیں پس امتثال و اجتناب کو ظاہری تقویٰ سے جہاں تک تعلق ہے یعنی اداب طاعات اور اداب ترک معاصی اس کا ذکر بطور اختصار کے کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اداب صحبت کا ذکر بھی مناسب ہے تاکہ یہ کتاب جملہ مطالب ضروری کی جامع ہو جائے۔

قسم اول آداب طاعات

اوامر الٰہی کی دو قسم ہیں فرائض اور نوافل، فرائض بمنزلہ رأس المال اور اصل تجارۃ کے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے انسان مہلکات سے نجات پا سکتا ہے اور نفل قائم مقام نفع کے ہیں اور وہی مدارج اعلیٰ پر پہنچنے کا ذریعہ ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے قال ﷺ یقول اللّٰہ تبارك وتعالیٰ ماتقرب الی المتقربون بمثل اداء ما فترضت علیهم ولا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبه فاذا حببته کنت سمعه الذی یسمع بهٖ وبصرهٗ الذی یبصره ولسانه الذی ینطق به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری اعظم شانہ سے یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مقربین نے بارگاہ قدس میں میرا تقرب ان احکام کے ادا کرنے سے زیادہ اور کسی چیز سے میرا تقرب حاصل نہیں کیا ہے جو ان پر فرض کر دیئے گئے ہیں بلکہ ہمیشہ بندہ کا تقرب ادائے نوافل سے زیادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کے کان ہو جاتا ہوں کہ جس کے ذریعہ سے وہ سنتا ہے اور اس کے آنکھ ہو جاتا ہوں

جس کے ذریعہ سے وہ دیکھتا ہے اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ سے وہ چلتا پھرتا ہے اس کے درجہ تقرب کے حاصل کرنے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ قلب و جوارح سے اوامر الٰہی کے حفظان کی پابندی از صبح تا شام رہے کیونکہ خداوند عالم ظاہر و باطن کے حالات سے واقف ہے تمام خطرات اور حرکات و سکنات پر اس کا علم محیط ہے حالات خلوت و جلوت سب اس پر کھلے ہوئے ہیں ہر ذرہ کے سکون و حرکت پر وہ مطلع ہے خیانت چشم اور مخفیات صدور کو وہ جانتا ہے کوئی بھید اس پر پوشیدہ نہیں ہیں لہذا چاہیے کہ اجتناب معاصی اور حصول آداب طاعات میں کوشش لگی رہے جو ذریعہ حصول تقرب بارگاہ ایزدی کا ہے لیکن اس بات کا حاصل کرنا بغیر تقسیم اوقات اور دوام ورد وظائف کے محال ہے یعنی وقت بیداری سے وقت استراحت تک اوامر الٰہی کا پابند رہنا لازمی ہے۔

آداب استیقاظ یعنی بیداری

علی الصباح سونے سے اٹھنے کی عادت کرنی چاہیے اور پہلی جو چیز دل میں خطور کرے یا زبان سے نکلے وہ اپنے پروردگار کا ذکر ہو اس لئے یہ دعا پڑھا کرے۔ الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور اصبحنا واصبح الملک لله والعظمة والسلطان لله والعزة والقدرة لله رب العالمین

سب طرح کی تعریف اسی خدا کے لئے ہیں جس نے موت کے بعد ہم کو زندہ کیا کیونکہ نیند بھی مثل موت کے ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے صبح کی ہم نے اور ملک نے اللہ کے لئے عظمت و شاہی اسی کے لئے ہے عزت و قدرت بھی اسی خدا کے لئے ہے جو تمام عالم کا پالنے والا ہے صبح کی ہم نے فطرت اسلام پر اور کلمہ اخلاص اور دین پر ہمارے نبی کے جو محمد ﷺ ہیں اور ملت پر ہمارے باپ ابراہیم کے جو مستقیم ہے اور وہ مشرکین سے نہ تھے اے پروردگار ہم تیری ہی عنایت سے صبح تک زندہ رہے شام تک زندہ رہنا بھی تیری ہی مرضی پر موقوف ہے تیرے ہی اختیار میں ہماری موت و حیات ہے اور تیرے ہی حضوری میں حاضر ہونا ہے اسی پروردگار سے ہم دعا کرتے ہیں آج کا روز ہر طرح کی نیکی میں بسر ہو جاوے اور بدی سے محفوظ رہیں نہ ہم کسی مسلمان کو نقصان پہنچائیں اور نہ ہم کسی کو عذر پہنچائیں ہم دعا کرتے ہیں کہ آج کا دن ہمارے لئے اچھا ہو۔ اور اچھی حالت میں گزر جاوے آج کا دن ہمارے حق میں برا نہ ہو اور اس میں کوئی برائی نہ نکلے۔

اصبحنا علی فطرة الاسلام وعلی کلمة الاخلاص وعلی دین نبینا محمد ﷺ وعلی ملة ابینا ابراهیم حنیفا مسلما وماکان من المشرکین اللهم بک اصبحنا وبک امسینا وبک نحیا وبک نموت والیک النشور اللهم انا نسألک ان تبعثنا فی هذا الیوم الی کل خیر ونعوذ بک ان نجترح فیه سوء ونجره الی مسلم اویجره احد الینا نسالک خیرهذاالیوم وخیر مافیه ونعوذبک من شر هذا الیوم وشر مافیه ، لباس پہنتے وقت بھی خدا کے احکام کا یعنی ستر عورت کا خیال رہے کیونکہ جولباس لوگوں کے دکھلانے کے غرض سے پہنا جاتا ہے وہ خسران کا باعث ہے۔

آداب دخول بیت الخلاء

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت بایاں پاؤں پہلے رکھے اور واپسی کے وقت سیدھا پاؤں، برہنہ سر ننگے پاؤں بیت الخلاء میں نہ جانا چاہیے اور ساتھ کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیے کہ جس پر خدا یا اس کے رسول کا نام لکھا ہو بیت الخلاء میں جانے کے وقت یہ دعا پڑھے۔ بسم الله اعوذ بالله من الرجس النجس الخبیث المخبث الشیطان الرجیم[۱] اور واپس نکلنے کے وقت پڑھے غفرانک الحمد لله الذی اذهب عنی ما یوذینی وابقی فیّ ما ینفعنی[۲] قضائے حاجت کے وقت کلوخ موجود رکھے قضائے حاجت کی جگہ پانی سے استنجا نہ کرے اور پیشاب کے بعد کھنکارے اور تین دفعہ عضو تناسل کو سونت دے اور اس کے نیچے بایاں ہاتھ پھیرے کہ جس سے قطرات باقی ماندہ خارج ہو جائیں اگر جنگل میں قضائے حاجت کی ضرورت ہو تو ایسی جگہ

[۱] بابرکت نام پاک باری تعالیٰ پناہ چاہتا ہوں شیطان پلید سے جو راندہ درگاہ ہے۔
[۲] مغفرت چاہتے ہیں ہم تجھ سے اے پروردگار کہ تو نے نکالا ہمارے میں سے اس چیز کو جو ہمارے مضر تھی اور باقی رکھا اس چیز کو جو نفع بخش ہے۔

اختیار کرے کہ لوگوں کی آمد روفت نہ ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کسی چیز کی آڑ کر لے قضائے حاجت کو بیٹھنے سے پہلے
برہنہ نہ ہو چاند اور سورج کے محاذی نہ بیٹھے قبلہ کی جانب رو و پشت نہ کرے مجمع سے پرہیز کرے آب غیر جاری میں پیشاب نہ کرے ثمر دار درختوں کے نیچے نہ بیٹھے پتھر اور سخت زمین اور ہوا کے رخ پر پیشاب نہ کرے کہ چھینٹے نہ اڑیں اسی کے متعلق یہ حدیث وارد ہے کہ[1] ان عامة عذاب القبر منه اور جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو بائیں پیر کی جانب ذرا جھکا رہے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے مگر بضرورت استنجا پہلے کلوخ سے اور پھر پانی سے افضل ہے اگر اقتصار مقصود ہو تو صرف پانی پر کفایت کرے اگر کلوخ پر اقتصار مقصود ہو تو تین پتھر پاک ہوں بول اور نجاست کو اس ترکیب سے پاک کرے کہ نجاست منتقل نہ ہو قضیب کو بڑے پتھر پر تین مختلف جگہ چھوانے سے بھی طہارت حاصل ہوتی ہے اگر تین پتھر کافی نہ ہوں تو پانچ سات یا طاق عدد جو کچھ ہو لے سکتے ہیں کیونکہ عدد طاق مستحب ہے استنجا بائیں ہاتھ سے کریں اور بعد طہارت کے اس دعا کو پڑھے[2] اللهم طهر قلبي من النفاق وحصن فرجي من الفواحش بعد طہارت کے ہاتھ کو زمین یا دیوار پر رگڑ کر پانی سے دھونا چاہیے۔

آداب وضو

قبل از وضو مسواک کریں کہ منہ پاک ہوتا ہے یہ فعل پسندیدۂ خدا ہے شیطان اس سے بھاگ جاتا ہے ایک وقت مسواک کے ساتھ نماز ادا کرنا بلا مسواک کے ستر نماز سے افضل ہے چنانچہ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ قال رسول الله ﷺ لولا ان اشق علی امتی لا مرتهم بالسواك في كل صلاة رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر دشوار نہ ہوتا میری امت پر تو حکم کرتا کہ ہر نماز کے لئے مسواک کریں وعنه ﷺ امرت بالسواك حتى خشيت ان يكتب علي اور نیز ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے خداوند عالم کا حکم خاص کر مسواک کے بارے میں اس تاکید کے ساتھ ہوا ہے کہ مجھ کو خوف تھا کہ کہیں فرض نہ ہو جائے وضو کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بلند جگہ بیٹھے تا کہ چھینٹے نہ

---

[1] یہ عام عذاب قبر کا باعث ہے۔
[2] اے پروردگار پاک کر میرے دل کو نفاق سے اور بچا میری فرج کو فواحش سے۔

اڑیں ہاتھ دھونے سے قبل اس دعا کو پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اعوذبک من ھمزات الشیاطین واعوذبک رب ان یحضرون[۱] پھر ہاتھ تین مرتبہ دھوئے اور کہے اللھم انی اسالک الیمن والبرکۃ واعوذبک من الشوم والھلکۃ[۲] رفع حدث یا استباحت صلوٰۃ کی نیت کرے مگر نیت منہ دھونے سے قبل کرنی چاہیے پھر تین مرتبہ مضمضہ کرے پانی راس حلقوم تک پہنچایا جاوے بشرطیکہ روزہ دار نہ ہو کیونکہ روزہ کی حالت میں اس قدر مبالغہ سے افطار کا خوف ہے اور یہ دعا پڑھے اللھم اعنی علی تلاوۃ کتابک وکثرۃ الذکر لک وثبتنی بالقول الثابت فی الحیاۃ الدنیا وفی الآخرۃ[۳] اور پھر تین مرتبہ ناک میں پانی لیوے تو اس دعا کو پڑھے اللھم ارحنی رایحۃ الجنۃ وانت عنی راض[۴] اور جب بنی پاک کرے تو اس دعا کو پڑھے اللھم انی اعوذبک من روایح النار وسوء الدار[۵] پھر اسی طرح منہ کو پیشانی سے ٹھوڑی تک طول میں ایک کان سے دوسرے کان تک دھونا چاہیے تاکہ جہاں کہیں چہرہ پر بال ہوں جیسے ابرو وغیرہ خوب تر ہو جائیں اور عورات کو پیشانی کی ابتدا مانگ کے قریب سے خیال کرنا چاہیے اگر ریش کم ہو تو بالوں کے تہ میں پانی پہنچانا واجب ہے گنجان ہو تو انگلیوں سے خلال کیا جاوے منہ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم بیض وجھی بنورك یوم تبیض وجوہ اولیائک ولا تسود وجھی بظلماتک یوم تسود وجوہ اعدائک[۶] پھر دونوں ہاتھ بعادت معروف کہنی تک دھودیں بہ ترتیب یعنی پہلے دایاں پھر بایاں اور دایاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حساباً یسیراً

---

[۱] شروع کرتا ہوں نام سے اللہ کے جو مہربان اور رحیم ہے۔ اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں تجھے وساوس شیاطین سے اور نیز یہ کہ ان کی ترغیب سے کسی بدی کا ارتکاب نہ ہو۔

[۲] اے پروردگار میری عرض یہ ہے کہ یمن وبرکت عنایت ہو اور شرو ہلاکت سے نجات ملے۔

[۳] پروردگار قرآن مجید کے پڑھنے اور تیرے زیادہ ذکر کرنے کی طاقت عطا فرما اور دنیا وآخرت میں قول ثابت پر قائم رکھ۔

[۴] اے خدا جنت کی خوشبو سونگھا اور مجھ سے راضی ہو جا۔

[۵] اے خداوند عالم دوزخ سے اور دوزخ کی ہوا سے محفوظ رکھ۔

[۶] اے خدا روشن کر میرے منہ کو تیرے نور سے اس روز جو تیرے دوستوں کا منہ روشن ہوتا ہے اور مت سیاہ کر میرے منہ کو تاریکی گناہ سے اس روز جو تیرے دشمنوں کا منہ کالا ہوتا ہے۔

[۷] اے خدا میرے اعمال نامہ کو سیدھے ہاتھ میں دے اور آسانی سے حساب لے

بایاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ پڑھے اللھم انی اعوذبک ان تعطنی کتابی بشمالی [۱] یا شمالی کے جگہ وراء ظھری پڑھے پھر مسح سر بالاستیعاب بطریق معلوم کرے اور اس وقت یہ دعا پڑھے [۲] اللھم اغثنی برحمتک وانزل علی من برکاتک واظلی تحت ظل عرشک یوم لاظل الاظلک اللھم حرم شعری وبشری علی النار پھر تازہ پانی لے کر کانوں کا مسح کرے بایںطور کے اندر اور باہر سب تر ہو جائے اور انگشت ہائے شہادت سے کانوں کے اندر مسح کرے بیرونی جہت کا مسح سرانگشت سے کیا جاوے اور اس وقت یہ پڑھے [۳] اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول ویتبعون احسنہ اللھم اسمعنی منادی الجنۃ فی الجنتی مع الابرار پھر گردن کا مسح بطریق معمول کیا جاوے اور اس وقت یہ دعا پڑھے [۴] اللھم فک رقبتی من النار واعوذبک من السلاسل والاغلال پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھووے اور انگلیوں کا خلال بایںطور کرے مگر ابتداء سیدھے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے کی جاوے اور پھر علی الترتیب خلال کرتے ہوئے بائیں پاؤں کے خنصر پر ختم کرے انگشت خلال کو نیچے کی طرف سے انگلیوں کے بیچ میں پہنچاوے سیدھا پاؤں دھونے کے وقت یہ دعا پڑھے [۵] اللھم ثبت قدمی علی الصراط المستقیم مع اقدام عبادك الصالحین بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ دعا پڑھے [۶] اللھم انی اعوذبک ان تزل قدمی علی الصراط فی النار یوم تزل اقدام المنافقین والمشرکین پاؤں کے دھونے میں احتیاط یہ ہے کہ نصف

---

[۱] اے خدا پناہ چاہتا ہوں میں کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ نہ دیا جاوے۔

[۲] اے پروردگارہ چھپالے مجھ کو تیری رحمت میں اور غائل کر مجھ پر تیرے برکتوں کو اور قیامت کے دن تیرے سایہ کے نیچے جگہ دے اس روز تیرے سوا کسی کا سہارا نہیں ہے اے خدا میرے بال اور میرا منہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھ۔........ [۳] اے خدا مجھ کو ان لوگوں کو میں شامل کر جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات کی اطاعت کرتے ہیں اے پروردگار قیامت کے روز تیرے فرمانبرداروں کے ساتھ منادی جنت اذان سنا۔........ [۴] اے خدا مجھ کو دوزخ سے بچا اور پناہ مانگتا ہوں میں طوق وزنجیر سے۔........ [۵] اے خدا ثابت رکھ میرے قدم کو صراط مستقیم پر تیرے پرہیزگار بندوں کے قدم کے ساتھ۔........ [۶] اے پروردگار پناہ چاہتا ہوں میں تجھ سے کہ متزلزل نہ ہو قدم میرا صراط پر دوزخ کی طرف اس روز جو منافقین اور مشرکین کے قدم متزلزل ہونگے۔ (یعنی قیامت کے روز)۔

ساق تک ہو بہر حال ہر ہر عضو پر تین تین مرتبہ پانی پہنچایا جائے اور جب وضو سے فراغت ہو تو آسمان کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا پڑھے۔ [1]اشہد ان لاالہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھدان محمداعبدہ ورسولہ سبحانک اللھم وبحمدك اشھد ان لاالہ الا انت عملت سوأوظلمت نفسی.استغفرك واتوب الیک فاغفر وتب علی انک انت التواب الرحیم اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادك الصالحین واجعلنی صبوراً شکوراًواجعلنی اذکرك ذکراکثیرا واسبحک بکرۃواصیلا۔ وضو میں ان دعاؤں کے پڑھنے سے کل خطیات متعلقہ اعضاء معاف ہو جاتے ہیں وضو پر مہر ہو جاتی ہے۔ اور عرش کے نیچے جگہ دی جاتی ہے کہ ہمیشہ وہ تسبیح وتقدیس میں مصروف رہے ایسے وضو کا ثواب قیامت تک لکھا جاتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص وضو کے وقت ادعیہ مذکورہ پڑھے اس کا تمام جسم پاک ہو جاتا ہے ورنہ صرف اسی قدر پاک ہوگا جہاں پانی پہنچا ہو۔

فرائض وضو یہ ہیں۔

(۱) منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا۔

(۲) مسح کرنا۔

(۳) پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔

(۴) نیت۔

(۵) ترتیب وضو میں سات چیزوں سے احتراز چاہیے۔

(۱) ہاتھوں کو نہ جھٹکائیں کہ پانی دور ہو جاوے۔

---

[1] گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی سوائے اللہ کے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں جن کی تحقیق محمد بندہ اور رسول اس کے ہیں پاک ہے تو اے خدا اور قسم ہے تیرے حمد کی کہ گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں ہے کوئی خدا مگر تو میں نے گناہ کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا مغفرت چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں پس بخش میرے گناہ کو محو کر دے تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اے خدا گناہ کو ترک کرنے والوں میں مجھ کو شامل کر دے اور پاک لوگوں میں ملا دے تیرے پرہیزگار بندوں میں میرا شمار ہو جاوے مجھ کو صابر وشاکر بنا اور ہدایت دے مجھ کو کہ تیری یاد زیادہ کروں اور تسبیح کروں تیری صبح اور شام۔

(۲) منہ دھونے اور مسح سر کے لئے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر نہ کھیلتے رہیں بلکہ ایک بار دونوں ہاتھ سے پانی لیکر منہ بھی دھوئے اور مسح بھی کرے۔

(۳) وضو کے وقت گفتگو نہ کرے۔

(۴) کسی عضو کو تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھویا جائے۔

(۵) حاجت سے زائد پانی صرف نہ کرے۔ اکثر بوجہ وسواس ایسا کیا جاتا ہے مگر اس سے احتراز لازم ہے کہ اہل وسواس کا شیطان مضحکہ کرتا ہے اور اس مضحکہ کنندہ شیطان کا نام ولہان[1] ہے۔

(۶) جو پانی کہ تابش آفتاب سے گرم ہوا اس سے وضو نہ کرے۔

(۷) کانسہ کے ظرف سے بھی وضو نہ کرے۔

آداب غسل

اگر احتلام و جماع سے آدمی مجنب ہو تو غسل کرے آداب غسل یہ ہیں۔

پہلے دونوں ہاتھ کو تین بار دھو ڈالے۔ نجاست بدن سے دور کرے اور وضو کرے مگر پاؤں نہانے کے بعد دھوئے اس وجہ سے کہ (پاؤں دھو کر پھر اس کا زمین پر رکھنا پانی کا ضائع کرنا ہے جب وضو سے فراغت ہو سر پر تین بار پانی ڈالے اور رفع حدث جنابت کی نیت کی ہو

---

[1] ابلیس کے نو لڑکے ہیں ہر ایک کا نام اور عمل حسب ذیل ہے۔

(۱) خنزب، وسوسہ انداز نماز۔

(۲) ولھان، مخل طہارۃ۔

(۳) زلبنور، زائے مفتوحہ اور لام مشددہ سے۔ بیع و شرا میں برائی پیدا کرنے والا جیسے بائعین کا جھوٹی قسم کھانا کیل و میزان کا تفرقہ وغیرہ ان سب ابواب کا یہی محرک ہے۔

(۴) اعور، ترغیب دہندہ زنا۔

(۵) وسنان، بواو مفتوحہ و سین مہملہ ساکنہ۔ نیند کا غلبہ اور نماز میں سستی اسی کی ترغیب سے ہے۔

(۶) شریفوفیہ، دانستہ مصیبتوں اور لڑائیوں میں مبتلا کرنے والا شیطان۔

(۷) داسم، بدال و سین مہملتین۔ زن و شوہر میں جھگڑا ڈالنے والا۔

(۸) مطو، میم مفتوحہ اور طا مہملہ سے محرک کذب۔

(۹) ابیض، یہ انبیاء اور اولیاء کے خدمت میں رہتا ہے انبیاء اس سے محفوظ ہیں اولیاء اس سے بچنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں اگر اللہ نے بچایا تو خیر دگرنہ وہ بھی آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پھر سیدھے مونڈھے پر تین باراور بائیں مونڈھے پر بھی تین باراور بدن آگے اور پیچھے سے تین تین بار ملے اور سر اور داڑھی کے بالوں میں خلال کرے اور بدن کے سلوٹوں میں اور بالوں کی جڑوں میں عام اس سے کہ وہ گھنے ہوں یا تھوڑے پانی پہنچاوے وضو کے بعد اپنے ذکر کو چھونے سے احتراز کرے کیونکہ اس سے وضو کا اعادہ لازم ہوتا ہے فرائض غسل یہ ہیں۔

(۱) نیت۔

(۲) ازالۂ نجاست۔

(۳) کامل جسم کا تر کرنا۔

آداب تیمّم

اگر پانی ڈھونڈنے سے بھی میسر نہ آئے یا بیماری یا درندہ جانور یا جس کا ڈر ہو یا پانی اس قدر ہو کہ صرف تشنگی کے لئے کافی ہو (تشنگی خود کو ہو یا کسی رفیق کو ہو) یا پانی بہ قیمت معمولی نہ ملے یا ایسا زخم ہو کہ پانی کے استعمال سے فساد عضو کا خوف ہو تو ان سب صورتوں میں اس وقت تیمّم جائز ہے جس وقت کہ فرض نماز کا وقت آئے تیمّم کے لئے چاہیے کہ ایسی زمین دیکھے جس پر پاک اور خالص و نرم مٹی ہو اور اس پر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں جوڑ کر ہتڑ مارے اور فرض نماز مباح ہونے کی نیت کرلے اور ان کو اپنے تمام چہرہ پر پھیرا دے غبار کو بالوں کے نیچے پہنچانے میں خواہ وہ تھوڑے ہوں یا بہت وقت نہ اٹھائے پھر انگلی میں اگر انگوٹھی ہو تو انگوٹھی نکال دے اور انگلیاں کھلی رکھ کر دوسری ضرب مارے اور ہاتھوں کا مسح کہنی تک کرے اگر یہ ضرب کافی نہ ہو تو دوسری ضرب مارے تا کہ کامل مسح ہو جائے پھر ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملے اور انگلیوں کے درمیان خلال کرے ایک تیمّم سے ایک وقت کی فرض نماز اور نوافل جتنے چاہیں پڑھ سکتے ہیں دوسری فرض نماز کے لئے جدید تیمّم چاہیے۔

آداب روانگی مسجد

جب طہارت سے فارغ ہو چکے اگر صبح ہوگئی ہو تو صبح کے دو رکعت نماز سنت مکان میں پڑھ لے کہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر مسجد کو جاوے جماعت کو ترک نہ کرے خصوصاً نماز صبح میں کیونکہ تنہا نماز سے جماعت کی نماز ستائیس درجہ افضل ہے مسجد کو

جائے تو جلد جلد نہ چلے وقار اور آہستگی کے ساتھ جائے اور راستہ میں یہ دعا پڑھے[1] اللھم انی اسالک بحق السائلین علیک وبحق الراغبین الیک وبحق ممشای ہذا الیک فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ریاء ولا سمعۃ بل خرجت اتقاء لسخطک وابتغاء مرضاتک فاسالک ان تنقذنی من النار وان تغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

آداب دخول مسجد

مسجد میں داخل ہونے کے وقت سیدھا پاؤں آگے بڑھائے اور یہ دعا پڑھے [2] اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وصحبہ وسلم اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔ مسجد میں بیع وشرا منع ہے اور گمشدہ چیز کی تلاش بھی۔ اگر کوئی ان باتوں میں مشغول ہو تو کہے خدا نہ تمہارے معاملہ میں برکت دیوے اور نہ تمہاری گمشدہ چیز تمہیں ملے حدیث میں یوں وارد ہے کیونکہ مسجد عبادت کے لئے ہے نہ ایسے ابواب کے لئے مسجد میں داخل ہونے کے بعد بغیر دو رکعت تحیۃ مسجد پڑھنے کے نہ بیٹھے اگر طہارت نہ ہو یا تحیۃ مسجد کے پڑھنے کا ارادہ نہ ہو تو تین مرتبہ دعا باقیات الصالحات یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر (اور بعض اس کے بعد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم بھی زیادہ کرتے ہیں) پڑھے اور بعض کہتے ہیں کہ چار بار اور بعضوں کا قول ہے کہ بے وضو تین بار پڑھے اور وضو ہو تو صرف ایک بار اور اگر سنت دو رکعتیں گھر پر نہ پڑھی ہوں تو انھیں دو رکعتوں کا پڑھ لینا تحیۃ المسجد کے لئے بھی کافی ہے جب یہ دو رکعت پڑھ لے تو پھر اعتکاف کی نیت کرے اور یہ دعا جو جناب رسالت مآب ﷺ پڑھا کرتے تھے پڑھے۔

---

[1] اے خدا البتہ چاہتا ہوں میں تجھ سے بطفیل ان لوگوں کے جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف رغبت رکھتے ہیں اور بوسیلہ اس میری رفتار کے جو تیری طرف ہے بہ تحقیق نہیں نکلا میں بدی کے لئے اور نہ بسبیل کراہت اور لوگوں کو دکھلانے اور شہرت کے لئے بلکہ نکلا میں تیرے عذاب سے بچنے اور تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پس میں چاہتا ہوں کہ بچاوے تو مجھ کو دوزخ سے اور بخش دے میرے گناہ کہ نہیں معاف کرتا ہے کوئی گناہ مگر تو۔

[2] اے اللہ رحمت کاملہ نازل کر محمد پر اور انکی آل واصحاب پر سلام۔ اے اللہ میرے گناہ بخشدے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اللھم انی اسالک رحمۃ من عندك تھدی بھا قلبی وتجمع بھا شملی وتلم بھا شعثی وترد بھا الفتی وتصلح بھا دینی وتحفظ بھا غایبی وترفع بھا شاھدی وتزکی بھا عملی وتبیض بھا وجھی وتلھمنی بھا رشدی وتقضی لی بھا حاجتی وتعصمنی بھا من کل سوء۔ اللھم انی اسالک ایماناً خالصاً دایماً یباشر قلبی ویقینا صادقاً حتیٰ اعلم انہ لن یصبنی الا ما کتبتہ علی ورضینی بما قسمۃ لی اللھم انی اسالک ایماناً صادقاً ویقیناً لیس بعدہ کفرو اسالک رحمۃ انال بھا شرف کرامتک فی الدنیا والآخرۃ۔ اللھم انی اسالک الفوز عند اللقاء والصبر عند القضاء ومنازل الشھداء وعیش السعداء والنصر علی الاعداء ومرافقۃ الانبیاء اللھم انی انزل بک حاجتی وان ضعف دائی وقصر عملی وافتقرت الیٰ رحمتک فاسالک یا قاضی الامور ویا شافی الصدور کما تجیر بین البحور ان

الٰہی میں تجھ سے تیرے پاس کی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس سے تو میرے دل کو ہدایت کرے اور میرے امور متفرق کو جمع کرے اور میری پریشانی کو دور کرے اور میری الفت کو پھر لا دے اور میرے دین کی اصلاح کرے اور میرے غائب کی حفاظت کرے اور میرے ظاہر کو بلند کرے اور میرے عمل کو ستھرا کرے اور میرے منہ کو روشن کرے اور میری راہ یابی دل میں ڈالے اور میری حاجت کو برلا دے اور تمام برائیوں سے مجھ کو روکا دے۔ اے خدا میں مانگتا ہوں تجھ سے ایمان خالص اور دائم جو انست رکھے میرے دل سے اور سچائی تاکہ میں سمجھوں کہ نہیں پہنچی مجھ کو کوئی بات مگر وہ جو تو نے میرے لئے لکھا تھا اور راضی ہوں میں اس بات سے جو تو نے میرے حصے میں دیا۔ اے خدا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے سچے ایمان اور یقین کا کہ جس کے بعد کفر نہیں ہے اور تیری رحمت چاہتا ہوں تاکہ بہ وسیلہ اس کے حاصل کروں میں تیری بندگی کے شرف کو دنیا اور آخرت میں اے خدا مانگتا ہوں رسائی رفت لقا اور صبر وقت انصاف کے اور منزلت شہداء کی اور خوشی نیک بختوں کی اور غلبہ دشمنوں پر اور رفاقت انبیاء کی اے خدا تیرے پاس اپنی حاجت پیش کرتا ہوں اگرچہ ضعیف ہے میری رائے اور کمی ہے عمل میں احتیاج ہے مجھ کو تیری رحمت کی پس چاہتا ہوں تجھ سے اے فیصلہ کرنے والے کاموں کے اور شفا دینے والے دلوں کے جس طرح علیحدہ رکھتا ہے...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں ......

تجیرنی من عذاب السعیر ومن فتنة القبور ومن دعوة الثبور۔ اللھم ما قصر عنه رائی وضعف عنه عملی ولم تبلغه نیتی وامنیتی من خیر وعدته احداً من عبادك او خیر انت معطیه احدًا من خلقک فانی ارغب الیک فیه واسالک ایاه یارب العالمین اللھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالّین ولا مضلین حرباً لاعدائک سلمًا لاولیائک نحب بحبک الناس ونعادی بعداوتک من خالفک من خلقک اللھم ہذا الدعاء وعلیک الاجابة وھذا الجھد وعلیک التکلان وانا للہ وانا الیه راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللھم ذاالحبل الشدید

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ .... سو دریاؤں کو آپس میں ملنے سے ایسا ہی بچا مجھ کو عذاب ودوزخ سے اور قبر کے فتنہ سے اور خواستگاری ہلاکت سے اے خدا جس بات کے سمجھنے میں میری رائے قاصر ہو اور جس کام کے کرنے میں میرے عمل میں کوتاہی ہو یا اس نیکی کا قصد وارادہ نہ ہو جو تونے کسی اپنے بندہ کے ساتھ وعدہ کیا ہو یا کسی کو عطا کرنے والا ہو میں خواہش کرتا ہوں اس کی تجھ سے اور مانگتا ہوں اس کو تجھ سے اے پروردگار عالم اے خدا مجھ کو ہدایت کرنے والوں اور ہدایت یافتگان میں شریک کر گمراہ کرنے والے اور گمراہوں میں مت ملا تو اپنے دشمنوں کا دشمن اور دوستوں کا دوست بنا ہم تیری محبت کے لئے لوگوں سے دوستی رکھیں اور تجھ سے خلاف کرنے والوں سے دشمنی اے خدا یہ دعا ہے اور تجھ سے اس کے قبول کی امید ہے یہ کوشش ہے اور تجھ پر بھروسہ ہے ہم ملک ہیں اللہ کی اور اس کے طرف پھرنے والے ہیں طاقت گناہ سے باز رہنے اور قوت عبادت کرنے کی مگر خدا عظیم الشان ہے۔ اے خدا توانا وتوفیق دہندہ مانگتا ہوں تجھ سے اس زجر کے دن اور جنت بروز حشر مقربین کے ساتھ جو کثرت سے نماز پڑھنے والے ہیں اور تیرے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ تحقیق کہ تو رحیم ہے اور انتہاء درجہ کی محبت کرنے والا ہے جو چاہتا ہے تو وہی کرتا ہے پاک ہے موصوف ہے عزت کے ساتھ اور غالب ہے اس میں پاک ہے منصف ہے کبریائی کے ساتھ اور بزرگ ہے اس میں وہ پاک ہے اور میں قبول کرنے والوں کے سوا کوئی سناد شبیح نہیں ہے پاک ہے اور صاحب فضل ونعمت ہے پاک ہے صاحب قدرت واحسان ہے پاک ہے تمام چیزیں اس کے علم میں گنی ہوئی ہیں اے خدا میرے دل کو قبر کو سمع کو بصر کو، مال کو، دوست پوست کو گوشت کو خون کو ہڈیوں کو آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے سب کو منور کر اے خدا زیادہ کر میرے نور کو اور عنایت فرما نور اور مجھ کو نور ہی نور کردے تیری رحمت سے بے ارحم الراحمین۔

والامر الرشید اسالک الامن یوم الوعید والجنة یوم الخلود مع المقربین الشهود الرکع السجود الموفین لک بالعهود انک رحیم ودود انت تفعل ماترید سبحان من تعطف بالعزو قال به سبحان من لیس المجدو تکرمه به سبحانه من لا ینبغی التسبیح الا له سبحان ذی الفضل والنعم سبحان ذی القدر ةوالکرم سبحان الذی احصیٰ کل شیء بعلمه اللهم اجعل لی نوراً فی قلبی ونوراً فی قبری ونوراً فی سمعی ونوراً فی بصری ونوراً فی شعری ونوراً فی بشریٰ ونوراً فی لحمنی ونوراً فی دمی ونوراً فی عظامی ونوراً من بین یدیّ ونوراً من خلفی ونوراً عن شمالی ونوراً من فوقی ونوراً من تحتی اللهم زدنی نوراً واعطنی نوراً واجعل لی نوراً برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اس کے بعد فرض نماز کے پڑھنے تک ذکراور تسبیح اور قرات میں مشغول رہے اس اثنا میں جب موذن اذان شروع کرے تو اس کا جواب دے یعنی اگر وہ اللہ اکبر کہے تو آپ بھی اللہ اکبر کہیے اسی طرح ہر ایک کلمہ مگر حیعلتین میں یعنی جب وہ کہے حی الصلوۃ وحی علی الفلاح تو لاحول لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم[۱] کہے اور بجواب الصلوۃ خیر من النوم[۲] کے کہے صدقت وبررت انا علیٰ ذالک من الشاھدین[۳] کہے اقامت میں بھی اسیطرح کہنا چاہیے مگر قد قامت الصلوۃ کے جواب میں[۴] اقامها الله وادامها ما دامت السموات الارض کہے اور جب جوابات موذن سے فراغت ہو تو یہ دعا پڑھے[۵] اللهم انی اسئلک عند حضور صلواتک واصوات دعائک وادبار لیلک

---

۱ بچنا گناہوں سے اور نہ طاقت عبادت پر مگر اللہ کی مدد سے جو عظیم الشان ہے
۲ نماز بہتر ہے نیند سے۔
۳ سچ کہا اور نیک ہوا تو اور میں اس بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔
۴ قائم رکھے اس کو اللہ اور ہمیشہ رکھے جب تک کہ آسمان وزمین قائم رہیں۔
۵ اے خدا مانگتا ہوں تجھ سے تیرے نماز کے وقت اور آواز دعا کی وقت شب کے جانے اور دن کے آتے وقت یہ کہ بخش مجھ کو، وسیلہ اور فضیلت اور درجہ عالی اور عطا کر ان کو مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور تو خلاف وعدہ نہیں کرتا اے ارحم الراحمین۔

واقبال نهارك ان تؤتي محمدا ن الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذي وعدته انك لاتخلف الميعاد يا ارحم الراحمين اگر نماز کی حالت میں اذان کی آواز آوے تو پہلے نماز تمام کرے اور پھر ادائے جواب کی طرف مشغول ہو اگر نماز با جماعت ہو تو بمجرد تکبیر تحریمہ امام کے مشغول با قتدا ہو اور بعد اتمام نماز کے یہ دعا پڑھے[1] اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وسلم اللهم انت السلام وادخلنا دار السلام تباركت يا ذالجلال والاكرام سبحان ربي العلي الاعلى الوهاب لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو حي لايموت بيده الخير وهو على كل شيء قدير لا اله الا الله اهل النعمة والفضل والثناء الحسن لا اله الا الله ولانعبد الا اياه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون ۔ بعد اس کے دعائے جامع الکلم یعنی وہ دعا پڑھے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو تعلیم فرمائی تھی جو یہ ہے اللهم اني اسالك من الخير كله عاجله وآجله ما علمت منه ومالم اعلم واعوذبك من الشر كله عاجله وآجله ما علمت منه ومالم اعلم واسالك الجنة وما تقرب اليها من قول وعمل ونية واعتقاد واسالك من خير ما سئلك منه عبدك ونبيك محمد ﷺ واعوذبك من شر ما استعاذك منه عبدك ونبيك محمد ﷺ اللهم وما قضيت علي من امر فاجعل

[1] اے خدا رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی آل پر اور سلام ۔ الٰہی تو عیوب سے پاک ہے اور گناہوں سے سلامت رہنا تیری ہی ذات سے ہے اور سلامتی تیری ہی طرف پھیرتی ہے زندہ رکھ ہم کو اے خدا سلامتی کے ساتھ اور داخل کر جنت میں بڑائی اور بزرگی تیرے ہی لئے ہے پاک ہے میرا رب سب سے زیادہ بڑا اور بخشش والا ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے لئے ملک ہے اور ستائش ہے جو زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اس کو موت نہیں ہے اسی کے ہاتھ میں ہے نیکی اور ہر چیز پر وہ قادر ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو صاحب نعمت و فضل و ثنا ہے نہیں ہے معبود مگر اللہ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں خلوص نیت کے ساتھ اور اسی کے لئے ہے بندگی اگرچہ کفار برا جانیں ۔

عـاقبتـه رشدا[۱] اس کے بعد وہ دعا پڑھے جس کے پڑھنے کی وصیت رسالت مآب ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو کی تھی یعنی یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام لااله الاانت برحمتک استغیث ومن عذابک استجیر لاتکلنی الی نفسی ولا الی احد من خلقک طرفة عین واصلح لی شانی کله بما اصلحت به الصالحین[۲] پھر دعا عیسیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھے یعنی اللهم انی اصبحت لا استطیع دفع ماا کرهُ ولا املک نفع ما ارجوفاصبح الامر بیدك لا بید غیرك واصبحت مرتهنا بعملی فلا فقیر افقرمنی الیک ولا غنی اغنیٰ منک عنی اللهم لا تشمت بی عدوی ولا تسوبی صدیقی ولا تجعل مصیبتی فی دینی ولا تجعل الدنیا اکبر همی ولا مبلغ علمی ولا تسلط علی بذنبی من لا یر حمنی[۳] اس کے بعد دعوات مشہورہ سے جو میسر ہو پڑھے بہر حال نماز صبح پڑھنے کے بعد طلوع آفتاب تک اوقات چار کاموں کے لئے منقسم ہوں اس ترتیب سے۔

(۱) وظیفہ دعوات۔

---

[۱] الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان کل نیکیوں کا جو سر دست ملنے والے ہوں یا آئندہ ملیں جس کا مجھ کو علم ہے اور نہیں ہے اور پناہ چاہتا ہوں حال اور آیندہ کی تمام برائیوں سے جس کا مجھے علم ہے اور نہیں ہے اور سوال کرتا ہوں جنت کا اور ایسے قول وعمل ونیت واعتقاد کا جو جنت کے نزدیک کردے اور اس نیکی کا جس کا سوال تیرے بندہ اور نبی محمد ﷺ نے کیا ہے اور پناہ چاہتا ہوں ان برائیوں سے کہ جن سے تیرے بندہ اور نبی محمد ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ اے اللہ جو بات میری تقدیر میں تو نے لکھی ہو اس کا انجام بخیر کر۔

[۲] اے زندہ وتوانا اے صاحب عزت وکرم نہیں ہے کوئی لائق عبادت مگر تو۔ تیری ہی رحمت سے حل مشکل چاہتا ہوں اور تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں مت سپرد کر مجھ کو میرے نفس کے اور کسی مخلوق کے دم بھر۔ اور درست کردے میرا حال اس چیز سے جس سے کہ تو نے نیکیوں کی حالت درست کی ہے۔

[۳] الٰہی میں ایسا ہوں کہ جو بات مجھے بری معلوم ہوتی ہے اس کو ٹال نہیں سکتا اور اس نفع کو حاصل نہیں کر سکتا جس کی توقع کرتا ہوں کام تیرے ہاتھ میں ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور میں اپنے عمل میں پھنسا ہوں تیرے پاس مجھے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے اور تجھ سے زیادہ تر بے نیاز کوئی نہیں ہے الٰہی شماتت اعدا میں مت مبتلا کر اور میرے دوستوں کو میری وجہ سے رنجیدہ مت کر اور مجھ کو دین میں مصیبت زدہ مت کر اور دنیا کو میرا مقصود اعظم اور میرے علم کا انتہائی نتیجہ مت بنا اور میرے گناہ کی وجہ سے ایسے شخص کو مجھ پر غالب مت کر جو رحم نہ کرے۔

(۲) وظیفۂ اذکار و تسبیحات۔

(۳) وظیفۂ قرأت قرآن۔

(۴) وظیفۂ تفکر۔

وظیفۂ تفکر میں جن باتوں کا خیال ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ذنوب (۲) خطیئات (۳) قصور عبادت (۴) خوف عذاب (۵) تضیع اوقات تدارک مافات تاکہ کوئی برائی سرزد نہ ہو۔ طاعات ممکنہ کے ادا کرنے کا خیال رہے اور اس میں بھی افضلیت کا لحاظ ہو اور نیز قرب اجل اور امیدوں کو کاٹنے والی موت کو نہ بھولے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ قریب تر سب اختیارات سلب ہو جائیں گے۔ طول امید سے سوائے حسرت وندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا اذکار و تسبیحات میں ادعیہ مابعد کا ورد چاہیے۔

(۱) [1]لاالٰہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

(۲) [2]لاالہ الااللّٰہ الملک الحق المبین۔

(۳) [3]لاالہ الااللّٰہ الواحد القھار رب السمٰوات والارض وما بینھما العزیز الغفار۔

(۴) [4]سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولاالٰہ الااللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔

(۵) [5]سبوح قدوس رب الملٰئکۃ والروح۔

(۶) [6]سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم۔

(۷) [7]استغفرا للّٰہ العظیم الذی لاالٰہ الاھوالحی القیوم

---

[1] نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ ایک ہے وہ اور اس کا کوئی شریک نہیں سب تعریف اسی کے لئے ہیں زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اور اس کو فنا نہیں ہے اسی کے ہاتھ میں نیکی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[2] نہیں ہے معبود مگر اللہ جو قادر اور ثابت ہے اور ہدایت کا اظہار کرنے والا ہے۔ [3] نہیں ہے معبود مگر اللہ جو ایک اور قہار ہے مالک آسمان و زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے غالب اور بخشنے والا۔

[4] پاک ہے اللہ اور اس کے لئے حمد ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی اور وہ بہت بڑا ہے نہیں ہے قوت اور طاقت مگر خدا عظیم الشان ہے۔ [5] پاک و منزہ ہے اور فرشتوں اور روح کا صاحب ہے۔ [6] پاک ہے اللہ اور تعریف اسی کے لئے ہے پاک ہے وہ خدائے بزرگ۔ [7] مغفرت چاہتا ہوں اس اللہ سے جو بڑا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے اس سے نجات اور مغفرت چاہتا ہوں۔

واسالہ التوبۃ والمغفرۃ۔

(۸) ۱؎اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا راد لما قضیت ولا ینفع ذالجد منک الجد۔

(۹) ۲؎اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد وصحبہ وسلم۔

(۱۰) ۳؎بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔

ہر ایک دعا کو سو مرتبہ ستر یا اقل مرتبہ دس بار پڑھے۔ قبل طلوع آفتاب کے سکوت اولیٰ ہے حدیث شریف میں ہے کہ ان اذکار کا ورد آٹھ بندے (اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے) آزاد کرنے سے افضل ہے۔

ذکر ان آداب کا جو طلوع آفتاب سے زوال تک لازمی ہیں

بعد طلوع کے جب آفتاب بقدر ایک نیزہ کے بلند ہو تو دو رکعت نماز پڑھیں مگر احتیاط یہ ہے کہ کراہت کا وقت زائل ہو جائے۔ کیونکہ فرض نماز صبح کے متصل کسی اور قسم کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ جب آفتاب بلند ہو اور چوتھائی دن نکل آئے تو نماز ضحیٰ پڑھے۔ چار یا چھ۔ یا آٹھ رکعت مگر دوگانہ دوگانہ ادا کرے۔ بہرکیف چونکہ نماز عمل نیک ہے اس میں کمی و زیادتی اپنی اپنی ہمت اور مرضی پر موقوف ہے۔ طلوع آفتاب سے زوال تک سوائے نماز مذکورہ کے اور کوئی نماز نہیں ہے ان سب عبادتوں کے بعد جو وقت بچا رہے اس کی تقسیم حسب ذیل تفصیل چار طرح ہونی چاہیے۔

یا تو وہ وقت طلب علم دین میں صرف ہو کہ بیکار وقت کا ضائع کرنا محض فضول ہے علم

۱؎اے خدا تیرے دین کا کوئی مانع نہیں ہے اور جس چیز کو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں ہے تیرے ارادہ کو کوئی پلٹنے والا نہیں۔ مگر تونگروں کی تونگری تیرے پاس کارآمد نہیں ہے۔

۲؎اے خدا رحمت نازل کر محمد اور ان کے آل واصحاب پر۔

۳؎اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں کہ جس کے نام کے ساتھ آسمان وزمین میں کوئی چیز ضرر نہیں پہنچاتی وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دین وہی ہے کہ جس سے خدا کا خوف زائد ہو۔ اور عیوب ذاتی پر اطلاع ہو۔ خداوند عالم کی خواہش پیدا ہو۔ دنیا کی رغبت گھٹے آخرت کا لگاؤ بڑھے۔ کردار بد سے ڈرتا رہے۔ مکر وکید شیطان سے خائف ہو کیونکہ اس کے مکر نے ان علماء کو خدا کے غضب میں مبتلا کر دیا ہے۔ کہ جن کا ظاہر وباطن یکساں نہیں ہے اور جو محض گندم نما اور جو فروش ہیں یعنی وہ جو دنیا کے مقابلہ میں دین کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے بلکہ علم کو ایک عمدہ ذریعہ حصول اموال سلاطین اور اوقاف یتامی ومساکین کا خیال کرتے ہیں اور اپنے تمام اوقات عزیز کو طلب جاہ ومباہات دنیوی یا فضول مجادلہ اور مناقشہ میں صرف کر دیتے ہیں جو وقت کہ تعلیم سے بچے رہے وہ کتاب فقہ کے مطالعہ میں صرف کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عبادات اور خصومات خلق کے جانچ کا ایک عمدہ ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اور ایسے عجیب وغریب مسائل معلوم ہوتے ہیں کہ جو انسانی معاشرت کے لئے بہت ہی کارآمد ہیں یہی علم حق وباطل کے امتیاز کا معیار ہے اور انصاف کا ترازو مگر اس علم کا حصول بھی بعد فراغ ان علوم کے ہے جو منجملہ کفایہ ہیں جیسے علم طب وغیرہ۔

فائدہ:

اور ادواذ کار مذکورہ بالا کے توغل میں اگر کسی قدر طبیعت پر بوجھ معلوم ہو اور رغبت کم پائی جائے تو سمجھ لو کہ شیطان کا دخل دل میں ہو گیا اور ہلاکت کا وقت آ گیا پس اس سے ضرور بچو کیونکہ شیطان جب ایسی غفلت میں انسان کو مبتلا دیکھتا ہے تو پھر خود ہی اس کے حال پر ہنسا کرتا ہے برخلاف اس کے اگر تحصیل علوم نافع میں دلچسپی ہو کسل وکہالت عاید حال نہ ہو نیت بھی محض خیر ہو یعنی یہ کہ اعمال واقوال سے احیائے احکام دین کی کوشش کی جائے گی تو یہ ہر قسم کے نوافل عبادات سے افضل ہے اگر نیت میں فتور ہو۔ اور تحصیل علم حصول غرور کا ذریعہ ہو جائے جیسا کہ اکثر جہال میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو ایسا عمل باعث مزلت اقدام ہے۔

(۲) اگر تحصیل علم نافع کی قدرت نہ ہو اور ذکر وتسبیح وقرأت قرآن اور نماز میں مشغول ہو تو یہ درجہ بھی عابدین کا اور سیرت صالحین کا ہے کہ اس سے بھی نجات پا سکتا ہے۔

(۳) اگر اس سے بھی فرصت ہو تو ان ابواب کے طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ جس سے عامہ مؤمنین کو فائدہ اور مسرت پہنچے اور اعمال صالحین میں تائید ہو۔ جیسے فقہاء اور صوفیائے کرام کی خدمت بیمار پرسی، تیمارداری، مسکینوں کو کھلانا، مشایعت، جنازہ کے ایسے کام ادائے نوافل سے افضل ہیں۔

(۴) اگر اشتغال امور متذکرہ بالا کی توفیق نہ ہو تو اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے حصول کی

ہی کوشش کرے کہ وہ بھی عبادت ہے اور تا بہ امکان مسلمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے کہ یہ اصحاب یمین کا درجہ ہے اور اقل مدارج دین سے ہے اب ان ابواب کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے کہ جس سے احتراز واجب ہے کہ وہ شیطان کے مرغوب الیہ ہیں العیاذ باللہ۔ (۱) ایسے افعال کا ارتکاب کہ جس سے دین کی بربادی ہو۔ (۲) مخلوق کو ایذاء پہنچانا کہ یہ ہالکین کی صفت ہے۔ اور بدترین اعمال سے ہے۔ بہرکیف بالحاظ مدارج امور دینی کے انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

(۱) سالم وہ جو صرف ادائے فرائض اور ترک معاصی پر اکتفا کرے۔

(۲) رائج۔ کہ جو ادائے نوافل پر بھی قادر ہو۔

(۳) خاسر۔ وہ جو ادائے امور متذکرہ بالا سے مقصر ہو۔

پس انسان کو چاہیے کہ حتی الامکان رائج ہونے کی کوشش کرے۔ بالفرض اگر اس درجہ پر نہ پہنچے تو سالم تو ہو۔ لیکن معاذ اللہ خاسر نہ ہو جائے۔ اور نیز بمقابلہ سایر عباد کہ انسان کی حالت تین قسم پر ہے۔

(۱) بندگان خدا کے حصول اغراض میں بدل ساعی ہو اور ان کے اسباب مسرت کے مہیا کر دینے میں کوتاہی نہ کرے۔ یہ درجہ ملائکہ کرام البررہ کا ہے۔

(۲) اقل درجہ اتنی قدر ہو کہ ۔ مراز خیر تو امید نیست شر مرسان یہ درجہ بہائم و جمادات کا ہے۔

(۳) عقارب وسباع کا درجہ ہے یعنی ۔ نیش اقرب نہ درپے کین ست ۔ مقتضای طبیعتش اینست ۔ بہرحال اگر درجہ ملائکہ تک عروج نہ کرے تو درجہ بہائم و جمادات سے بھی نہ گزر جائے اس بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وقت یا تو امور معاش کے حاصل کرنے میں صرف کیا جائے یا معاد کے اگر امور معاش میں توغل ہو تو نیت تائید امور میعاد کی بھی ضرور ہے۔ اگر لوگوں کے میل جول کے ساتھ اموز دین کی حفاظت معرض خطر میں ہو تو عزلت بہتر ہے۔ عزلت میں بھی اگر وسواس پیچھا نہ چھوڑے اور درود وظائف سے بھی اس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہو سکے تو ایسے عزلت و بیداری سے نوم اولیٰ ہے۔

آداب نماز

نماز ظہر کے لئے زوال سے پہلے آمادہ رہنا چاہیے نماز تہجد وغیرہ کے لیے جاگنے کی

عادت ہوتو قیلولہ مناسب ہے بشرطیکہ زوال کے پہلے فارغ ہو جائے۔ قیلولہ مثل سحر کے ہے یعنی جیسا کہ سحر کرنے سے روزہ میں مدد ملتی ہے ایسا ہی قیلولہ سے عبادت شب میں تائید ہوتی ہے بغیر عبادت شب کے قیلولہ کرنا گویا سحر کر کے روزہ نہ رکھنا ہے بہر حال اگر قیلولہ کیا گیا ہوتو زوال کے قبل اٹھ کر وضو کرے اور مسجد میں داخل ہو کر نماز تحیہ پڑھے اور بمجرد اذان کے چار رکعت نماز ادا کرے۔ جناب رسالت مآب ﷺ اس نماز کو طول قرأت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور یہ ارشاد ہوا کرتا تھا کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلا رہتے ہیں۔ میں دوست رکھتا ہوں کہ اس وقت اعمال نیک کا صعود ہو۔ یہ چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس نے یہ چار رکعت پڑھے اور رکوع وسجود کو اچھی طرح سے ادا کیا تو ستر ہزار فرشتے اس کی نماز میں شریک ہوتے ہیں اور شام تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں پھر امام کے ساتھ چار رکعت فرض پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ۔ بعد فراغت نماز کے عصر تک ادائی امور مفصلہ ذیل میں مشغول رہے۔ (۱) تعلیم (۲) اعانت مسلمانان (۳) قرأت قرآن (۴) تحصیل معاش بہ نیت تائید دین۔ پھر قبل از عصر چار رکعت سنت پڑھے۔ (اس کے مؤکد وغیر مؤکد ہونے میں اختلاف ہے) مگر اس سنت کے بہت بڑے فضائل ہیں حدیث شریف میں وارد ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ رحم اللہ امرأ صلی اربعاً قبل العصر۔ فرمایا سرور کائنات ﷺ نے کہ رحم کرے اللہ اس شخص پر کہ جس نے عصر کے قبل چار رکعت نماز پڑھا پس ضرور ہے کہ اس دعا میں شریک ہونے کی کوشش کی جائے عصر کے بعد مغرب تک اپنے اوقات کی حفاظت اسی ترتیب سے کرے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اذکار کا وقت ضائع نہ ہو یہی فائدہ حفظ اوقات شبانہ روز کا ہے مگر عمدہ ترتیب حفظ اوقات کی یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے ایک خاص شغل مقرر ہو کہ اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اگر اس قسم کا التزام رہے تو وقت کی برکت معلوم ہو سکتی ہے اگر حفظ اوقات کا خیال نہ ہو اور مہمل اوقات مثل جانوروں کے (کہ جن کو اپنے وقت کی قدر و قیمت ہی نہیں ہوتی) صرف ہوں تو بڑی حسرت وندامت کی بات ہے کیونکہ عمر راس المال ہے اس کا ہر لحظہ حفاظت کے لائق ہے بجز تحفظ اوقات کے نعیم دارالابد کے حصول کا کوئی عمدہ ذریعہ نہیں ہے ہر لحظہ ایک جوہر بے بہا ہے کہ جس کا بدل نہیں۔ اگر رائگاں کھو دیا جائے تو پھر اس کا ملنا دشوار ہے پس مثل احمقوں کے طلب جاہ و مال دنیوی میں اپنے اوقات کو ضائع کرنا بے وقوفی میں داخل ہے سب سے بہتر ذریعہ حفظ اوقات کا یہ ہے کہ

از دیاد علم و عمل صالح میں صرف ہو یہ دونوں ایسے رفیق ہیں کہ کبھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتے بخلاف اہل وعیال اور احباب و مال کے کہ جن سے بمجرد قبض روح کے مفارقت ہو جاتی ہے مگر علم و عمل کا ساتھ نہیں چھوٹتا۔ الحاصل جب آفتاب مائل بہ زردی ہو تو نماز مغرب کا تہیہ شروع کیا جائے مسجد میں داخل ہو کر تسبیح و تحلیل میں مشغول رہے کیونکہ یہ وقت بھی مثل وقت صبح کی فضیلت رکھتا ہے بمضمون آیہ کریمہ۔ [۱] وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ۔ اور قبل غروب آفتاب کے سورۂ والشمس اور واللیل اور معوذتین پڑھا کرے۔ بہر حال غروب آفتاب تک استغفار میں مشغول رہے جب اذان کہی جاوے تو جواب اذان کے بعد یہ دعا پڑھے [۲] اللهم انی اسئلک عند اقبال لیلک وادبار نهارك وحضور صلاتک نحو اصوات دعائک عن توتی محمداً الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه المقام المحمود الذی وعدته انک لا تخلف الميعاد یا ارحم الراحمين

۔ پھر نماز فرض پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ اس کے بعد چار رکعت سنت اوابین طول قیام کے ساتھ پڑھے اگر ممکن ہو تو نماز عشاء تک اعتکاف کی نیت کی جاوے قرآن و نماز پڑھتے ہوئے عشاء تک وقت صرف کرنا بے حد فضائل کا باعث ہے۔ (صلوۃ اوابین کو ناشیۃ اللیل بھی کہتے ہیں کہ جس کی فضیلت کلام باری عزاسمہ میں وارد ہے ان ناشئة الليل هی اشد وطأ و اقوم قيلا سرور کائنات ﷺ سے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آیۂ کریمہ تتجافى جنوبهم عن المضاجع کے معنیٰ ارشاد فرمائے تو آپ نے کہا کہ یہ وہی نماز ہے جو مابین عشاء اور مغرب کے پڑھی جاتی ہے کہ جس سے تمام دن کے لغویات محو ہو جاتے ہیں اور وقت مابعد کی حفاظت ہوتی ہے) جب عشاء کا وقت ہو تو قبل فرض کے چار رکعت نماز پڑھے اذان و اقامت کے درمیان جو دعا کی جائے رد نہیں ہوتی پھر فرض نماز پڑھے اور بعد فرض کے دو رکعت سنت مؤکدہ

---

[۱] تسبیح کر اپنے پروردگار کی حمد کے طلوع و غروب آفتاب کے قبل۔

[۲] اے خدا سوال کرتا ہوں میں تجھ سے شب کے آنے کے وقت دن کے جانے کے وقت اور نماز کے وقت مثل آواز ان لوگوں کے جو تیری بارگاہ میں دعا کرتے ہیں یہ کہ بخش محمد کو وسیلہ فضیلت اور درجہ عالی اور ان کو اس مقام محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور تو خلاف وعدہ نہیں کرتا اے ارحم الراحمین۔

اوران دورکعت میں سورہ الم سجدۂ تبارک الملک یاسین شریف یا سورۂ دخان پڑھے کہ آنحضرت ﷺ سے اس طرح مروی ہے پھر چار رکعت مستحب پڑھے کہ حدیث شریف میں اس کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے پھر نماز وتر کہ تین رکعت پڑھے خواہ ایک سلام سے یا دو سلام سے اکثر جناب رسالت مآب ﷺ اس طرح اس نماز میں سورۂ سبح اسم ربک الاعلیٰ قل یا ایھاالکافرون، اخلاص، معوذتین، پڑھا کرتے تھے اگر قیام کا عزم ہو تو وتر کو سب کے آخر میں پڑھے اس کے بعد سوائے مذاکرۂ علم و مطالعہ کتب کے دوسرے لہولعب میں مشغول نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ انما الاعمال بالخواتم یعنی اعمال میں امور عواقب کا اعتبار ہے اس میں کسی برائی کا شریک ہو جانا اچھا نہیں ہے۔

آداب نوم

سونے کے لئے بچھونا ایسی ترکیب سے بچھایا جائے کہ جس پر روبقبلہ سونا ممکن ہو داہنے بازو ایسا سوئے جیسا کہ میت کو لحد میں لٹایا کرتے ہیں اور یہ بات پیش نظر رہے کہ نوم مثل موت کے ہے اور بیداری مانند بعث کے ممکن ہے کہ حالت نوم میں روح قبض ہو جاوے لہذا مشتاق لقائے جمال کبریا عزاسمہ کو چاہیے کہ باوضو آرام کرے جو کچھ وصیت ہو لکھ کر سرا ھنے رکھے گناہوں سے توبہ کرے اور یہی عزم بالجزم ہو کہ پھر گناہ کا ارتکاب نہ ہو گا تمام مسلمانوں کے ساتھ نیکی کا خیال رکھے اور یہی سمجھے کہ قریب تر لحد میں ایسا ہی تنہا سونا ہے کہ جہاں سوائے اعمال کے کوئی ساتھ نہ ہوگا اور ثواب بغیر سعی کوشش کے نہ ملے گا اور بتکلیف نیند کو اپنے اوپر طاری کر لینا نہ چاہیے کیونکہ نیند کیا ہے حیات کو معطل کرنا ہے الا اس صورت میں کہ جاگنے سے صحت میں خلل آتا ہے کہ اس حالت میں سونا سلامتی دین کا ذریعہ ہے رات دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں ان میں سے رات دن آٹھ گھنٹوں سے زیادہ نہ سونا چاہیے یہ بھی کچھ کم نہیں ہیں کیونکہ کوئی شخص ساٹھ برس زندہ رہا تو اس میں بیس برس سونے میں گزر گئے جو اس کی عمر کا تیسرا حصہ ہے سونے کے وقت سراہنے مسواک اور وضو کے لئے پانی مہیا رہے قیام لیل کا عزم بھی ہو یا قبل صبح کے اٹھے آدھی رات کو دو رکعت نماز کا پڑھنا ایک ایسے خزانہ خیر کا جمع کرنا ہے جو کمال احتیاج کے وقت (یعنی قبر میں) کام دے گا کہ جہاں دنیا کا سب مال بے کار

ہو جاتا ہے سونے کے وقت یہ دعا پڑھے[1] باسمک ربی وضعت جنبی وباسمک ارفعہ فاغفرلی ذنبی اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادك اللھم باسمک احیی واموت اعوذبک اللھم من شر کل ذی شر ومن شر کل دابة انت آخذ بناصیتها ان ربی علی صراطٍ مستقیم اللھم انت الاول فلیس قبلک شیئی وانت الآخر فلیس بعدك شیئی وانت الظاہر فلیس فوقک شیئی وانت الباطن فلیس دونک شیئی اقضی عنی الدین واغننی من الفقر اللھم انت خلقت نفسی وانت تتوفاہا لک محیاہا ومماتہا ان امتہا فاغفرلہا وان احیتہا فاحفظہا بما تحفظ به عبادك الصالحین اللھم انی اسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والآخرة اللھم ایقظنی فی احب الساعات الیک واستعلنی باحب الاعمال الیک لتقربنی الیک زلفی وتبعدنی عن سختک بعدا اسئلک فتعطنی واستغفرك فتغفرلی وادعوك فتستجیب لی اس کے بعد آیۃ الکرسی، آمن الرسول آخر سورت تک، اخلاص، معوذتین، الملک پڑھے اور

---

[1] یا اللہ تیرے نام کے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور اسی کے بدولت اٹھاؤں گا اس کو پس بخشدے میرے گناہ اے خدا بچا عذاب سے اپنے اس روز جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اے خدا تیرے نام پر اٹھا اور مار مجھ کو اے خدا پناہ مانگتا ہوں تجھ سے شر سے ہر صاحب شر کے اور ہر ایک چار پایہ سے تو پکڑنے والا ہے چوٹی ان کی تحقیق کے خدا راہ راست بتلانے والا ہے اے اللہ تو اول ہے سو نہیں ہے تیرے پہلے کچھ اور تو آخر ہے سو نہیں ہے بعد تیرے کوئی چیز اور تو بلند ہے سو نہیں اوپر تیرے کوئی چیز تو باطن ہے سو نہیں سوا تیرے کوئی چیز پورا کر ہم سے قرض کو اور بے نیاز کر ہم کو فکر سے الہی تو نے پیدا کیا میرے نفس کو اور تو ہی مارے گا اس کو تجھ سے ہے اس کا زندہ رکھنا اور مارنا اگر مارے تو اس کو تو بخشدے تو اس کو اور اگر زندہ رکھے اس کو تو حفاظت کر اس کی ان چیزوں سے جس سے تو اپنے پرہیزگار بندوں کو بچاتا ہے اے خدا میں تجھ سے عضو چاہتا ہوں اور عاقبت دین اور دنیا اور آخرت میں اے خدا مجھ کو اٹھا ایسے ساعت میں جو تیرے سے زیادہ پسندیدہ اور مصروف رکھ ایسے عمل میں جو تیرے پاس محبوب تر ہو تا کہ تیرے پاس میرا تقرب زیادہ ہو اور اپنے عذاب سے تو مجھ کو دور رکھ تجھ سے سوال کرتا ہوں پس عطا کر مجھ کو تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں پس بخشدے مجھ کو اور دعا کرتا ہوں میں تجھ سے پس قبول کر تو میری دعا کو۔

یوں ہی اللہ کا ذکر کرتا ہوا سو جائے با وضو سونا بہت بڑی فضیلت رکھتا ہے کہ روح عرش کی سیر میں مصروف رہے گی بیدا ہونے تک وہ مثل نماز پڑھنے والے کی طرح سمجھا جائے گا اور جب بیدار ہو تو ان باتوں کو عمل میں لائے جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور عمر بھر اس ترکیب کا پابند رہے اور جو اس کی پابندی اور مداومت شاق گزرے تو اس طرح صبر کرے جس طرح کوئی بیمار شفا کے انتظار میں تلخی دوا پر صبر کرتا ہے اور کوتاہی عمر کا خیال کرے اور سمجھے کہ اگر مثلاً میں سو برس زندہ رہا تو یہ مدت بنسبت اس مدت کے جو مجھے دار آخرت میں رہنا ہے اور جس کی انتہا نہیں ہے بہت ہی کم ہے اور یہ سوچے کہ جب میں اس امید پر کہ دنیا میں مثلاً بیس برس تک راحت اور آرام میں رہوں گا مہینہ یا سال بھر کی مشقت وذلت کی پرواہ نہیں کرتا تو اس امید پر کہ ابدالاباد راحت وآرام میں رہوں گا اس کی دنیوی زندگانی کے چندروزہ مشقت سے (جو عبادت میں ہو) کیوں اکتا جاؤں اور اس کی برداشت کیوں نہ کروں اور زندہ رہنے کی امید کو طول نہ دے بلکہ یوں سمجھ لے کہ موت قریب ہے اور دل میں کہے کہ مجھ کو آج کے دن کی عبادت کی مشقت اٹھالینی چاہیے اس لئے کہ شاید آج رات میں مرجاؤں اور رات پائے تو کہے کہ آج رات کے عبادت کی مشقت پر صبر کرتا رہوں اس لئے کہ شاید کل مرجاؤں کیونکہ موت کے آنے کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے کوئی خاص حالت نہیں ہے کوئی مخصوص عمر کی قید نہیں ہے بہرحال وہ آنے والی ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کب آئے گی اس صورت میں زاد آخرت کی فکر بہ نسبت دنیا کی فکر کے اولیٰ وانسب ہے اور نیز جانے کے مجھے دنیا میں بہت تھوڑے دن زندہ رہنا ہے سو ممکن ہے کہ میری عمر کا ایک ہی دن باقی رہا ہو ایک ہی لحظہ غرض کہ ہر روز یہی خیال کرے اور مشقت عبادت پر صبر کرتا جائے بخلاف اس کے اگر یہ جانے کہ میں مثلاً پچاس برس زندہ رہوں گا اور پھر مشقت عبادت پر صبر کرنے کا ارادہ کرے تو دل عبادت سے اکتا جائے گا اور عبادت دشوار معلوم ہونے لگے گی اگر اس طرح عمل کیا جائے گا جس طرح کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں تو مرنے کے وقت بے انتہاء مسرت ہوگی اگر عبادت ایک وقت سے دوسرے وقت پر ڈالی جائے اور اس میں سستی کی جائے تو موت اچانک آجائے گی اور سخت سے سخت حسرت ہوگی صبح کو وہی مسافر منزل پر پہنچ کر آرام وچین سے رہتے ہیں جو رات کو راہ طے کرتے ہیں اس طرح وہی لوگ مرتے دم مسرت حاصل کرتے ہیں جو اپنی عمر عبادت میں گزارتے ہیں یہ باتیں اچھی طرح معلوم ہونے کا ایک دوسرا وقت ہے یعنی موت۔ جب ہم ترتیب اور راہ کو بتا چکے ہیں تو اب نماز اور روزہ کی کیفیت اور ان کے آداب اور نیز امامت اور جمعہ کے آداب بیان کرتے ہیں۔

آداب الصلوٰۃ

جب وضو سے اور بدن اور کپڑے اور جگہ کی نجاست پاک کرنے سے فارغ ہو جاؤ اور ناف سے زانو تک ستر کر چکو تو قبلہ رخ دونوں پاؤں میں کچھ فاصلہ دیکر اس طرح کھڑے ہو کہ وہ مل نہ جائیں اور سیدھے کھڑے رہو اور شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے قل اعوذ برب الناس پڑھ لو اور دل کو خدا کی عبادت کے لئے حاضر رکھو اور اس کو وسوسوں سے خالی رکھو اور اس بات پر نظر ڈالو کہ کس کے حضور میں کھڑے ہو اور کس سے مناجات کر رہے ہو اور اپنے مالک کی عبادت ایسے دل سے کرنے پر شرماؤ جو اس سے غافل رہے اور دنیاوی وساوس اور نفسانی خواہش سے بھرا ہو اور یہ سمجھو کہ خدا تمہاری دلی کیفیات پر مطلع ہے۔ اور تمہارے قلب کو دیکھ رہا ہے اور خدا کی درگاہ میں تمہاری نماز کی مقبولیت بقدر تمہارے دلی خشوع وخضوع وعجز ونیاز کے ہوتی ہے اس لئے نماز ایسے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھتا ہے اور اگر اس وجہ سے کہ تم خدا کے جلال کی معرفت سے قاصر ہو نماز میں تم کو حضور قلب میسر نہیں ہوتا اور تمہارے اعضاء تمہارے قابو میں نہیں رہتے تو یہ خیال کرو کہ ایک صالح آدمی جو تمہارا بزرگ ہے تمہاری نماز کی کیفیت معلوم کرنے کی غرض سے تمہاری طرف دیکھ رہا ہے جب یہ خیال کرو گے تو تمہارا دل حاضر اور تمہارے اعضاء ساکن ہو جائینگے اب اپنے نفس کی طرف خطاب کر کے کہو کہ اے نفس بدکار کیا تو اپنے خالق اور مالک سے اس بات پر نہیں شرماتا کہ جب تو نے اس بات کا خیال کیا کہ اس کے بندوں میں سے ایک ذلیل بندہ جس کے ہاتھ میں نہ تیرا نفع ہے نہ نقصان تیری طرف دیکھ رہا ہے تو تیرے اعضاء متواضع ہو گئے اور نماز اچھی طرح سے ادا کی گئی پس بڑے غضب کی بات ہے کہ تو یہ جانتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور پھر خشوع وخضوع نہیں کرتا کیا تیرے نزدیک خدا تعالیٰ کا رتبہ اس کے بندوں سے بھی کمتر ہے دیکھ یہ کس درجہ کی سرکشی ہے اور کیسا کچھ جہل ہے اور کیسا بڑا ظلم غرض یہ کہ ان خیالات اور حیلوں سے دل کا علاج کرے تا کہ وہ نماز میں حاضر رہے اور دولت حضور قلب میسر ہو کیوں کہ نماز کا اسی قدر حصہ کار آمد ہے جو سوچ سمجھ کر ادا کیا گیا ہو اور جو حصہ کہ سہو

اور غفلت کے ساتھ ادا ہوا ہو وہ استغفار اور کفارہ کا محتاج ہے جب قلب کو حاضر کر چکے تو تنہا فرض نماز کے لئے پہلے اقامت کہے اگر جماعت کے ساتھ ہو تو اذان اور اقامت ہر دو (منفرد شخص کے لئے اذان کا مستحب نہ ہونا اس لئے ہے کہ اذان سے صرف اعلان مقصود ہے تنہائی میں سوائے اپنی ذات کے دوسرے پر اعلان کا موقع ہی نہیں ہے تو پھر اذان کی ضرورت ہی کیا یہ امام شافعی کا قدیم قول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مفرد کے لئے بھی اذان کا کہنا مستحب ہے مگر فرق یہ ہے کہ جنگل وصحراء میں تو پکار کر کہے وگرنہ آہستہ) پھر نیت اس نماز کی کرے جسکا ادا کرنا مقصود ہے (بہ تعین وقت، خواہ فرض ہو یا سنت یا قصر وغیرہ مقتدیوں کو اقتداء کی بھی نیت کرنی چاہیئے استحضار صلوٰۃ کے ساتھ۔ استحضار دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی استحضار حقیقی وہ ہے کہ نماز کی ترکیب بہ تفصیل اجزاء پیش نظر رہے یعنی ہر ایک جز کا یکے بعد دیگرے مستحضر رہنا ضروری ہے استحضار عرفی وہ ہے کہ بہ ہیئیت اجتماعی نماز کے ترکیب مستحضر رہے۔ چونکہ نماز نیت کے ساتھ مقترن ہے لہٰذا مقارنت بھی دو قسم پر ہے حقیقی اور عرفی مقارنت حقیقی وہ ہے کہ ادائے صلوٰۃ کا خیال شروع تکبیر سے ادا تک برابر رہے کسی جز میں غفلت نہ ہو مقارنت عرفی وہ ہے کہ تکبیر کے کسی ایک جز کے ساتھ اقتران ہو) یعنی یہ نیت کرے کہ میں اس وقت کی مثلاً ظہر اللہ کے لئے پڑھتا ہوں تکبیر کے وقت یہ نیت دل میں ہو اور تکبیر سے فارغ ہونے کے قبل دل سے محو نہ ہو جائے نیت کے بعد رفع یدین شانوں تک کرے بایں طور کہ ہاتھ اور انگلیاں بحالت معمولی کھلی رہیں ضم اور تفریج میں کوئی تکلف نہ ہو بہر حال دونوں ابہام کانوں کی لو تک پہنچیں اور سر انگشت کان کے اوپر تک، ہتھیلیاں کہنیوں کے محاذی ہوں جب ہر چیز اپنی اپنی جگہ پہنچ جائے تو تکبیر اولیٰ کہیں اور آہستگی کے ساتھ ارسال کریں رفع یدین اور ارسال میں تعجیل نہ کیجائے اور دائیں بائیں طرف بھی نہ مڑیں ارسال سینہ پر تمام کیا جائے جب سینہ پر ہاتھ رکھیں تو سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ہو خنصر و ابہام سے بایاں پہنچا تھاما جائے دوسری انگلیاں پہنچے پر کھلی ہوئی رکھیں اور تکبیر کہے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا اور پھر وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا مسلما وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکیی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین پڑھے اور اس کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہکر سورۃ فاتحہ شروع کرے مگر ادائے تشدیدات کا خیال رہے کیونکہ حرف مشدد کو جب تخفیف

کے ساتھ پڑھا جائے تو ایک حرف ساقط ہو جاتا ہے ضاد اور ظاء کے تلفظ میں بھی جہد بلیغ کیا جائے کہ تبدیل حرف سے قرات باطل ہو جاتی ہے اور لفظ آمین کو ولا الضالین کے ساتھ نہ ملائیں اگر تنہا نماز ہو تو صبح مغرب اور عشاء میں پہلی دو رکعت جہر کے ساتھ ادا کریں اگر ماموم ہو تو جہر کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ امام خود جہر سے پڑھیگا صبح کی نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد؟ طوال مفصل اور مغرب میں قصار مفصل ظہر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھا کرے طوال مفصل میں سورۃ حجرات، قٓ والمرسلات وغیرہ داخل ہیں اور قصار مفصل میں سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک کوئی سورت بھی ہو اوساط مفصل میں والسماء ذات البروج یا کوئی دوسری سورۃ جو اس کے مساوی ہو اگر سفر ہو تو نماز صبح میں قل یا ایھا الکفرون ، قل ھو اللّٰہ احد پڑھے ضم سورۃ کے بعد قبل از تکبیر رکوع کے بقدر سبحان اللہ وقفہ افضل ہے حالت قیام میں سر جھکا رہے اور نظر مصلے پر ہو کہ یہ حضور قلب کا باعث ہے سیدھے یا بائیں طرف ملتفت نہ ہوں پھر رکوع کے لئے تکبیر کہے اور رفع یدین بطریق مذکور کرے تکبیر کو اس قدر کھینچے کہ انتہائے رکوع تک پہنچ جائے (تا کہ کوئی جز نماز کا ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو) رکوع میں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھے انگلیاں کھلی رہیں اور دونوں گھٹنوں کے درمیان (بقدر ایک بالشت کے) فرق ہو پشت اور گردن اور سر کو ایسا برابر کر دے کہ ایک سطح مستوی معلوم ہو، کہنیاں پہلو سے جدا رہیں ، مگر عورتوں کو اس کے خلاف کرنا چاہئے رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے اگر منفرد ہو تو سات یا دس بار تک بھی تسبیح کا زیادہ کرنا مستحسن ہے پھر سر اٹھاوے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے رفع یدین کرے جب پورا قیام ہو جائے تو ربنا لک الحمد ملء السمٰوات وملء الارض وملء ما شئت من شیئی بعد کہے نماز صبح کی رکعت ثانی کے رکوع کے اعتدال میں قنوت پڑھے پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کرے مگر اس تکبیر میں رفع یدین کی ضرورت نہیں ہے تکبیر سجدہ کی یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی رکھے مگر سب اپنی اپنی حالت پر کھلی رہیں ناک بھی پیشانی کے ساتھ زمین کو لگا دے کہنیاں پہلو سے جدا رہیں پیٹ کو رانوں کے ساتھ نہ ملاوے مگر عورتوں کو اس کے خلاف کرنا چاہئے ہاتھ زمین پر اسیقدر فاصلہ سے رکھیں کہ کاندھوں کے محاذی ہو جائیں دونوں بازو زمین پر نہ بچھائے جائیں سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اگر منفرد ہو تو سات سے دس تک بھی اس تسبیح میں زیادتی ہو سکتی ہے پھر سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھاوے یہاں تک کہ تعدیل سجدہ ہو جائے جلسہ میں بائیں پیر پر تکیہ کر کے بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رہنے دے دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے

انگلیاں کھلی رکھے اور کہے رب اغفرلی وارحمنی وارزقنی واھدنی واجبرنی وعافنی واعف عنی پھر اسیطرح دوسرا سجدہ کرے علی ہذا ہر رکعت میں سجدہ وغیرہ کے اعتدال کا لحاظ رہے پھر قیام کے لئے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اس ترکیب سے اٹھے کہ دونوں پاؤں برابر اٹھیں تقدیم وتاخیر نہ ہو اسی طرح ہر ہر رکعت ادا کی جائے مگر رکعت ثانی کی ابتداء میں بھی تعوذ کا اعادہ مسنون ہے جب رکعت ثانیہ کے بعد تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھے تو سیدھا ہاتھ سیدھے گھٹنے پر رکھے سوائے ابہام اور انگوٹھے کے انگلیاں بند رہیں اور الا اللہ کہنے کے وقت انگشت شہادت کو اٹھائیں مگر کچھ ایک امالہ کے ساتھ تاکہ سمت قبلہ سے خارج نہ ہو جائے بایاں ہاتھ کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ بائیں گھٹنے پر رکھیں اور بائیں پیر پر زور دیکر بیٹھیں تشہد کے آخر میں بعد درود کے دعائے ماثورہ پڑھیں اور بعد از فراغ السلام علیکم ورحمۃ اللہ دو مرتبہ دونوں طرف کہہ کر اس طرح منہ پھیرے کہ رخساروں کی سپیدی دکھائی دے سلام کے وقت نیت خروج از صلوٰۃ کیجائے اور نیز جانبین کے ملائکہ اور مسلمانوں پر سلام کی نیت کی جائے خشوع اور حضور قلب ترتیل قرات فہم معنی کے ساتھ بہت ضروری ہے کہ یہ عماد الصلوۃ کہلائے جاتے ہیں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نماز میں حضور قلب نہ ہو تو وہ عقوبت کے قریب ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو اس کا چھٹا حصہ یا دسواں حصہ نہیں لکھا جاتا بلکہ صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے جس قدر کہ اس نے سمجھا

آداب امامت

امام کو چاہئے کہ بلحاظ حالات اہل جماعت کے چھوٹی چھوٹی سورتیں نماز میں پڑھا کرے انسؓ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہین کہ جس طرح میں نے اختصار اور تکمیل کے ساتھ جناب رسالت مآب ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے ایسی کسی کے ساتھ نہیں پڑھی بہر حال جب صفیں برابر ہو جائیں اور مؤذن اقامت سے فارغ ہولے تو امام بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہے مقتدی کو صرف اس قدر آواز سے تکبیر کہنا چاہئے جو وہی سنے امام کو امامت کی بھی نیت کرنی چاہئے تاکہ اس کا ثواب ملے اگر نیت نہ کی ہو تو نماز صحیح ہو جائیگی مگر صرف منفرد کی سی نماز ہوگی مقتدیوں نے اگر اقتداء کی نیت کی ہے تو ان کو اقتداء کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا امام کو بھی

چاہیئے کہ مثل منفرد کے اپنی نماز کو دعاء استفتاح اور تعوذ سے شروع کرے صبح، مغرب اور عشاء میں پہلے دو رکعت جہر سے پڑھے اور لفظ آمین بھی جہرا کہے اسی طرح مقتدی بھی مگر مقتدی کو چاہیئے کہ امام کے ساتھ خود بھی آمین کہے تقدیم و تاخیر نہ ہو امام کو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد تھوڑا سا سکوت کرے تا کہ مقتدی بھی نماز جہریہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیوے اگر امام کی آواز سننے میں نہ آئے تو مقتدی کو سورہ پڑھنے کی بھی ضرورت ہے امام کو تسبیحات رکوع و سجود میں تین بار سے زائد نہ پڑھنی چاہئیں اور تشہد اول میں اللھم صل علی محمد کے بعد کچھ نہ پڑھے دو رکعت ثانی میں صرف سورہ فاتحہ پر اکتفاء کرے بلحاظ جماعت کے تشہد کے آخر میں دعاء طول نہ پڑھے سلام کے وقت امام کو یہ نیت کرنی چاہیئے کہ یہ سلام مقتدیوں کی جانب ہے اور مقتدیوں کو جواب سلام امام کی نیت کرنی چاہیئے بعد سلام کے تھوڑا سا توقف کرے اور مقتدیوں کے مقابل بیٹھے اور ٹھہرا رہے تا کہ اگر جماعت میں عورات ہوں تو وہ چلی جائیں امام اپنی جگہ سے جب تک نہ اٹھے مقتدیوں کو بھی انتظار کرنا چاہیئے امام سیدھے یا بائیں جس طرف سے چاہے جا سکتا ہے مگر افضل یہ ہے کہ سیدھی طرف سے جائے قنوت میں امام صرف اپنی خصوصیت نہ کرے بلکہ اللھم اھدنا کہے یعنی بصیغہ جمع، امام کو دعائے قنوت پڑھنے کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے (لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا چاہیئے) بقیہ قنوت یعنی انک تقضی ولا یقضی علیک سے مقتدی آہستہ پڑھ لے، مقتدی کو چاہیئے کہ جماعت کے ساتھ کھڑے رہیں اگر تنہا ہو تو کسی کو اپنے ساتھ لے لیوے مگر نیت باندھنے کے بعد مقتدی کو کوئی فعل امام سے پہلے یا اس کے ساتھ ساتھ نہ کرنا چاہیئے مثلا جبکہ امام رکوع میں پہنچ جائے تو اس وقت قصد رکوع کا کرے علی ہذا سجدہ میں بھی۔

آداب جمعہ

جمعہ عید المؤمنین ہے یہ مبارک دن اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اس متبرک روز میں ایک ساعت مبہم ایسی ہے کہ اس وقت جو حاجت خدا سے مانگی جائے وہ فورا مقبول ہوگی پنجشنبہ ہی سے جمعہ کا اہتمام کرنا چاہیئے جیسے کپڑوں کی صفائی وغیرہ کثرت تسبیح و استغفار وغیرہ اس قسم کے افعال تو پنجشنبہ کے عصر سے اختیار کئے جائیں کیونکہ پنجشنبہ کے عصر کے بعد بھی ایک ایسی ساعت ہے کہ اس کی فضیلت بھی ساعت مبہمہ جمعہ کے برابر ہے جمعہ کا روزہ بھی افضل

ہے علیٰ ہذا پنجشنبہ اور شنبہ کا روزہ، مطلب یہ ہے کہ صرف جمعہ کا ایک روزہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کے ساتھ دوسرا روزہ بھی رکھے کیونکہ حدیث میں اس کا امتناع ہے[1] قال ﷺ لا یصم احد یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او یصوم بعده (رواہ شیخان) بعد طلوع کے غسل کرے یہ غسل ہر ایک مکلّف پر واجب ہے اور سفید کپڑے پہنیں کیونکہ سفید کپڑا خدا کو مرغوب ہے حسب مقدور خوشبو بھی لگائیں سر مونڈھائیں، ناخن تراشیں، مسواک کریں، علی الصباح جامع مسجد جائیں کہ مسجد میں بیٹھنے سے انسان کی طبیعت میں سکون پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی عبث افعال سے بچ سکتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو پہلی ساعت مسجد میں داخل ہوا گویا اس نے ایک اونٹ قربانی دی اور جو دوسری ساعت میں گیا ایک بکرا قربانی دیا اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے ایک سفید شاندار گوہ قربانی دیا اور جو چوتھی ساعت میں گیا اس نے ایک مرغ قربانی دیا اور جو پانچویں میں گیا اس نے ایک بیضہ دیا۔ جب امام منبر پر چڑھتا ہے تو ملائکہ نامہ اعمال کو لپیٹ دیتے ہیں اور قلم پھینک دیتے ہیں اور اس مبارک وقت میں وہ خود بھی منبر کے پاس خطبہ سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں جو شخص جس قدر پہلے نماز کو جائیگا اسی قدر اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں زائد ہوگا پہلی صف میں شریک ہونا بہتر ہے لیکن جب لوگ جمع ہو جائیں تو دوسروں کو دھکا دیتے ہوئے نہ جائے اگر کوئی نماز پڑھتا ہو تو اس کے سامنے بھی نہ جائے کسی دیوار یا ستون کے قریب بیٹھیں تاکہ دوسرے لوگ اپنے سامنے سے بھی نہ جانے پائیں جب مسجد میں داخل ہوں تو بدون نماز تحیۃ المسجد پڑھنے کے نہ بیٹھیں مستحسن یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس کا عادی ہوگا وہ ضرور جنتی ہے امام اگر خطبہ بھی پڑھتا ہو تب بھی تحیۃ المسجد ادا کرے مسنون یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں سورہ انعام، کہف، طٰہٰ، اور یٰس پڑھا کرے اگر اس کا پڑھنا ناممکن ہو تو سورہ یٰس، دخان، الم سجدہ، سورہ ملک پڑھے ان آخری سورتوں کا جمعہ کی شب میں پڑھنا بہت ہی احسن ہے، بصورت مجبوری سورۂ اخلاص اور کثرت سے درود شریف پڑھا کرے خطبہ باادب خاموش بیٹھکر سنے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو اگر دوسروں کو گفتگو سے منع کرنے کی ضرورت ہو تو اشارہ سے منع کرے الفاظ سے منع نہ کرے کہ یہ فعل عبث ہے اور فعل عبث کے ارتکاب سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے یہی مضمون حدیث شریف میں بھی وارد ہے بہر حال فرض نماز جمعہ کے بعد سات سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور اس وقت گفتگو نہ کرے

[1] فرمایا جناب رسالتمآب ﷺ نے کہ نہ روزہ رکھے کوئی شخص جمعہ کے روز مگر یہ کہ روزہ رکھے قبل یا بعد اس کے۔

اس کی برکت سے امید ہے کہ دوسرے جمعہ تک آفات سے محفوظ رہے اور شیطان کا تسلط اس پر نہ ہو اس کے بعد یہ دعاء پڑھے ایا غنی یا حمید یا مبدیٔ یا معید یا رحیم یا ودود اعفنی بحلالک عن حرامک وبطاعتک عن معصیتک عمن سواك جمعہ کے بعد دو یا چار یا چھ رکعت ضرور پڑھے مگر دوگانہ دوگانہ کہ سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوۃ سے اس باب میں (رکعتوں کی تعداد میں) مختلف روایات آئی ہیں نماز جمعہ کے بعد عصر یا مغرب تک مسجد ہی میں رہنا افضل ہے جب تک ٹھہرے رہیں اور ساعت مبہمہ کے حصول کے بھی خوستگار رہیں جس کی فضیلت مذکور ہو چکی ہے قبل نماز جمعہ کے فضول، اور بیکار لوگوں کا مسجد میں جمع ہونا منع ہے لیکن تعلیم وتعلم علم نافع کے لئے جمع ہوں تو مضائقہ نہیں ہے۔ طلوع اور غروب آفتاب، زوال آفتاب، اقامت امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت اور جب سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوں تو اکثر دعا کیا کرے کیونکہ ان اوقات میں اس ساعت مبہمہ کے وقوع کا احتمال ہے۔ جمعہ کے روز کچھ صدقہ بھی دیا جائے اگرچہ کم ہو ہفتہ میں ایک روز صرف نیک کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

آداب صیام

صرف ماہ رمضان ہی کے روزوں پر اکتفاء نہ کرنا چاہیے بلکہ نفل روزے بھی رکھنے چاہئیں کہ وہ بمنزلہ رأس المال کے ہیں اور یہ بمشابہ نفع کے جس سے فردوس میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں جو لوگ روزہ نہ رکھیں گے وہ روزے داروں کے مراتب کو دیکھ کر حسرت کریں گے عرفہ کا روزہ (غیر حاجی کو) یوم عاشورہ کا روزہ، عشرہ اول ذی الحجہ، محرم، رجب اور شعبان میں روزہ رکھنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے اور اس کے فضائل بیشمار ہیں اور وہ جو شہور حرام میں روزہ رکھنے کے فضائل مرقوم ہیں اس میں یہ چار مہینے داخل ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم رجب اور ہر مہینے میں تین روزے یعنی پہلے پندرھویں سلخ کا روزہ رکھے اور نیز ایام بیض میں یہ تاریخات شامل ہیں تیرہویں، چودھویں، پندرھویں ہر مہینے کے اور ہفتہ میں دوشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ کا روزہ رکھنا نہایت ہی افضل ہے، ہر مہینے کی پہلی تاریخ کا روزہ اس مہینے کی تمام سیئات کو مٹا دیتا ہے اور باقی روزے سال بھر کے عفو گناہ کے باعث ہیں روزہ کے معنی صرف کھانا پینا

ا اے بے نیاز، اے حمید، اے مبدی، (پہلی بار پیدا کرنے والے) اے معید (پھر دوبارہ پیدا کرنے والے) اے ودود
بسبب اپنے حلال کے حرام سے اور باعث، نی عبادت کے گناہ کے۔

چھوڑ دینے کے نہیں ہیں بلکہ تمام جوارح کی حفاظت بھی مقصود ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کم من صائم لیس له من صیامه الا الجوع والعطش اکثر روزہ دار تو ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے سوائے بھوکے اور پیاسے رہنے کے کوئی فائدہ نہیں ہے ،پس روزہ کی حالت میں آنکھ کو نظر شہوت سے بچائے اور زبان کو لغویات سے اور ایسی آواز کانوں سے نہ سنے کہ جس کا سننا حرام ہے اسی طرح سب اعضاء کی نگہبانی کرنی چاہئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ پانچ چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جھوٹ کہنے سے، غیبت سے، نمامی سے، جھوٹی قسم سے، نظر شہوت سے اور نیز وارد ہے کہ روزہ برائیوں سے بچنے کے لئے ہے لہذا حالت صوم میں فحش کلام، فسق اور افعال جہال کا ارتکاب جیسے تمسخر وغیرہ نہ کیا کرے بلکہ اگر کوئی شخص لڑنے یا گالی دینے کا قصد کرے تو کہے کہ میں روزہ دار ہوں۔ افطار حلال چیز سے ہو اور وہ بھی اختصار کے ساتھ کیونکہ روزہ سے مقصود تو یہ ہے کہ قوائے شہوانی ضعیف ہوں اور تقوی کی رغبت ہو بخلاف اسکے اگر معمول سے زائد کھائے تو پھر روزہ سے جو مقصود ہے وہ مفقود ہو جائے گا خوب سیری سے کھانا اگرچہ طعام حلال ہو غضب الٰہی کا باعث ہے کہ اس سے فساد کا احتمال ہے پس جب سیری سے کھایا جاوے تو ایسا روزہ کیونکر مقبول ہو سکتا ہے بہر حال جب روزہ کی حقیقت پر مطلع ہو چکے تو لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ روزے رکھا کرے کہ اساس عبادت ہے قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ کل حسنة بعشر امثالها الی سبعماة ضعف الا الصوم فانه لی وانا اجزی به حضرت رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری سے ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ایک نیکی کا ثواب دس گناہ سے سات سو تک ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا وقال ﷺ والذی نفسی بیده لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے پاس بوئے مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے یقول اللہ تعالیٰ عزوجل انما یذر شهوته وطعامه وشرابه من اجلی فالصوم لی وانا اجزی به ،جناب باری عز اسمہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ جبکہ کھانا پینا اور لذات شہوانی روزے میں میری خوشنودی کے لئے ترک کئے جاتے ہیں تو یہ عمل خاص میرے لئے ہے اور میں اس کی جزاء دوں گا وقال ﷺ للجنة باب یقال له الریحان لایدخله الا الصائمون فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے جنت میں ایک دروازہ ہے جسکا نام ریحان ہے اس میں

کوئی داخل نہ ہوگا مگر روزہ دار۔

قسم ثانی اجتناب معاصی کے بیان میں

امور دینی دو قسم پر منقسم ہیں ایک وہ جو ترک مناہی سے متعلق ہیں دوسرے کسب طاعات سے، عبادت کرنا تو آسان ہے مگر مناہی سے بچنا بہت مشکل ہے کہ خاص صدیقین کا حصہ ہے، چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ المهاجر من هجر السوء والمجاهد من جاهد هواه یعنی مہاجر وہ ہے جو برے افعال کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہشات کا مقابلہ کرے، یہ تو ظاہر ہے کہ تمام اعضاء نعمات الٰہی میں سے ہیں اور اس کی امانت ہیں پس اللہ تعالیٰ کی نعمت و امانت کو برے افعال میں لگانا کفران نعمت اور خیانت ہے، اعضاء بمنزلہ رعیت کے ہیں انکی نگہبانی کرنی چاہئے اگر حاکم رعیت کی حفاظت نہ کرے گا تو باز پرس میں مبتلاء ہوگا اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک عضوء اپنے اپنے کردار کی قیامت کے دن ایسے صاف اور صریح الفاظ میں گواہی دیگا کہ جس سے نہایت شرمندگی ہوگی چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے تشهد عليهم السنتهم وايديهم وارجلهم بما كانوا يعملون اس دن گواہی دیں گی زبانیں اور ہاتھ پاؤں ان افعال کی جوان سے سرزد ہوئے اليوم نختم على افواههم وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم بما كانوا يكسبون ان کی زبانوں پر مہر کردی جائیگی خود ان کے ہاتھ پاؤں اپنے اپنے افعال کی گواہی دیں گے اس لئے ہر عضوء کی حفاظت ضروری ہے خصوصا ان سات اعضاؤں کی یعنی آنکھ، کان، زبان، شکم، فرج، ہاتھ، پاؤں کی دوزخ کے سات دروازے ہیں ہر ہر دروازے کیلئے عاصیوں کا ایک ایک گروہ خاص ہے۔ عاصیوں سے یہاں وہ گناہگار مقصود ہیں کہ جن کے اعضائے متذکرہ سے گناہ سرزد ہوئے ہوں شارح نے لکھا ہے کہ اول مرتبہ اہل توحید دوزخ میں داخل ہوں گے اور بقدر گناہ معذب ہوں گے اور نجات پائیں گے دوسرے درجے میں نصاریٰ تیسرے میں یہود چوتھے درجے میں صابئین پانچویں درجے میں مجوس چھٹے درجے میں مشرکین ساتویں میں منافقین انتہی، اب اعضائے سبعہ کے فوائد پر غور کرو۔

(۱) آنکھیں اس واسطے دی گئی ہیں کہ اندھیرے میں رہبری کریں انصرام حوائج میں مدد دیں عجائبات آسمان وزمین کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں پس اس کی حفاظت خاصہ چار چیزوں سے ضروری ہے غیر محرم کا دیکھنا، خوبصورت کو بری نگاہ سے دیکھنا، مسلمان کو بنظر حقارت دیکھنا، مسلمان کا عیب دیکھ کر ظاہر کر دینا۔

(۲) کان اس لئے دیئے گئے ہیں کہ خدا اور رسول کے کلام کو سنیں کہ جس سے نجات ہو اور بزرگوں کے اقوال سنیں نہ یہ کہ راگ یا غیبت وفحش اور لغو باتوں اور برائیوں کے سننے میں انکو صرف کر دیں اور صرف یہ خیال نہ کریں کہ قائل ہی گناہگار ہے بلکہ مستمع بھی شریک گناہ ہے

(۳) زبان اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ کا ذکر کریں، قرآن پڑھیں، لوگوں کو ہدایت کریں امور دینی اور دنیوی میں اس سے مدد لیں برخلاف اس کے اکثر برائیاں زبان سے ایسی پیدا ہوتی ہیں کہ جن سے بلا شک انسان دوزخ میں ڈالا جائیگا جیسے کذب، قذف، دشنام، نمامی وغیرہ جو شخص بیہودہ اور تمسخر آمیز کلمات کہنے کا عادی ہے محض اس لحاظ سے کہ جو لوگ اس کی باتوں کو سنکر ہنسا کریں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیگا۔ روایت ہے کہ ایک شخص پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں معرکہ جنگ میں شہید ہوا تو ایک دوسرے شخص نے کہا ھینا لہ بالجنۃ یعنی مبارک ہو جنت اس کو تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات تجھ کو کیوں کر معلوم ہوئی کہ وہ جنتی ہے شاید کہ وہ ایسے کلام کا عادی ہو کہ جو جنت میں داخل ہونیکے مانع ہو۔ یعنی لغو اور فضول، پس زبان کو آٹھ چیزوں سے بچانا چاہیئے۔

۱۔ جھوٹ بولنے سے گو تمسخر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ کذب امہات کبائر سے ہے اس سے انسان کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے آدمی لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے، اگر جھوٹ کی برائی معلوم کرنا چاہو تو کسی جھوٹ بولنے والے کو دیکھو اور پھر خیال کرو کہ تم کو اس سے کیسی نفرت ہوتی ہے جب تمہارا یہ حال ہے تو اس سے صاف ظاہر ہو سکتا ہے کہ اگر تم میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت ہو تو تم کو بھی لوگ ایسے ہی کراہت کی نظر سے دیکھیں گے۔

۲۔ وعدہ خلافی مت کرو جب وعدہ کرو تو اس کی وفا کا ضرور خیال کرو بلکہ اصلی احسان تو وہ ہے جو بلا افشاء ہوا گر کبھی بضرورت شدید یا بمجبوری خلاف وعدگی ہوگئی ہو تو خیر و گرنہ یہ نفاق کی علامت ہے اور بدترین خصائل سے ہے قال النبی ﷺ ثلاث من کن فیہ فھو منافق وان صام وصلی من اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں جس میں

ہونگی وہ منافق ہے اگرچہ کہ وہ شخص روزہ رکھے اور نماز پڑھے ایک تو جھوٹ بولنا دوسرا خلاف وعدگی تیسرا امانت میں خیانت کرنا

۳۔غیبت بڑی بلاء ہے اس سے بچنا چاہئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ تیس مرتبہ زناء کرنے سے بھی غیبت کرنا زیادہ بدتر ہے۔غیبت کی معنی یہ ہے کہ کسی انسان کا غائبانہ اس طرح ذکر کرنا کہ جس کے سننے سے اس کو تکلیف پہنچے غیبت میں دو برائیاں ہیں ایک تو یہ کہ جو بات غائبانہ کہی جائے گو وہ سچی ہو تب بھی غیبت کی معنی میں داخل ہے دوسرا یہ کہ اگر وہ بات اس میں نہ ہو تو گویا بہتان ہے سب سے بدتر غیبت نمائشی ہے یعنی مطلب کو ایسے پیرائے میں بیان کرنا کہ جس سے اپنی عفت اور پاکبازی ظاہر ہو اور دوسروں کی برائی مثلاً یوں کہنا کہ (اصلحہ اللہ) خدا فلانے شخص کا بھلا کرے کہ جس نے میرے ساتھ اس قسم کی برائی کی۔خدا ہم کو اور اس کو ایسی برائیوں سے بچاوے۔یا اس کے مماثل جو کچھ ہو اس میں بھی دو قسم کی برائیاں ہیں ایک تو غیبت اور دوسرے اپنی ستائش اگر مقصود اصلحہ اللہ سے محض دعاء ہے تو پوشیدہ ہونا چاہئے تاکہ کسی کی بدنامی نہ ہونے پائے غیبت کی نسبت جو زجر قرآن مجید میں وارد ہے وہ انسان کی عبرت کے لئے کافی ہے قولہ تعالیٰ ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرہتموہ غیبت نہ کرے کوئی شخص کسی کی کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو درست رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے درانحالیکہ وہ مرا ہوا ہو پس کراہت کرو گے تم اس سے۔اس تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ غیبت سے انسان کے دل کو ویسے ہی تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ گوشت کو جسم سے جدا کرنے سے بہر حال غیبت سے سخت احتراز کرنا چاہئے غیبت سے بچنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ انسان اپنے مصائب ظاہری اور باطنی پر غور کرے اور سمجھے کہ جو اسباب خود اپنی خرابی کے باعث ہیں وہی دوسرے کے لئے بھی ہیں پس جب کہ کوئی شخص اپنی فضیحت کو گوارہ نہیں کرتا ہے تو دوسرے کے اظہار عیوب سے بھی محترز رہنا چاہئے بلکہ اگر تم کسی کی عیب پوشی کرو گے تو خدا تمہارے عیبوں کو چھپا دیگا۔اگر تم دوسرے کو رسوا کرو گے تو اس کے بدلے میں خدا تم کو دین و دنیا میں رسوا اور شرمسار کر دے گا اگر انسان کو اپنا ظاہری یا باطنی کوئی عیب معلوم ہی نہ ہو تو سمجھ لیا جاوے کہ یہ حماقت کی علامت ہے اور کوئی عیب حماقت سے بڑھ کر نہیں ہے اگر خدا کو تمہاری بھلائی منظور ہو تو وہ تم کو تمہارے عیبوں پر مطلع کرا دیگا اس صورت میں اپنے آپ کو بے عیب خیال کرنا غباوت و جہل ہے بالفرض اگر کسی میں

کوئی عیب دینی یا دنیوی نہ ہوتو اس پر لازم ہے کہ اس نعمت کا شکر بجالائے یہ کہ لوگوں کی عیب چینی اور بدگوئی سے سرمایہ خسران فراہم کرے۔

۴۔طعن' اعتراض' خصومت سے احتراز چاہئے۔کیونکہ اس فعل سے مخاطب کو ایذاء پہنچتی ہے اور اپنی خودنمائی ہوتی ہے علاوہ اس کے ان امور کے ارتکاب سے مفت اپنے عیش کو تلخ کرنا ہے کیونکہ اگر مخاطب جاہل ہے تو وہ بھی فورا بدلہ لینے پر آمادہ ہوجائے گا اور اگر سلیم الطبع ہے تو اس وقت ٹال جائے گا مگر اس کے دل میں برائی رہے گی اور ضرور کبھی نہ کبھی نقصان پہنچائے گا قال ﷺ من ترك المراء وهو مبطل بنى الله له بيتا فى ربض الجنة ومن ترك المراء وهو محق بنى الله له بيتا فى اعلى الجنة فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے کہ جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے اس حالت میں کہ وہ باطل پر ہوتو خدا تعالیٰ اس کے لئے وسط جنت میں گھر بنائے گا اور جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے اس صورت میں کہ وہ حق پر ہوتو خدائے تعالیٰ اس کے لئے اعلیٰ جنت میں جگہ دیگا ایسے موقع میں شیطان کے فریب سے بھی بچنا چاہئے کہ وہ اکثر اس بات کی ترغیب دیتا ہے کہ سچی بات کے ظاہر کرنے میں تامل کیا جائے گو یہ سچ ہے مگر وہیں تک جبکہ وہ بطریق نصیحت ہو اگر اس میں بھی نمائش شریک ہوگئی تو یہ شیطان کی ہنسائی کا باعث ہے جو شخص اس زمانے کے علماء سے مخالطت پیدا کرے اس کی طبیعت میں تو ان امور کا زیادہ تر اثر ہوجاتا ہے بغیر لڑائی جھگڑے کے اسے فرصت ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اسی کو سرمایہ فضل وکمال سمجھتے ہیں۔

۵۔تزکیہ نفس یعنی انسان اپنے آپ کو بطریق ستائش آرائش دنیوی سے پاک خیال نہ کرے قال الله تعالى فلا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے نفوس کو پاک نہ سمجھو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے ایک حکیم سے پوچھا گیا کہ وہ کونسی بات ہے جو سچی ہو مگر بری تو اس نے کہا کہ اپنی آپ تعریف کرنا گو سچی ہو خودستائی میں دو قباحتیں اور بھی ہیں ایک تو یہ کہ آدمی ابنائے جنس میں ذلیل ہوجاتا ہے دوسرا خدا کے پاس گنہگار خودبینی کی برائی تو انسان کو اس وقت معلوم ہوسکتی ہے جب دوسرے خود پسندوں کو بچشم عبرت دیکھے کہ کیسی کراہت طبیعت میں پیدا ہوتی ہے پس ایسے فعل قبیح کے ارتکاب سے خود وہ دوسروں کے پاس کیسے مقبول ہوسکتا ہے۔

۶۔لعنت سے انسان کو بہت ہی بچنا چاہئے خواہ کسی انسان کی نسبت ہو خواہ حیوان واجناس کے جیسے غلہ وغیرہ اہل قبلہ کی نسبت شرک، وکفر یا منافقی کا اطلاق منع ہے کیونکہ بندوں

کے بھید جاننے والا خدا ہے خدا اور بندوں کے درمیان میں دخل نہ دینا چاہئے لعنت کوئی ضروری چیز نہیں ہے جس سے باز پرس کا خدشہ ہو بلکہ شیطان پر بھی لعنت کرنے سے سکوت کیا جائے کچھ سوال نہ ہوگا برخلاف اس کے اگر کسی چیز پر لعنت کرو گے تو ضرور مواخذہ عقبی میں گرفتار ہو جاؤ گے خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی مذمت نہ کرنی چاہئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ برے سے برے کھانے کی بھی کبھی شکایت نہیں کرتے تھے ۔

بلکہ عادت شریف یہ تھی کہ اگر رغبت ہوتی تو تناول فرمالیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔

۷۔ کسی کے لئے بددعا نہ کرنی چاہئے گو کسی نے ایذاء بھی پہنچائی ہو کہ ظالم سے خدا خود سمجھ لے گا حدیث شریف میں وارد ہے کہ مظلوم اپنے ظالم کے ہلاک کی خواہش کرے گا تا کہ اس مظلمہ کا بدلہ ہو جائے جو ظالم سے سرزد ہوا تھا اس بدلے میں ظالم کا حق مظلوم پر باقی رہ جائے گا جس کا مواخذہ قیامت کے روز مظلوم سے ہوگا بعض لوگوں نے حجاج بن یوسف کی نسبت اس کے ظلم کے لحاظ سے زبان درازی کی ہے اس کی نسبت بھی علماء سلف کا بیان ہے کہ اس زبان درازی کا ان لوگوں سے قیامت میں مواخذہ ہوگا گو اس سے بھی اس کے ظلم کی باز پرس ہوگی۔

۸۔ تمسخر اور مزاح سے حفاظت لازم ہے یہ ایسی بری چیز ہے کہ اس سے بوجہ شرمندگی لوگوں کا منہ فق ہو جاتا ہے اور رعب و داب میں فرق پڑ جاتا ہے، مسخری آدمی سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے تمسخر اکثر دلشکنی کا باعث اور خصومت و برہمی مزاج اور قطع محبت کی جڑ ہے دلوں میں اس سے حسد کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے بہرحال اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز کریں بلکہ انسان کو چاہئے کہ اس مضمون پر عمل کریں اذا مروا باللغو مروا کراما ، یعنی کلام لغو سے درگزر رو امر معروف اور نہی منکر کی ہدایت کرو حقیقت میں یہ بڑی آفت کی چیز ہے اس سے زبان کا بچنا نہایت ہی دشوار ہے اس سے بچنے کیلئے عزلت یا خاموشی سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے جناب صدیق اکبرؓ اکثر منہ میں پتھر رکھا کرتے تھے تا کہ ایسی باتوں سے بچیں اور زبان کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ یہی چیز ہے کہ جس سے مجھ کو اندیشہ ہے جس قدر ہو سکے اس کی حفاظت کرو کہ اس سے بڑھ کر انسان کیلئے کوئی مہلک چیز نہیں ہے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

(۴) حفاظت شکم۔ مشتبہ اور حرام کھانے سے بچنا چاہئے رزق حلال کی کوشش کریں جب بقدر ضرورت مل جائے تو تھوڑی پر ہی کفایت کریں سیری سے کھانا دل کو سخت بنا دیتا ہے

قوت حافظہ میں فساد وعبادت اور علم کے حصول میں کہالت اسی کی بدولت پیدا ہوتی ہے یہی باعث ہیجان شہوت ہے۔اسی سے لشکر شیطان کو تقویت پہنچتی ہے جب طعام حلال کا یہ حال ہے تو وائے برحرام خوری، جو شخص کہ حرام کھائے اور عبادت و تحصیل علم میں مشغول ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص سرگبن سے گھر بنائے ،اگر آدمی موٹے کپڑے اور کھانے پر راضی ہو جاوے اور لذات شہوانی کو ترک کر دے تو ارتکاب حرام کی ضرورت ہی نہیں ہوتی طلب حلال سے مقصود یہ ہے کہ تا بہ حد علم حرام چیز کا ارتکاب نہ ہو اجرت نوحہ، قیمت شراب ،سود، آلات لہو یعنی مزامیر کے ذریعہ سے جو حاصل ہو سب حرام ہے وقف کا مال بغیر شرط وقف کنندہ کے کھانا حرام ہے طالب علم کے لئے جو چیز وقف ہو وہ غیر طالب العلم کے لئے ناجائز ہے مردود الشہادت کے پاس کھانا حرام ہے اور جو چیز صوفیائے کرام کے نام سے لی جائے خواہ از قبیل وقف ہو یا نہ ہو اس میں تصرف حرام ہے۔مصنف کتاب امام غزالیؒ نے احیائے علوم میں اس کی تفصیل ایک خاص باب میں لکھی ہے اگر اس سے زیادہ تفصیل معلوم کرنی ہو تو احیا علوم دیکھیں کہ حلال وحرام کی معرفت بھی فرض ہے۔

(۵) فرج۔ارتکاب حرام سے فرج کا بچانا ضروری ہے دیکھو خداوند عالم کا کیا ارشاد ہوتا ہے والذین لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین (جو لوگ اپنی شرمگاہ کی نگہبانی کرنے والے ہیں مگر اپنے جوروں یا جن پر ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے ہیں پس تحقیق وہ نہیں ملامت کیے گئے) ارتکاب حرام سے آدمی اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت نہ کرے اور حسن و جمال کا خیال دل سے نہ نکالے اور حرام کھانے سے اپنے شکم کو محفوظ نہ رکھے کہ یہ چیزیں شہوت کی محرک ہیں۔

(۶) ہاتھ مسلمانوں کے مارنے اور حرام مال کے لینے سے ہاتھوں کو بچانا چاہئے اور نیز مخلوق کو ایذاء دینے سے امانت ودیت میں خیانت کرنے سے اور مضامین ناجائز کے لکھنے سے بھی اسکی صیانت ضروری ہے۔

(۷) پاؤں کا حرام کاموں کے کرنے کے لئے جانے سے جیسے کسی کی غیبت کرنے اور مسلمان عورتوں کا تعاقب کرنے اور بادشاہ ظالم کے دروزے تک جانے سے پاؤں کو بچائے ،بغیر ضرورت شدید کے ظالم بادشاہ کے دروازے تک جانا کبیرہ گناہ میں داخل ہے کہ یہ خوشامد وچاپلوسی میں شامل ہے اور نیز اس کے ظلم کو ماننا اور اس کی ترغیب دلانا ہے حالانکہ خداوند عالم

نے اس کی ممانعت کی ہے ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار مت رغبت کرو تم ان لوگوں کی طرف جو ظلم کرتے ہیں تا کہ تم کو دوزخ کی آگ سے گزند نہ پہنچے حدیث شریف میں وارد ہے قالﷺ من تواضع لغنی صالح لغناہ ذہب ثلثا دینہ جو شخص کہ تونگر صالح کی تواضع صرف اس کی مالداری کے لحاظ سے کرے تو اس کے دین کا تیسرا حصہ کم ہو جاتا ہے جبکہ تونگر صالح کی تواضع کا یہ حال ہے تو تونگر ظالم کی توضع اور خوشامد کا کیا نتیجہ ہوگا الحاصل تمام اعضائے انسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں ان سے کوئی ایسی حرکت نہ ہونے پائے جو موجب معصیت ہو اور تا بامکان اس بات کی کوشش کی جائے کہ یہ عبادت الٰہی میں مستعمل ہوں اگر کوئی شخص اس کا خیال نہ کرے تو وہ اس وبال میں مبتلاء ہوگا جو ان اعضاء کے استعمال ناجائز سے واقع ہو بہر کیف نیکی اور بدی کے نتائج تمہارے ہی لئے مفید اور مضر ہیں خداوند عالم تم سے اور تمہارے اعمال سے مستغنی ہے اس کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے رحم وعنایت پر بھروسہ کر کے نیک اعمال ترک کر دیتے ہیں اگرچہ خدا رحیم وکریم ہے مگر صرف اس خیال سے نیک اعمال کا ترک کر دینا حماقت میں داخل ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر ملامت کرے اور طاعت میں مشغول ہو تا کہ اس کا نتیجہ آخرت میں ملے اور احمق وہ ہے جو اپنی نفس پرستی میں مصروف رہے اور خدا سے جھوٹی امید رکھے، کیونکہ اگر خدا سے سچی اور نیک امید ہوتی تو اس کے احکام کی تعمیل کرتا، اور نیک اعمال کی رغبت بھی ضروری ہے بغیر اس کے صرف اس قسم کا خیال کر لینا ایسا ہے جیسے کوئی شخص عالم ہونے کا تو خواہشمند ہو مگر لکھنے پڑھنے کی کوشش نہ کرے اور فقط یہ بات دل میں قرار دے لے کہ خداوند عالم رحیم وکریم ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ بغیر کسب علوم کے بھی دولت سے سرفراز کرے جیسا کہ خاص خاص بندوں کے ساتھ سلوک کیا ہے یہ بات ایسی ہے کہ حصول مال کی تو خواہش ہو مگر کسب وتجارت کا کچھ بھی خیال نہ ہو اور صرف یہ مان لیا جائے کہ ہر گاہ خدا خزائن سماوات وارض کا مالک ہے ممکن ہے کہ کوئی خزانہ ہم کو بھی دیدے مگر ہر شخص کو اس طرح کا خیال کر کے کوشش کا چھوڑ دینا محض احمقی ہے خداوند عالم کا ارشاد ہے، لیس للانسان الا ما سعی یعنی انسان صرف اپنی سعی سے متمتع ہو سکتا ہے اور پھر ارشاد ہوتا ہے انما تجزون ما کنتم تعملون یعنی تمہارے اعمال کی جزاء تمکو ملے گی ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم نیک بندے بہشت میں ہیں اور بدکار جہنم میں جب یہ حال ہے تو انسان کو زاد آخرت کے جمع کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی

چاہئے۔ دنیا و آخرت کا مالک وہی رحیم و کریم ہے ہماری طاعت سے کچھ اس کا کرم زیادہ نہیں ہوتا اس کا غایت کرم یہی ہے کہ تم کو نعیم دائم کے حصول کی راہ بتلا دے اور نعیم دائم یہی ہے کہ انسان اس چند روزہ دنیا میں ترک شہوات پر قادر ہو لے اور ہوس باطل کے در پہ نہ ہو یعنی یہ خیال نہ کرے کہ بغیر عمل کے بھی نجات ہو جائیگی کیونکہ بغیر تخم کے بونے کے ورد کی امید کرنا عبث ہے اس لئے ضروری ہے کہ انبیاء و صالحین کی اتباع کی جائے کہ سوائے عمل صالح کے مغفرت کی آرزو بے فائدہ ہے من کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا جو شخص اپنے رب کی لقاء کا مشتاق ہو تو اس کو عمل نیک کرنا چاہئے اور نیز اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ اعمال جوارح کا منشاء دل ہے اگر برے افعال سے اپنے جوارح کی حفاظت منظور ہو تو پہلے دل کی صفائی کی کوشش کرے دل کی صفائی کے لئے باطنی تقوی کی ضرورت ہے کیونکہ دل ایک ایسا جز ہے کہ اگر یہ پاک ہو تو سب جسم اس کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے اگر یہ خراب ہو اور اس میں فساد پیدا ہو جائے تو تمام جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے پس اس کے لئے مراقبہ کا التزام ضروری ہے

دل کے گناہوں کے بیان میں

یہ بات ظاہر ہے کہ صفات مذمومہ بہت ہیں اور اس سے دل کو صاف کرنے کے طریقے بھی بے انتہاء ہیں مگر وہ طریقہ اس وجہ سے کہ انسان اپنے سب اوقات زینت دنیا کے حاصل کرنے میں کھو دیتا ہے بالکل مشکل ہو گئے ہیں اور اس کا علم بھی بالکلیہ مندرس ہو گیا ہے (گو کتاب احیاء علوم کے ربع ثالث اور ربع رابع میں اس کا ذکر بہ تفصیل ہے) تاہم دو چیزیں جو بالکل خباثت قلب سے ہیں اور جن سے احتراز بہت ضروری ہے ذکر کی جاتی ہیں یعنی حسد، ریاء اور عجب ان سے بہت ہی اپنے دل کو بچانا چاہئے اگر ان سے نجات ہو گئی تو دوسرے مہلکات سے بھی بچنے کی توقع ہے اگر اس پر دسترس حاصل نہ ہو تو پھر اللہ ہی حافظ ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں ثلاث مہلکات شح مطاع وہوی متبع واعجاب المرء بنفسہ تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں ایک بخل ہے یعنی خدا اور خلق کا حق ادا نہ کرنا دوسرا خواہش نفسانی کی اطاعت کرنا، تیسرے خود بینی، حسد بھی بخل کا شعبہ ہے کیونکہ بخیل وہ ہے جو اپنی چیز غیر کو نہ دے اور شحیح اس کو کہتے ہیں جو نعمات الہی پر قادر ہو اور

اس کے صرف کرنے میں بخل کرے حاسد جب دیکھتا ہے کہ کوئی شخص نعمات الٰہی سے (یعنی علم و مال سے) مالا مال ہے تو اس کو بہت نا گوار ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ اس کے زوال منزلت کی خواہش کرتا رہتا ہے اگرچہ کسی کی زوال منزلت سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے مگر اس بات کی دھن ضرور ہوگی اس واسطے حدیث شریف میں آیا ہے الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب یعنی جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے ایسے ہی حسد نیکیوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ حاسد ایسا بد بخت ہے کہ اس پر کبھی رحم نہ ہوگا ہمیشہ عذاب دنیا میں مبتلاء رہے گا کیونکہ دنیا میں اکثر بندے ایسے ہیں جو انعام الٰہی سے سرفراز ہیں ان کا دیکھنا ہی اس کے لئے جھنم کا کام دیگا جب دنیا کے عذاب کا یہ حال ہو تو آخرت کا اللہ ہی نگہبان ہے انسان اس وقت تک حقیقت ولذت ایمان سے مستفیض نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس چیز کو جس کو اپنے لئے پسند اور درست رکھتا ہے تمام مسلمانوں کے لئے دوست نہیں رکھتا۔ ظاہر و باطن سب کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ سب مسلمان مثل بنائے واحد کے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تائید ملتی ہے چنانچہ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے قطعہ۔

بنی آدم اعضای یکدیگراند کہ درآفرینش ز یک جوہر اند،

چون مصنوی بدرو آورد روزگار، دگر عضوہا را نماند قرار،

پس جب تک اس قدر ہمدردی اور محبت انسان میں نہ پیدا ہو اس وقت تک ثمرہ اعمال کی امید رکھنا اور ہلاکت سے بچنے کا خیال کرنا بے سود ہے

۲۔ ریاء یہ تو شرک خفی ہے قال رسول اللہ ﷺ انقوا الشرك الاصغر قالوا وما الشرك الاصغر قال الرياء فرمایا جناب رسالت مآب ﷺ نے کہ شرک اصغر سے بچو تو حاضرین نے پوچھا کہ یارسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ ریاء ہے اصل معنی ریاء کے یہ ہیں کہ باظہار خصائل نیک لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کرنا تا کہ نمائش ومنزلت حاصل ہو حب جاہ انسان میں صرف بوجہ اتباع خواہش نفسانی پیدا ہو جاتی ہے اس میں اکثر لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں لوگ اگر انصاف کریں تو سمجھیں کہ عادتی اعمال تو رہے درکنار انکے علوم وعبادات کی محرک بھی ریاء و نمائش ہے اور یہ ایسی بری بلاء ہے کہ اعمال حسنہ کے ثواب کو برباد کئے دیتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بعض شہید قیامت کے دن دوزخ کی طرف کھینچے جائینگے تو عرض کریں گے کہ اے پروردگار یہ فعل تو ہم نے تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا کیا اس کی یہی جزاء ہے تو جناب

باری سے حکم ہوگا کہ نہیں تمہاری یہ خواہش تھی کہ لوگ تم کو جوان مرد کہیں سوتمہاری یہ خواہش پوری ہوچکی یعنی تم لوگوں میں شجاع کہلائے گئے پس تمہارے لئے یہی اجر تھا یہی حال علماء ،حجاج وواعظین وغیرہ کا ہوگا عجب وکبر وفخر یہ تو بڑی سخت بیماری ہے عجب وہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بنظر عظمت اور دوسرے کو بنظر ذلت وحقارت دیکھے اور ہر بات میں منم منم (میں میں) زبان پر ہو جیسا کہ ابلیس لعین کا دعوی ہے کہ انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته من طین میں آدم سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ عجب سے غرض یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی توقیر ہو اور ہر کام اور ہر بات میں لوگ اپنی عزت کریں کبر کے یہ معنی ہیں کہ ہدایت نیک کے قبول کرنے سے نفس میں گریز ہو اور تردید قول سے رنج۔ المختصر کہ جو شخص اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے وہ متکبر ہے بلکہ انسان کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیک وہ شخص ہے جو خدا کے پاس بھی نیک ہو مگر اس کا معلوم کرنا محال ہے کیونکہ وہ متعلق بعلم غیب ہے اس کا حال وقت اخیر ہی معلوم ہوسکے گا یہ خیال کر لینا کہ ہم ہی سب سے اچھے ہیں جہالت ہے بلکہ چاہئے تو یہ کہ ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھے مثلاً بچوں کو دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ یہ کم سن ہیں انہوں نے معصیت نہیں کی ہے اور ہم گناہ میں مبتلاء ہیں بیشک یہ ہم سے اچھے ہیں۔ اگر بوڑھوں کو دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ انہوں نے بوجہ کم سنی ہم سے زیادہ عبادت کی ہے اس لئے یہ ہم سے بہتر ہیں۔ اگر عالم ہوں تو یہ سمجھیں کہ ان کو خدا نے ایسی بزرگی دی ہے جو ہم میں نہیں ہے تو ہم ان کے برابر کیونکر ہوسکتے ہیں اگر کسی جاہل کو دیکھیں تو یہ سمجھیں کہ اس نے بوجہ لاعلمی برائی کی اور ہم نے جان بوجھ کر معصیت کی ہے ہم ہی پر سخت عذاب ہوگا۔ اگر کافر ہو تو یہ خیال کرے کہ شاید یہ کبھی نہ کبھی مسلمان ہوجائے اور اس کا خاتمہ بخیر ہو ممکن ہے کہ وہ مقبول بارگاہ ہوجائے اور ہم مردود رہیں۔ الحاصل تکبر اس وقت تک دفع نہیں ہوسکتا جب تک کہ پورے طور پر یہ یقین نہ ہوجائے کہ بزرگ وہ ہے جو خدا کے پاس بزرگ ہے اور اس کا معلوم کرنا خاتمہ پر موقوف ہے جب یہ بات بالکلیہ خاطر نشین ہوجائے تو رفتہ رفتہ تکبر دفع ہوسکتا ہے کیونکہ خاتمہ کا کس کو علم ہے خدا مقلب القلوب ہے جس کو چاہا ہدایت پر لایا اور جس کو چاہا گمراہ کیا۔ حسد وغیرہ کی برائیوں میں تو بہت سی احادیث وارد ہیں مگر یہاں صرف ایک حدیث کا نقل کرنا باقتضائے مقام کافی ہوگا راوی

ابن المبارك باسناده عن رجل انه قال لمعاذ يا معاذ حدثني حديثا سمعته من رسول الله ﷺ فبكى معاذ حتى ظننت

انـه لا يسـكـت ثم سكت ثم قال واشوقاه الى رسول الله ﷺ والى لقائه ثم قال سمعت رسول الله ﷺ يقول يا معاذ احدثك بحديث ان انـت حـفـظتـه نـفـعـك عند الله وان انت ضيعته ولم يحفظه انـقـطـعـت حـجـتـك عـنـد الله تـعالىٰ يوم القيامة يا معاذ ان الله تعالىٰ خلق سبعة املاك قبل ان يخلق السمٰوٰت والارض فجعل لـكـل سـمـاء مـن الـسبـع ملكا بوابا عليـها فتصعد الحفظة بعمل الـعبـد من حين اصبح الى حين امسى له نور كنور الشمس حتى اذا صعدت بـه الـى الـسـمـاء الـدنيـا زكته وكثرته فيقول الملك الـموكل بـها للحفظة اضربوا بـهذا العمل وجه صاحبه انا صاحب الغيب امرني ربي ان لا ادع عمل من اغتاب الناس يجاوزني الى غيرى قـال ثم قال الحفظة بعمل صالح من اعمال العبد فتركته وكثرتـه حتـى تبـلـغ بـه الـى الـسـمـاء الثانية فيقول لـهم الملك الـموكل بـها قفوا واضربوا بـهذا العمل وجه صاحبه انه اراد بعمله عـرض الـدنيـا انـا مـلـك الـفـخـر امـرنـي ربي ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيري انه كان يفخر على الناس في مجالسهم قال وتـصـعـد الـحـفظة بـعـمـل الـعبد يبتـهج نورا من صدقة وصلاة وصيـام قـد اعـجـب الـحـفظة فيـجـاوزون بـه الى السماء الثالثة فيـقـول لـهـم الملـك الـموكل بـها قففوا واضربوا بـهذا العمل وجه صـاحبه انا ملك الكبر امرني ربي ان لا ادع عمله يجاوزني الى غيـرى انـه كـان يتـكبـر عـلـى الناس في مجالسهم قال وتصعد الـحـفظة بعمل العبد يزهوا كما يزهوا الكوكب الدرى له دوى من تسبيـح وصـلاة وصيام وحج وعمرة حتى يجاوزوا به الى السماء الـرابعة فيقول لـهم الملـك الـموكل بـها قفوا واضربوا بهذا العمل وجـه صاحبه وظـهره وبطنه انا صاحب العجب امرني ربي ان لا ادع عـمـلـه يـجـاوزنـي الـى غيـرى انه كان اذا عمل عملا يدخل العجب فيه قال وتصعد الحفظة بعمل العبد حتى يجاوزوا به الى

السماء الخامسة كانه العروس المزفوفة الى بعلها فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه واحملوه الى عاتقه انا ملك الحسد انه كان يحسد من يتعلم ويعمل بمثل عمله وكل من كان ياخذ فضلا من العبادة كان يحسدهم ويقع فيهم امرنى ان لا ادع عمله يجاوزنى الى غيرى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد له ضوء كضوء الشمس من صلا ة وزكاة وحج وعمرةوجهاد وصيام يجاوزون به الى السماء السادسة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه انه كان لا يرحم انساناً قط من عباد اللّٰه اصابه بلاء اومرض بل كان يشمت به انا ملك الرحمة امرنى ربى ان لا ادع عمله يجاوزنى الى غيرى قال وتصعدالحفظة بعمل العبدمن صوم وصلاة ونفقة وجهادوورع له دوى كدوى النحل وضوء كضوء الشمس ومعه ثلاثة آلاف ملك فيجاوزون به الى السماء السابعة فيقول لهم الملك الموكل بها قفوا واضربوا بهذا العمل وجه صاحبه واضربوا جوارحه واقفلوا به على قلبه فانى احجب عن ربى كل عمل لم يود به وجه ربى انه انما اراد بعمله غيراللّٰه تعالى انه اراد به رفعة عند الفقهاء وذكرا عند العلماء وصيتا فى المدائن امرنى ربى ان لا ادع عمله يجاوزنى الى غيرى وكل عمل لم يكن للّٰه تعالى خالصا فهو رياء ولا يقبل اللّٰه عمل الراى قال وتصعد الحفظة بعمل العبد من صلاة وزكاة وصيام وحج وعمرة وخلق حسن وصمت وذكر اللّٰه تعالى فتشيعه الملئكة السماوات السبع حتى يقطعوا به الحجب كلها الى اللّٰه تعالى فيقفون بين يديه ويشهدون له بالعمل الصالح المخلص للّٰه تعالى فيقول اللّٰه تعالى انتم الحفظة على عمل عبدى وانا الرقيب على مافى قلبه انه لم يردنى بهذا العمل وانما اراد به غيرى فعليه لعنتى فتقول

الملائكة كلها عليه لعنتك ولعنتنا فلعنه السماوات السبع ومن فيهن فبكى معاذ وانخبا انتخابا شديدا وقال معاذ يا رسول الله انت رسول الله وانا معاذ فكيف لي بالنجاة والخلاص من ذٰلك قال اقتد بي وان كان في عملك نقص يا معاذ حافظ على لسانك من الوقيعة في اخوانك من حملة القرآن خاصة واحمل ذنوبك عليك ولا تحملها عليهم ولا تزل نفسك بذمهم ولا ترفع نفسك عليهم ولا تدخل عمل الدنيا في عمل الآخرة ولا تراه بعملك ولا تتكبر في مجلسك لكي يحذر الناس من سوء خلقك ولاتناج رجلا وعندك آخر ولا تتعظم على الناس فتنقطع عنك خيرات الدنيا والآخرةولا تمزق الناس بلسانك فتمزقك كلاب النار يوم القيامة في النار قال الله تعالى والناشطات نشطا ہل تدری ما ہن يا معاذ قلت ما ہی بابی انت وامی يا رسول الله قال كلاب في النار تنشط اللحم من العظم قلت بابی انت وامی يا رسول الله من يطيق ہذہ الخصال ومن ينجو منها قال يا معاذ انه يسير على من يسره الله تعالى عليه انما يكفيك من ذلك ان تحب للناس ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك فاذن انت يا معاذ قد سلمت ۔

ابن مبارک سے روایت ہے کہ ایک شخص نے معاذ سے کہا کہ اے معاذ وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے جناب رسول مقبول ﷺ سے سنی ہے سائل کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی معاذؓ اس قدر رونا شروع ہوئے کہ میں سمجھتا تھا کہ وہ سکوت نہ کریں گے پھر وہ یک بار ساکت ہوئے اور واشوقاہ الی رسول اللہ والی لقائہ کہکر بیان کیا کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے معاذ میں تجھ سے ایک حدیث کہتا ہوں اگر تو اسے یاد رکھے تو نفع دیگی تجھ کو اللہ کے پاس اگر تو اس کو ضائع کردے یا بھول جائے تو پھر قیامت کے روز خدا کے سامنے تو کوئی دلیل پیش نہ کر سکے گا اے معاذ قبل پیدا کرنے زمین وآسمان کے خداوند عالم نے سات فرشتوں کو پیدا کیا اور ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر دربان مقرر کیا جو فرشتے کہ تحریر اعمال کے لئے متعین ہیں وہ صبح سے شام تک ہر شخص کے اعمال کو جو کچھ ہوں آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان اول کا دربان کہتا ہے کہ اس

عمل کو صاحب عمل کے پاس پھر لیجاؤ میں صاحب غیبت ہوں مجھ کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو شخص دوسروں کی غیبت کرتا ہے اس کے اعمال کو روک دوں پھر یہ فرشتہ دوسرے شخص کے نیک اعمال کو لیکر تعریف کرتے ہوئے آسمان پر جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو وہاں کا دربان کہتا ہے کہ میں فرشتہ فخر ہوں مجھ کو ایسے شخص کے اعمال کو آگے بڑھانے کی اجازت نہیں ہے کہ جس نے یہ اعمال صرف منفعت دنیا کے لحاظ سے کیئے ہیں کیوں کہ یہ شخص اپنے اعمال کے گھمنڈ پر مجلسوں میں فخر کیا کرتا تھا پھر وہ فرشتہ ایک اور شخص کے نیک اعمال (جواز قبیل صدقہ وصلاۃ وصوم کے ہیں) نہایت تعجب کے ساتھ لئے ہوئے ان آسمانوں پر سے عبور کرتے ہوئے تیسرے آسمان تک پہنچے گا تو وہاں کا دربان کہے گا کہ میں فرشتہ کبر ہوں مجھ کو حکم ہے کہ متکبرین کے اعمال کو نہ چھوڑوں یہ شخص متکبر تھا اس کے اعمال اسی کے پاس پھر لیجاؤ۔ پھر ایک اور شخص کے اعمال نیک اسی طرح فرشتے بڑے فخر کے ساتھ آسمان چہارم پر لے جائیں گے مگر موکل آسمان چہارم کہے گا کہ میں صاحب عجب ہوں اس شخص کے اعمال میں عجب یعنی غرور شریک ہے مجھ کو ایسے شخص کے اعمال کے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص کے اعمال حسنہ مثل عروس کے لئے ہوئے آسمان پنجم پر پہنچیں گے تو وہاں کا فرشتہ کہے گا کہ میں صاحب حسد ہوں پس اس شخص کے اعمال کو لیجاؤ کہ یہ جب کسی کو ذی علم یا مثل اپنے کام کرتے ہوئے دیکھتا یا کسی کو اچھی حالت میں پاتا تو حسد، عیب چینی کیا کرتا تھا علی ہذا پھر ایک کے اعمال حسنہ کو جس کی چمک چاند کی سی ہوگی (از قبیل نماز، زکوٰۃ، حج، عمرہ جہاد، روزہ) لئے ہوئے آسمان ششم پر پہنچیں گے تو موکل آسمان ششم کہے گا کہ میں صاحب رحمت ہوں یہ شخص کبھی کسی مصیبت زدہ وبلاء رسیدہ پر رحم نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی عادت تھی کہ ایسے لوگوں کی شماتت کرے لہذا میں ایسے شخص کے اعمال کو اوپر جانے دینے سے ممنوع ہوں اس کے اعمال پھر لیجاؤ۔ اسی طرح پھر ایک کے نیک اعمال (مثل نماز، روزہ، نفقہ، جہاد) کہ جنکی چمک دمک مثل آفتاب کے ہونگے لیکر ساتویں آسمان تک عروج کریں گے لیکن جو موکل وہاں متعین ہے کہے گا کہ مجھ کو شرم آتی ہے کہ ایسے شخص کے اعمال کو چھوڑ دوں کہ جو اللہ کی خوشنودی کے لئے تو نہیں کئے گئے صرف علماء وفقہاء کے پاس اپنے علو مرتبت کے لحاظ سے کئے گئے ہیں اس سے تو فقط شہرت منظور تھی۔ بہرحال جو عمل کہ محض بہ نیت رضائے الٰہی نہ ہو وہ ریاء ہے اور عمل ریائی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول نہیں ہے اسکے سوا بعض لوگوں کے اعمال ایسے بھی ہوں گے جو ان سب مراتیب سے گزر کر خاص بارگاہ قدس میں پہنچ جائیں گے اور کل ملائکہ اس نیک عمل کی

گواہی دیں گے بااین جناب باری سے ارشاد ہوگا کہ تم تو صرف محافظین اعمال ہو اور میں اس کا رقیب ہوں مجھ کو اس شخص کے دلی قصد سے آگاہی ہے، اس نے یہ عمل خاص میرے لئے نہیں کیا بلکہ دوسروں کے دکھانے کے لئے کیا ہے اس واسطے میں اس شخص پر لعنت کرتا ہوں یہ سنتے ہی کل ملائکہ لعنت کریں گے بلکہ آسمان اور زمین اور اس میں رہنے والے بھی لعنت کریں گے یہ سنتے ہی معاذ رونا شروع ہوئے اور ایک چیخ ماری اور جناب رسالت مآب ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو رسول ہیں اور میں معاذ ہوں تو پھر فرمایئے کہ میری نجات کی کیا سبیل ہے آپ نے فرمایا کہ میری اقتداء کرو گو تمہارے اعمال میں نقص ہو۔اے معاذ ابنائے جنس کی غیبت سے (خاصتا مسلمانوں کی اور عموماً سب کی غیبت سے) اپنی زبان کو بچاؤ اپنی برائی کو اپنے ہی تک محدود رہنے دوسروں کے افتراک میں مت باندھو اوروں کی مذمت کر کے تم اپنے آپ کو رسوا مت کرو اعمال دنیا کو اعمال آخرت میں مت شریک کرو، ریاء مت کرو تکبر کو چھوڑ دو کہ تمہاری بدخلقی سے (جو لازما کبر ہے) خائف نہ ہو جائیں لوگوں کو دشنام مت دو تا کہ دوزخ کے کتے تم کو نہ کاٹ کھائیں وہ جو خداوند عالم کا ارشاد ہے والناشطات نشطا اے معاذ تم جانتے ہو کہ ناشطات کیا ہیں تو معاذ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ آپ ہی فرمایئے کہ وہ کیا ہیں تو آپ نے کہا کہ وہ دوزخ کے کتے ہیں ہڈیوں سے گوشت کو جدا کرتے ہیں تو معاذ نے کہا کہ یارسول اللہ ایسی خصلتوں کا اختیار کرنا تو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے معلوم نہیں کہ نجات کیسے ہوگی تو ارشاد ہوا کہ اے معاذ اگر اللہ چاہے تو سب کچھ آسان ہے مگر انسان کو اس قدر لحاظ ضروری ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی غیر کے لئے بھی عزیز رکھے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند رکھے وہ غیر کے لئے بھی اچھی نہ سمجھے اگر یہ بات ہو جائے تو پھر سلامتی ہے۔خالد بن معدان کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے کسی کو معاذ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔بہر حال ان ابواب کے حصول کا خیال لازم ہے یہ سب خرابیاں اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ اکثر لوگ علم کو صرف جاہ و منزلت کے لئے حاصل کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اس بلاء میں پھنس جاتے ہیں بلکہ ان سے تو جاہل ہی اچھے کہ ایسے امور سے کوسوں بھاگتے ہیں اس واسطے ایسے مہلکات سے حذر کرنا اور اپنے قلب کی صفائی کرنا بہت ضروری ہے یہ تینوں خصلتیں جو ذکر ہو چکیں امہات خبائث قلب سے ہیں اور اس کی جڑ حب دنیا ہے اس واسطے جناب رسالت مآب فرماتے ہیں حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور وہ جو الدنیا مزرعۃ الآخرۃ ہے صرف اس شخص کے لئے ہے جو دنیا کو اسیقدر اختیار کرے جس سے

امور دینی میں تائید ہو اور جس کی یہ نیت ہو کہ صرف تنعّمات دنیا میں پھنسے رہیں اس کے لئے تو باعث ہلاکت ہے۔ یہاں تک تو ظاہر تقوی کا ذکر بقدر ضرورت بیان ہو چکا پس اولا ان معاملات کا امتحان انسان اپنے نفس کے ساتھ کرلے اگر اس میں کامیابی ہو تو پھر احیاء العلوم کا مطالعہ کرے کہ جس میں باطنی تقوی کا ذکر ہے جب باطنی تقوی سے بھی دل آراستہ ہو جائے تو اس وقت بندہ اور خدا کے درمیان جو حجاب ہے رفع ہو جائے گا انوار معارف منکشف ہوں گے چشمہ ہائے علوم نافعہ دریائے دل سے جاری ہوں گے اسرار ملک وملکوت ظاہر ہو جائیں گے اور اس وقت ان علوم باطنی پر بصیرت وقدرت حاصل ہو جائے گی کہ جس کے مقابلہ میں یہ علوم ظاہری کہ جنکا ذکر تک صحابہ وتابعینؒ کے زمانے میں نہیں تھا نظر سے گر جائیں گے اگر بایں تم کو اسی قیل وقال اور جھگڑے میں مبتلاء رہنا پسند ہو تو بڑی ہی مصیبت کی بات ہے اور بے انتہاء حسرت وندامت کا معاملہ ہے۔

آداب صحبت ومعاشرت باخدا وبابندگان خدا

انسان کے سفر وحضر اور خواب وبیداری بلکہ موت وحیات میں جو رفیق ہے وہ وہی پروردگار ہے جو سب کا مالک وخالق ہے اور رفیق بھی ایسا کہ جب تم اسے یاد کرو تو تمہارے ساتھ ہے چنانچہ کس مہربانی سے ارشاد ہوتا ہے کہ انا جلیس من ذکرنی[۱] اور جب بوجہ قصور عبادت وظہور معصیت کہ کسی کا دل شکستہ ہو تو اس کی عنایت کارہنمائی کرے گی چنانچہ حکم ہوتا ہے انا عند المنکسرة قلوبہم من اجلی[۲] اگر انسان ذرا اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لے تو کیا سوائے اللہ کے اور کسی کو اپنا معین اور حامی خیال کر سکتا ہے ہرگز نہیں پس تمام اوقات اسی ملازمت وفکر میں صرف ہونا سرمایہ نجات ہے اگر اس کا التزام محال ہو تو جب کبھی رات دن میں موقع ملے اپنے صاحب کی طرف رجوع کرنا اور بعجز والحاح اپنی حاجت کا پیش کرنا بہت ضروری ہے اسی کو خلوت کہتے ہیں اور اس خلوت میں آداب مع اللہ کا لحاظ چاہئے جو چودہ ہیں۔

۱۔ سر جھکائے رہیں اور آنکھیں بند ہوں۔

۲۔ بالکلیہ خداوند عالم کی طرف متوجہ ہوں۔

---

۱ میں اس شخص کے ساتھ ہوں جو مجھ کو یاد کرے۔

۲ جن لوگوں کے دل میرے خوف سے شکستہ ہیں میں ان کے پاس ہوں

۳۔ساکت رہیں۔
۴۔جوارح میں سکون ہو۔
۵۔امتثال اوامر کی پابندی ہو۔
۶۔اور نیز اجتناب از نواہی کی بھی۔
۷۔راضی برضائے الٰہی ہو۔
۸۔مداومت ذکر کہ قلب ولسان سے رہے۔
۹۔فکر نعمات الٰہی ہو۔
۱۰۔حق بات کا اختیار کرنا اور باطل کو ترک کرنا۔
۱۱۔مخلوقات سے ہر حال میں قطع امید کرنا۔
۱۲۔خضوع بخوف الٰہی وہیبت الٰہی۔
۱۳۔انکسار مع الحیاء۔
۱۴۔حیلہ کسب سے ہاتھ دھونا کیوں کہ خدا رزق کا ضامن ہے۔
وما من دابۃ فی الارض الا علی اللّٰہ رزقہا
۱۵۔اللہ کے فضل پر توقع کرنا کیوں کہ سوائے خدا کے کوئی مربی نہیں ہے۔

یہ آداب اس طرح اختیار کئے جائیں کہ گویا عادات میں داخل ہو جائیں کیونکہ یہ آداب اس مالک کے ساتھ ہیں جو ایک لحظہ اپنے بندوں سے دور نہیں ہوتا مخلوقات کی محبت وملاقات ایسی نہیں ہے کیونکہ وہ کبھی ملتے ہیں اور کبھی جدا رہتے ہیں اگر کوئی عالم ہے تو اس کو معلوم کرنا چاہئے کہ عالم کے سترہ آداب ہونے چاہئیں۔

آداب عالم

۱۔بردباری ۲۔لزوم حلم ۳۔مجلس میں وقار اور آئین کے ساتھ بیٹھنا ۴۔بندگان خدا کے ساتھ تکبر نہ کرے مگر ظالم کے ساتھ تاکہ اس کو زجر ہو ۵۔محافل ومجالس میں تواضع کا لحاظ رکھنا ۶۔ترک ہزل ومزاح ۷۔شاگردوں پر مہربانی کرنا اور جہال سے درگزر کرنا ۸۔نیک تفہیم سے بلید الطبع کی اصلاح کرنا ۹۔بلید الطبع پر غضب کرنا ۱۰۔جو بات معلوم نہ ہو اس سے صاف انکار کرنا اور کچھ شرم نہ کرنا ۱۱۔سائل کی تفہیم میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنا ۱۲۔دلیل کو ماننا گو

دشمن بھی پیش کرے ۱۳۔ سچی بات ماننا اگرچہ اپنے سے کم مرتبہ شخص کہے ۱۴۔ طالب علموں کو مضر علم کے حاصل کرنے سے جیسا کہ سحر و نجوم و رمل وغیرہ منع کرنا ۱۵۔ طلباء کو اس بات سے منع کرنا کہ وہ علوم نافع یعنی علوم دین سے دنیوی اغراض متعلق نہ کریں ۱۶۔ طلباء کو قبل از ادائے فرض عین فرض کفایہ کی طرف رجوع کرنے سے منع کرنا۔ فرض عین یہ ہے کہ ظاہر و باطن تقوی سے آراستہ ہو ۱۷۔ پابندی عمل کیوں کہ بغیر عمل کے دوسروں پر نصیحت موثر نہیں ہوتی

آداب طلباء

۱۔ استاذ کو سلام کرنا اور باجازت انکی خدمت میں حاضر ہونا ۲۔ استاد کے سامنے زبان درازی نہ کرنا جب تک استاذ کسی بات کو نہ پوچھے اپنی طرف سے کچھ بیان نہ کرے ۴۔ جب تک استاذ کی اجازت نہ ہو کوئی چیز طلب نہ کرنا ۵۔ استاذ کے قول سے تعارض نہ کرنا یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص نے آپ کے برخلاف اس طرح بیان کیا ہے ۶۔ خلاف رائے استاذ کے کوئی کام نہ کرنا ۷۔ جس کمرے میں استاذ موجود ہو پھر دوسرے شخص سے سوال یا مشورہ کرنا منع ہے ۸۔ استاذ کے سامنے باادب بیٹھے اور تبسم وغیرہ نہ کرے ۹ اگر استاذ غمگین یا فکرمند ہو تو زائد سوالات نہ کرنے چاہئیں ۱۰۔ جب استاذ اٹھے تو آپ کو بھی تعظیماً اٹھ کھڑے ہونا چاہئے ۱۱۔ جب استاذ مجلس سے اٹھے تو ان سے باتیں اور سوال کرتا ہوا پیچھے پیچھے نہ چلے ۱۲۔ راستے میں چلتے چلتے سوال نہ کریں الا یہ کہ وہ اپنی قیام گاہ کو پہنچ جائیں ۱۳۔ استاذ سے بدظنی نہ کرے گو استاذ سے کوئی فعل مکروہ سرزد ہوا ہو اگر اس قسم کا خیال بھی ہو تو وہ قول جو موسیٰؑ نے خضرؑ سے کہا تھا یاد کرے جو یہ تھا کیا تم نے بغرض ہلاکت اہل کشتی کے کشتی کو توڑ دیا تھا۔ گو اسطرح موسیٰؑ نے ابتداءً خضرؑ کی حرکت کو مکروہ خیال کر کے کہا مگر درحقیقت چونکہ وہ فعل شریعت باطن کے موافق تھا لہٰذا آخر پھر اسی کی تصدیق کی۔

اولاد کے آداب والدین کے ساتھ

۱۔ جو بات ماں باپ کہیں اس کو مانیں ۲۔ والدین کی تعظیم ہر وقت ملحوظ رہے ۳۔ اطاعت اگرچہ مضر ہو (مگر یہ کہ حد معصیت تک نہ پہنچ جائے) لازم سمجھے ۴۔ چلنے میں ماں باپ پر سبقت نہ

کرے ۵ والدین کے سامنے با آواز بلند گفتگو نہ کرے ۶۔ اگر والدین بلائیں تو کہے کہ جی حاضر ہوا یعنی بالفاظ تعظیم جواب دے ۷۔ ہر بات اور ہر کام میں والدین کی رضامندی کا خیال رہے ۸۔ والدین کے ساتھ بعجز وتواضع پیش آئے ان کی خدمت خود کرے ۹۔ والدین پر کسی بات کی منت نہ رکھے ۱۰۔ کبھی ان پر بنظر غضب نہ دیکھے ۱۱۔ ترش روئی سے نہ پیش آئے ۱۲۔ بغیر اذن والدین کے سفر نہ کرے۔ ہر ایک انسان کے لئے استاذ ووالدین کے بعد دوسرے لوگ تین قسم کے ہیں دوست۔

۲۔ جان پہچان والا اور تیسرا اجنبی۔

آداب معاشرت اصناف خلق کے ساتھ

پس اگر انسان کو اجنبیوں سے معاملہ پڑ جائے تو امور ذیل کا لحاظ رکھے ا۔ انکی گفتگو میں دخل نہ دیا جائے ۲۔ ان کی بیہودہ باتیں مانی نہ جائیں ۳۔ اگر ان کی زبان سے کچھ غلط الفاظ ناملایم بھی سنے تو اس سے درگزر کرے ۴ ان سے یادہ ربط وضبط نہ بڑھاویں اور نہ اپنا کوئی راز یا حال ان سے بیان کریں ۵۔ اگر کوئی فعل بد ان سے سرزد ہو تو بشرط امید قبول اس پر متنبہ کرے۔ احباب واخوان کے ساتھ ملاقات رکھنے میں دو باتوں کا لحاظ چاہئے اول یہ کہ آیا وہ محبت وصحبت رکھنے کے لائق ہیں کہ نہیں کیوں کہ ہر شخص دوستی کے لائق نہیں ہوسکتا جناب رسالتمآب ﷺ فرماتے ہیں المرء علیٰ دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل یعنی یہ کہ انسان اپنے دوست کا طریقہ اختیار کرتا ہے اس لئے جس سے دوستی کی جائے پہلے اسکی حالت دریافت کی جائے بہرحال جب ایسا کوئی رفیق مل جائے تو پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ اس میں شرائط مفصل ذیل ہیں کہ نہیں۔ عاقل ہو کیوں کہ احمق کی صحبت سے بجز وحشت اور قطع محبت کے کوئی نتیجہ ہی نہیں ہے اور نیز یہ کہ احمق سے سوائے مضرت کے نفع کی توقع نہیں گو اس کی نیت میں نفع پہنچانا ہو جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ،

ولا تصحب اخا الجهل وایاك — صحبت مت رکھ جاہل سے اور بچا اپنے کو اس

وایاه فکم من جاهل اردی۔ — سے، بہت سے جاہلوں نے ہلاک کیا ہے۔

حکیما حین واخاه یقاس — کحذو النعل بالنعل

المرء بالمرء اذا ما المرء ما شا — اذا ما النعل حاذاه۔

وللشيء من الشيء، مقاييس واشباه،
وللقلب على القلب دليل حين يلقاه

الشمنہ کو جبکہ ان سے دوستی کی گئی، قیاس کیا جاتا ہے آدمی آدمی کے ساتھ، جبکہ اس کے ساتھ ہوتا ہے، جیسا کہ مقابلہ نقش کا نقش سے کیا جاتا ہے جبکہ نقش مقابل ہو نقش کے، ایک چیز کو دوسری چیز سے، قیاس اور مماثلت کا موقع ہے، اور دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جب آپس میں ملاقات ہو۔

۲۔ خلق۔ بدخلق سے قطع تعلق کرنا چاہئے بدخلق وہ ہے جو غضب و شہوت کے وقت اپنے نفس پر حاوی نہ ہو سکے۔ چنانچہ علقمۃ عطاردی نے وفات کے وقت اپنے صاحب زادے کو کیا خوب نصیحت کی ہے کہ اے فرزند تو ایسے شخص سے دوستی اختیار کر کہ جس سے تیرے مال وآبرو کی حفاظت ہو اور جس کی صحبت تیری زینت کا باعث ہو اور وہ ایسا شخص ہو کہ بوقت حاجت تیری اعانت کر سکے اگر تو اس کے ساتھ نیکی سے پیش آئے تو وہ بھی تیرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے تیری نیکیوں کا اظہار کرے اور بدیوں کو چھپائے اور جس کو تیرے قول و فعل پر اعتبار ہو اور تیری ترقی مناسب کا خواہاں ہو اور بالفرض اگر اختلاف رائے بھی ہو تو تیری رائے کو مقدم سمجھے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

ان اخاك الحق من كان معك ومن يضر نفسه لينفعك
ومن اذاريب الزمان صدعك شتت فيك شمله ليجمعك

سچا دوست وہ ہے جو تیرے ساتھ ہو اور تیرے نفع کے لئے اپنے نقصان کو گوارہ کر لے اگر زمانے سے تجھ کو کچھ گزند پہنچے تو وہ ہر طرح کی پریشانی تیرے اطمینان کے لئے برداشت کرے

۳۔ مرد صالح ہو فاسق کی صحبت اختیار نہ کرنی چاہئے کیونکہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہوگا وہ کبھی گناہ کبیرہ پر اصرار نہ کرے گا اور جس کو اللہ کا ڈر نہ ہوگا وہ نفس کی شرارت سے بچ نہیں سکتا اور بہت جلد اس کی حالت بدلتی جاتی ہے قال الله تعالى لنبيه ﷺ ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا جناب باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے محمد تم مت اطاعت کرو اس شخص کی کہ جس کا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے اور صرف خواہش نفسانی میں مبتلاء ہے کہ ایسے شخص کا انجام تباہی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاسق لائق صحبت نہیں ہے ہمیشہ فسق اور معصیت کا دیکھنا دل کو سخت کر دیتا ہے کیوں کہ کثرت فجور سے گناہ کی ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے چنانچہ غیبت کو بھی کچھ

لوگ نظر عظمت سے نہیں دیکھتے حالانکہ وہ بڑی بلاء ہے اور بدترین معائب گناہ سے ہے حتی کہ ایک عالم کو حریر و تلے کا استعمال جس طرح ناجائز ہے اس سے بھی غیبت بری ہے

حریص نہ ہو، حریص کی صحبت بھی سم قاتل ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیوں کہ انسان بالطبع تشبہ اور اقتداء پر مجبور ہے اور صاحب طبع سلیم کو اس کی خبر نہیں ہوتی پس اگر حریص کی صحبت اختیار کرو گے تو تم بھی حریص ہو جاؤ گے اور اگر زاہد کی صحبت اختیار کرو گے تو تم بھی زاہد بن جاؤ گے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے احیوا الطاعات بمجالسة من یستحی منہ یعنی زندہ کرو تم عبادت کو ان لوگوں کی صحبت سے جو عبادت سے زندہ ہیں یعنی اپنے اوقات کو عبادت میں بسر کرتے ہیں۔

۵۔ صادق ہو جھوٹے کی صحبت مت رکھو کیونکہ جھوٹے آدمی سے اکثر دھوکا ہوتا ہے جھوٹی بات مثل سراب کے ہے کہ جس سے امور بعید قریب نظر آتے ہیں اور قریب بعید، ان خصلتوں کے اختیار کرنے میں اکثر صحبت اہل مدارس (یعنی علماء وطلباء) واہل مساجد (زاہدین) ہالج ہوتی ہے پس دو باتوں میں سے ایک اختیار کرو یا تو عزلت وتنہائی کہ جو موجب سلامتی ہے یا دوستوں کے اخلاق کا اندازہ کر کے ان سے صحبت اختیار کرو۔

دوست تین قسم کے ہیں ایک دوست عقبی کہ جس میں سوائے دینداری کے تم کچھ نہ دیکھو گے دوسرا دوست دنیا کہ جو اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو تیسرا دوست مونس کہ جس میں کسی قسم کا شر و فساد نہ ہو ابوذر رضی اللہ سے منقول ہے الوحدة خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدة تنہائی بد صحبت سے اچھی ہے اور اچھی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔ عوام الناس تین قسم کے ہیں ایک تو مثل غذا کے ہیں یعنی ان سے طبیعت سیر نہیں ہوتی یہ تو علماء ہیں اور دوسرے مثل دوا کے ہیں کہ کبھی ان کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نہیں تیسرے مثل بیماری کے ہیں ان کی احتیاج تو نہیں ہے مگر کبھی آدمی ان میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور وہ کہ جن سے نہ تو کچھ نفع ہو اور نہ موانست جیسے فاسق، مبتدع، کذاب وغیرہ ایسے لوگوں سے تو بلحاظ دفع شر مدارات کرنی چاہئے چنانچہ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں مداراة الناس صدقة تالیف قلوب صدقہ ہے یعنی تالیف قلوب کا ثواب مثل ثواب صدقہ کے ہے۔ مگر جو لوگ کہ مثل بیماری کے ہیں ان کا وجود بھی مصلحت سے خالی نہیں ان کے دیکھنے سے انسان کو برے افعال سے آگاہی ہوتی ہے اگر انسان میں مادہ عبرت ہو تو ایسے لوگوں سے بہت کچھ اثر پذیر ہو سکتا ہے سعید وہی ہے جو دوسروں کی نصیحت قبول کرے المومن مرآة المومن کے یہی معنی

ہیں عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس نے ادب سکھلایا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی نے ادب نہیں سکھایا مگر یہ کہ میں جاہلوں کو دیکھتا تھا اور عبرت حاصل کرتا تھا۔ حقیقت میں آپ کا قول بہت سچا ہے اگر لوگ برے اقوال وافعال سے بچیں تو ان کا ادب مکمل ہو جائے گا اور کبھی ان کو تعلیم کی حاجت نہ رہے گی۔

بیان رعایت حقوق صحبت

جب تمکو کسی سے مصاحبت ومحبت ہو تو تم کو آداب صحبت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اگرچہ آداب صحبت بہت ہیں مگر مختصراً کچھ ذکر کئے جاتے ہیں رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے مثل الاخوین مثل الیدین تغسل احدٰھم الاخری دو دوست مثل دو ہاتھ کے ہیں جو ایک دوسرے کو دھوتا ہے ایک مرتبہ حضرت ایک باغیچہ میں تشریف لے گئے اور وہاں سے مسواک لیے ایک سیدھا اور ایک ٹیڑھا۔ ٹیڑھا تو اپنے لئے رکھا اور سیدھا بعض اصحاب کو جو آپ کے ساتھ تھے عنایت فرما دیا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس کے تو آپ ہم سے زیادہ تر مستحق تھے تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی کو کسی سے ملاقات اور مصاحبت ہوتی ہے تو اگرچہ وہ صحبت ایک ساعت کی بھی ہو مگر اس کی نسبت حقوق اللہ کی نگہبانی یا عدم نگہبانی کا سوال ہوگا یعنی حقوق صحبت کا اور نیز جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب دو شخص آپس میں دوست ہوں تو خدا کے پاس زیادہ تر محبوب وہ شخص ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ رعایت سے پیش آتا ہو

آداب صحبت

۱۔ ایثار مال اگر ایثار نہ ہو سکے تو جس قدر ممکن ہو حاجت کے وقت مدد کرے

۲۔ اعانت ذاتی بطیّب خاطر بلا درخواست ۳۔ حفاظت راز ستر عیوب اور ایسی چیز کے معلوم

کرانے سے سکوت کرنا کہ جس سے اپنے دوست کی ناخوشی کا احتمال ہو۴۔ اگر لوگ اپنے دوست کی تعریف کریں تو اس کا اظہار اپنے دوست پر کرنا اور خود بھی اس سے خوش ہونا ۵۔ اگر اپنے دوست کے متعدد نام ہوں تو جو نام اس کو مرغوب ہو اس سے پکارنا اور اس کے محاسن کا ذکر بلا افراط وتفریط کرنا نیک افعال کی ستائش کرنی اور برائیوں سے درگزر کرنا اور بشرط ضرورت بتلطف ومداراۃ نصیحت کرنا ۶۔ دوست کے قصور سے (باوجود قدرت انتقام) درگزر کرنا اور کسی قسم کی ملامت نہ کرنا ۷۔ غائبانہ اپنے دوست کے لئے (خواہ زندگی میں ہو یا بعد موت) دعائے خیر کرنا کہ ایسی دعا کبھی رد نہیں ہوتی ۸۔ دوست کے اہل وعیال سے (بعد وفات دوست) اور عزیز وقریب سے اسی محبت ومروت سے پیش آنا جیسا کہ زندگی میں عادت ہو ۹۔ دوست کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا تا بامکان دوست کی مشکلات میں مدد کرنا جاہ ومال کے حاصل کرنے میں اپنے دوست سے استمداد نہ چاہنا کہ اس سے اکثر تنفر پیدا ہوتا ہے جس بات میں اپنے دوست کی خوشی ہو اس میں اپنی بھی خوشی سمجھنا اور جس میں اس کی ناخوشی ہو اس سے خود بھی ناخوش ہونا۔ پس جب تک اس قسم کا برتاؤ سرا وعلانیۃ نہ ہو اس وقت تک آدمی درجہ اخلاص میں کامل نہیں ہوتا حاصل یہ کہ محبت ومروت خالصا لوجہ اللہ ہو کیونکہ بغیر اس کے اس قسم کی رعایتوں کا ملحوظ رکھنا از قبیل محالات ہے

۱۰۔ اگر دوست سے ملاقات ہو تو پہلے آپ سلام کرنا مجلس میں اپنے دوست کو اچھی جگہ دینا ۱۱۔ جب دوست سے ملاقات ہو تو حالت دوست کی اتباع کرنا مثلاً اگر دوست کھڑا ہو تو خود بھی تعظیماً کھڑے رہنا ۱۲۔ جب تک دوست گفتگو کرتا رہے آپ خاموش رہنا اور قطع سخن نہ کرنا حاصل کلام اپنے دوست کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جو کسی صورت ناگوار نہ ہو پس اس طرح جو شخص اپنے دوست کے ساتھ مدارات نہ کرے وہ دنیا اور آخرت کے وبال میں مبتلاء ہوگا یہاں تک تو عوام الناس اور احباب کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن سے فقط تعارف ہو یعنی وہ لوگ جو نہ بمرتبہ اصدقاء ہوں اور نہ عوام بلکہ شناسا ہوں ایسے لوگوں سے ہمیشہ ڈرنا چاہئے کیونکہ دوست تو ہر حال میں معین ہوگا اور جس سے کسی قسم کا تعارف ہی نہ ہو وہ تو کسی معاملہ میں دخل ہی نہ دے گا جو لوگ شناسا ہیں اور بظاہر دوستی کا دم بھرتے ہیں انہیں سے ہر قسم کے نقصان کا اندیشہ ہے ایسے لوگوں سے جہاں تک ممکن ہو اپنی صحبت کو کم کرنا چاہئے اگر بالفرض آدمی ایسے لوگوں میں کہیں (مثلاً درسگاہوں میں یا مساجد اور بازاروں وغیرہ میں) پھنس جائے تو کبھی ان کو بنظر حقارت نہ دیکھے گو بظاہر وہ خفیف وحقیر ہی

ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی منزلت خدا کے پاس زیادہ ہو اور ایسے لوگوں کو انکے تمول اور وجاہت دنیوی کے لحاظ سے بنظر عظمت دیکھنا بھی منع ہے کہ حب دنیا میں گرفتار نہ ہو جائے جو باعث ہلاکت ہے جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے ہیں کہ من تواضع لغنی لغناه ذهب ثلثا دینه جو شخص کسی تونگر کی مدارات صرف اس کی مالداری کی وجہ سے کرے تو اس کے دین سے دو ثلث گھٹ جائینگے۔ خدا کے پاس دنیا و مافیھا کی کچھ بھی قدر و منزلت نہیں ہے پس انسان کو اس بات سے پرحذر رہنا چاہئے کہ حصول دنیا کی فکر میں کہیں دین برباد نہ ہو جائے وگرنہ خدائے پاک کے سامنے خفت و رسوائی ہوگی اور اس طمع سے خود اہل دنیا کے پاس تم ذلیل ہو جاؤ گے اور ان سے تمہیں کوئی نفع نہ ہوگا اور جو لوگ کہ صرف مالداری کے لحاظ سے تمہاری خاطر و مدارات کریں اور بہ تعظیم و تکریم پیش آئیں وہ بھروسے کے لائق نہیں ہیں کیونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سچی محبت کرنے والے بہت کم ہیں اور امید نہیں کہ حاضر و غائب لوگ کسی سے یکساں لطف و مہربانی کے ساتھ برتاؤ کریں اکثر غائبانہ شکایت ہو جاتی ہے اور ایسا ہونا بعید از قیاس بھی نہیں ہے کیونکہ جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھیں تو ضرور اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ہم بھی دوسروں کی نسبت ایسا ہی پیش آتے ہیں بلکہ اپنے والدین عزیز و اقارب اور اساتذہ کے ساتھ بھی ایسے ایسے امور کا انتساب جو شاید کبھی بالمشافہ ذکر نہ کرسکیں گے پس اگر کوئی ہماری بھی شکایت کرے تو کیا عجب ہے۔

اہل دنیا سے مال وجاہ اور اعانت کی توقع بھی قطع کرنا چاہئے کیوں کہ طامع اپنے مقاصد کو کم حاصل کرتا ہے بلکہ جس قدر طمع زائد ہوگی اسی قدر ذلت حاصل ہوگی اگر کسی نے انجاح مرام میں تائید کی ہو تو خدا کا بھی شکر ادا کرو اور اس متوسل کا بھی کیونکہ بغیر ادا کرنے شکر متوسل کے خدا کا شکر بھی مکمل نہیں ہوتا حدیث شریف میں آیا ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ تعالیٰ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی شکر ادا نہیں کرتا اور اگر کوئی تایید سے پہلو تہی بھی کرے تو اس سے نہ تو ناخوش ہونا چاہئے اور نہ شکایت کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان کی تو یہ تعریف ہے کہ دوسروں کے عذر کو قبول کرے اور منافق وہ ہے جو محض لوگوں کی عیب چینی کرے ایسی حالت میں تو صرف یہ خیال کر لینا مناسب ہوگا کہ یہ عدم تائید شاید کسی ایسے عذر خاص پر محمول ہے کہ جس سے ہمیں آگہی نہیں ہے اور جب تک کہ اس بات کا ثبوت یقینی نہ ہو کہ ہماری نصیحت غیر کے حق میں اثر پذیر ہوگی اس وقت تک کسی کو نصیحت بھی نہ کرنی چاہئے والا نقاص پیدا ہو جائیگا اور لوگ بے فائدہ دشمن بن جائیں گے اگر اہل

تعارف کسی مسئلہ میں خطا کریں اور پھر تم سے اس کے معلوم کرنے میں بھی ننگ و عار کریں تو ان کو تعلیم بھی نہ دینا چاہئے کیوں کہ ایسے لوگ اس شعر کے مصداق ہیں کہ؟

کس نیاموخت علم تیراز من کہ میرا عاقبت نشانہ نکرد۔

اور اگر کسی مسئلے کی لاعلمی محض کسی معصیت کی وجہ سے ہو جس کا ارتکاب معصیت کی وجہ سے ہو گیا ہے تو ضرور ایسے لوگوں کی تفہیم بلطف و مدارات کرنی چاہئے۔ اگر کسی اہل ملاقات سے تمہارے حق میں کوئی نیکی ہو تو خدا کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے شخص کو دوست بنایا اور اگر کچھ برائی دیکھو تو اللہ پر سونپ دو اور اس سے کنارہ کرو مگر عتاب مت کرو اور نہ یہ کہو کہ تم نے ہمارے ساتھ اس طرح کا سلوک کیوں کیا اور ہمارا الحاظ کیوں نہ کیا گیا کہ یہ محض حماقت کی علامت ہے بڑا احمق وہ ہے کہ اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھے جب کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی سے پیش آئے تو سمجھ لو کہ یہ یا تو تمہارے افعال بد کی پاداش ہے جو تم سے کبھی (پیشتر) سرزد ہوئی ہیں اس لئے انسان کو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہنا چاہئے یا خدا کا عذاب تم پر دنیا میں نازل ہوا ہے اس کا علاج بھی ہے کہ حق بات کو گو تلخ ہو بسمع قبول سنا کرو اور کلام باطل پر سکوت کیا کرو لوگوں کی نیکیوں کو ظاہر کرو اور برائیوں سے چشم پوشی اختیار کرو علماء کی صحبت سے عذر کرو خصوصا ایسے عالموں کی صحبت سے جو مجادلہ میں مبتلاء ہیں کہ یہ لوگ اکثر اپنے حسد کی وجہ سے دوسروں کے لئے حوادث دہر کا انتظام کرتے رہتے ہیں اور اپنے وہم کے پردے میں قطع محبت بھی کر دیتے ہیں اور تمہاری رسوائی کا اپنی مجلس صحبت و مجلس میں مضحکہ کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ ان خیالی ذلتوں کا استعمال اس شہرت سے کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے سنگ ملامت تمہارے منہ پر پھینک مارا یہ لوگ مناظرہ کے وقت کبھی دوسرے کی بات کو فروغ نہ ہونے دیں گے اور کبھی کسی کی خطاء سے درگزر نہ کریں گے اور کسی کے عیب کو معاف نہ فرمائیں گے بلکہ ادنی عیب کو ظاہر کریں گے غیر کی تھوڑی سی منفعت پر انکا دل جلے گا اور اقسام کی تہمتیں اور بہتان اس کے فتراک میں باندھیں گے بظاہر تو یہ نفع رساں معلوم ہونگے اور باطنا ان سے مضرت پہنچے گی بہر حال جو کچھ اب تک ذکر ہو چکا یہ سب بدیہی امور ہیں ان مہلکات سے وہی بچ سکتا ہے جس کو خدا بچائے پس ایسے لوگوں کی صحبت سے سوائے نقصان و خسارت کے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے اور یہ ایسی کھلی ہوئی باتیں ہیں کہ جنکا ہر شخص اعتراف کر سکتا ہے قاضی ابن معروفؒ نے اس مضمون کو کیا خوب نظم کیا ہے،

فاحذر عدوك مرة واحذر صديقك الف مرة

فلربما انقلب الصديق فكان اعرف بالمضرة
عدوك من صديقك مستفاد فلا تستكثرن من الصحاب
فان الداء اكثر ما تراه يكون من الطعام والشراب
لما عفوت ولم احقد على احد ارحت نفسي من هم العداوة
انى احى عدوى عند رويته لا دفع الشر عني بالتحيات
واظهر البشر للانسان ابغضه كانه قد ملا قلبي مسرات
ولست اسلم ممن لست اعرفه فكيف اسلم من اهل المودات
الناس داء دواء الناس تركهم وفي الجفاء لهم قطع الاخوات
فسالم الناس تسلم من غوائلهم وكن حريصا على كسب التقيات
وخالق الناس واصبر ما بليتهم اصم ابكم اعمى ذا تقيات

دشمن سے تو ایک بار خوف کر۔ اور دوست سے ہزار بار۔ پس جب دوست اپنی دوستی سے پھر جائے تو۔ مضرت پہنچانے کے عمدہ طریقہ کو وہ جانتا ہے۔ اسی طرح ابن تمام نے بھی کیا خوب لکھا ہے۔ تیرے دشمن تیرے دوستوں ہی سے نکلیں گے۔ پس دوستوں کی تعداد کو مت بڑھا اکثر بیماریاں جو تم دیکھتے ہو۔ کھانے پینے ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر بھلائی چاہتے ہو تو ہلال بن علائرنی کے قول پر کار بند رہو۔ جب میں کسی کی خطاء معاف کرتا ہوں۔ اور کسی پر حسد نہیں کرتا۔ تو میرا نفس دشمنی کی تکلیفات سے محفوظ رہتا ہے۔ بدرستیکہ میں دشمن کو خوش کرتا ہوں۔ بجز داس کے دیکھنے کے اظہار تبسم وخوشی سے۔ تاکہ بلا دفع ہو جائے۔ کشادہ روی سے پیش آتا ہوں اس۔ شخص کے ساتھ جس سے مجھے تنفر ہے۔

اسطرح کہ گویا اس نے میرے دل کو خوشی سے مالا مال کردیا

جبکہ ہم کو اجنبیوں سے ہی بچنا محال ہے تو۔ دوستوں سے کیونکر نجات ملے گی

لوگ مثل بیماری کے ہیں اس کا علاج ترک صحبت ہے۔ کیونکہ ان سے ذرا بھی کنارہ کرو تو عداوت پیدا ہو جائے۔

جو شخص انکی شرارتوں سے بچا رہا محفوظ رہا۔ اس واسطے گوشہ گیری زیادہ اختیار کرو لوگوں کے موافق رہو اور انسے جو کچھ واقع ہو اس پر صبر کرو۔ چپ رہو بہرے اور اندھے بن جاؤ بہرکیف اپنے کو بچاؤ۔

اور نیز حکماء کے بعض ان اقوال پر عمل کرو دوست دشمن سے یکساں بخوشی ملا کرو نہ ان

کے لئے کوئی ذلت کا سامان مہیا کرو اور نہ ان سے کچھ خوف کرو وقار اور تواضع کو ہاتھ سے مت جانے دو وقار میں کبر اور تواضع میں ذلت نہ ہو چیز کا برتاؤ اعتدال کے ساتھ کرو افراط اور تفریط مذموم ہے کما قیل۔

علیک باوساط الامور فانہا طریق الی نہج الصراط قویم
ولا تک فیہا مفرط او مفرطا فان کلا حال الامور ذمیم

لازم کرو تم اعتدال کہ وہ۔ راہ راست پر پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اپنے کاموں میں افراط وتفریط مت کرو۔ کہ یہ دونوں باتیں مذموم ہیں۔

چلنے کے وقت غرور کے ساتھ سیدھے بائیں طرف اور پیچھے پلٹ پلٹ کر مت دیکھو اگر کہیں مجمع دیکھو تو بغیر حاجت کے مت ٹھہرو۔ اگر کسی مجلس میں بیٹھو تو اطمینان کے ساتھ بیٹھو متوحشانہ مت بیٹھو۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو بایکدیگر مت ملاؤ کہ اس سے اکثر اونگھینی آتی ہے جو فعل شیطانی ہے علی ھذا داڑھی میں بیفائدہ انگلیاں ڈالنا اور انگشتری کو پھیلاتے رہنا ہمیشہ دانتوں میں خلال کرنا ناک میں انگلیاں ڈالنا کثرت سے تھوکنا بار بار انگڑائیاں لینا منہ پر سے مکھیاں اڑانا منع ہے رینٹ اور بلغم کے دفع کرنے میں بھی احتیاط چاہئے۔ مجلس میں یہ بھی ضروری ہے کہ بالکل سکوت ہو اور کسی قسم کا بلوانہ ہو گفتگو بھی سنجیدہ اور متانت کے ساتھ ہو مخاطب کے ساتھ توجہ رہے استماع کلام کے وقت استعجاب ظاہر نہ ہو بار بار مخاطب سے ایک ہی بات کا استدراک بھی نہ ہو کہ عیب میں داخل ہے فضول و مضحکہ آمیز گفتگو سے محترز رہے اپنی اولاد یا شعر و سخن یا تصنیف و تالیف کی ستائش خود آپ کرنا معیوب ہے بلکہ جو چیز اپنی ذات کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو اس کی بھی تعریف نہ کرنی چاہئے عورتوں کی طرح تزئین لباس کی خواہش یا متبذل لباس پہننا، سرمہ کا زیادہ استعمال، بالوں میں زیادہ تیل نہ لگانا چاہئے لوگوں کے پاس ہمیشہ حاجت پیش نہ کرنا چاہئے کسی کو ظلم کی ترغیب بھی مت دو اپنے عیال کو دوسروں کے تشخیص مراتب کا رجحان مت دلاؤ کہ اس میں دو قباحتیں ہیں ایک تو یہ کہ مثلاً وہ جب کسی کو اپنے سے حقیر سمجھیں گے تو دوسرے کو بنظر استخفاف دیکھیں گے دوسرا یہ کہ اگر کسی کو ذی مرتبت پائیں گے تو اس سے اپنے دل میں کھنچاؤ کریں گے اور نیز اگر ان سے کچھ خطاء ہو جائے تو نرمی کے ساتھ درگزر کرو اور مہربانی بھی اعتدال کے ساتھ کرو خدمت گار و حواشی کے ساتھ ٹھٹھا مت کرو کہ اس سے رعب و دبدبہ میں فرق آتا ہے کسی سے جھگڑا ہو جائے تو حلم کو اپنے ہاتھ سے مت جانے دو جہالت کو کام میں مت لاؤ تعجیل کار سے پرہیز کرو جواب سمجھ کر دیا کرو۔ جھگڑے کے وقت ہاتھ

سے بار بار اشارہ مت کرو اور اگر کوئی پس پشت ہو تو اس کی طرف التفات مت کرو اور نیز جھگڑے کے وقت پنڈلیوں پر مت بیٹھو جب تک غصہ کم نہ ہو بات مت کرو تقرب سلطانی سے ڈرو وہ دوست جو تمہاری خوشحالی کا رفیق ہو (جیسے تو نگری اور صحت) اور برے وقت میں کام نہ آئے (یعنی حالت افلاس و مرض میں) اس سے پرہیز کیا کرو کہ وہ بڑا دشمن ہے مال کو جان سے زیادہ عزیز مت رکھو۔ المختصر یہاں تک جن ابواب کا ذکر ہوا وہ بدایت ہدایت کے لئے کافی ہے اگر مرض کچھ باقی ہے تو صرف یہی ہے کہ ان کا تجربہ کیا جائے بدایت ہدایت کے متعلق گویا تین باتیں بیان ہوئی ہیں (۱) آداب طاعات (۲) ترک معاصی (۳) مخالطت خلق ان تینوں چیزوں کے مجموعہ کو تقوی، دین کامل اور زاد آخرت سے بھی تعبیر کرتے ہیں پس اگر ان امور کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور نفس میں ان کے حصول اور عمل کی جانب رغبت پائی جائے تو سمجھئے کہ مادہ عبودیت ہے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ ایمان کامل سے دل کو منور کر دے چونکہ اس کتاب میں بدایات و نہایات دونوں باتوں کا ذکر ہو چکا ہے تو نہایت ہدایت کے بعد اسرار وغوامض اور امور باطنہ اور مکاشفات کا مرتبہ ہے جس کا ذکر احیاء علوم میں موجود ہے اگر شوق ہو تو اس کی طرف رجوع کرو اور اگر صرف انہیں اعمال و وظائف کا اختیار کرنا جو اس کتاب میں مذکور ہوئی ہیں گراں معلوم ہو اور تنفر پایا جائے اور نیز یہ خیال پیدا ہو کہ بھلا اس علم سے ہمیں مناظرہ وغیرہ میں کیا مدد ملے گی اور ابنائے جنس پر کیا سرسائی ہو سکے گی حصول تقرب وزراء وسلاطین اور مناصب وغیرہ میں اس سے کیا تائید مل سکے گی تو سمجھ لو کہ شیطان تم کو غارت کرنا چاہتا ہے آخرت کی بھلائی سے محروم رکھنے کے درپہ ہے اور برے علوم کی ترغیب دینا چاہتا ہے کہ جس کو تم اپنے خیال میں مفید سمجھتے ہو مگر یقین جانو کہ وہ سرمایہ بربادی و تباہی ہے اور نعیم دائم یعنی جوار رب العالمین سے باز رکھنے کی تدبیر ہے۔

والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ والحمد للہ اولا وآخرا وظاہرا وباطنا ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

تمت

المقالة الحقة والكلمة الصادقة

ترجمة التفرقة بين الاسلام والزندقه

للامام الهمام ابی حامد محمد غزالی رحمة اللہ علیہ

جسکو

مولوی محمد حیدر اللہ خان للہی

نے

زبان عربی سے ترجمہ کیا

مع اکثر حواشی مفیدہ از مترجم

طبع ہوا ۱۳۱۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحانک ما اعظم شانک یا من فی کتابک وسعت رحمتی کل شیی فساکتبھا للذین یتقون وصلوٰتک وسلامک علی رسولک محمد منبع الرحمة مالک الشفاعة لقوم یومنون وعلی آله وصحبه ائمة الهداء لرھط یوقنون ..

جبکہ میں بحکم نواب معظم ،امیر مکرم، مخدوم امراء، خادم فقراء ،صاحب سیف وقلم ناصب علم وعلم نواب آغا مرزا بیگ خان سرور جنگ سرور الدولہ سرور الملک بہادر معتمد ظل سبحانی میر محبوب علیخان بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ دولتہ محمد عبدالکریم شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل" کے ترجمہ سے فارغ ہو چکا کہ جو حقیقت میں ابتدائے آدم سے اس وقت تک کہ جمیع ادیان سماوی اور غیر سماوی کی ایک جامع تاریخ ہے بلکہ قیامت تک کے کل مذاہب اور مناحل منشعبہ اس سے باہر نہیں ہو سکتے تو میں نے چاہا کہ بحصول اجازت ایک ایسی کتاب بھی ترجمہ کر کے نواب صاحب موصوف کی انگشتری کا نگینہ بناؤں کہ جس سے ان کل مذاہب کے احکام کفر و اسلام معلوم ہو سکیں لہذا میں نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ کی کتاب التفرقه بین الاسلام والزندقه کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں لکھ کر ہدیہ کرنا چاہا کہ جو کفر و اسلام کی حقیقت میں جامع و مانع ہے تاکہ ہمارے بعض علماء کرام کی جن کی طبیعت میں عجلت اور جسارت ہے عامۂ مومنین کے حق میں زبان درازی سے محفوظ رہیں اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر اور تضلیل میں بغیر قطعی برہان کے جرأت نہ کریں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ نواب صاحب موصوف ایسے نیک کاموں کے اجراء میں موفق رہیں، اور ان دونوں کتابوں میں سے کتاب الملل والنحل کے ترجمہ کو معنون بنام نامی و اسم گرامی، اعلیٰ حضرت ظل سبحانی وکتاب التفرقه بین الاسلام والزندقه کو منسوب باسم گرامی نواب مستطاب معلیٰ القاب نواب وقار الامرا بہادر وزیر اعظم ملک دکن کر کے امیدوار ہوں کہ یہ ہدیہ محقرہ مقبول باریافتگان

دربار در بارشاہ وو زیر ہو، وھو ولی فی الدنیا والاخرۃ وانا عبدہ محمد حیدر اللہ خان السارگ زئی المجد دی اللّٰہی[1] الوار دنی بلدۃ حیدر آباد دکن اللازم فی حضرۃ ظل اللہ۔

ترجمہ

التفرقة بين الاسلام والزندقة

للامام غزالي رحمة الله عليه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اللہ کے لئے حمد کہتا ہوں درالحالیکہ میں اس کی عزت کو مانتا ہوں اور اس کی نعمتوں کا پورا ہونا چاہتا ہوں اور اس کی توفیق کو غنیمت جانتا ہوں اور اس کی بے فرمانی سے بچاؤ کا خواستگار ہوں اور اس کی وسیع نعمتوں کے جاری رہنے کا طلبگار ہوں اور درود بھیجتا ہوں میں اس کے بندے اور رسول اور کل مخلوقات سے بہتر محمد ﷺ پر تا کہ اس کی شفاعت کو کشش کروں اور اس کے حق رسالت کو ادا کروں اور اس کے مبارک نفس کی برکت کے ساتھ محفوظ رہوں اور

---

[1] للہ ایک قصبہ اہل اللہ ہے کہ جو ملک پنجاب ضلع جہلم میں دریائے جہلم کے شمالی کنارہ پر واقع ہے وہاں ایک بزرگ غلام احمد بنام امام قطب طریقہ مجددیہ گزرے ہیں کہ جو مترجم کے استاد علم ظاہر و باطن ہیں اور جن سے ہزار ہا لوگوں کو علم ظاہری اور باطنی کا استفاضہ ہوا اور دُور دُور ملکوں سے طالبان علم ظاہر و باطن دنیا سے تبتل و انقطاع کر کے اپنے اپنے مقاصد کو بدرجہ علیا فائز ہوئے اور ادنیٰ ادنیٰ زمانہ میں مقامات طریقہ سے مشرف ہوئے ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں حضرت نے انتقال فرمایا اب حضرت کے فرزند ارجمند حافظ مولوی دوست محمد صاحب کا نہ سرلا بیہ مسند ارشاد پر موجود ہیں اور برکات وتسلیک مقامات طریقہ میں اپنے والد بزرگو کی مثیل بلکہ اصیل ہیں۔ اور طالبان حق تعالیٰ کی تربیت میں مشغول ہیں۔

بس چون قطب بسطامی ومنصور است درکویش انا الحق برزبان ہر گزنمی رانند وسبحانی
بہ بدبختی خود نائد کہ خون گرید سیہ بختے دران کوئی ست ودارمیل سوی عالم فانی
زنبدہ خاکر وبان درش رابا وصد زنہار زکف ندہند آن اکسیر آعظم رلآسانی
تمنائی قبولش دارم ودائم کہ تاحلم مددیا روح شاہ نقشبندان غوث گیلانی

درود بھیجتا ہوں میں اس کی آل اور صحابہ اور عترت پر۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست میں تجھے سینہ پر کینہ اور پراگندہ فکر دیکھتا ہوں اس لئے کہ تیرے کانوں کو حاسدوں کے ایک طائفہ کے ان طعنوں نے ٹھکرایا ہے کہ جو انہوں نے ہماری ان بعض کتابوں پر کئے ہیں کہ جو علامات دین کے اسرار میں تصنیف کی گئی ہیں اور انہوں نے یہ زعم کیا ہے کہ ان کتابوں میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو اصحاب متقدمین اور مشائخ متکلمین کے مذہب کے مخالف ہیں اور نیز انہوں نے زعم کیا ہے کہ اشعریوں[۱] کے مذہب سے کنارہ کش ہونا گو ایک بالشت کی مقدار میں ہو کفر ہے اور اس سے

[۱] اشعری یہ وہ لوگ ہیں جو امام ابوالحسن اشعری کے اصحاب ہیں اور یہی لوگ اہل سنت ہیں اور چاروں مذہب اسی امام کے تابع ہیں اور اسی جماعت کا نام صفاتیہ ہے۔ کتاب الملل میں ہے کہ سلف کی ایک جماعت خدائے تعالیٰ کے لئے صفات ازلیہ ثابت کرتی ہے جیسے علم اور قدرت اور حیات اور ارادہ اور سمع اور بصر اور کلام اور جلال اور اکرام اور جود اور انعام اور عزت اور عظمت اور یہ لوگ صفات ذاتی اور صفات فعلی کے درمیان امتیاز نہیں کرتی بلکہ ہر دو اقسام میں یکساں گفتگو کرتے ہیں اور اسی طرح خدائے تعالیٰ کے لئے صفات خبریہ کا اثبات کرتے ہیں جیسے یدین اور وجہ اور ان کی تاویل نہیں کرتے لیکن اس قدر کہتے ہیں کہ چونکہ یہ صفات شرع میں وارد ہیں لہٰذا ہم ان کا نام صفات خبریہ رکھتے ہیں مگر جبکہ فرقہ معتزلہ صفات باری تعالیٰ کی بالکل نفی کرتا ہے اور سلف انکا اثبات کرتے ہیں اس لئے سلف کا نام صفاتیہ ہوا اور معتزلہ کا نام معطلہ لیکن اس کے بعد بعض سلف نے صفات کے اثبات میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس نے ان صفات ازلیات کو ممکنات کی صفات کے ساتھ تشبیہ دیدی اور بعض نے انہیں صفات پر اکتفاء کیا کہ جن پر باری تعالیٰ کے افعال نے دلالت کی یا جو صفات کہ خبر میں وارد ہیں پس ان سلف کے دو فرقہ ہو گئے ایک فرقہ تو وہ ہے کہ جس نے ان صفات خبریہ کی اس حد تک تاویل کی کہ جہاں تک ان صفات کا لفظ اس تاویل کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا فرقہ وہ ہے کہ جس نے تاویل میں توقف کیا اور کہا کہ ہم نے باقتضائے عقل معلوم کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی شئی نہیں اور نہ وہ مخلوقات میں سے کسی شئی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور نہ کوئی شئی اس کے مشابہ ہے اور ہم اس امر کو قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن جو لفظ کہ اس کی نسبت وارد ہے الرحمٰن علی العرش استویٰ یا جیسے خلقت بیدی وغیرہ ہم اس کی معنی مرادی نہیں جانتے اور نہ ہم ان الفاظ کی تفسیر کے جاننے کے مکلّف ہیں بلکہ تکلیف اس اعتقاد کی نسبت وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی شریک نہیں اور نہ اس کی مثل کوئی شے ہے اور ہم اس امر کو یقیناً ثابت کرتے ہیں پھر متاخرین۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

علیحدگی کو ایک تھوڑی سی شئی ہے جو گمراہی اور گھاٹا ہے۔ پس اے میرے مشفق بھائی اور غضبناک دوست اپنے نفس پر سہولت اختیار کر اور اس سے اپنے سینہ کو تنگ نہ کر اور کسی قدر اپنی تیزی کو کند کر اور جو کچھ کہ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ان سے زیبا طریقہ سے ترک اختیار کر اور جو کوئی کہ حسد اور دشنام کے لائق نہیں اس سے اپنے نفس کو حقیر خیال کر اور جو کفر اور گمراہی کا مستحق نہیں اس سے اپنے نفس کو قاصر جان کیونکہ سید المرسلین ﷺ سے کامل تر کونسا دعوت کرنے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ .... کی جماعت نے سلف کے قول پر کس قدر زیادتی کر کے کہا ان الفاظ کو اپنے ظواہر پر جاری رکھنا چاہئے اور اس کی تفسیر ضروری ہے بغیر اس کے کہ ان کی تاویل میں تعرض کریں یا ظاہری معنیٰ میں توقف کریں لہذا وہ لوگ تشبیہ خالص کے قائل ہوئے اور یہ تشبیہ خالص ابتداء میں یہود کے بعض ان لوگوں میں تھی کے جو توراۃ کے قاری تھے پھر شریعت محمدیہ میں شیعہ نے افراط تفریط اور غلو اور تقصیر کی ، غلو تو انھوں نے یوں کہا کہ انھوں نے اپنے بعض اماموں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی اور تقصیر اس طرح پر کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دی اور جب کہ سلف میں سے معتزلہ اور متکلمین کا ظہور ہوا تو بعض روافض نے افراط اور تفریط کو چھوڑ دیا اور اعتزال کے گڑھے میں جا گرے اور سلف کی ایک جماعت نے تفسیر ظاہر کی طرف قدم بڑھایا لہذا تشبیہ کے ورطہ میں جا پہنچے لیکن وہ سلف کے جنہوں نے تاویل کے لئے تعرض نہ کیا اور نہ تشبیہ کے نشانہ بنے بعض ان میں سے مالک بن انسؒ اور احمد بن حنبل اور سفیان اور داؤد اصفہانی اور ان کے تابعین ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن سعید کلابی اور ابی العباس قلانسی اور حرث بن اسد محاسبی کا زمانہ آیا یہ لوگ سلف میں سے تو تھے لیکن انھوں نے علم کلام میں شغل کیا اور سلف کے عقائد کو انھوں نے کلامی دلائل اور اصولی برہانوں سے تائید دی اور بعض نے کتابیں تصنیف کیں اور بعض نے درس دیا یہاں تک کہ ایک روز ابی الحسن اشعری کو اپنے استاد کے ساتھ صلاح اور اصلح کے مسئلہ میں مناظرہ کا اتفاق ہوا اور دونوں میں خصومت ہوئی چنانچہ اشعری نے ان سے سلف کے اس طائفہ کی طرف رجوع کیا اور ان کے مقالات کو اشعری نے کلامی طرز سے تائید دی اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب قرار پا گیا اور صفاتیہ کا لقب اشعریہ کی طرف انتقال کر آیا چنانچہ اشعری نے صفات باری تعالیٰ کے اثبات میں کہا کہ انسان جب کہ اپنی پیدائش میں غور کرتا ہے کہ ابتداء اس کی کس شئے سے ہوئی ہے اور وہ کیونکر پیدائش کے اطوار میں ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف ترقی کرتا گیا ہے اور اس سے اس کو یقین ہو جاوے کہ وہ بذاتہ اس امر کی قابلیت نہیں رکھتا کہ اپنے میں تدبیر کرے اور ایک زینہ سے دوسرے زینہ کی طرف اپنے کو پہنچاوے اور نقص سے کمال کی طرف ترقی دیوے تو اس وقت بالضرور جان لیتا ہے کہ اس کے لئے ایک ایسا صانع ہے کہ جو قدرت اور علم اور ارادہ والا ہے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں......

والا ہوگا حالانکہ ان کی نسبت انہوں نے کہا کہ وہ دیوانوں میں سے ایک دیوانہ ہے اور رب العالمین کے کلام سے کونسا کلام زیادہ تر جلالیت اور صداقت والا ہوگا حالانکہ اس کی نسبت انہوں نے کہا کہ وہ مقدمین کا افسانہ ہے پس تجھے لازم ہے کہ تو ان لوگوں کے ساتھ خصومت اور مباحثہ سے پرہیز کرے اور ان کو لاجواب کرنے میں طمع نہ کرے کیونکہ تیرا یہ طمع بے محل اور اضطراب بے موقع ہوگا۔ کیا تو نے نہیں سنا۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... اس لئے کہ ایسے محکم افعال کا صدور محض طبیعت سے متصور نہیں کیونکہ فطرت میں ہی اختیار اور پیدائش میں یہی احکام اور اتقان کے آثار ظاہر ہیں پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی صفات ہیں کہ جن پر اس کے افعال دلالت کرتے ہیں اور جیسے کہ اس کے افعال اس کے عالم اور قادر اور مرید ہونے پر دلالت کرتے ہیں اس طرح علم اور قدرت اور ارادہ پر بھی دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ عالم اور قادر اور مرید کا معنی بجز ذی علم اور ذی قدرت اور ذی ارادہ کے نہیں پس علم کے ساتھ احکام اور اتقان حاصل ہوتا ہے اور قدرت کے ساتھ وقوع اور حدوث اور ارادہ کے ساتھ تخصیص وقت اور شکل اور ان صفات کے ساتھ ممکن نہیں کہ بجز ذات و واجبات کے کوئی اور موصوف ہو سکے، اور اشعری نے صفات کے منکروں کو ایک ایسا الزام دیا ہے کہ جس سے ان کو کبھی خلاصی ملنی ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ جبکہ اللہ تعالیٰ کے عالم اور قادر ہونے پر دلیل قائم ہو چکی تو تم کو ضرور ہمارے ساتھ اس امر میں موافقت کرنی پڑتی پس ہم کہتے ہیں کہ عالم اور قادر کا مفہوم یا ایک ہوگا یا مختلف، پس اگر ان دونوں کا مفہوم ایک ہی ہو تو واجب ہے کہ صفت قادریت کے ساتھ عالم اور صفت عالمیت کے ساتھ قادر ہو اور نیز جو شخص کہ ذات مطلقہ کو معلوم کرے وہ اس کا عالم اور قادر ہونا بھی معلوم کر لے حالانکہ یہ امر باطل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں صفتیں ازروی اعتبار کے مختلف ہیں، پھر ان کا اختلاف تین وجوہ سے خالی نہیں یا تو فقط لفظ کی طرف رجوع کرے گا اور یا حال یا صفت کی طرف، لیکن فقط لفظ کی طرف رجوع کرنا تو باطل ہے اس لئے کہ عقل حاکم ہے کہ دو مفہوم معقول کے درمیان اختلاف ہو گو الفاظ کو معدوم کیوں نہ فرض کیا جاوے تاہم عقل اپنے تصور میں شبہہ نہیں رکھتی اور حال کی طرف بھی رجوع کرنا باطل ہے۔ اس لئے کہ ایک ایسی صفت کا ثابت کرنا کہ جو وجود اور عدم کے ساتھ متصف نہیں گویا وجود اور عدم اور نفی اور اثبات کے درمیان واسطہ کا ثابت کرنا ہے حالانکہ یہ محال ہے پس متعین ہوا کہ اس اختلاف کا رجوع ایک ایسی صفت کی طرف ہے کہ جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور یہ مذہب اشعری کا ہے لیکن اشعری کے اصحابوں میں سے قاضی ابو بکر باقلانی نے صفت بقا میں اشعری سے مخالفت کی ہے اور بقا کو عین ذات کہا پھر ابوالحسن نے کہا کہ باری تعالیٰ علم کے ساتھ اور قدرت کے ساتھ قادر اور حیات کے ساتھ حی اور ارادہ کے ساتھ مرید اور کلام کے...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں..

کل العداوۃ قد ترجی سلامتہا
الا عداوۃ من عاداک عن حسد

یعنی ہر عداوت سے سلامتی کی امید کی جاتی ہے مگر اس شخص کی عداوت سے سلامتی کی امید نہیں کی جاتی کہ جو حسد سے ہو اور اگر کسی کو اس طمع کا موقعہ ہوتا تو ان سے بلند مرتبہ والے پر خوف کی آیتیں کیوں پڑھی جاتیں کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا جو فرماتا ہے کہ اے محمد اگر

؎ بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ساتھ متکلم اور سمع کے ساتھ سمیع اور بصر کے ساتھ بصیر ہے اور یہ صفات ازلیہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ ان صفات کو عین باری تعالیٰ کا بولا جاتا ہے اور نہ غیر اور نہ لاعین کہا جاتا ہے اور نہ لاغیر مگر فرقہ معتزلہ کو جو اپنے کو اصحاب عدل اور توحید بولتے ہیں اور قدریہ کے لقب کے ساتھ ملقب ہیں عدل اور توحید اور وعد اور وعید اور سمع اور عقل میں اشعریہ سے بالکل مخالف ہیں چنانچہ ہم یہاں پر ان دونوں مذہبوں کے مسائل اصولیہ بطور تقابل ذکر کرتے ہیں۔ اشعریہ یعنی اہل سنت کہتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں وہ اپنی صفات ازلیہ میں واحد ہے اس کا کوئی نظیر نہیں وہ اپنے افعال میں واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اہل عدل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں واحد یوں ہے، کہ اس کی ذات میں قسمت نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی صفت ہے اور اپنے افعال میں واحد یوں ہے کہ اس کے لئے کوئی شریک نہیں پس اس کی ذات کے سوائے کوئی قدیم نہیں اور نہ اس کے افعال میں کوئی ہمسر ہے اور دو قدیموں کا وجود اور ایک مقدور کا دو قادروں کے درمیان ہونا محال ہے اور یہی توحید اور عدل ہے اور افعال میں عدل کا ہونا اہل سنت کے نزدیک اس معنیٰ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ملک اور ملک میں متصرف ہے یفعل مایشاء ویحکم مایرید پس عدل یہی ہے کہ ایک شے کو اس کی جگہ پر رکھنا اور یہ اپنے ملک میں بمقتضائے مشیت اور علم کے تصرف کرنا ہے اور ظلم اس کی ضد ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے نہ حکم میں جور متصور ہے اور نہ تصرف میں ظلم اور اہل عدل کے مذہب پر عدل اس حکمت کا نام ہے کہ جو اقتضائے عقل ہے یعنی فعل کا ثواب اور مصلحت پر صادر کرنا لیکن اہل سنت وعد اور وعید میں یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی امر کی اطاعت پر وعدہ ہے اور رہنے کی معصیت پر وعید پس جو کوئی کہ نجات پاویگا اور ثواب کا مستوجب ہوگا تو اسی کے وعدہ سے اور جو کوئی ہلاک ہوگا اور عذاب کا مستوجب تو اسی کے وعید سے پس عقل کے حکم سے اس پر کوئی شے واجب نہیں اہل عدل کہتے ہیں کہ ازل میں کوئی کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو وعد اور وعید اور امر اور نہی کا اصدار فرمایا ہے تو یہ کلام محدث کے ساتھ ہے پس جو شخص کہ نجات پاویگا تو وہ اپنے ہی فعل سے ثواب کا مستحق ہوگا، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں..........

تجھ پر کافروں کی روگردانی گراں ہے پس اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ کوئی سوراخ زمین میں ڈھونڈے یا کوئی سیڑھی آسمان کے بیچ پیدا کرے اور پھر کوئی ایک نشانی ان کے لئے لاوے تا کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لاویں تو کر اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو سیدھی راہ پر جمع کرتا پس اے محمد (ﷺ) نادانوں میں سے نہ ہو۔ اور نیز فرمایا کہ اگر ہم ان لوگوں پر آسمان سے ایک دروازہ کھولیں پھر ان لوگوں کی نظر میں تمام دن فرشتے آسمان میں چڑھتے اور اترتے دکھائی دیں تو پھر بھی یہ لوگ اسی طرح کہیں کہ بجز اس کے نہیں کہ ہماری آنکھوں کو نظر بندی کی گئی ہے بلکہ ہمیں جادو کیا گیا ہے اور نیز فرماتا ہے کہ اے محمد اگر ہم تیرے اوپر نامہ کو کاغذ کے بیچ اتاریں پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو البتہ کافر لوگ کہیں کہ یہ صریح جادو ہے اور نیز فرماتا ہے کہ اگر ہم بالتحقیق کافروں کی طرف فرشتوں کو نازل کرتے اور مردہ ان سے باتیں کرتے اور ان پر تمام چیزوں کو گروہ گروہ کر کے جمع کرتے جو دنیا میں ہیں تا کہ وہ وحدانیت اور رسالت پر شاہدی دیویں تو بھی کافر ایمان نہ لائے بغیر اللہ کے چاہنے کے مگر بہت کافر لوگ جہالت کرتے ہیں۔

جان لو کہ کفر اور ایمان کی حقیقت اور تعریف اور حق اور ضلالت اور انکا بھید ان دلوں پر جلوہ گر نہیں ہوتا کہ جو مال اور مرتبہ کی طلب اور محبت میں گندھے ہوئے ہیں بلکہ اس کا انکشاف ان دلوں کے لئے ہوتا ہے کہ جو اول دنیا کی میل سے پاک ہوں دوم کامل ریاضت کے ساتھ صیقل کیے گئے ہوں سوئم صفائی بخش ذکر کے ساتھ منور ہوں چہارم فکر مصائب اور دوست سے غذا پانے والے ہوں پنجم حدود شرع کے التزام سے مزین کئے گئے ہوں یہاں تک کہ نبوت کے چراغدان سے ان پر نور کا اضافہ ہوا اور وہ دل اسطرح ہو جاوے کہ گویا ایک روشن آئینہ ہے اور ایمان کا چراغ دل کی قندیل میں اس طرح پر انوار کی چمک دیوے کہ قریب ہے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............اور جو ہلاک ہوگا وہ اپنے ہی فعل سے اور عقل حکمت کے لحاظ سے اس کا اقتضا کرتی ہے لیکن اہل سنت سمع اور عقل کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ کل واجبات کا وجوب سمع سے ہے اور کل معارف کا حصول عقل سے، پس عقل کسی شے کی نہ تحسین کر سکتی ہے اور نہ تقبیح اور نہ اس کا اقتضاء اور ایجاب اور نہ سمع سے معرفت کا حصول ہو سکتا ہے بلکہ اس کو واجب کرتی ہے اہل عدل کہتے ہیں کہ کل معارف عقل کے ساتھ نقل کئے جاتے ہیں اور نظر عقلی سے ہی واجب ہوتے ہیں اور منعم کا شکر ورود سمع کے قبل واجب ہے اور حسن اور قبح حسن اور قبیح شی کی دو ذاتی صفتیں ہیں اور ہم عنقریب اشعری کے عقائد میں اہل عدل کا جواب بیان کریں گے۔ مترجم

کہ اس کا روغن بغیر آگ کے چھونے کے روشنی پکڑے لیکن اس قوم کے لئے ملکوت اور عالم بالا کے اسرار کہاں جلوہ گر ہوتے ہیں کہ جن کا خدا ان کی خواہشیں ہیں اور جنکا معبود ان کے پادشاہ ہیں اور جن کا قبلہ ان کے درہم اور دینار ہیں اور جن کی شریعت ان کی رعونت ہے اور جن کی ارادت انکا جاہ اور مرتبہ ہے، اور جن کی عبادت اغنیا اور دولتمندوں کی خدمت ہے اور جن کا ذکر ان کے وسواس، اور جن کا فکر ان حیلوں کا اقتباس ہے کہ جن سے حشمت اور جاہ کا حصول ہوتا ہے پس ان لوگوں کے لئے کفر کی تاریکی ایمان کی روشنی سے کہاں ممتاز ہو سکتی ہے کیا الہام الٰہی سے؟ حالانکہ انھوں نے اپنے دلوں کو دنیا کی کدورتوں سے خالی نہیں کیا اور یا کمال علمی سے؟ حالانکہ ان کا علمی سرمایہ فقط آب زعفران سے نجاست کا زائل کرنا ہے۔ ہاہا یہ مطلب اس سے زیادہ ترنفیس اور عزیز ہے کہ فقط آرزو اور خواہش سے حاصل کیا جاوے پس تو اپنی حالت میں مشغول رہ اور ان لوگوں میں اپنی باقی عمر کو ضائع نہ کر پس تو اس شخص سے روگردانی کر کہ جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی ہے اور اس نے فقط حیات دنیوی کی آرزو کی ہے یہی ان کا مبلغ علمی اور یہیں تک ان کے عقل کی رسائی ہے اور بیشک تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ کو بھولا اور جو سیدھے راہ پر ہے۔

فصل

پس اگر تو خواہش رکھتا ہے کہ تو اس کانٹے کو اپنے اور اس شخص کے سینہ سے نکالے کہ جس کی حالت تیرے مثل ہے کہ نہ اس کو حاسدوں کا بہکانا حرکت میں لاتا ہے اور نہ تقلید کی تاریکی اس کو مقید رکھ سکتی ہے بلکہ وہ متکلمین کہ جن کو فکر اور نظر نے پیدا کیا ہے بسبب سوزش دل کے اس کو بصارت کی طرف تشنگی دلاتی ہیں پس تو اپنے نفس اور اپنے صاحب کی طرف مخاطب ہو اور اس سے کفر کی تعریف دریافت کر، پس اگر اس نے کفر کی تعریف وہی زعم کی کہ جو اشعری کے مذہب کے مخالف ہے یا معتزلی یا حنبلی[1]..

[1] معتزلی سے مراد واصل بن عطا اور اس کے تابعین ہیں کہ جنہوں نے اصول اہل سنت سے اعتزال اور کنارہ کشی کی یہ شخص حضرت حسن بصریؒ کا شاگرد تھا اور ان سے احادیث اور دیگر علوم پڑھا کرتا تھا اور اس کے اعتزال کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے حسن بصریؒ کے پاس آکر سوال کیا کہ اے دین کے امام ہمارے زمانہ میں ایک ایسا فرقہ ظاہر ہوا ہے کہ جو اہل کبیرہ کو کافر کہتا ہے اور گناہ کبیرہ ان کے نزدیک کفر ہے کہ جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔..........

وغیرہ کے مذہب کے تو اس وقت تو یقین کر لے کہ وہ شخص مغرور احمق ہے کہ اس کو ابھی تقلید نے مقید کیا ہوا ہے پس وہ ان اندھوں سے بھی زیادہ تر اندھا ہے تو اس کی اصلاح اور درستی میں اپنا وقت ضائع نہ کر اور تجھے اس کے لاجواب کرنے میں فقط یہی ایک حجت کافی ہے کہ تو اس کے دعویٰ کو اس کے مخالفین کے دعویٰ سے مقابلہ کرے اس لئے کہ وہ اپنے نفس اور باقی مقلدوں[۱] کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتا اور میں امید کرتا ہوں کہ شاید وہ باقی مذاہب میں سے فقط اشعری کے مذہب کی طرف مائل ہے اور زعم کرتا ہے کہ اشعری کی مخالفت ہر امر صادر اور وارد میں کفر جلی ہے پس میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ اشعری کو یہ کہاں سے ثابت ہوا ہے کہ امر حق اسی پر وقف ہے حتیٰ کہ اس نے باقلانی[۲] کے کفر پر فتویٰ دیا جب کہ باقلانی نے اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ .... ہو جاتا ہے یہ فرقہ وعیدیہ ہے اور ایک دوسرا گروہ ایسا ہے کہ جو صاحب کبیرہ کو امید دلاتا ہے کہتا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کبیرہ سے کوئی ضرر نہیں بلکہ عمل انکے نزدیک ایمان کے لئے جزو نہیں جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی طاعت ان کے نزدیک سودمند نہیں (یہ فرقہ مرجیہ ہے) پس تو اس اعتقاد کی نسبت ہمیں کیا حکم دیتا ہے حسن بصریؒ اس میں متفکر ہوئے اور جواب دینے کے قبل واصل بن عطا بول اٹھا کہ میں نہیں کہتا کہ صاحب کبیرہ مومن مطلق ہے اور نہ کافر مطلق بلکہ وہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے یعنی نہ کافر ہے اور نہ مومن پھر واصل اٹھا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کی طرف الگ کھڑے ہو کر یہی تقریر حسن بصریؒ کی دوسرے اصحابوں کو سنانے لگا اس پر حسن بصریؒ نے فرمایا کہ واصل نے ہم سے کنارہ کشی کی ہے لہذا وہ اور اس کے اصحاب اس روز سے معتزلہ کے نام سے موسوم ہوئے پھر ان کے کئی فرقے ہو گئے چنانچہ ہر ایک کا بیان کتاب الملل میں بسط کے ساتھ مذکور ہے۔

[۲] حنبلی سے مراد امام احمد بن حنبل اور اس کے تابعین ہیں۔ مترجم

[۱] یہاں تقلید سے مراد اس شخص کی تقلید ہے کہ جو باوجود قوت نظری اور اجتہادی کے تقلید کرتا ہے اس لئے کہ جو شخص کہ قوت اجتہادی رکھتا ہو اور باوجود اس کے اجتہاد نہ کرے اور تقلید سے کام لے تو وہ شخص بے شک اندھوں سے بھی زیادہ اندھا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے کہ وہ قوت اجتہادی رکھتے تھے بعض مسائل اجتہادیہ میں امام صاحب کا خلاف کیا اور یہ خلاف کرنا ان کے لئے مقام اجتہادی میں ضروری اور محمود ہے جیسے کہ سمت قبلہ کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے لئے اجتہاد ضروری ہے اور ہر ایک کا اجتہاد اس کے لئے سمت قبلہ قرار دی جاتی ہے۔

[۲] باقلانی سے مراد قاضی ابوبکر باقلانی ہے کہ جو باری تعالیٰ کی صفت بقا کو عین کہتا ہے۔ مترجم

کی صفت بقا میں اشعری سے مخالفت کی اور زعم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت بقاء ذات باری تعالیٰ پر زائد نہیں اور کیوں باقلانی کو اشعری کے ساتھ مخالفت کرنے میں اشعری سے زیادہ تر کفر کی اولیت ہوئی حالانکہ جیسے باقلانی نے اشعری سے خلاف کیا ہے اسی طرح اشعری نے باقلانی سے اور کیوں امر حق فقط ایک پر وقف ہوا نہ دوسرے پر، کیا یہ اس وجہ سے ہے؟ کہ اشعری باعتبار زمانہ کے باقلانی سے مقدم ہے تو کوئی ایک معتزلہ اشعری سے بھی مقدم گزرے ہیں پس اس وجہ سے ضروری ہے کہ حق اس کے لئے ہو جو اشعری سے مقدم ہے (یعنی معتزلہ کے لیے) اور یا اس وجہ سے ہے؟ کہ ان دونوں کے درمیان علم اور فضل میں تفاوت ہے تو کس ترازو اور پیمانہ سے اس نے فضل کے مراتب کا اندازہ کیا ہے کہ اس کے لئے ظاہر ہو گیا ہے کہ وجود میں اشعری سے کوئی شخص افضل نہیں پس اگر باقلانی کو اشعری کی مخالفت میں رخصت دیتا ہے تو باقلانی کے سوائے دوسروں کو کیوں منع کرتا ہے اور باقلانی اور کرابیسی[1] اور قلانسی[2] وغیرہ کے درمیان کیا فرق ہے اور خاص کر اس رخصت کو اس نے کہاں سے معلوم کیا ہے اور اگر وہ یہ زعم کرتا ہے کہ باقلانی کا اختلاف فقط لفظی ہے جیسے کہ بعض متعصبوں نے تاسف کیا ہے اس زعم پر کہ اشعری اور باقلانی وجود کے دائمی ہونے پر باہم موافق ہیں اور اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ دوام ذات باری تعالیٰ کی طرف راجع ہے یا کسی وصف زائد کی طرف ایسا قریب ہے کہ کسی تشدید کو واجب نہیں کرتا تو پھر معتزلی کے نفی صفات کے قول پر کیوں تشدید کرتا ہے حالانکہ معتزلی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور تمامی معلومات پر محیط ہے اور کل ممکنات پر قادر ہے اور اشعری سے فقط اس امر میں مخالف ہے کہ آیا باری تعالیٰ اپنی ذات سے کل مخلوقات کا عالم ہے یا کسی ایسی صفت سے کہ جو اس کی ذات پر زائد ہے پس باقلانی اور معتزلی کے اختلاف میں کیا فرق ہے اور کونسا مطلب حق تعالیٰ کی صفات اور ان کی نفی و اثبات میں نظر کرنے سے بزرگ تر ہے پس اگر کہے کہ میں معتزلی کو اس لئے کافر کہتا ہوں کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ ذات واحدہ سے علم اور قدرت اور حیات کا فائدہ صادر ہوتا ہے اور یہ صفات باعتبار تعریف اور حقیقت کے مختلف ہیں اور محال ہے کہ مختلف حقیقتیں اتحاد کے ساتھ متصف ہوں یا ذات واحدہ ان کے قائم مقام ہو تو پھر کیوں اشعری سے اس کے اس قول کو بعید نہیں جانتا کہ کلام ایک ایسی صفت ہے کہ جو اللہ

---

[1] کرابیسی سے مراد حسین کرابیسی ہے۔م۔

[2] قلانسی سے مراد ابی العباس قلانسی ہے کہ جو ان بزرگان سلف کی تابعین میں سے ہے کہ جنہوں نے نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھا جیسے مالک بن انس اور احمد بن حنبلؒ۔م۔

تعالیٰ کی ذات پر زائد اور اس کے ساتھ قائم ہے اور باوجود واحد ہونے کے وہ تورات سے اور انجیل اور زبور اور قرآن اور یہ امر اور نہی اور خبر ہے اور استخبار اور یہ مختلف حقیقتیں ہیں کیونکہ خبر کی تعریف یہ ہے کہ جو صدق اور کذب کی محمل ہو حالانکہ یہ احتمال امر اور نہی کی طرف راجع نہیں ہو سکتا پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی حقیقت کی طرف تصدیق اور تکذیب راجع ہو اور نہ ہو، اور نفی اور اثبات کا اجتماع محل واحد میں ہو پس اگر اس کے جواب میں خبط کرے اور اس کا پردہ اٹھا نہ سکے تو جان لو کہ وہ شخص اہل اجتہاد اور اہل استدلال سے نہیں بلکہ وہ مقلد ہے اور شرط مقلد کی یہ ہے کہ وہ خود بھی خاموش رہے اور اس کا جواب بھی نہ دیا جاوے (کسی نے کیا خوب کہا ہے ع جواب جاہلان باشد خموشی) اس لیئے کہ وہ شخص طریق حجت اور مباحثہ کی رفتار سے بالکل قاصر ہے اور اگر وہ اس امر کی ہمت رکھتا تو وہ متبوع ہوتا نہ تابع اور امام ہوتا نہ ماموم پس اگر کوئی شخص مقلد گفتگو اور دلائل میں خوض کرے تو یہ امر اس کا فضول اور عبث ہے اور جو شخص کہ اس کی طرف متوجہ ہے گویا سرد لوہے میں ضرب لگاتا ہے اور بگڑی ہوئی شے کے درست کرنے کا طالب ہے کیا اس شے کو عطا درست رکھ سکتا ہے کہ جس کو زمانے نے فاسد کر دیا ہو اور امید ہے کہ اگر تو نے انصاف کیا تو جان لیگا کہ جو شخص اہل استدلال اور جاہل اجتہاد میں سے خاص کر کسی ایک امر پر حق کو وقف کرتا ہے تو وہی شخص کفر اور تناقص کی طرف زیادہ تر قریب ہے لیکن کفر کی طرف تو اسلیئے کہ اس نے اس شخص خاص کو ایسے نبی معصوم کی جا بجا ٹھہرا دیا ہے کہ صرف اس کی موافقت سے ایمان کو ثابت کرتا ہے اور کفر کو اس کی مخالفت سے لیکن تناقص کی طرف تو اس لئے کہ اہل استدلال اور اہل اجتہاد میں ہر ایک شخص اجتہاد اور استدلال کو واجب کہتا ہے اور تقلید کو حرام پس وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ تجھے باوجود میری تقلید کے اجتہاد کرنا لازم ہے اور یا تجھے اجتہاد کرنا لازم ہے لیکن ساتھ ہی اس کے تجھے لازم ہے کہ تو اپنے اجتہاد میں وہی امر قرار دے جو میں نے قرار دیا ہے اور جو کچھ کہ میں نے قرار دیا ہے وہ حجت ہے پس تجھے لازم ہے کہ اس کو حجت اعتقاد کرے اور جس امر کو کہ میں شبہ اعتقاد کروں تجھے بھی لازم ہے کہ تو اس کو شبہ اعتقاد کرے اور کیا فرق ہے اس شخص کے درمیان جو کہتا ہے کہ تو میری تقلید میرے مذہب اور میری دلیل دونوں میں کر اور یہ بجز اس کے نہیں کہ سراسر تناقص ہے۔

فصل

میں امید کرتا ہوں کہ اب تجھے خواہش اس امر کی ہوگی کہ تو کفر کی تعریف کو معلوم

کرے بعد اس کے کہ تیرے نزدیک اصناف مقلدین کی تعریفیں متناقض ٹھہریں پس جان لے کہ اس کی شرح بہت طویل ہے اور اس کا مدار علم بہت گہرا لیکن میں تجھے ایک ایسی صحیح علامت تعلیم کرتا ہوں کہ جو اپنے افراد کو جامع ہے اور غیر کے لئے مانع تا کہ تو اس کو اپنا مد نظر بنائے اور بہ سبب اس کے باقی فرقوں کی تکفیر اور اہل اسلام میں زبان درازی کرنے سے بچے گو ان کے طریقے مختلف ہوں جب تک کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ صدق دل سے چنگل مارے رہیں اور اس کلمہ شریفہ کی منافقت اور شکست نہ کریں۔ پس میں کہتا ہوں کہ کفر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے ان اشیاء میں سے کسی ایک شے میں کہ جن کو رسول علیہ السلام لائے ہیں۔

۱؎ جیسے کہ مسلم میں ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم کئی اصحاب کہ جن میں ابو بکر اور عمرؓ تھے رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے کہ اتنے میں آنحضرت ﷺ ہمارے درمیان سے قیام فرما کر کہیں تشریف لے گئے اور اس میں دیر ہوگئی اور ہم کو خوف ہوا کہ مبادا آنحضرت ﷺ کو ہم سے الگ ہو جانے سے کوئی دشمن صدمہ پہنچاوے اور فریاد کرتے ہوئے اٹھے اور میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں فریاد کرتے ہوئے نکلا یہاں تک کہ میں بنی نجار کے باغ کو آیا اور میں اس باغ کے گرد گھوما تا کہ کوئی دروازہ ملے لیکن مجھے دروازہ نہ ملا اس وقت دیوار کے جوف میں ایک پانی کی نالی دیکھی کہ جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جاتی تھی اس میں سے لومڑی کی طرح سمٹ کر نکلا اور آنحضرت ﷺ کے پاس گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا ابو ہریرہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ آنحضرت ﷺ نے پوچھا تیرا کیا حال ہے میں نے یہ سب گزشتہ حقیقت بیان کی اور عرض کیا یہ سب لوگ بھی میرے پیچھے آپ کی تلاش میں ہیں تو اس پر آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنی نعلین مبارک عطا کر کے فرمایا کہ تو میری یہ نعلین لے کر جا کہ جو کوئی تجھے اس دیوار کی آڑ میں ملے اور لا الٰہ الا اللہ کی شہادت یقین دل سے دیتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت دے، پس سب سے پہلے میری عمرؓ سے ملاقات ہوئی اور اس نے پوچھا کہ اے ابی ہریرہ یہ نعلین کیسی ہیں میں نے کہا یہ نعلین رسول اللہ ﷺ کے ہیں یہ نعلین مجھے دے کر حضرت ﷺ نے بھیجا ہے کہ جو کوئی مجھے ایسا شخص ملے کہ جو صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے تو میں اس کو جنت کی بشارت دوں تو عمرؓ نے یہ سنکر میرے سینہ میں مار لگائی اور میں چوتڑ کے بل گرا اور پھر عمرؓ نے کہا اے ابی ہریرہ واپس چلا جا چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس گیا اور فریاد و زاری کی کہ اتنے میں عمر بھی میرے پیچھے کھڑا تھا پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابی ہریرہ تجھے کیا ہوا تو میں نے عمر کی ملاقات اور مار کا قصہ عرض کیا تو پھر آنحضرت ﷺ نے عمر سے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں..........

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... فرمایا کہ اے عمر تو نے کیوں ایسا کیا تو عمر نے عرض کیا اے رسول اللہ (ﷺ) میرے ماں اور باپ تجھ پر فدا ہوں کیا تو نے ابی ہریرہ کو نعلین لیکر بھیجا ہے؟ کہ جو یقین دل سے لا الٰہ الا اللہ کہتا دیکھے اس کو جنت کی بشارت دے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں اس پر عمرؓ نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ (ﷺ) ایسا نہ کر کیونکہ مجھے خوف ہے کہ مبادا آدمیوں کو اس بشارت اجمالی پر کاہلی ہو لہذا ان کو عمل کرنے دے تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کو عمل کرنے دے انتہی۔ اور دوسری حدیث میں ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سفید کپڑا اوڑھے ہوئے ہیں پھر دوسری دفعہ میں آیا تو دیکھا کہ بیدار ہیں، پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے پھر اس پر اس کی موت ہو تو وہ شخص جنت میں ضرور داخل ہوگا میں نے عرض کیا اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اگرچہ زنا اور چوری کرے اور اس کا تکرار تین بار ہوا اور اخیر دفعہ میں اتنا لفظ آنحضرت ﷺ نے بڑھا کر کہا کہ ابی ذر ناک خاک آلودہ ہونے پر اور ابوذر جب کہ اس کا بیان کیا کرتا تھا تو اس لفظ کا بھی اعادہ کیا کرتا تھا۔

ف۔ جاننا چاہیے کہ ان احادیث مذکورۂ بالا سے جیسے کہ بعض ملحدوں نے اعتقاد کرلیا ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ایمان فقط اقرار توحید ہے اور فقط ایک دفعہ لا الٰہ الا اللہ کا زبان سے پڑھ لینا موجب دخول جنت ہے اس لئے کہ توحید شرعی کا ثبوت بغیر تصدیق رسالت کے ممکن نہیں لہذا ضرور ہوا کہ رسالت کی تصدیق جزو ایمان ہو جیسے کہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبکہ اونٹ پر سوار تھے اور معاذؓ آنحضرت ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاذ کو تین بار فرمایا اور انھوں نے بھی تین بار جواب دیا کہ لبیک یعنی حاضر ہوں یا رسول اللہ (ﷺ) اس وقت حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ما من احد یشهد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ صدقا من قلب الا حرمه الله على النار یعنی کوئی ایسا نہیں جو صدق دل سے وحدانیت خدا اور رسالت محمد ﷺ کی شہادت دیتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے اس پر حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کیا میں لوگوں کو اس خبر کی بشارت دوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اس بشارت کے باعث عمل میں سستی کریں گے لہذا معاذ نے یہ بشارت اپنی موت کے وقت ظاہر کی پس معلوم ہوا کہ نجات کا ذریعہ شہادتین ہیں نہ فقط شہادت وحدانیت ورنہ لازم آئیگا ہر منکر رسالت جیسے ہندو اور صابیہ بھی مومن ناجی ہوں پس جب کہ تصدیق رسالت اور تصدیق توحید دونوں جزو ایمان کے ٹھہرے تو ضرور ہوا کہ ان ہر دو جزو کے قطعی احکام کی تصدیق بھی داخل ایمان ہو تو جزو میں سے کسی جزو کا انکار یا کسی جزو کے قطعی حکم کا انکار نہ کیا جاوے اور اگر عین موت تک ان میں سے کسی امر کا انکار رہو تو اس سے نہ ایمان کا بقا ہے اور نہ جنت کا لقا اور یہی۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں"..........

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............مفاد احادیث بالا ہے اور اس بیان سے واضح ہوا کہ اعمال کا حصول داخل ایمان نہیں اس لئے کہ اس میں منافق اور مومن دونوں مشارک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ اعمال کا ذکر ان احادیث میں مطروح اور اصل امر کو ذکر فرمایا کہ جو موجب تحصیل اعمال ہے اور حضرت عمرؓ نے انکا ذکر کیا کہ جو تکمیل ایمان اور علامت کاملہ اہل ایمان ہے۔ امام ابوالحسن اشعری کا قول ہے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور قول زبانی اور ارکان پر عمل کرنا یہ کل ایمان کے فروعات سے ہے پس جس شخص نے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور کل رسولوں کا اعتراف کیا اور جو کچھ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں دل کے ساتھ اس نے اس کی تصدیق کی تو اس شخص کا ایمان صحیح ہے یہاں تک کہ اگر وہ شخص اسی تصدیق پر فی الحال مر جاوے تو وہ شخص مومن نجات والا ہوگا اور ایمان سے خروج بجز اس کے نہیں ہوتا کہ ان اشیاء بالا میں سے کسی شے کا انکار کرے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب جب کہ دنیا سے توبہ کے بغیر فوت ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے خواہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ بخش دیوے خواہ اس کے حق میں نبی ﷺ شفاعت کرے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے اور خواہ اس کو اس کی گناہ کی مقدار پر عذاب دیوے اور پھر اپنی رحمت کے ساتھ اس کو جنت میں داخل کرے اور جائز نہیں کہ کبیرہ گناہ والا کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے اس لئے کہ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کی مقدار بھی ایمان ہو تو وہ شخص دوزخ سے نکالا جاوے گا پھر اشعری کہتا ہے کہ اگر گنہگار شخص توبہ کرے تو میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے توبہ کا قبول کرنا بحکم عقل واجب ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ خود واجب کرنے والا ہے پس اس پر کوئی شے واجب نہیں بلکہ اتنا امر شریعت میں بطور سمع کے وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اضطرار والوں کی دعا کی اجازت کرتا ہے لیکن وہ اپنی مخلوقات کا مالک ہے جو چاہے فعل کرے اور جو چاہے حکم کرے پس اگر کل مخلوقات کو جنت میں داخل کر دیوے تو کوئی افسوس نہیں اور اگر سب کو دوزخ میں ڈالدے تو کوئی ظلم نہیں اس لئے کہ ظلم اس تصرف کا نام ہے کہ جو ملک غیر میں کیا جاوے یا ایک شے کو غیر محل میں رکھا جاوے لیکن اللہ تعالیٰ مالک مطلق ہے نہ اس سے ظلم متصور ہے اور نہ اس کی ظلم کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے پھر اشعری کہتا ہے کہ کل واجبات کا وجوب سمع کے ساتھ ہے اور عقل کسی شئے کو واجب نہیں کرتی اور نہ کسی شئے کی تحسین اور تقبیح کا اقتضاء کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سمع کے ساتھ واجب ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا اور اسی طرح منعم کا شکر اور اطاعت گزار کو ثواب اور بے فرمان کو عذاب سمع کے ساتھ واجب ہے نہ عقل سے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی شئے عقل کے ساتھ واجب نہیں نہ صلاح نہ اصلح اور نہ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں۔

پس یہود اور نصاریٰ دونوں کافر ہیں اس لئے کہ ان دونوں نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی ہے اور براہمی[1] بطریق اولیٰ کافر ہے اس لئے کہ ان دونوں نے مع اپنے رسول کے باقی رسولوں کا انکار بھی کیا ہے اور دھریہ بھی بطریق اولیٰ کافر ہیں اس لئے کہ اس نے رسولوں کے علاوہ مرسل یعنی خدا کا بھی انکار کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کفر بھی عبدیت اور حریت کے مانند ایک حکم شرعی ہے اس لئے کہ کفر

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......لطف کیونکہ جس حکمت موجبہ کا اقتضاء عقل ایک جہت سے کرتی ہے تو دوسری جہت سے اس کی نقیض کا بھی اقتضاء کرتی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا مکلف فرمانا واجب ہے اس لئے کہ اس سے اس کو نہ نفع حاصل ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی ضرر دور ہوتا ہے اور وہ قادر ہے کہ بندوں کو ثواب اور عذاب کی جزا دیوے اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ابتداء ہی سے۔۔۔ تکرم اور تفضل کے بندوں پر فضل وکرم کرے اور ثواب و تفضل اور نعیم اور لطف یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہے اور عذاب سب کے سب عدل ہے وہ اپنے فعل سے سوال نہیں کیا جا سکتا لیکن بندوں کو سوال کیا جائیگا جیسے کہ فرماتا ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا ایک قضیہ جائزہ ہے نہ واجبہ یا مستحیلہ لیکن مبعوث ہونے کے بعد معجزات کے ساتھ تائید اور مہلکات سے ان کا بچاؤ امر واجبی ہے اس لئے کہ سننے والے کے لئے کوئی طریق ضروری ہے کہ اس پر چلے اور اس سے مدعی کا صدق معلوم کرے اور کل علتوں اور موانع کا دور کرنا ضروری ہے تاکہ حکم تکلیف میں تناقص واقع نہ ہو اور معجزہ ایک ایسا فعل ہے کہ جو عادت کے لئے خارق، دعویٰ کے ساتھ مقارن معارضہ سے سالم اور وقت قرینہ کے جا بجا تصدیق قولی کے ہوتا ہے اور یہ دو قسم ہے ایک تو خرق عادت سے اور دوسرا غیر عادت کا اثبات، اور اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں اور ایک وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق اور معجزات کے لئے تاکید ہیں اور ایمان اور طاقت کا حصول اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہوتا ہے اور کفر اور معصیت عدم توفیق اور توفیق کا معنیٰ یہ ہے کہ قدرت کا طاعت پر پیدا کرنا۔ اور خذلان کا معنیٰ معصیت پر قدرت کا پیدا کرنا اور جو کچھ کہ قرآن میں امور غائبہ جیسے قلم اور لوح اور عرش اور کرسی اور جنت اور نار کے اخبار وارد ہیں ان کا اجرا ان کے ظاہر پر واجب ہے اور اسی کے موافق ان کے ساتھ ایمان واجب ہے اس لئے کہ ان کے اثبات میں کوئی محال لازم نہیں آتا اور جو امور مستقبلہ جیسے قبر کا سوال اور ثواب اور عذاب اور جیسے میزان اور حساب اور صراط اور ایک فریق کا جنت میں جانا اور ایک کا دوزخ میں جانا وارد ہے یہ سب حق ہے ان کا اقرار واجب ہے اور ان کو اپنے ظاہر پر رہنے دینا واجب اس لئے کہ ان کے وجود میں کوئی محال لازم نہیں۔ مترجم۔

[1] یہود اور نصاریٰ یہ اہل کتاب کی اعظم امتوں میں سے دو بڑی امتیں ہیں اور ان دونوں میں سے یہود کی امت اعظم ہے اس لئے کہ شریعت ابتداء میں۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

کا معنیٰ خون کی اباحت اور آگ میں ہمیشہ رہنے کا ہے اور اس کا ادراک شریعت سے ہے پھر یہ ادراک یا تو نص سے ہوگا اور یا منصوص پر قیاس کرنے سے لیکن یہود اور نصاریٰ کے بارے میں تو نصوص وارد ہو چکی ہیں لہذا ابراہمہ اور ثنویہ اور زنادقہ اور دہریہ بطریق اولیٰ ان سے لاحق ہوئی اور یہ کل فرقہ مشرک ہیں اس لیے کہ یہ کل رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتے ہیں اور جو کوئی کہ تکذیب کرتا ہے وہ کافر ہے پس یہی جامع اور مانع علامت ہے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............موسیٰ علیہ السلام کی تھی اور کل بنی اسرائیل اسی کے پیرو تھے اور اسی کے احکام کے مکلّف تھے اور انجیل جو کہ مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے نہ کسی حکم کے ساتھ مختص ہوئی اور نہ اس نے حلال و حرام کا بیان فرمایا بلکہ وہ فقط رموز اور امثال اور پند و نصائح اور ترغیب و ترہیب ہے اور باقی جتنے احکام کہ اس نے بیان کیے ہیں وہ کل تورات کی طرف منسوب ہیں چنانچہ یہود نے اسی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت قبول نہ کی اور انھوں نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ عم خود تورات کی متابعت کے لئے مامور ہے لیکن اس نے تورات میں تعبیر اور تبدیل کردی ہے اور انھوں نے عیسیٰ پر ان تغیرات کا الزام لگایا اول یہ کہ اس نے یوم سبت یعنی شنبہ کو یکشنبہ کے ساتھ بدل کردیا۔ اور دوسرا خنزیر کا کھانا حلال کہا حالانکہ تورات میں حرام ہے اور سوئم ختنہ اور غسل وغیرہ۔ لیکن اہل اسلام نے انھیں کی کتابوں سے ثابت کر دکھلایا ہے کہ ان دونوں امتوں نے **اپنی اپنی** کتابوں میں خود تحریف اور تبدیل کی اور اسی بناء پر امت یہود کے ۷۱ فرقہ ہوئے اور امت نصاریٰ کے ۷۲۔ اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے کا مخالف اور اس کو محرف بتلاتا ہے۔ ورنہ عیسیٰ علیہ السلام تو انھیں احکام کا ثابت کرنے والا تھا کہ جو موسیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا تھا اور ان دونوں انبیاء **علیہما** السلام نے ہمارے رسول نبی رحمت محمد ﷺ کی مقدم شریف کی بشارت دی اور ان امتوں کو ان کے اماموں اور انبیاؤں اور کتابوں نے اس امر کا حکم کیا اور اسی بناء پر ان کے اسلاف میں قبل ظہور نبوت محمد ﷺ مدینہ کے قرب و جوار میں قلعوں اور مکانوں کو بنا کیا تاکہ رسول آخر الزمان کو نصرت دینوی اور ان اسلاف نے ان امتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے شام کے وطنوں کو چھوڑ کر وہاں جا کر پیش قدمی کریں اور رسول آخر الزمان کو جب کہ فاران کی پہاڑی پر حق کا ظہور ہوا اور دار ہجرت یعنی یثرب اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے تو اس کی نصرت اور مدد کریں لیکن جب اس کا ظہور ہوا تو خود اس کے منکر ہو گئے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جآء ھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا اور ساعیر پر ظاہر ہوا اور فاران پر کمال اور علو کو پہنچا۔ اور ساعیر بیت المقدس کی پہاڑیاں ہیں۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

فصل

جان لو کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے باوجود اس کے کہ ظاہر اور جلی ہے تاہم اس کے تحت میں گھراؤ بلکہ تمام گھراؤ ہے اس لئے کہ جو فرقہ اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے تو اس کی طرف تکذیب رسول کی نسبت کرتا ہے چنانچہ حنبلی اس زعم پر اشعری کی تکفیر کرتا ہے کہ اشعری نے اللہ تعالیٰ کے لئے جانب فوق اور عرش پر استواء کے ثابت کرنے میں رسول کی تکذیب کی ہے اور

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... کہ جہاں محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور کمال ہوا اور جب کہ اسرار الٰہی اور انوار ربانی کے تین مراتب ہیں یعنی وحی اور تنزیل اور مناجات اور ان کے تاویل کے بھی تین مراتب یعنی مبداء اور وسط اور کمال، اور آنے کو مبداء کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ظہور کو وسط کے ساتھ اور علو کو کمال کے ساتھ لہٰذا توراۃ نے صبح شریعت کے طلوع اور اس کے نزول کو طور سینا پر آنے کے ساتھ تعبیر کیا اور طلوع آفتاب کو ساعر پر ظاہر ہونے کے ساتھ اور درجہ کمال اور استواء پر پہنچنے کو فاران پر۔۔۔ کے ساتھ، اور اس کلمہ سے مسیح کے ساتھ اور محمد ﷺ دونوں کا نبوت کا اثبات اور محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر پوری دلیل ہے نصاریٰ کے دین اختراعی کی حقیقت ان کے تین فرقوں کے مقالات کے دیکھنے سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے، ایک فرقہ ملکائیہ، یہ ملکا کے اصحاب ہیں کہ جو روم میں ظاہر ہوا اور اس کا حاکم بنا ان کا قول ہے کہ مسیح نے حواریوں کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو دوست رکھو اور جو تمہیں لعنت کرے اس کو دعائے برکت دو اور جو تم پر غصہ کرے تم اس کے ساتھ احسان اور نیکی کرو اور جو تم کو ایزاء دیوے تم اس کے لئے دعائے خیر مانگو کہ تم اپنے اس باپ کے بیٹے بنو کہ جو آسمان میں ہے اور اس کا آفتاب صالحین اور فاجرین پر چمک رہا ہے اور اس کی رحمت کے قطرے پاکوں اور ناپاکوں پر نازل ہو رہے ہیں اور تم کامل بنو جیسے کہ تمہارا باپ کامل ہے اور کہا کہ تم اپنے صدقات کے طرف نظر کرو، اور دکھائی کے لئے مقدم اور معلم آدمیوں کو مت دو مبادا تمہارے باپ کے نزدیک جو کہ آسمان میں ہے اس کا کوئی اجر نہ ہو اور سولی کے وقت کہا میں تمہارے اور اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اس بناء پر جبکہ اریوس باشندہ قسطنطنیہ نے کہا کہ قدیم فقط اللہ ہے اور مسیح اس کا بندہ مخلوق ہے تو بطارقہ اور مطارنہ اور اساقفہ یہ کل نصاریٰ کی قوم کے معظم قبیلے شہر نیس میں اپنے بادشاہ قسطنطین کے پاس جمع ہوئے اور انھوں نے حضور بادشاہ میں دین نصاریٰ کے گھڑنے کے لئے ایک کونسل ۳۲۵ عیسوی میں تین سو تیرہ ۳۱۳ آدمیوں کی منعقد کی جس میں یہ اعتقاد قرار پایا کہ ہم اللہ واحد کے ساتھ جو کہ باپ ہے اور ہر شئے کا مالک اور ظاہر۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔۔..........

اشعری اس زعم پر حنبلی کی تکفیر کرتا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو مخلوقات سے تشبیہ دی ہے اور اس امر کے انکار میں کہ اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں رسول کی تکذیب کی ہے، اور اشعری نے معتزلہ کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ اس نے رؤیت باری تعالیٰ کے جواز اور اس کے لئے علم اور قدرت باقی صفات کے نہ ثابت کرنے میں رسول کی تکذیب کی ہے اور معتزلی نے اشعری کی تکفیر اس زعم پر کی ہے کہ صفات کے ثابت کرنے میں کثرت قدماء کی لازم آتی ہے اور اس سے امر توحید میں فتور آنے سے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے پس اس ورطہ اور بھنور سے تجھے بغیر اس کے نجات

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ اور پوشیدہ کا صانع اور نیز ابن واحد کے ساتھ ایمان لاتے ہیں کہ جو ایشوع مسیح اللہ کا بیٹا اور تمام مخلوقات سے مقدم اور اول ہے اور وہ مصنوع نہیں بلکہ خدائے حق سے خدائے حق ہے اور وہ اپنے اس باپ کے جوہر سے ہے کہ جس نے کل عالم کو اور نیز ہر شئے کو ہمارے لئے محکم بنایا اور وہ ہماری خلاصی کے لئے آسمان سے نازل ہوا اور روح القدس سے جسد میں آیا اور مریم ناکتخدا سے متولد ہوا اور فیلاطوس کے زمانہ میں سولی پر چڑھایا گیا اور دفن کیا گیا پھر تیسرے دن قبر سے نکلا اور آسمان کی طرف سعود کر گیا اور اپنے باپ

ائیں ہاتھ کہ طرف جا بیٹھا اور وہ دوسری دفعہ آنے کے لئے مستعد ہے تا کہ مردوں اور زندوں کے درمیان قضا کرے اور ہم روح القدس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ واحد ہے اور وہ روح الحق جو اپنے باپ سے نکلے گا اور نیز معمودیہ واحدہ پر ایمان لاتے ہیں تا کہ ہماری خطا معاف ہو اور نیز جماعت واحدہ قدسیہ مسیحیہ جاثلیقیہ پر ایمان لاتے ہیں اور نیز ایمان لاتے ہیں کہ ہمارے بدن قائم رہیں گے اور ابدالآباد تک زندہ رہیں گے یہ ان کلمات پر پہلا اتفاق اور پہلی کونسل تثلیث پر ہے جس کو پادری گبن صاحب نے بھی قال آف رومن پر کونسل یعنی تنزل سلطنت رومتہ الکبریٰ میں مفصل لکھا ہے پھر اس کے بعد کئی کونسلیں ہوتی رہیں کہ جو ان کلمات کے برخلاف ہیں پس اس دین نصاریٰ کی حقیقت ناظرین اصل معاملہ پر واضح ہو سکتی ہے کہ کیا ہے۔ اور اب کے پادری کس شریعت محرفہ کو آسمانی بتلا کر اس کی طرف لوگوں کو بتلا رہے ہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ نسطوریہ ہے کہ جو حکیم نسطور کے اصحاب ہیں اور وہ مامون کے زمانہ میں ظاہر ہوا اور اس نے اپنی رائے سے انجیل میں تعبیر اور تحریف کی اور اسکو دین نصاریٰ میں ایسی نسبت ہے جیسے کہ معتزلہ کو شریعت محمدیہ میں تیسرا (۳) فرقہ یعقوبیہ ہے جو یعقوب کے اصحاب ہیں اور تثلیث کے قائل ہیں اور ان کے ہم مذہبوں میں بڑا ہی خبط ہے جس کا ذکر مفصل کتاب الملل میں ہے۔ مترجم

ابراہمہ اہل ہند کا ایک فرقہ ہے کہ جو ایک شخص برہام. بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں.........

نہیں کہ تو تکذیب اور تصدیق کی تعریف اور ان دونوں امور کی حقیقت کو دریافت کر لے پھر تیرے لئے اس سے ان کل فرقوں کی زیادتی اور فضولی کہ جو ان کے بعض نے بعض کے حق میں کی ہے ظاہر اور منکشف ہو جائیگی پس میں کہتا ہوں کہ تصدیق کا رجوع خبر بلکہ مخبر کی طرف ہوتا ہے اور حقیقت اس کی اس شئے کے وجود کا اقرار کرنا ہے کہ جس کے وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے مگر وجود کے لئے پانچ مرتبہ ہیں اور انھیں پانچ مرتبوں کی وجہ سے ہر فرقہ نے اپنے مخالف کی طرف تکذیب کی نسبت کی ہے اس لئے کہ وجود ذاتی یہی ہے اور حسی اور خیالی اور عقلی اور شبہی بھی، پس جو شخص کہ ان پانچوں وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے اس شئے کا اعتراف کرے کہ جس کی وجود کی نسبت رسول علیہ السلام نے خبر دی ہے تو وہ شخص مطلق طور پر مکذب نہیں ہے پس ہم وجود کے ان پانچوں اوصاف کی شرح کر کے ہر ایک کی مثال الفاظ تاویلات میں ذکر کرتے ہیں پس وجود ذاتی یہ وہی وجود حقیقی ہے کہ جو حس اور عقل سے خارج میں ثابت ہے لیکن حس اور عقل اس کو اخذ کرتی ہے اور اس اخذ کا نام ادراک ہے جیسے آسمان اور زمین اور حیوانات اور نباتات کا وجود کہ ظاہر ہے اور حس اور عقل سے خارج میں ہے لیکن حس اور عقل اس کا ادراک کرتی ہے بلکہ وجود کی معنیٰ معروف یہی ہے کہ جس کو اکثر لوگ جانتے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا معنیٰ وجود کے لئے ان کے نزدیک معروف نہیں اور وجود حسی وہ ہے کہ جو آنکھ کی قوت باصرہ میں متمثل ہوتا ہے اور جس کے لئے آنکھ سے خارج میں کوئی وجود نہیں پس گویا وہ وجود حس میں ہی موجود ہوتا ہے اور قوت حاسہ ہی اس کے ساتھ مختص ہے اور جس کے ساتھ دوسری کوئی چیز اس وجود میں شرکت نہیں رکھتی جیسے کہ سویا ہوا شخص خواب میں دیکھتا ہے اس لئے کہ کبھی مریض کی آنکھ میں ایسی صورت متمثل ہونے لگتی ہے کہ جس کے لئے مریض کی حس سے خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا حتی کہ اس کو اس طرح پر دیکھنے لگتا ہے ہے جیسے کہ باقی موجودات کو جو اس کی حس سے خارج میں ہیں بلکہ کبھی انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰت والسلام کے جو جواہر ملائکہ کے لئے محاکی اور مشابہ ہوتی ہیں اور ایسی جمیلہ صورتوں کے واسطہ سے ان

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......... نام کی طرف منسوب ہے اس شخص نے اپنی قوم کو خاص کر نفی نبوت کی تعلیم دی اور یہ کئی اصناف ہیں ایک وہ جو بُدّ کے قائل ہیں اور دوسرے اصحاب فکر اور تیسرے اصحاب تناسخ، مگر جو قوم کہ اہل ہند میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی قائل ہے اس کا نام شنویہ ہے اور انہیں میں سے ایک قوم وہ ہے کہ جو نور اور ظلمت کو قدیم اور ازلی قرار دیتی ہے برخلاف فرقہ مجوس کے کہ وہ ظلمت کو حادث کہتے ہیں۔

کی طرف الہام اور وحی کی تبلیغ ہوتی ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بسبب اپنی صفائی باطن کے ان امور غیبیہ کو بیداری کی حالت میں دیکھتے ہیں کہ جنکو دوسرے لوگ خواب کی حالت میں دیکھتے ہیں جیسے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے حضرت جبرئیل کا بشر کی صورت میں متمثل ہونا اور جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبرئیل کو اکثر حالات میں دیکھنا لیکن باوجود اس کے آنحضرت نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں فقط دو دفعہ ہی دیکھا اور جیسا کہ آنحضرت کا جبرئیل علیہ السلام کو مختلف صورتوں میں متمثل دیکھنا اور جیسے کہ خود ذات شریف آنحضرت ﷺ کی خواب میں دکھائی دیتی ہے اور باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے بالتحقیق مجھے دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت کے ساتھ متمثل نہیں ہوتا حالانکہ آنحضرت ﷺ کا خواب میں دکھائی دینا اس طرح پر نہیں ہوتا کہ آنحضرت کا شخص مبارک چہرہ مدینہ منورہ کے روضۂ مبارک سے خواب دیکھنے والے کے مقام خواب میں منتقل ہو کر آتا ہو بلکہ آنحضرت ﷺ کا دکھائی دینا اس طریقہ پر ہوتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کی فقط حس میں آنحضرت ﷺ کی صورت مبارک موجود ہو جاتی ہے اور اس کا سبب اور اس کا بسر ایک امر طویل ہے کہ جس کو ہم نے اپنی بعض کتابوں (۱) میں مشروح طور پر بیان کیا ہے پس اگر تو اس امر کی تصدیق نہ کرتا ہو تو اپنی آنکھ کی تصدیق کر اس لئے کہ تو آگ کی چنگاری کو دیکھتا ہے کہ گویا وہ ایک نقطہ ہے پھر تو اس کو سرعت کے ساتھ مستقیم طور پر حرکت دیتا ہے تو اس کو ایک خط آگ کا دیکھتا ہے اور پھر

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ اپنے رسالہ حقیقت روح میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاید خواب میں دیکھنے والا یہ کہے کہ وہ آپ کی مثال کو دیکھتا ہے جسم مبارک نہیں دیکھتا اب وہ یا تو مثال جسم علیہ السلام کی کہے گا یا مثال روح کی جو صورت اور شکل سے پاک ہے تو ہم صورت اول میں کہتے ہیں کہ جسم تو بذات خود محسوس ہے اس کی تمثیل کی کیا حاجت ہے پھر جس نے موت کے بعد رسول مقبول ﷺ کی جسم مبارک کی مثال کو دیکھا اور روح کو نہ دیکھا اس نے نبی ﷺ کو تو نہ دیکھا بلکہ جسم کو دیکھا کیونکہ نبی ﷺ روح سے مراد ہے نہ کہ ہڈیوں اور گوشت سے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ رسول مقبول ﷺ کی روح مقدس کی مثال ہے کہ جو محل نبوت ہے اور جو اس نے دیکھی ہے وہ حقیقت میں روح کی مثال ہے اور وہ حضرت ﷺ کی روح اور اس کا جوھر ہے جسم نہیں اور حدیث من رآنی فی منام فقد رآنی سے یہ مراد ہے کہ جو اس نے دیکھا وہ مثال ہے کہ جو معرفت حق کے لئے میرے اور دیکھنے والے میں واسطہ ہو گئی پس جوہر نبوت یعنی روح مقدس حضرت ﷺ کی جو بعد مفارقت حضرت ﷺ کے باقی ہے رنگ اور شکل اور صورت سے تو پاک ہے ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں............

اس چنگاری کو مستدیر طور پر حرکت دیتا ہے تو اس کو آگ کا دائرہ دیکھتا ہے اور یہ دائرہ ناری اور خط ناری دونوں دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا وجود فقط تیری حس میں ہے نہ کہ حس سے خارج میں اسلیئے کہ ہر حالت میں موجود خارجی فقط ایک نقطہ ہے لیکن اس نقطہ کا خط ہو جانا اوقات متعاقبہ میں ہوتا ہے لہذا خط کا وجود ایک ہی حالت میں ثابت ہوگا حالانکہ وہ تیرے مشاہدہ میں ایک ہی حالت میں نقطہ ثابت ہے۔اور وجود خیالی انھیں محسوسات کی صورت ہے جب کہ وہ تیرے حس سے غائب ہو جاتی ہیں اس لئے کہ تجھے اس امر کی قدرت ہے کہ تو اپنے خیال میں ہاتھی اور گھوڑے کی صورت اختراع کرلے گو اپنی آنکھوں کو بند کیوں نہ کرلے یہاں تک کہ تو اس کو اس حالت میں دیکھنے لگتا ہے کہ وہ اپنی کمال صورت کے ساتھ تیرے دماغ میں موجود ہوتا ہے نہ خارج میں اور وجود عقلی اس طرح پر ہے کہ ایک شئے کے لئے روح یعنی حقیقت اور معنیٰ جدا ہو اور صورت جدا لیکن عقل فقط اس شئے کے مجرد معنیٰ کا القا کرے اور اسکی صورت کو خیال یا حسن یا خارج میں ثابت نہ کرے جیسے (ید) یعنی ہاتھ کو اس کے لئے ایک صورت یہی ہے کہ جو محسوس اور متخیل ہے اور نیز اس کے لئے ایک معنیٰ بھی ہے کہ جو اس کی حقیقت اور روح

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............لیکن مثال مطابقی کے واسطہ سے امت کو اس روح کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مثال ایک ایسی شکل ہے کہ جس کے لئے رنگت اور صورت ہے۔اقول ممکن ہے کہ وہ صورت آنحضرت ﷺ کی روح کی مثال نہ ہو خود ذات شریف آنحضرت ﷺ کی ہو اس لئے کہ روح ایک ایسا جوہر لطیف ہے کہ جس کے لئے قرب اور بعد مقدر نہیں اور چونکہ آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک حکم روح کہتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا تو ممکن ہے کہ خواب میں ہزار ہا کس کو ایک ہی وقت میں آنحضرت ﷺ کا جسم مبارک کہ جو مدینہ منورہ کے روضۂ مبارک میں ہے مع روح دکھائی دیوے اور ایک ہی وقت میں ہزار ہا آدمیوں کی آنکھ میں اس کا جلوہ تجلی دیوے لیکن مختلف اشکال میں دکھائی دینا اس رستہ ایک امر غامض ہے کہ جو دیکھنے والوں کی قوت ایمانیہ اور مناسبت روحانیہ کی طرف راجع ہے۔اسی طرح اولیاء کرام جنکا یہ قول ہے کہ ارواحنا اجسادنا اجسادنا ارواحنا وہ بھی مختلف صورتوں میں مختلف دیکھنے والوں کی نظر میں ایک ہی وقت دکھائی دیتے ہیں اور ایک ہی آن میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق جا پہنچتے ہیں فیدمرون اعدانھم وینصرون اولیانھم پس اے میری دانش یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا روح مع جسم مبارک کشف حجاب کے وقت نہ دکھائی دیوے حالانکہ اس کا ثبوت اکثر اولیاء اللہ کے مشاہدہ سے ثابت ہے۔مترجم

ہے اور وہ حقیقت کیا ہے یعنی پکڑنے کی قدرت کہ جو کہ ہاتھ عقلی ہے اور جیسے قلم اس لئے کہ اس کے لئے بھی ایک صورت جدا ہے لیکن حقیقت اس کی وہ ہے کہ جس سے علوم کے نقوش لکھے جاتے ہیں اور یہی معنیٔ عقل کو حاصل ہوتا ہے اس کے کہ لکڑی یا کانے کی صورت خیالی یا حسی سے مقرون ہو اور وجود شبہی وہ ہے کہ نفس شئے فقط باعتبار صورت کے موجود ہو نہ باعتبار حقیقت کے نہ خارج میں اور نہ حس میں اور نہ خیال میں اور نہ عقل میں لیکن حقیقت میں کوئی دوسری شئے موجود ہو کہ جو شئے اول کے ساتھ کسی ایک خاصہ اور صفت میں مشابہت رکھتی ہے اور عنقریب کہ جب میں تاویلات میں تیرے لئے اس کی مثال ذکر کرونگا تو تجھے وجود شبہی کی سمجھ آ جائے گی پس وجود اشیا کے یہی مراتب ہیں۔

فصل

اب تو ان پانچوں درجوں کی مثالیں الفاظ تاویلات میں استماع کر پس وجود ذاتی چنداں تاویل کی طرف محتاج نہیں اور یہ وہی وجود ہے کہ جو اپنے ظاہر پر حاوی رہتا ہے اور تاویل نہیں کیا جاتا اور یہی وجود مطلق حقیقی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا عرش اور کرسی اور ساتوں آسمانوں کی نسبت خبر دینا اس لئے کہ یہ اجسام فی نفسہا موجود ہیں۔ حس اور خیال سے ادراک کئے جاویں اور وجود حسی کی مثالیں تاویلات میں کثرت سے ہیں اور میں اس جگہ پر فقط دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ ایک یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز موت کو ایک خوبصورت مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور بہشت اور دوزخ کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا۔ پس جس شخص کے نزدیک برہان اور دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ موت عرض ہے یا غیر عرض۔ اور عرض کا جسم ہو جانا محال اور قدرت سے خارج ہے تو وہ شخص اس حدیث کی یوں تاویل کرتا ہے کہ اہل قیامت کو وہ مینڈھا دکھایا جائے گا۔ اور ان کو اعتقاد دلایا جائے گا کہ یہی موت ہے

اور یہ مینڈھا ان کی حس میں موجود ہوگا بغیر اس کے کہ خارج میں موجود ہو اور اس کا ذبح کیا جانا ان کے لئے موت سے یاس اور نا امیدی کا باعث ہوگا اس لئے کہ جو ذبح کیا جاتا ہے اس کے عود کی پھر امید نہیں رہتی اور جس شخص کے نزدیک یہ برہان قائم نہیں ہے تو وہ اعتقاد کرلے گا کہ نفس موت فی ذاتہ مینڈھا بن جاوے گی۔ اور پھر ذبح کی جائے گی۔

(۲) دوسری مثال یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے بہشت اس دیوار کی پہنائی میں میرے سامنے کیا گیا پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہاں ثابت ہے کہ اجسام میں تداخل نہیں ہوسکتا اور چھوٹی چیز میں بڑی چیز نہیں سما سکتی تو وہ شخص اس حدیث کو اس معنیٰ پر حمل کرے گا کہ نفس جنت تو اس دیوار کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا لیکن جس کے لئے جنت کی صورت اس دیوار میں اس طرح متمثل ہوئی کہ گویا جنت دکھائی دے رہا تھا اور یہ منع نہیں کہ بڑی شے کی مثال ایک جزو صغیر میں دکھائی دے جیسے کہ آسمان ایک چھوٹے سے آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اور یہ دکھائی دینا صورت جنت کے مجرد تخیل کے لحاظ سے اس سے جدا ہے کہ جو آئینہ میں دکھائی دیتا ہے اس لئے کہ تو ان دو صورتوں میں فرق کرسکتا ہے کہ آسمان کا آئینہ میں دکھائی دینا جدا شئے ہے اور آنکھوں کو بند کرکے آسمان کی صورت کا بطریق تخیل آئینہ میں ادراک کرنا جدا شے ہے اور (۳) وجود خیالی کی مثال جیسے آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ میں گویا یونس بن متی کی طرف نظر کررہا ہوں کہ وہ دو قطوانی عبائیں اوڑھے ہوئے تلبیہ (یعنی کلمہ لبیک اللھم لبیک) کہہ رہا ہے اور پہاڑ اسکو جواب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ لبیک اے یونس۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول بظاہر اسی پر مبنی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خیال مبارک میں یہ صورت متمثل ہوئی اس لئے کہ اس حالت کا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک کے قبل ہوکر منعدم بھی ہو چکا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے اس فرمانے کے وقت موجود نہ تھا اور یہ بھی کہنا بعید نہیں کہ اس حالت کا تمثل آنحضرت ﷺ کی حس میں ہوا ہو حتی کہ اس حالت کا دکھائی دینا آنحضرت کو اسطرح پر ہوگیا ہو جیسے کہ سویا ہوا شخص مختلف صورتوں کو دیکھتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ گویا میں نظر کررہا ہوں اس امر کی خبر دیتا ہے کہ نظر حقیقی نہ تھی بلکہ اس کی مثال تھی مگر غرض ہماری آنحضرت کے اس قول کے ذکر کرنے سے فقط مثال کا سمجھنا ہے نہ کہ خاص اس صورت کا بتلانا اور حاصل یہ ہے کہ جو شئے کہ محل خیال میں متمثل ہوتی ہے محل ابصار میں اس کا متمثل ہونا تصور کیا جاتا ہے اور یہ تمثل مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر بہت ہی کم ہے کہ جس شے میں تخیل کا ہونا تصور کیا جاتا ہے اس میں مشاہدہ کا محال ہونا برہان کے ساتھ تمیز کیا جاے۔ اور (۴) وجود عقلی کی مثالیں

تو بہت ہیں لیکن یہاں پر ہم فقط دو مثالوں پر قناعت کرتے ہیں۔

(اول (۱)) یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے آخر جو شخص کہ دوزخ کی آگ سے نکالا جاوے گا اس کو اس دنیا سے دس گنا بڑا بہشت دیا جائے گا اس لئے کہ اس قول سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت تول اور عرض اور مساحت کے اعتبار سے دس گنا ہوگا حالانکہ یہ ایک حسی اور خیالی تفاوت ہے پھر بھی تعجب سے کہا جاتا ہے کہ بہشت تو حسب دلالت اخبار ظاہرہ آسمان میں ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آسمان میں اسکسے دس گناہ بڑی شے سما سکے حالانکہ آسمان بھی تو دنیا ہی میں سے ہے۔ اور کبھی تاویل کرنے والا اس تعجب کو قطعی جان کر کہتا ہے کہ اس تفاوت سے معنوی اور عقلی تفاوت مراد ہے نہ حسی اور خیالی تفاوت جیسے کہ کہا جاتا ہے مثلاً یہ موتی اس گھوڑے سے دس گنا ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ معنیٰ مالیت میں دس گنا ہے کہ جو عقلا ادراک کیا جاتا ہے نہ باعتبار مساحت کے کہ جو حس اور خیال سے ادراک کی گئی ہے۔

(دوم (۲)) یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔ پس گویا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کا ہونا ثابت کیا لیکن جس شخص کے نزدیک یہ امر برہان سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ہاتھ کا ہونا محال ہے کہ جو عضو محسوسہ یا متخیلہ ہے تو وہ اللہ کے لئے روحانی اور عقلی ہاتھ ثابت کرتا ہے کہ جو اس کی روح اور معنیٰ اور حقیقت ہے نہ صورت۔ اس لئے کہ ہاتھ کی روح اور معنیٰ وہ شئے ہے کہ جس کے ساتھ ملائکہ کے واسطہ سے پکڑتا اور دیتا ہے اور فعل کرتا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور پھر کہا کہ میں تیرے ہی واسطہ سے دونگا اور تیرے ہی واسطہ سے پھیر لوں گا اور ممکن نہیں کہ اس سے وہ عقل مراد ہو کہ جو ایک عرض ہے جیسے کہ متکلمین کا اعتقاد ہے اس لئے کہ ممکن نہیں کہ سب سے پہلے عرض کی پیدائش ہو بلکہ اس عقل سے مراد ملائکہ میں سے اس ایک فرشتہ کی ذات ہے کہ جس کا نام عقل ہے اس لحاظ سے کہ یہ فرشتہ کل اشیاء کا تعلق اپنی جوہر اور اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے بغیر اس کے کہ کسی تعلم خارجی کے طرف محتاج ہو اور اس فرشتہ کو قلم بھی بولتے ہیں اس لحاظ سے کہ اسی کے واسطہ سے انبیاء اور اولیاء اور باقی ملائکہ کے لوح قلوب میں وحی اور الہام کے طریقہ سے علوم کے حقائق نقش کیے جاتے ہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پس اگر اس کو عقل کی طرف رجوع نہ کرایا جائے تو ان

دونوں حدیثوں میں تناقض لازم آئے گا پس جائز ہے کہ ایک شئے کے لئے مختلف اعتبارات کے لحاظ سے متعدد نام ہوں چنانچہ عقل باعتبار اپنی ذات کے ہو۔ اور ملک اس اعتبار سے ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف اللہ اور مخلوقات کے درمیان واسطہ ہونے کی نسبت ہے۔ اور قلم اس اعتبار سے کہ اس کو ایسی نقش علوم کی طرف اضافت ہے کہ جو اس سے بواسطہ الہام اور وحی صادر ہوتا ہے جیسے کہ حضرت جبرئیل کو روح باعتبار اس کی ذات کے بولا جاتا ہے اور امین اس اعتبار سے کہ اسرار ربانی اس کے پاس بطور امانت رکھے گئے ہیں اور ذومرۃ باعتبار اس کی قدرت کے اور شدید القویٰ باعتبار اس کی کمال قوت کے اور مکین عند ذی العرش باعتبار قرب منزلت کے اور مطاع اس اعتبار سے کہ بعض ملائکہ کے حق میں وہ متبوع ہے پس اس شخص نے قلم اور ہاتھ کو عقل ثابت کیا ہے نہ حسی اور خیالی اور اسی طرح اس شخص نے کہ جس نے ید یعنی ہاتھ کو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے قدرت ہو یا کوئی دوسری صفت جیسے کہ متکلمین کا اس میں اختلاف ہے۔ اور (۵) وجود شبہی جیسے غضب اور شوق اور فرح اور صبر وغیرہ کے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں وارد ہوئی ہیں اس لئے کہ مثلاً غضب کی حقیقت یہ ہے کہ ارادہ تشفی کے لئے خون دل کا ابلنا لیکن یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کے حق میں نقصان اور الم سے جدا نہیں پس جس شخص کے نزدیک اس امر پر برہان قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نفس غضب کا ثبوت ذاتی اور حسی اور خیالی اور عقلی محال ہے تو وہ اس کی تاویل ایک دوسری صفت کے ثبوت پر کرتا ہے کہ جس سے وہی شئے صادر ہوتی ہے کہ جو غضب سے صادر ہوتی ہے جیسے عذاب کا ارادہ کرنا حالانکہ ارادہ کو غضب سے حقیقت ذاتیہ میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ ایک صفت میں ہے کہ جو اس سے قریب قریب ہے اور ایک اثر میں جو اس سے صادر ہوتا ہے اور وہ کیا ہے یعنی ایلام یعنی دکھانا۔ پس یہ مراتب تاویلات کے ہیں جو ذکر ہو چکے۔

فصل

جان لو کہ جو کوئی شخص شارع کے اقوال میں سے کسی قول کو ان مراتب کے کسی ایک مرتبہ کے موافق تاویل کرے تو وہ شخص بھی مصدقین میں سے ہے اس لئے کہ تکذیب اس صورت میں ہے کہ ان تمام معانی کا انکار کرے اور زعم کرے کہ جو کچھ کہ شارع نے کہا ہے اس

کا کوئی معنیٰ نہیں بلکہ کذب محض ہے اور غرض اس کی اس قول میں فقط فریب دہی یا کوئی دنیا کی مصلحت ہے پس یہی کفر محض اور زندقہ ہے اور تاویل کرنے والوں کو جب تک کہ وہ قانون تاویل کی پاس کرتے ہیں کفر نہیں لازم آ سکتا جیسے کہ ہم عنقریب اس امر کی طرف اشارہ کریں گے اور کیونکر کفر لازم آ سکتا ہے حالانکہ اہل اسلام کا کوئی ایسا فریق نہیں کہ جس کو تاویل کی طرف اضطرار نہ ہو، چنانچہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرنے والا شخص احمد بن حنبلؒ ہے اور سب تاویلات میں حقیقت سے زیادہ تر بعید اور کلام کو مجاز یا استعارہ کی طرف زیادہ تر قریب کرنے والا وجود عقلی اور وجود شبہی ہے حالانکہ اسی کی طرف حنبلی کو اضطرار ہے اور وہ اس کا قائل ہے چنانچہ میں نے حنبلی مذہب کے معتبر اماموں سے کہ جو بغداد میں ہیں سنا کہ احمد بن حنبل نے فقط ذیل کی تین حدیثوں کی تاویل پر تصریح کی ہے۔

(۱) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے۔

(۲) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مومن آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

(۳) یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ میں یمن کی جانب سے نفس رحمٰن ادراک کرتا ہوں۔

پس تو غور کر کہ احمد بن حنبلؒ نے ان احادیث کی کس طرح تاویل کی جب کہ اس کے نزدیک ان احادیث کی ظاہری معنیٰ کے محال ہونے پر برہان قائم تھا لہٰذا اس نے اس طرح پر تاویل کر کے کہا کہ داہنا ہاتھ چونکہ بطور عادت کے صاحب ہاتھ کی تقرب کے لئے چوما جاتا ہے اور حجر اسود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کے لئے چوما جاتا ہے تو گویا وہ بھی داہنے ہاتھ کی مثل ہے لیکن یہ مماثلت کوئی ذات اور صفات میں نہیں بلکہ ایک امر عارضی میں ہے اور اسی وجہ سے حجر اسود کو یمین اللہ بولا گیا اور یہ معنیٰ جو امام احمدؒ نے بیان فرمایا ہے یہ وہی معنیٰ ہے کہ جس کو ہم وجود شبہی بولتے ہیں اور یہ معنیٰ تمام وجوہ تاویلات میں سے بعید تر ہے۔ پس غور کر کہ اس بعید تر تاویل کی طرف وہ شخص جو کہ سب سے زیادہ تر تاویل سے احتراز کرتا ہے کیونکر مضطر ہوا اور اسی طرح جبکہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے دو حسی انگلیوں کا ہونا محال ثابت ہوا اس لئے کہ جو شخص اپنی وجدان میں تفتیش کرتا ہے تو اس میں دو انگلیوں کا ہونا نہیں دیکھتا لہٰذا امام احمد بن حنبلؒ نے ان دو انگلیوں سے ان کی روح اور حقیقت کے ساتھ تاویل کی اور وہ کیا ہے یعنی انگلی عقلی روحانی کہ جس سے اشیاء کی تقلیب اور تحویل حاصل ہوتی ہے اور چونکہ انسان کا دل فرشتہ اور شیطان کے وسوسہ میں ہے اور انھیں دونوں سے دلوں کو پھیرتا ہے لہٰذا دو انگلیوں کے ساتھ

ان دو وسوسوں سے تعبیر کی، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فقط ان تینوں احادیث کی تاویل پر اس لئے اکتفا کیا کہ ان کو فقط اسی قدر میں استحالہ معلوم ہوا اس لئے کہ نظر عقلی میں ان کو تعمق نہ تھا اور اگر دن کو تعمق ہوتا تو باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کے اختصاص وغیرہ میں بھی کہ جس کی انھوں نے تاویل نہیں کی استحالہ ظاہر ہو جاتا۔ اور اشعری اور معتزلی نے بسبب زیادہ تفحص اور مباحثہ کے اکثر ظواہر کی تاویل کی طرف بھی قدم بڑھایا۔ اور سب سے زیادہ حنابلہ کی طرف قریب تر امور آخرت میں اشعریہ کی جماعت میں ہے اس لئے کہ انہوں نے سوائے چند ظواہر کے اکثر ظواہر کو اپنے ظاہر پر ثابت رکھا ہے لیکن معتزلہ کی جماعت نے تاویلات میں نہایت سخت توغل کیا اور باوجود اس کے اشعری بھی کئی ایک امور کی تاویل کی طرف مضطر ہے جیسے کہ ہم نے رسول علیہ السلام کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ موت قیامت کے روز ایک ملیح مینڈھے کی صورت میں لائی جاویگی اور جیسے کہ اعمال کا میزان سے وزن کیا جانا وارد ہے اس لئے کہ اشعری نے اعمال کی تاویل کر کے کہا کہ اعمال سے مراد ان کے صحیفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان صحیفوں میں درجات اعمال کے موافق وزن اور گرانی پیدا کر دیگا اور یہ تاویل گویا وجود شبہی کے ساتھ کی گئی کہ جو سب وجوہات میں سے بعید ہے اس لئے کہ صحیفہ ایسے اجسام ہیں کہ جن میں رقمیں لکھی جاتی ہیں پس اصطلاحاً ثابت ہوا کہ اعمال اعراض ہیں لہذا جو شئے کہ وزن کی جاوے گی وہ عمل نہیں بلکہ وہ ایسے نقش کا محل ہے کہ جو اصطلاحاً عمل پر دلالت کرتا ہے اور معتزلی نفس میزان کی تاویل کرتا ہے اور اس کو ایک ایسے سبب سے تعبیر کرتا ہے کہ جس کے ذریعے سے ہر ایک کے لئے اپنے عمل کی مقدار منکشف ہو جائے گی حالانکہ اس میں اس قدر تعصف نہیں جتنا کہ تاویل وزن صحایف میں ہے اور ہماری غرض اس بیان سے یہ نہیں کہ ایک تاویل کو صحیح بتلائیں اور دوسرے کو غلط بلکہ ہماری غرض فقط اس امر کا معلوم کرنا ہے کہ ہر ایک فریق نے اگر چہ ظواہر کی ملازمت میں مبالغہ کیا ہے تاہم تاویل کی طرف مضطر ہے، مگر اس شخص سے بحث نہیں کہ جو عبادت اور تجاہل میں حد سے بڑھ گیا ہو اور کہے کہ حجر اسود بالتحقیق اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے اور موت اگر چہ عرض ہے لیکن بطریق انقلاب مینڈھا بنجاویگی اور اعمال اگر چہ اعراض ہیں اور معدوم بھی ہو چکے ہیں لیکن تاہم میزان پر رکھی جاوینگے اور ان میں ثقل ہوگا۔ اور جو شخص کہ اس حد تک جہالت کو پہنچ جاتا ہے گویا وہ شخص عقل کے رشتہ سے الگ ہے۔

فصل

اب تو تاویل کا قانون سماعت کر اور پہلے تو معلوم کر چکا ہے کہ کل فرقہ تاویل میں ان پانچوں درجوں پر متفق ہیں اور ان میں سے کوئی شئے بھی تکذیب کے دائرہ سے نہیں لیکن وہ کل فرقہ اس امر پر بھی متفق ہیں کہ ان سب درجات میں سے کسی ایک درجہ کی تاویل اس وقت جائز ہے کہ جب معنیٰ ظاہر کے محال ہونے پر کوئی برہان قائم ہو اور ظاہر اول ان درجات میں سے وجود ذاتی ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن میں آجاتے ہیں پس اگر وجود ذاتی کا ارادہ کیا جانا متعذر ہو تو اس کے بعد وجود حسی کا مرتبہ ہے اس لئے کہ جب یہ ثابت ہو جاتا ہے تو باقی سب اس کے ضمن میں آجاتے ہیں پس اگر وجود حسی کا ثبوت متعذر ہو تو اس کے بعد وجود خیال یا عقلی کا مرتبہ ہے پس اگر ان کا تعذر ہو تو پھر وجود شبہی کا مرتبہ ہے کہ جو مجازی ہے اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ تحتانی کی طرف عدل کرنا بغیر ضرورت برہان کے جائز نہیں پھر آخر کار اختلاف کا مرجع اختلاف برہان ٹھہرتا ہے اس لئے کہ حنبلی کہتا ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے جہت فوق کی طرف مختص ہونے کے استحالہ پر کوئی برہان نہیں اور اشعری کہتا ہے کہ رویت باری تعالیٰ کے استحالہ پر کوئی برہان قائم نہیں اور ہر ایک اپنے خصم مقابل کے بیان کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس کو دلیل قاطع خیال کرتا ہے اور خواہ کس طرح ہو یہ لائق نہیں کہ کوئی فریق اپنے خصم مقابل کی تکفیر اس خیال سے کرے کہ اس کو برہان میں غلطی کرنے والا جانتا ہے ہاں اس قدر جائز ہے کہ اپنے خصم کو غلط برہانی کے خیال سے گمراہ یا بدعتی بولے لیکن گمراہ تو اس لئے کہ اس کے نزدیک خصم مقابل اس کے طریق سے گمراہ ہے اور بدعتی اس لئے کہ اس نے ایک ایسا نیا قول ایجاد کر لیا ہے کہ جس کی نسبت سلف سے تصریح کا ہونا معہود نہیں اس لئے کہ سلف سے یہ امر مشہور چلا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کہلا دیگا پس جو شخص کہ یہ کہتا ہے کہ وہ دکھائی نہ دیگا تو اس کا یہ قول بدعتی ہے اور اگر رویت کی تاویل پر تصریح کرے تو یہ بھی بدعت ہے بلکہ اگر اس کے نزدیک یہ امر ظاہر ہو جاوے کہ رویت کا معنیٰ دل کا مشاہدہ ہے تو بھی لائق ہے کہ اس کا اظہار نہ کرے اور نہ اس کا ذکر کرے اس لیئے کہ سلف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لیکن ساتھ ہی حنبلی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیئے جہت فوق کا ثابت کرنا سلف کے نزدیک مشہور ہے مگر یہ امر کسی نے سلف میں سے ذکر نہیں کیا۔ کہ عالم کا پیدا کرنے والا نہ عالم کے ساتھ متصل

ہے اور نہ منفصل اور نہ اس میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج اور یہ کہ جہات ستہ اس سے خالی ہیں اور اس کی طرف جہت فوق کی نسبت ایسی ہے جیسے جہت تحت کی نسبت۔ پس یہ قول کہ جو سلف سے منقول نہیں بدعت ہے اس لئے کہ بدعت کا معنیٰ یہی ہے کہ ایک ایسی بات کا ایجاد کرنا کہ جو سلف سے ماثور نہ ہو۔ اور یہاں پر تیرے لئے واضح ہو جائیگا کہ یہاں دو مقام ہیں۔

(پہلا مقام) تو عام مخلوقات کا ہے اور اس میں امر حق یہ ہے کہ ظواہر کا اتباع کیا جاوے اور ان ظواہر کو اپنے ظواہر سے نہ بدلایا جائے اور جس تاویل کی نسبت کہ صحابہ کرام نے تصریح نہیں کی اس کے ایجاد اور ابداع سے احتراز کیا جاوے اور باب سوال کو بالکل قطع اور علم کلام میں خوض اور بحث اور قرآن اور حدیث کے الفاظ متشابہ کی اتباع سے زجر کی جاوے جیسے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے دو متعارض آیتوں کی نسبت سوال کیا تو حضرت عمرؓ نے اس شخص کو درہ سے پٹوایا اور جیسے کہ حضرت مالکؒ سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے استواء کی نسبت سوال کیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ استواء امر معلوم ہے اور ایمان اس پر واجب ہے لیکن کیفیت اس استواء کی مجہول ہے اور سوال اس کا بدعت ہے۔

(دوسرا مقام) ان اہل نظر اور اہل اجتہاد کے درمیان ہے کہ جن کے عقائد ماثورہ میں اضطراب ہے پس لائق ہے کہ ان اہل اجتہاد کی بحث بقدر ضرورت ہو اور اگر معنیٰ ظاہر کے ترک کریں تو بضرورت برہان قاطع کریں۔ اور لائق نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر کریں اس خیال سے کہ خصم کو اپنی برہان اعتقادی میں غلطی کرنے والا جانتے ہیں اس لئے کہ اس امر کا ادراک چنداں آسان نہیں لیکن برہان ان کے درمیان یہ امر ہے کہ ان موازین خمسہ میں سے کسی ایک میزان کے ساتھ وزن کر کے خلاف کو رفع کریں کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب قسطاس مستقیم[۱] میں ذکر کیا ہے اور یہ موازین خمسہ ایسے ہیں کہ جن میں سمجھنے کے بعد ہرگز امر خلاف راہ گیر نہیں ہوتا اس لئے کہ ان موازین خمسہ سے قطعی یقین کا ادراک کیا جاتا ہے اور

---

[۱] اس کتاب کا ترجمہ بھی ہم نے ختم کر دیا ہے انشاءاللہ تعالیٰ جلد تر شائع ہوگا یہ کتاب امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب طرز پہ لکھی گئی ہے کہ جس میں مسئلہ امامت کو بخوبی طرح حل کر دیا گیا ہے اور پانچوں میزانوں کو کہ جو اہل منطق کے اصلاح میں شکلوں سے معتبر ہیں قرآن کریم کے جملوں سے اقتباس کیا ہے چنانچہ میزان اول کا نام تعادل اکبر، اور دوم کا تعادل اوسط اور سوم کا تعادل اصغر اور چہارم کا میزان تلازم اور پنجم کا میزان تعاند ہے میزان اکبر یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کی صفت معلوم ہو اور اس صفت کی نسبت کوئی حکم ثابت ہو تو ضرور ہے کہ موصوف (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں)

جنہوں نے کہ ان موازین کو حاصل کیا ہے ان پر انصاف کا عقدہ آسان ہو جاتا ہے اور انصاف کیا ہے یعنی پردہ کا دور ہو جانا اور اختلاف کا اٹھ جانا لیکن ان ناظرین کے درمیان سے اختلاف بھی دور نہیں ہوتا اور یہ یا تو اس لیے ہے کہ ان میں سے بعض تو میزان کے تمام شرائط کے ادراک سے قاصر ہوتے ہیں اور یا اس لئے کہ باوجود تمام شرائط کے جاننے کے محض اپنی طبیعت سے کام لیتے ہیں اور میزان کے ساتھ وزن نہیں کرتے جیسے کوئی شخص علم عروض کے حاصل کرنے کے بعد شعر کے کہنے میں فقط اپنے ذوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور عروض سے کام نہیں لیتا اس وجہ سے کہ ہر شعر کو عروض کے سامنے کرنا اس کو گراں گزرتا ہے تو بعید نہیں کہ ایسا شخص غلطی کر جاوے۔ اور یا اس لیئے کہ وہ ان علوم میں مختلف درجہ رکھتے ہیں کہ جو براہین کے مقدمات ہیں اس لئے کہ بعض علوم تو ایسے ہیں کہ جو براہین کے اصول ہیں جیسے علوم تجربیہ اور تواتریہ وغیرہ کہ جو تجربہ اور تواتر سے حاصل ہوں اور آدمی ان علوم تجربیہ اور تواتریہ میں مختلف ہوتے ہیں اس لئے کہ کبھی ایک شخص کے نزدیک وہ امر متواتر ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے نزدیک متواتر نہیں اور کبھی ایک شخص کو ایک شئے کا اس قسم کا تجربہ ہوتا ہے کہ جو دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا اور یا اس لئے اختلاف دور نہیں ہوتا کہ قضایا وہمیہ اور قضایا عقلیہ میں التباس ہو جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ کلمات محمودہ مشہورہ کو کلمات ضروریہ اور اولیہ سے التباس ہو جاتا ہے جیسے کہ ہم نے اس کو اپنی کتاب محک النظر میں بالتفصیل ذکر کیا ہے لیکن بالجملہ جبکہ ناظرین ان موازین خمسہ کو تحصیل کر لیویں اور ان کو محقق طور پر دریافت کر لیں تو ممکن ہے بشرطیکہ عناد نہ ہو کہ مواقع غلطی پر ان کو وقوف حاصل ہو جاوے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ...... کے لئے وہ حکم ثابت ہو بشرطیکہ وہ صفت مساوی موصوف ہو یا اس سے عام تر ہو ۲۔میزان اوسط یہ ہے کہ اگر ایک شے سے کسی امر کی نفی کی جائے اور یہی امر کسی اور شئے کے لئے ثابت کیا جائے تو شے اول مبائن شے ثانی کی ہوگی ۳میزان اصغر یہ ہے کہ اگر دو امر ایک شے پر صادق آئیں تو ضروری ہے کہ ان دونوں امروں میں کوئی نہ کوئی ایک دوسرے پر صادق آئے ۴میزان تلازم یہ ہے کہ وجود ملزوم معجب وجود لازم ہوتا ہے اور نفی لازم موجب نفی ملزوم ہوتی ہے اور نفی ملزوم یا وجود لازم سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ۵میزان تعاند یہ ہے کہ اگر کوئی امر صرف دو قسموں میں منحصر ہو تو ضرور ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت ہو۔ ان موازین خمسہ کے امثلہ اور وہ شرائط جن سے قول میں غلطی نہ ہونے پائے اور اس امر کی توضیح کی صداقت ہائے مذہب کے ان موازین سے کس طرح تولا کرتی ہیں یہ سب امور بالتفصیل کتاب القسطاس المستقیم میں درج ہیں۔

فصل

بعض آدمی ایسے ہیں کہ جو بغیر کسی برہان قاطع کے فقط اپنے غلبۂ ظن کے ساتھ تاویل کی طرف جلدی کرتے ہیں حالانکہ ایسے آدمی کی تکفیر کی طرف بھی ہر مقام میں جلدی کرنی لائق نہیں بلکہ اس میں نظر کرنی چاہیے پس اگر اس کی تاویل ایسے امر میں ہو کہ جس کو اصول عقائد سے کوئی تعلق نہیں اور نہ کسی امر اہم سے تو اس کی تکفیر نہ چاہیے اور مثال اس کی یہ ہے جیسے کہ بعض صوفیہ کہتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام نے جو ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھا اور کہا کہ یہ میرا رب ہے تو ان سے ظاہری معنیٰ مراد نہیں بلکہ مراد ان سے جواہر نورانیہ ملکیہ ہیں کہ جنکی نورانیت عقلیہ ہے نہ حسیہ اور ان جواہر کے لئے کمال میں مختلف مراتب ہیں اور نسبت تفاوت ان کے درمیان ایسی ہے جیسے ستاروں اور چاند اور سورج کے درمیان ہے اور اس امر پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خلیل علیہ السلام کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ وہ ایک جسم کی نسبت اعتقاد کرتا کہ وہ خدا ہے حتیٰ کے اس کے غروب ہونے کے مشاہدہ کی طرف محتاج ہوتا کیا تو اعتقاد کرسکتا ہے کہ اگر وہ غروب نہ ہوتا اور خلیل علیہ السلام کو اس کے جسم ذو مقدار ہونے کے لحاظ سے اس کا خدا ہونا محال نہ جانتا تو وہ اس کو خدا بنا لیتا، اور انھوں نے یہ بھی دلیل پیش کی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب سے پہلے خلیل علیہ السلام نے فقط ستاروں کو ہی دیکھا ہو حالانکہ سورج سب سے روشن ہے اور پہلے یہی دکھائی دیتا ہے اور نیز یہ دلیل پیش کی ہے کہ اول باری تعالیٰ نے کہا ہے کہ اے محمد اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہیں اور پھر اس کے بعد اس قول کا ذکر حکایت فرمایا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ کشف ملکوت کے بعد ستاروں کی نسبت حضرت خلیل علیہ السلام ایسا وہم کریں اور یہ ان کی دلیلیں کل ظنی ہیں برہانی نہیں چنانچہ ان کا اولاً یہ کہنا کہ خلیل علیہ السلام کی شان اس سے بہت بڑی ہے کہ وہ ایک جسم کو خدا اعتقاد کرتا تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ جب کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے ساتھ یہ ماجرا ہوا تھا تو اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے اور بعید نہیں کہ جس شخص نے عنقریب نبی ہونا ہو بچپن کی عمر میں اس کو اس قسم کے خطرات پیش آویں اور پھر بہت جلد ان سے تجاوز کر جائے اور یہ بھی بعید نہیں کہ غروب ہونے کی دلالت اس کے حدوث پر خلیل علیہ السلام کے نزدیک جسم ذو مقدار کی دلالت سے زیادہ تر ظاہر اور روشن ہو اور پہلے ستاروں کا دکھلائی دینا اس کی وجہ

یہ روایت کی گئی ہے کہ خلیل علیہ السلام طفولیت کے زمانہ میں ایک غار میں قید تھے اور جب نکلے تو رات کو نکلے اور یہ جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد ہم نے اسی طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے ملک اور ملکوت دکھلائے ہیں جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کی نہایت کا ذکر کیا ہو اور پھر حالت بدائیت کا بیان فرمایا ہو۔ پس یہ اور اس کی مثل کل دلائل ظنی ہیں ان کو وہ شخص برہان اعتقاد کرتا ہے کہ جو برہان کی حقیقت اور شرط نہیں جانتا پس ان کی تاویل اسی قسم کی ہوتی ہے اور انھوں نے عصا اور نعلین کی تاویل بھی کی ہے کہ جو آیت اخلع نعلیک اور آیت مافی یمینک میں واقع ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ظن ایسے امور میں کہ جو اصول اعتقاد سے تعلق نہیں رکھتے جابجا ان برہان کے ہوتا ہے کہ جو اصول اعتقاد میں ہوتا ہے پس ایسے ظن سے نہ کفر کی نسبت ہو سکتی ہے اور نہ بدعت کی۔ ہاں اگر ایسے دروازہ کا کھولنا یہاں تک پہنچانے کا اندیشہ رکھتا ہو کہ عوام کے دلوں میں تشویش ڈالدے تو ایسے ظن سے صاحب قول کو بدعتی اس ہر امر میں رکھ سکتے ہیں کہ جس کا ذکر سلف سے ماثور نہیں اور اسی کے قریب قریب بعض باطنیہ کا قول ہے کہ سامری کا بچھڑا ماول ہے اس لئے کہ خلق کثیر ایک ایسے عاقل سے کیسے خالی ہوسکتی ہے کہ جو جانتا ہو کہ سونے کی بنائی ہوئی شئے خدا نہیں ہوسکتی حالانکہ یہ قول بھی ظن ہے اس لئے کہ یہ امر محال نہیں کہ ایک طائفہ اس مرتبہ کی جہالت کو پہنچ گیا ہو جیسے وثن پرستوں کی جماعت اور اس بچھڑے کا نادر ہونا یقین بخش نہیں ہے لیکن اس جنس سے جو امر کہ عقائد اہم کے اصول سے تعلق رکھتا ہے تو واجب ہے کہ اس شخص کی تکفیر کی جاوے کہ جو ظاہر کے بغیر کسی برہان کے قاطع کی بدلا دیوے جیسے[1] وہ شخص کہ جو حشر اجساد کا انکار کرتا ہے اور نیز عقوبت حسیہ کا فقط ظنون اور اوہام اور استبعادات سے بغیر کسی برہان قاطع کے کرتا ہے پس ایسے شخص کی تکفیر قطعاً واجب ہے اس لئے

---

[1] جیسے فارابی اور ابن سینا کہ جو قیامت کے دن حشر اجساد کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمل ثواب وعذاب نقط ارواح مجردہ ہی ہونگے اور عذاب اور ثواب روحانی ہوگا نہ جسمانی، امام غزالیؒ کتاب المنقذ من الضلال میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تو انھوں نے سچ کہا کہ وہاں عذاب اور ثواب روحانی ہونگے یہ جھوٹ کہا کہ جسمانی نہیں ہونگے گویا مذہب حق یہ ہے کہ عذاب روحانی اور جسمانی دونوں ہوں گے لیکن سید احمد خاں صاحب امام النیچر یہ کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جسم کہ جس کا حشر قیامت کے دن ہوگا یہ وہ جسم نہیں کہ جو اس وقت ہماری نظروں میں ہے بلکہ انھوں نے اس جسم سے ایک جسم لطیف ارادہ کیا ہے جو روح حقیقی اور کالبد خاکی کے درمیان واسطہ ہے اور وہ جسم لطیف بعد موت علی حالہ باقی رہتا ہے اور روح اس سے متعلق رہتی ہے .... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

کہ جسموں کی طرف روحوں کے واپس آنے کے استحالہ پر کوئی برہان نہیں اور ایسے امر کا ذکر دین میں ضرور عظیم رکھتا ہے پس ایسے منکر کی تکفیر واجب ہے اور نیز ان میں سے اس شخص کی تکفیر کہ جو قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط اپنے نفس کا علم رکھتا ہے یا فقط کلیات کا علم رکھتا ہے اور امور جزویہ کہ جنکا تعلق اشخاص سے ہے ان کو نہیں جانتا اس لئے کہ یہ قطعاً رسول اللہ ﷺ کی تکذیب ہے اور ان درجات کے قبیل سے نہیں کہ جن کا ہم نے باب تاویل میں ذکر کیا ہے اس لئے کہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ......اقول اس جسم لطیف کا اثبات البتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جو انھوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے لیکن اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ جسم جو کہ کالبد خاکی ہے اس کا حشر نہیں ہوگا ہاں شاہ صاحب اتنا فرماتے ہیں کہ جو شخص کہتا ہے کہ موت کے وقت انسان کا نفس ناطقہ مادہ کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ جھک مارتا ہے روح کے لئے دو قسم کا مادہ ہے ایک سے روح کا بالذات تعلق ہے اور دوسرے بالغرض جس مادہ سے بالذات تعلق ہے وہ نسمہ ہے اور جس مادہ سے بالغرض تعلق ہے وہ جسم خاکی ہے جب آدمی مرجاتا ہے تو مادہ خاکی کا زائل ہوجانا اسے کچھ نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ روح انسانی بدستور مادہ نسمہ میں حلول کئی رہتی ہے سید احمد خان صاحب اس عام قول اہل اسلام کو کہ جب خدا تعالیٰ حشر کرنا چاہے گا تو ہر ایک روح کو ایک ایک جسم عطا فرمائیگا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک جن اجساد کے حشر کا بیان قرآن میں ہے ان سے وہی اجسام لطیف مراد ہیں جو ارواح ابدان انسانی سے مفارق ہونے کے بعد عالم قدس میں لیکر آتے ہیں اور یہی حشر جسدی ان کے نزدیک ثابت ہے حالانکہ یہ قول بالکل تکذیب نبوت بلکہ تکذیب الوہیت ہے امام بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی اور مجھے دشنام دی حالانکہ اس کے لئے مناسب نہ تھا تکذیب تو اس نے اس طرح کی کہ اس نے میری نسبت کہا کہ میں بدائیت کی شکل اس کا اعادہ نہ کروں گا حالانکہ خلق اول اعادہ سے آسان نہیں، اور دشنام اس طرح دی ہے کہ اس نے میری طرف ولد کی نسبت کی حالانکہ میں ایسا احد صمد ہوں کہ نہ تو میں کسی کا ولد ہوں اور نہ میرا والد ہے معہذا قرآن کریم با آواز بلند اسی خاکی جسم کی حشر کی طرف دعوت دیتا ہے جیسے کہ سورۂ یاسین میں ہے قال من یحی العظام وھی رمیم ۔ قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منہ توقدون اولیس الذی خلق السمٰوات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم بلیٰ وھو الخلاق العلیم انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون ...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں

قرآن اور حدیث کی دلائل عام حشر اجساد اور عام علم اللہ تعالیٰ پر باین طور کہ وہ ہر اس امر کو بالتفصیل جانتا ہے کہ جو اشخاص عالم پر جاری ہوتے ہیں ایسے حد سے متجاوز ہیں کہ جو قابل تاویل ہو اور وہ منکرین باوجود اس کے اعتراف کرتے ہیں کہ یہ باب تاویل سے نہیں لیکن کہتے ہیں کہ جب کہ مخلوقات کی صلاحیت اس امر میں تھی کہ وہ حشر اجساد کا اعتقاد کریں اس لئے کہ ان کے عقول معاد عقلی کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور نیز اس امر میں ان کی صلاحیت تھی کہ وہ اس کا اعتقاد کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سب امور کا عالم ہے کہ جو اوپر گزرتی ہیں اور ان پر رقیب ہے تاکہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... . اور جو لوگ کہ حشر کذائی کے منکر ہیں ان کے نزدیک آج تک اس حشر کے استحالہ پر کوئی برہان قائم نہیں ہوا اقول اولاً یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان اجزاء بدنیہ کو مرنے کے بعد معدوم کر کے اعادہ کریگا یا ان کو از یک دیگر مفارق جُدا کر کے پھر ان میں تالیف پیدا کرے گا لیکن امر حق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی امر بھی قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا اس لئے کہ ان میں سے کسی امر کے ثبوت پر آج تک کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہوئی اور یہ جو آیت کل شیء ھالک الا وجھہ کو اعدام پر دلیل لاتے ہیں اس کا استدلال بالکل ضعیف ہے اس لئے کہ تفریق اجزاء بھی اعدام ہے، اس لئے کہ ہلاک شئے کا بھی یہی معنیٰ ہے اپنی صفات مطلوبہ سے نکل جاوے اور اس کی وہ تالیف دور ہو جاوے کہ جس کے ساتھ اس شے کے اجزاء اپنے افعال کے لئے صلاحیت رکھتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کے منافع پورے ہوتے ہیں اور اسی طرح فنا کی بھی عرف میں یہی معنیٰ ہے لہذا آیت کل من علیھا فان سے بھی اس امر پر استدلال نہیں ہو سکتا لہذا فناء اور ہلاکت سے مراد یہی تفریق اجزاء قرین قیاس ہے اور یہی امر طیر ابراہیم سے بھی پایا جاتا ہے اور ہمارے علمائے عظام کے لئے اعادہ معدوم پر فی نفسہ ایک بدیہی حجت یہ ہے شئے معدوم کا وجود ثانی ممتنع نہیں ورنہ وجود اول بھی ممتنع ہوتا گویا مبدا اور معاد دونوں لازم اور ملزوم ہیں الحاصل حشر و معاد کے مسئلہ میں کل پانچ اقوال منقول ہیں ایک فقط حشر جسمانی کا قول کہ جو اکثر متکلمین اور ان فلاسفہ کا ہے کہ جو نفس ناطقہ کا انکار کرتے ہیں اور دوسرا فقط حشر روحانی اور یہ فلاسفہ الٰہیہ کا قول ہے اور تیسرا حشر جسمانی اور روحانی دونوں یہ اکثر محققین جیسے حلیمی اور امام غزالیؒ ابوزید دبوسی اور قدما، معتزلہ میں سے معمر اور متاخرین امامیہ میں سے جمہور اور اکثر صوفیہ کا قول ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان حقیقت میں نفس ناطقہ کا نام ہے اور وہی مکلف اور مطیع اور عاصی اور مثاب اور معاقب ہے اور بدن اس کے لئے بمنزلہ آلۂ کے ہے اور نفس ناطقہ فساد بدن کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ حشر مخلوقات کا ارادہ کریگا تو ہر روح کے لئے ایک، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر..........

ان کے دلوں میں رغبت اور ہیبت پیدا ہو لہذا رسول علیہ السلام کے لئے جائز ہوا کہ وہ ان کو حشر اجساد اور کل اشیاء کے علم کی تفہیم کرے اور جو شخص کہ غیر کی صلاحیت کرے اور اس بارہ میں وہی امر کہے کہ جس میں صلاحیت ہے گو خلاف حقیقت امر کہے تو وہ کاذب نہیں کہلاتا پس یہ قول قطعاً باطل ہے اس لئے کہ یہ صریح تکذیب ہے اور پھر اس عذر کی طلب ہے کہ کیوں اس نے کذب بولا حالانکہ منصب نبوت کا ایسے رزیل امور سے پاک ہونا واجب ہے اس لئے کہ صدق میں اور نیز اس کے ساتھ مخلوقات کی صلاحیت میں کذب کی نسبت سے زیادہ تر وسعت ہے اور یہی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ بدن خاکی مثل ابدان دنیا کے پیدا کریگا جس کے ساتھ اس کو تعلق ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ سے اشیا میں تصرف کرتا ہے گویا عظام بالیہ کو از سرنو تالیف حاصل ہوگی اور یہی مذہب حق ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ پارہ سوم میں فرماتا ہے ''او کالذی مرّعلیٰ قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھاقال انی یحیی ھٰذہ اللّٰہ بعد موتھا فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوماً اوبعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الیٰ طعامک وشرابک لم یتسنہ وانظر الیٰ حمارك ولنجعلک اية للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحمافلما تبین لہ قال اعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحیی الموتی قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولٰکن لیطمئن قلبی قال فخذار بعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزأ ثم ادعھن یاتینک سعیاً واعلم ان اللّٰہ عزیز حکیم ،'' اور چوتھا قول یہ ہے کہ نہ حشر جسمانی ہوگا اور نہ روحانی یہ فلاسفہ طبیعہ کا ہے پانچواں قول توقف کا ہے اور یہ جالینوس سے منقول ہے ہمارے زمانہ کے انگریزی خوان دہریہ طالب علموں کو خدا ہدایت دیوے کہ وہ حشر اور نشر اور عذاب قبر وغیرہ سے انکار کرتے ہیں حالانکہ ان کے وجود پر کوئی استحالہ قائم نہیں ہو سکتا، جبکہ ایک صاحب نبوت اعجاز کے ساتھ کسی امر مستقبل کا بیان فرمائے تو اس کی تصدیق واجب ہے کیا حیات اخروی حیات دنیوی سے کم پایہ رکھتی ہے؟ کیا عذاب اخروی عذاب دنیوی سے عبرت نہیں دلاتا؟ ایک نابالغ لڑکا جب کسی عاقل بالغ کو کہہ دے کہ اس راستہ میں سانپ ہے تو اس نابالغ کے قول کو عاقل فقط حیات دنیوی کے بچانے کے لئے اعتقاد کر لیتا ہے اور صاحب نبوت صاحب اعجاز کے ساتھ حیات اخروی اور عذاب اخروی سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے قول پر اعتماد نہیں پائے...... بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں......

زندقہ کا پہلا درجہ ہے اور یہی اعتزال اور زندقہ مطلقہ کے درمیان کا مرتبہ ہے اسلئے کہ معتزلہ کا طریقہ فلاسفہ کے طریق سے سوائے اس ایک امر کے قریب تر ہے اور وہ ایک امر یہ ہے کہ معتزلی ایسے عذر سے رسول پر تکذیب جائز نہیں رکھتا بلکہ جہاں برہان کے ساتھ اس کو خلاف ظاہر ہوتا ہے وہاں تاویل کرتا ہے لیکن فلسفی ظاہری معنیٰ پر وہیں تک اکتفا نہیں کرتا کہ جہاں تک وہ تاویل کے قابل ہوتا ہے خواہ وہ تاویل قریب ہو یا بعید بلکہ اس سے تجاوز کر جاتا ہے اور زندقہ مطلقہ یہ ہے کہ اصل معاد کا ہی انکار ہو عقلی ہو یا حسی اور عالم صانع کا بھی بالکل انکار کیا جاوے۔ لیکن فقط معاد عقلی کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے آلام اور لذات حسیہ کی نفی اور صانع کا اثبات اور ساتھ ہی اس کے صانع کی تفصیلی علم کی نفی یہ زندقہ مفیدہ ہے کہ جس میں ایک قسم کا انبیا علیہم السلام کی صدق کا اعتراف ہے اور بظاہر میرا ظن یہ ہے اور علم اس کا اللہ کے پاس ہے کہ یہ زندقہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے اس قول[1] سے مراد ہیں کہ عنقریب میری امت ستر پر کتنے فرقہ ہو جاوے گی کہ جو سب کے سب جنت میں ہونگے سوائے ایک فرقہ زنادقہ کے یہ لفظ حدیث کا ہے اور بعض روایت میں ثابت ہے اور یہ حدیث بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرقہ زنادقہ بھی رسول علیہ السلام کی امت میں سے ہے اس لئے کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ایسی غفلت اور ایسی جہالت۔

بروز حشر شود ہمچو روز معلومت۔

کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور۔

لیکن علم باری تعالیٰ کے بارہ میں اسی قدر ملنا کافی ہوگا کہ چونکہ جزئیات اور کلیات کا صدور ذات باری تعالیٰ سے ہے تو ضرور ہوا کہ ان کا علم بھی اس ذات کو ہو کیونکہ اس قدر اتقان کے ساتھ ان کا صدور بجز ان کے نہیں کہ ایک ذات عالم سے ہوا ہے اور ان جزئیات کے تغیر سے اس کی ذات میں کوئی تغیر نہیں............ کیونکہ یہ تغیرات فقط اضافی اور زمانی ہیں کہ جو ماضی اور حال اور استقبال کے اعتبار سے ہیں لیکن ذات باری تعالیٰ کا علم ازلی ہے کہ جن کو تغیرات ازمنہ متغیر نہیں کر سکتے کیونکہ وہ خالق ازمنہ ہے اس کے علم میں نہ ماضی متصور ہے اور نہ حال واستقبال لہذا کل موجودات ازل سے ابد تک اس کے لئے حضوری ہیں جیسے کہ قرآن کریم اس کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ لا یغرب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض............ مترجم

[1] قال علیه الصلاة والسلام ستفرق امتی نیفا وسبعین فرقة کلهم فی الجنة الا الزنادقة وهی فرقة انتهی

عنقریب میری امت اتنے فرقہ ہوجاویگی اور جو شخص کہ اس کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا وہ اس کی امت سے نہیں اور جو لوگ کہ اصل معاد اور اصل صانع[1] کا انکار کرتے ہیں تو وہ گویا رسول علیہ السلام کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتے اس لئے کہ وہ زعم کرتے ہیں کہ موت عدم محض ہے اور یہ عالم ہمیشہ سے بنفسہ بغیر کسی صانع کے موجود ہے اور یہ لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور انبیاء علیہم السلام کو مکر اور تلبیس کی طرف نسبت کرتے ہیں لہذا ان لوگوں کو رسول علیہ السلام کی امت کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں پس اس وقت زندقہ امت کا معنیٰ سوائے اس کے نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

فصل

جان لو کہ جن امور سے تکفیر واجب ہوتی ہے اور جن سے واجب نہیں ہوتی ان کی شرح ایک ایسی لمبی تفصیل کو چاہتی ہے کہ جس کے ذکر کرنے میں ہر مقالہ اور مذہب اور ہر ایک شبہہ اور دلیل اور ظاہری معنیٰ سے وجہ بعد اور وجہ تاویل کے بیان کرنے کی طرف حاجت پڑتی ہے کہ جس کے لئے بڑے بڑے مجلدات بھی احاطہ نہیں کر سکتے اور نہ اس امر کے شرح کرنے کے لئے میری اوقات میں اس قدر گنجائش ہے لہذا اس وقت تو ایک وصیت اور قانون پر قناعت کر چنانچہ وصیت یہ ہے کہ تو اپنی زبان کو اہل قبلہ سے حتی الامکان ہٹا رکھے جب تک کہ وہ بغیر کسی منافقت کے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اس لئے کہ بہر حال تکفیر کا حکم خطرہ سے خالی نہیں اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مناقض امر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر کسی عذر سے یا سوائے عذر کے جھوٹ کا بولنا جائز رکھیں اور قانون یہ ہے کہ تو جان لیوے کہ جو امور کہ نظر اور اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جو اصول عقائد سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان کے تین اصول ہیں اللہ اور رسول اور روز آخرت پر ایمان لانا اور اس کے ماسوا کل فروعات سے ہیں۔

---

[1] یہ اعتقاد بجز فرقۂ دھریہ کے کہ جو بالکل کور عقل ہیں کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ ہر فطرت اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ نفس الامر میں ایک ایسا وجود موجود ہے کہ جو باقی موجودات کے خصوصیات اور احوال سے ممتاز ہے پس اگر وہ موجود واجب ہوا فہو المراد اور اگر ممکن ہوا تو کسی نہ کسی مؤثر کا محتاج ہوگا اور ضرور ہے کہ اس سلسلہ کی انتہاء اس وجود واجب تک پہنچے ورنہ دور اور تسلسل لازم آئیگا اور یہ دونوں باطن ہیں۔ مترجم۔

اور جان لو کہ اصل امامت اور اس کے تعین اور اس کے شروط اور اس کے متعلقات میں خطا کا ہونا ان میں سے کوئی شخص بھی تکفیر کو واجب نہیں کرتا چنانچہ ابن کیسان نے اصل وجوب امامت کا انکار کیا حالانکہ اس کی تکفیر لازم نہیں ہے اور وہ قوم[1] کہ جو امر امامت کو معظم جانتی ہے اور امام سے ایمان رکھنے کو اللہ اور رسول سے ایمان رکھنے کے مقارن جانتی ہے اور نیز وہ قوم کہ جو ان کے مخالف ہے اور ان کے اس مجرد مذہب امامت سے ان کی تکفیر کرتی ہے ہرگز التفات کے قابل نہیں اور یہ کل فضول گوئی ہے اس لئے کہ تعظیم امر امامت اور خدا اور رسول سے امام کو مقرون کرنے میں کوئی رسول ﷺ کی تکذیب ہرگز لازم نہیں آتی اور جہاں کہیں کہ تکذیب پائی جاوے تکفیر واجب ہے اگرچہ فروعات میں ہو پس[2] اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ جو گھر مکہ میں

[1] ہاں یہ درست ہے مگر جو لوگ کہ امام کو قدر معظم بنادیوں کہ درجہ حلول اور تشبیہ تک پہنچادیں جیسے کہ شیعہ غالیہ کا مذہب ہے تو یہ امر بیشک کفر ہے۔ مترجم۔

[2] یہ اعتقاد و فرقہ مرجیہ میں سے غسان بن کوفی کا ہے اس کا زعم ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام کہا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ آیا وہ خنزیر کہ جس کو حرام کہا گیا ہے وہ یہ بکری ہے یا غیر اس کا تو وہ شخص مومن ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کا حج فرض تو کہا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کعبہ کہاں ہے شاید ہند میں ہو تو یہ شخص اس کے نزدیک مومن ہے اور غسان کا مقصود اس کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ ایسے اعتقادات کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں نہ یہ کہ وہ ان امور میں شک رکھتا ہے اس لئے کہ کوئی عقلمند اپنی عقل سے مجاز نہیں کہ وہ جہت کعبہ میں شک کرتا ہو اور ہر عقل والے کے نزدیک بکری اور خنزیر میں فرق ظاہر ہے عبدالکریم شہرستانی کتاب الملل میں لکھتا ہے کہ یہ عجیب امر ہے کہ غسان بن کوفی اس مذہب کو امام ابوحنیفہ کوفیؒ سے حکایت کیا کرتا تھا اور امام صاحب کو فرقہ مرجیہ میں سے شمار کیا کرتا تھا مگر میں امید کرتا ہوں کہ غسان نے جھوٹ کہا شاید ابی حنیفہؒ اور اصحاب ابی حنیفہؒ کو مرجیہ سنت کہا جاتا تھا اور اکثر اصحاب مقالات نے ابی حنیفہؒ کو مرجیہ سے شمار کیا لیکن سبب اصلی اس کا یہ ہے کہ چونکہ امام ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ ایمان فقط تصدیق قلبی ہے اور اس میں نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ نقصان لہذا ان لوگوں نے ظن کرلیا کہ ابوحنیفہؒ اعمال کو ایمان سے مؤخر جانتے ہیں حالانکہ ابوحنیفہؒ عامل ہوتے ہوئے ترک عمل کا فتویٰ کیوں کردے سکتے تھے اور اس کا ایک دوسرا سبب یہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فرقہ قدریہ اور معتزلہ سے کہ جو صدر اول میں ظاہر ہوا مخالفت کیا کرتے تھے اور معتزلہ لوگ ہر اس شخص کو کہ جو قدر کے مسئلہ میں ان کا خلاف کرتا تھا مرجیہ کے لقب سے پکارتے تھے اور اسی طرح فرقہ وعیدیہ کا بھی یہی حال تھا اور بعید نہیں، بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر۔۔

ہے یہ وہ کعبہ نہیں کہ جس کے حج کے لئے اللہ تعالیٰ نے امر کیا ہے تو یہ کفر ہوگا اس لئے کہ بطریق تواتر رسول اللہ ﷺ سے اس کے برخلاف ثابت ہو چکا ہے اور اگر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا کہ جو اس گھر کی نسبت انھوں نے دی ہے کہ یہ وہی کعبہ ہے انکار کرے تو اس شخص کا انکار سودمند نہیں ہوگا اس انکار میں عناد کر رہا ہے ہاں اگر وہ شخص تھوڑے زمانہ سے مسلمان ہوا ہو اور اس کو اس امر کا تواتر نہ حاصل ہوا ہو تو اس کو معذور سمجھا جاویگا اور اسی طرح ا جو شخص کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف فاحشہ ہونے کی نسبت کرے حالانکہ قرآن کریم اس کی پاکی اور عصمت میں نازل ہو چکا ہے تو وہ شخص کافر ہے اس لئے کہ یہ امر اور اس کے مثل بغیر تکذیب اور انکار تواتر کے صادر نہیں ہوسکتا اور انسان جبکہ تواتر کا انکار کرتا ہے تو فقط اپنی زبان سے انکار کرتا ہے لیکن ممکن نہیں کہ اس کو اپنے دل سے بھی بھلا دیوے ہاں اگر ایسے امر کا انکار کرتا ہے کہ جس کا ثبوت اخبار احاد سے ہے تو اس سے کفر لازم نہیں ہوتا اور اگر ایسے امر کا انکار کرے کہ جس کا ثبوت اجماع سے ہے تو پھر امر غور طلب ہے اس لئے کہ اجماع کے حجت ہونے کی معرفت میں اختلاف ہے پس یہ حکم فروعات کا ہے لیکن اصول ثلثہ کا حکم یہ ہے کہ ہر وہ امر کہ جو فی نفسہ تاویل کا احتمال نہیں رکھتا اور اس کی نقل تواتر سے ہے اور یہ بھی متصور نہیں کہ اس کے خلاف پر کوئی برہان قائم ہو تو ایسے امر کی مخالفت تکذیب محض ہے اور مثال اس کی وہ ہے جو ہم ذکر کی ہے جیسے حشر اجساد اور بہشت اور دوزخ اور اللہ تعالیٰ کا کل تفصیلی امور پر احاطہ علمی۔ اور جس امر میں کہ تاویل کا احتمال ہو گو مجاز بعید سے کیوں نہ ہو تو اس کے برہان کی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ.......... کہ یہ لقب امام ابوحنیفہؒ کو ان دونوں مخالف فرقوں کی جانب سے لازم ہوا ہو اور حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا غنیۃ الطالبین میں امام صاحب کے بعض اصحاب کو مرجیہ میں سے شمار کرنا اس امر کے لئے صاف دلیل ہے کہ امام صاحب مرجیہ میں سے نہیں تھے لیکن چونکہ غنیۃ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ بعض کون ہیں اس لئے اس نقل میں یہی شبہ پایا جاتا ہے لہذا ابن جوزی اور خطیب بغدادی کا قول بھی مردود ہے۔ مترجم۔

ا جیسے کہ شیعہ بدکردار منافقین کی اتباع سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں حالانکہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت عصمت کا بیان فرمایا ہے اور افترا کرنے والوں کو ملعون بتایا ہے کہ ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرہ ولھم عذاب عظیم یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون الایہ۔ مترجم

طرف نظر کی جاتی ہے پس اگر برہان قاطع ہو تو اس کا کہنا واجب ہے لیکن اگر اس کے اظہار سے عوام کو بسبب ان کے قصور فہم کے ضرر ہوتا ہو تو اس کا اظہار کرنا بدعت ہے۔ اور اگر ایسا برہان قاطع نہیں کہ جس کے ذریعہ اس امر سے دین میں ضرر کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہو۔ جیسے معتزلہ[۱] کا باری تعالیٰ کی رویت کا انکار تو یہ بدعت ہے لیکن کفر نہیں مگر وہ امر کہ جس سے دین میں ضرر کا ہونا ظاہر ہوتا ہے اور اس باعث سے وہ محل اجتہاد میں واقع ہوتا ہے تو اس سے تکفیر اور عدم تکفیر دونوں کا احتمال ہے اور اسی جنس میں سے وہ امر ہے کہ جس کو بعض تصوف کے مدعی دعوے کرتے ہیں کہ ان کی حالت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی ہوگئی ہے کہ جس سے نماز ان سے ساقط ہوگئی ہے اور مسکرات کا پینا اور معاصی کا ارتکاب اور بادشاہوں کا مال کھانا حلال ہوگیا ہے تو ایسے شخص کے وجوب قتل میں کوئی شک نہیں گو خلود نار کا حکم اس کے حق میں غور طلب ہے

---

[۱] اشاعرہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آخرت میں دکھائی دینا صحیح ہے آمدی کا قول ہے کہ ہم کل اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت دنیا اور آخرت میں عقلا جائز ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا سمعاً جائز ہے یا نہیں چنانچہ بعض نے دلیل قرآنی سے اس کا اثبات کیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا سوال کہ رب ارنی انظر الیک یہی جواز رؤیت کی دلیل ہے اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا دنیا میں منع ہوتا تو حضرت موسیٰ کبھی اس کا سوال نہ کرتے اس لئے کہ عاقل آدمی امر محال کا سوال نہیں کرتا اور جاہل کا منصب نہیں کہ وہ نبی کریم ہو، اور نیز اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو استقرار جبل کے ساتھ متعلق کیا حالانکہ استقرار جبل کا فی نفسہ ممکن ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کا خواب میں دکھائی دینا جائز ہے یا نہیں بعض کا قول ہے کہ جائز نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور حق یہ ہے کہ اس رویا سے کوئی امر مانع نہیں اگرچہ یہ رویا حقیقۃً نہیں چنانچہ یہی امام غزالیؒ کا مذہب ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ مثل اور مثال میں فرق ہے مثل ممتنع ہے اور مثال ممتنع نہیں ہے جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ ان اللہ خلق ادم علی صورتہ تو مثال کا دکھائی دینا ممکن ہے جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا دکھائی دینا اور ہمارے درمیان خلاف نہیں کہ باری تعالیٰ کی ذات آخرت میں دکھائی جاوے گی اور معتزلہ ذی الحواس کے لئے اس کا جائز ہونا منع رکھتے ہیں اور انھوں نے بہت سے دلائل عقلیہ اس بارہ میں پیش کیے ہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرہ۔ وسیرون ربکم یوم القیامۃ اور اس مسئلہ کی بحث شرح مواقف میں بہت بسط کے ساتھ ہے کہ جس کا ذکر یہاں پر طوالت کو چاہتا ہے۔ مترجم۔

اور ایسے ایک شخص کا قتل کرنا سو کافروں کے قتل سے افضل ہے اس لئے کہ ایسے شخص کا وجود دین میں عظیم الضرر ہے اور اس کے ہونے سے ایک دروازہ اباحت کا اس طرح پر کھل جاتا ہے کہ پھر بند ہونا اس کا دشوار ہے اور نیز اس کا ضرر اس شخص کے ضرر سے زیادہ ہے کہ جو مطلقاً صوم وصلوٰۃ کی اباحت کا قائل ہے اس لئے کہ اس شخص سے بسبب اس کے ظہور کفر کے ہر کوئی نفرت کرے گا اور کوئی بھی اس کی طرف کان نہیں لگائے گا لیکن وہ شخص جو اپنا درجہ کفر اس حد تک پہنچاتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ کو اس سے ساقط جانتا ہے تو وہ شخص گویا شریعت کو شریعت سے مٹاتا ہے اور زعم کرتا ہے کہ اس نے فقط تکلیفات عامہ کی تخصیص انہیں لوگوں کے ساتھ کی ہے جو اس کے مرتبہ تک نہیں پہنچے اور کبھی زعم کرتا ہے کہ وہ بظاہر تو دنیا سے ملا ہوا اور گناہوں سے مقارن ہے لیکن باطن میں ان سب سے بری ہے اور یہاں تک اس کی شنوائی کرتا ہے کہ ہر فاسق کو اپنی حالت کی مثل پر دعوت دیتا ہے اور شریعت کی رسی اس نے کھولتا ہے اور تجھے یہ ظن کرنا جائز نہیں کہ تکفیر اور عدم تکفیر کا ادراک ہر جگہ ہو سکتا ہے بلکہ تکفیر ایک ایسا حکم شرعی ہے کہ اس کا مرجع اور مآل اور مال کی اباحت اور خون کے بہانے اور خلود نار کی طرف ہے پس تکفیر کا ماخذ باقی احکام شرعی کے ماخذ کی مثل کبھی تو یقین کے ساتھ ادراک کیا جاتا ہے اور کبھی ظن غالب کے ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ اور جہاں کہیں کہ تردد پایا جاوے وہاں تکفیر میں توقف کرنا زیادہ بہتر ہے اور تکفیر کی طرف جلدی کرنا ان طبائع میں غالب ہوتا ہے کہ جن میں جہالت کا وجود غالب ہوتا ہے اور ایک دوسرے قاعدہ سے بھی تنبیہ کرنی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ مخالف کبھی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور زعم کرتا ہے کہ وہ ماول ہے اور باوجود اس کے اس کی اس تاویل کے لئے قریب یا بعید کا کوئی محل نہیں تو یہ حکم صریح ہے اور تاویل کرنے والا مکذب ہے گو اپنے کو زعم کرتا ہے کہ وہ تاویل کر رہا ہے اور مثال اس کی جیسے تو نے بعض فرقہ باطنیہ کے کلام میں دیکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو وحدت عطا کرتا ہے اور وحدت کا خالق ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عالم ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ غیر کو علم عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا اس اعتبار سے ہے کہ وہ دوسروں کو ایجاد کرتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ فی نفسہ واحد یا موجود یا عالم ہے بایں معنی کہ وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہے حالانکہ یہ کفر صریح ہے اس لئے کہ وحدت کو ایجاد وحدت پر حمل کرنا کسی قسم کی تاویل نہیں اور نہ عرب کی لغت اس معنیٰ کے لئے حامل ہے اور اگر وحدت کا خالق اس لئے واحد ہوتا کہ اس نے وحدت کو پیدا کیا ہے تو لازم ہوتا کہ ایسے خالق کو تین اور چار بھی بولا جاتا اس لئے کہ اس نے اعداد کو بھی پیدا

کیا ہے پس ان مقالات کی مثالیں محض تکذیبات ہیں کہ جن کی تعبیرات تاویلات سے کی جاتی ہے۔

فصل

تو نے ان تفہیمات سے معلوم کر لیا ہے کہ تکفیر کا تعلق کئی او امر سے ہے پہلا امر یہ کہ اس امر میں نظر کرنی چاہیے کہ جو نص شرعی کہ اپنے ظاہر سے عدول کی گئی ہے کیا اس میں تاویل کا احتمال ہے یا نہیں اور اگر تاویل کا احتمال ہے تو کیا یہ تاویل قریب ہے یا بعید۔ اور قابل تاویل اور غیر قابل تاویل نص کی معرفت کوئی آسان امر نہیں ہے بلکہ اس میں وہی شخص مشغل رکھ سکتا ہے کہ جو علم لغت میں ماہر اور حاذق اور اصول لغت کا عارف ہو اور باوجود اس کے پھر استعارات اور مجازات میں ان الفاظ کے طریقہ استعمال اور امثال کے بیان کرنے میں عرب کی عادت اور عرف کا بھی ماہر اور عارف ہو۔ دوسرا امر یہ ہے کہ آیا وہ نص کہ جس کا ظاہر ترک کیا گیا ہے کیا بطریقہ تواتر ثابت ہے یا بطریقہ احاد یا فقط اجماع سے ہے پس اگر اس کا ثبوت بطریقہ تواتر ہے تو کیا بشرط تواتر ہے یا نہیں اس لئے کہ بسا اوقات مستفید آدمی نص مستفاض کو متواتر گمان کرتا ہے حالانکہ تواتر کی تعریف یہ ہے کہ جس میں شک کا ہونا ممکن نہ ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور بلاد مشہورہ وغیرہ کے وجود کا علم اس لئے کہ ان کے وجود کا علم ہر عصر میں زمانہ نبوت تک اس طرح متواتر رہا ہے کہ ہرگز یہ امر متصور نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں عدد تواتر میں نقصان ہوا ہو اور تواتر کی بھی شرط ہے کہ اس امر کا اس میں احتمال بھی نہ ہو جیسے کہ قرآن کریم کے بارے میں ہے لیکن غیر قرآن کے بارہ میں تواتر کا ادراک نہایت غامض اور گہرا ہے اور اس کے ادراک کے لئے بجز ان لوگوں کے کسی دوسرے کو اشتغال جائز نہیں کہ جو کتب تواریخ اور گزشتہ زمانوں کے احوال اور کتب احادیث اور احوال رجال احادیث اور نقل مقالات میں ان کے اغراض سے بحث کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی ہر عصر میں تواتر کا عدد پایا جاتا ہے لیکن اس علم کا حصول نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ امر متصور ہے کہ ایک جماعت کثیرہ کو باہم توافق کرنے میں کسی قسم کا رابطہ ہو علی الخوص جبکہ اہل مذاہب کے درمیان تعصب ہونا چنانچہ یہ بھی وجہ ہے کہ تو رافضیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ علیؓ کے حق میں امامت[1] کی نسبت نص کا دعویٰ کرتے ہیں بایں اعتبار کہ یہ نص ان کے نزدیک متواتر ہے حالانکہ ان کے

[1] یہی پہلا مسئلہ ہے کہ جس نے اہل سنت اور شیعہ اسلام میں دو متقابل اور متضاد فرقہ بنا دیئے جس کی تشریح کتب تواریخ خصوصاً تاریخ محب طبری اور حبیب السیر وغیرہ میں مشرح ہے اور ہم نے بھی اس کی تشریح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے کہ جو انشاء اللہ تعالیٰ خود طبع ہو کر شائع ہوگا۔ مترجم

مخالف اس تواتر کے کہ جو رافضیوں کے نزدیک ہے اس لئے کہ رافضیوں کو جھوٹی اور بناوٹی باتوں کی اشاعت کرنے میں باہم نہایت سخت موافقت ہوتی ہے لیکن وہ نص کہ جس کا استناد اجماع کی طرف ہے اس کا ادراک نہایت ہی گہرا ہے اس لئے کہ اس کی شرط ہے کہ تمام اہل اجتہاد ایک ہی خطہ میں جمع ہوں اور پھر صریح لفظ کے ساتھ ایک امر پر اتفاق کریں اور پھر ایک قوم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اہل اجتہاد اس امر متفق علیہ پر ایک مدت تک قائم رہیں اور دوسری قوم کے نزدیک یہ ہے کہ اس عصر کے ختم ہونے تک اس امر متفق علیہ پر عمل کریں اور یا اس کی یہ شرط ہے کہ امام وقت کل اہل اجتہاد کے ساتھ اطراف زمین میں خط و کتابت کر کے ان کے فتاوے

ایک ہی عصر میں جمع کرے اس طرح پر ان کے اقوال میں صریح الفاظ سے اتفاق ہوتا کہ اس سے رجوع کرنا ممکن نہ ہو اور بعد اس کے خلاف نہ ہو سکے پھر اس امر میں نظر رہے کہ آیا جو شخص کہ بعد اتفاق کے مخالفت کرے کیا اس کی تکفیر ہو سکتی ہے یا نہیں اس لئے کہ بعض آدمیوں کا خیال یہ ہے کہ جبکہ وقت اتفاق میں بھی مخالفت کا ہونا جائز ہے اور پھر ان کو موافقت پر لایا جاتا ہے تو یہ ممتنع نہیں کہ بعد نفاق کے کوئی ان میں سے اختلاف کرے لہذا یہ بھی ایک امر مفسر ہے تیسرا امر یہ ہے کہ اس امر میں نظر کرنی چاہیے کہ آیا صاحب مقالہ کے نزدیک خبر کا ثبوت تواتر سے ہوا ہے یا اس کو اجماع پہنچا ہے اس لئے کہ ہر وہ شخص کہ کسی خبر کی تاویل کرتا ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کے نزدیک امور ماولہ کا ثبوت تواتر سے ہو یا اجماع کے مقامات اسکے نزدیک خلاف کے مواقع سے ممتاز ہوں بلکہ وہ شخص ان امور کا ادراک بتدریج کرتا ہے اور وہ سلف کی ان کتابوں کے مطالعہ سے اس امر کی معرفت حاصل کرتا ہے کہ جو اختلاف اور اجماع کے بیان میں تصنیف کی گئی ہیں پھر ایک یا دو تصنیفات کے مطالعہ سے یہ امر حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ اس قدر سے اجماع کا تواتر حاصل نہیں ہوتا چنانچہ ابو بکر فارسی نے اجماع کے مسائل میں ایک کتاب تصنیف کی اور اسکے اکثر مسائل اجماعیہ کا انکار کیا گیا اور بعض مسائل میں اہل علم نے مخالفت کی پس اس صورت میں جو شخص کہ اجماع کی مخالفت کرے حالانکہ ابھی اس کے نزدیک اس کا ثبوت نہیں ہے تو وہ شخص جاہل خطا کن ہے مکذب نہیں لہذا اس کی تکفیر بھی ممکن نہیں اور اس امر کی تحقیق کی معرفت میں اشتغال رکھنا کوئی آسان امر نہیں چوتھا امر اس دلیل کے بیان میں کہ جو تاویل کرنے والے کے لئے مخالفت ظاہر کے باعث ہے کہ آیا وہ دلیل شرط برہان کے موافق ہے یا نہیں۔ اور شروط برہان کی معرفت کی شرح بغیر بڑی مجلدات کے ممکن نہیں اور وہ جو ہم نے کتاب قسطاس مستقیم اور کتاب محک النظر میں ذکر کیا ہے فقط ایک نمونہ ہے

اوراس زمانہ کے اکثر فقہاء کی طبیعت پوری طور پر شروط برہان کے سمجھنے سے رکتی ہے حالانکہ اس کا سمجھنا ضروری امر ہے اس لئے کہ اگر برہان قطعی ہو تو تاویل کرنے میں رخصت ہے اگر چہ وہ تاویل بعید کیوں نہ ہو اور اگر برہان قطعی نہ ہو تو بغیر ایسی تاویل قریب کے جو قریب الفہم ہے رخصت نہیں پانچواں امر اس امر کے بیان میں کہ آیا اس مقالہ کا ذکر کہ جو اہل تاویل کے نزدیک ہے کیا دین میں اس کا ضرر عظیم ہے یا نہیں اس لئے کہ جس مقالہ کا ضرر دین میں عظیم ہو تو اسمیں ایک قسم کی آسانی ہے گو وہ قول برا اور ظاہر البطلان کیوں نہ ہو جیسے اس شخص کا قول کہ جو امام کے انتظار میں ہے کہ امام سرداب میں چھپا ہوا ہے اور وہ شخص امام کے نکلنے کا منتظر ہے کہ لئے کہ یہ قول صریح جھوٹ اور نہایت برا ہے لیکن اس کا ضرر دین میں کچھ نہیں بلکہ اس کا ضرر اسی احمق پر ہے کہ جو امام کے نکلنے کا منتظر کھڑا ہے اس لئے کہ وہ ہر روز شہر سے امام کے استقبال کے لئے باہر نکلتا ہے تاکہ امام شہر میں داخل ہو لیکن وہ شخص ناامید ہو کر اپنے گھر کی طرف واپس جاتا ہے پس یہ ایک مثال ہے لیکن مقصود اس سے یہ ہے کہ ہر بےہودہ گوئی سے گو وہ ظاہر البطلان کیوں نہیں قائل کی تکفیر نہیں چاہیے۔ پس جس وقت تو نے سمجھ لیا کہ تکفیر کے امر میں نظر کرنا ان تمام مقامات پر موقوف ہے کہ جن کے احاد پر دلیروں کو بھی استقلال نہیں تو اس وقت تو نے جان لیا کہ جو شخص اس شخص کی تکفیر کے لئے جلدی کرتا ہے کہ جس نے اشعری یا غیر اشعری کی مخالفت کی ہے وہ ایک جاہل مفتری ہے اور کیونکر ایک فقیہ شخص فقط فقہ دانی سے اس امر عظیم کے لئے استقلال کرسکتا ہے اور وہ ان علوم کو فقہ کی کونسی چوتھائی میں پاویگا پس جب تو ایسے فقیہ شخص کو جس کی بضاعت مجرد فقہ ہے تکفیر اور تضلیل میں خوض کرتے دیکھے تو تو ایسے فقیہ سے اعراض اور روگردانی کر اور اپنے دل اور زبان کو اس کے ساتھ مشغول نہ کر اس لئے کہ دعویٰ علوم کا ایک ایسا طبعی امر ہے کہ جاہلوں کو اس سے صبر نہیں ہوسکتا اور اسی وجہ سے آدمیوں کے درمیان اختلافات بڑھے ہیں اور اگر جو شخص کہ نہیں جانتا خاموش رہتا تو ہرگز اس قدر اختلافات مخلوقات میں نہ پھیلتے۔

فصل

سب سے زیادہ غلو اور فضولی کرنے والا فرقہ متکلمین کا ایک طائفہ ہے کہ جنہوں نے عام مسلمانوں کی تکفیر کی اور انہوں نے زعم کرلیا کہ جو شخص ہمارے مثل علم کلام کو نہیں جانتا اور

عقائد شرعیہ کو ان دلیلوں سے نہیں جانتا کہ جو ہم نے تحریر کی ہیں وہ کافر ہے پس ان لوگوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کو اس کے بندوں پر تنگ کر دیا اور جنت کو متکلمین میں سے ایک جماعت قلیلہ پر وقف کر دیا اور ثانیاً انہوں نے سنت متواترہ کو بھلا دیا اس لئے کہ عصر رسول ﷺ اور عصر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان پر ظاہر ہے کہ انہوں نے عرب کے ان بدوی طائفوں کے اسلام پر حکم کیا جو اوثان کی عبادت میں مشغول رہتے تھے اور انہوں نے ان بدویوں کو ان دلیلوں کے جاننے کے لئے مشغول نہ کیا اور اگر وہ بدوی تعلیم دلیل کے لئے مشغول بھی ہوتے تو بھی اس کو سمجھ نہ سکتے اور جو شخص یہ ظن کرتا ہے کہ ایمان کا ماخذ علم کلام اور مجرد دلیلیں اور وہ تقسیمات ہیں کہ جو علم کلام میں مرتب ہیں تو وہ شخص راہ راست سے بہت دور ہے بلکہ ایمان ایک ایسا نور ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں بطور عطیہ اور ہدیہ کے کبھی تو ایک ایسی باطنی تنبیہ کے ذریعہ سے القاء کرتا ہے کہ جس کی تعبیر ممکن نہیں اور کبھی بذریعہ خواب کے دیکھنے کے اور کبھی کسی دیندار آدمی کے حال کے مشاہدہ اور اس کی صحبت اور مجالست کے ذریعہ سے اس کی طرف نور ایمان کی سرایت ہوتی ہے اور کبھی قرینہ حال کے ذریعہ سے چنانچہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی طرف انکار کی حالت میں آیا پس جبکہ اس اعرابی کی نظر آنحضرت ﷺ کے نورانی چہرے پر پڑی اور اس نے آنحضرت کے چہرہ مبارک پر انوار نبوت کو چمکتے دیکھا تو بے اختیار بول اٹھا کہ واللہ ما ھذا بوجہ کذاب یعنی خدا کی قسم یہ منہ جھوٹ بولنے والا نہیں اور اسی وقت اس اعرابی نے سوال کیا کہ اس کو اسلام کی تعلیم کی جاوے اور ایک دوسرا اعرابی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تجھ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اللہ کی قسم مجھے اللہ نے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے تو وہ اعرابی آنحضرت کی اس قسم کی تصدیق کر کے مسلمان ہو گیا اور اس کی مثال بے شمار ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی بھی علم کلام میں مشغول نہ ہوا اور نہ دلیلوں کے سیکھنے میں بلکہ ایسے ہی قرینوں سے اسلام کے نور نے ان کے دلوں میں سفید چمک دی۔

پس اے میری دانش یہ کب آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اعرابی کو حاضر کیا اور وہ اسلام لایا اور آنحضرت ﷺ نے اس اعرابی کو عالم کے محدث ہونے پر یہ دلیل بتائی کہ عالم حوادث اور اعراض سے خالی نہیں اور جو شے کہ حوادث سے خالی نہیں پس وہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ علم کے ساتھ عالم اور ایسی قدرت کے ساتھ قادر ہے کہ جو

اس کی ذات پر زائد اور پھر وہ ہے اور نہ پھر یہ اور اسی طرح متکلمین
کی رسومات بھی اور میں فقط یہی نہیں کہتا کہ فقط یہی الفاظ منقول
نہیں بلکہ کوئی دوسرا ایسا لفظ بھی منقول نہیں کہ جس سے ان الفاظ کے معانی پیدا ہوتے ہوں بلکہ
کوئی معرکہ بجز اس فتح کے نہیں تھا کہ تلوارں کے سایہ کے نیچے کئی جوان مرد بدوی ہوتے تھے
اور قیدیوں کی جماعت قریب یا بعید زمانہ کے بعد یکے بعد دیگرے اسلام لاتے تھے اس وقت
ان کی یہ حالت ہوتی تھی کہ کلمہ شہادت ان کو پڑھانے کے بعد نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم دی جاتی تھی
اور اس کے بعد ان کو اپنے اپنے پیشہ کے لئے رخصت دیجاتی تھی خواہ وہ پیشہ بکریوں کا چرانا یا
کوئی دوسرا اسی قسم کا ہوتا تھا۔ ہاں میں اس امر کا انکار نہیں کرتا کہ متکلمین کا ادلہ کو ذکر کرنا بعض
آدمیوں کے حق میں ایمان کے لئے ایک سبب ہے لیکن ایمان کا حصول فقط انہیں ادلہ متکلمین پر
موقوف نہیں اور یہ بھی ایک نادر طور پر ہے بلکہ سب سے نفع مند وہ کلام ہے کہ جو معرض وعظ میں
جاری ہو جیسا کہ قرآن کریم اس معنی پر مشتمل ہے مگر جو کلام کہ طریقہ متکلمین پر تحریر کیا گیا ہے
اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ بطریق جدال کے ہے تاکہ عامی لوگ اس سے عاجز ہو جاویں نہ
اس لئے کہ وہ فی نفسہ حق ہے اور بعض اوقات ایسا کلام عامی کے حق میں عناد قلبی کے استحکام کا
وسیلہ بن جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تو نے کبھی متکلمین یا فقہاء کی مجلس ومناظرہ کو نہیں دیکھا کہ
جس میں کوئی شخص اعتزال یا بدعت سے تائب ہوا ہو یا شافعیؒ کے مذہب سے ابی حنیفہؒ کے
مذہب کی طرف یا بالعکس انتقال کیا ہو حالانکہ ان انتقالات کے اسباب دوسرے ہیں یہاں تک
کہ تلوار کے ساتھ مقاتلہ بھی ایک سبب ہے اور یہی وجہ ہے کہ سلف نے دعوت اسلام میں ایسے
مجادلات کو عادت نہیں بنایا بلکہ انہوں نے علم کلام میں خوض کرنیوالے اور بحث اور سوال میں
شغل رکھنے والے کی تشدید کی اور جبکہ ہم نے مداہنت کو چھوڑا اور کسی جانب کی رعایت نہ کی لہذا
ہم نے تصریح کردی ہے کہ علم کلام میں بجز دو شخصوں کے کسی تیسرے کو خوض کرنا حرام ہے
ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کوئی ایسا شبہ واقع ہوا ہے کہ اس کے دل سے نہ قریب الفہم واعظانہ
کلام سے دور ہوتا ہے اور نہ حدیث رسول کریم ﷺ سے تو اس وقت جائز ہے کہ قول کلامی جو کہ
علم کلام کے طریق پر مرتب ہے اس شخص کے شبہ کو دور کرنے والا اور اس کے مرض کے لئے
دوائی ہو پس ایسے شخص کے ساتھ قول کلامی کا استعمال جائز ہے تاکہ اس شبہ اور اس مرض سے
نجات پاوے لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی واجب ہے کہ وہ تندرست کہ جس کو ایسا مرض نہیں اس
کے کانوں سے ایسے قول کو نگاہ رکھا جاوے کہ احتمال ہے کہ اس قول کے سننے سے اس تندرست
کے دل میں کسی شبہ کی حرکت ہو اور وہ اس سے مریض ہو جاوے اور اعتقاد صحیح اور قطعی سے

تزلزل کر جاوے اور دوسرا وہ شخص ہے کہ جس کی عقل کامل اور دین میں راسخ القدم اور انوار یقین سے ثابت الایمان ہے اور وہ خواہش کرتا ہے کہ اس صنعت کلامی کو حاصل کرے تا کہ وہ مریضوں کے لئے کہ جب ان کو کوئی شبہ واقع ہو دوا کرے اور جبکہ کوئی اہل بدعت ظاہر ہو تو اس کو لاجواب کرے اور جب کوئی اہل بدعت صحیح العقیدہ کے گمراہ کرنے کا قصد کرے تو وہ اس کو اس گمراہی سے بچا ے پس علم کلام کا اس غرض سے حاصل کرنا فرض کفایہ سے ہے اور اس علم کا اس مقدار پر حاصل کرنا کہ جس سے شک وشبہ دور ہو جاوے شک اور شبہ والے شخص کے لئے فرض عین ہے لیکن اس صورت میں کہ اس کے قطعی اعتقاد کا اعادہ کسی دوسرے طریق سے ممکن نہ ہو اور حق صریح یہ ہے کہ جو شخص قطعی طور پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ کہ رسول اکرم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ کہ قرآن کریم میں ہے برحق ہے تو وہ شخص مومن ہے گو وہ شخص ان امور کی دلیلوں سے آگاہ نہ ہو بلکہ وہ ایمان کہ جو دلیل کلامی سے حاصل ہوتا ہے نہایت ضعیف اور ہر ایک شبہ سے تزلزل کے کنارے پر ہوتا ہے بلکہ ایمان محکم وہ ہے کہ جو عوام الناس کو زمانہ طفولیت میں تواتر سماع یا بعد از بلوغ ایسے قرائن سے حاصل ہوتا ہے کہ جن کی تعبیر ممکن نہیں اور ایمان کا پورا پورا محکم ہونا عبادت اور ذکر الہیٰ کی ملازمت سے ہوتا ہے اس لئے کہ جس شخص کو عبادت ظاہری حقیقت تقوی تک پہنچا دیتی ہے اور اس کے باطن کو کدورت دنیا سے پاک کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے مدام ذکر کی ملازمت سے اس کے لئے معرفت کے انوار جلوہ گر ہو جاتے اور وہ امور کہ جو اس نے بطور تقلید کے اختیار کئے ہیں اس کے نزدیک مثل معائنہ اور مشاہدہ کے ہو جاتے ہیں اور یہ وہی حقیقت معرفت کی ہے کہ جس کا حصول بغیر عقدہ اعتقاد کے حل ہونے اور اللہ کے نور سے انشراح صدر کے ہونے تک ممکن نہیں ہے پس جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ ہدایت چاہتا ہے تو اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ اللہ کے نور سے پر ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی نے رسول اکرم ﷺ سے شرح صدر کے معنی کا سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو اللہ کی طرف سے ڈالا جاتا ہے سائل نے پوچھا کہ وہ علامت کیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دار غرور سے کنارہ کش ہونا اور دار خلود کی طرف مائل ہونا پس اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل کلام کہ جو دنیا کی طرف مائل اور اس پر ہلاک ہوتا ہے اس نے حقیقت معرفت کی حاصل نہیں کی اور اگر اس کو حاصل کرتا تو وہ قطعاً دار غرور سے کنارہ کش ہوتا۔

فصل

شاید تو کہے گا کہ تکفیر اور تکذیب کا ماخذ خود نصوص شرعیہ ہیں اور شارع نے ہی رحمت الٰہی کو مخلوقات پر تنگ کیا ہے نہ کہ متکلم نے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائے گا اے آدم اپنی اولاد میں سے ایک تعداد کو آگ میں روانہ کر اس پر حضرت آدم عرض کریں گے کہ اے رب کتنوں میں سے کتنوں کو روانہ کروں پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک ہزار میں سے ۹۹۹ نو سو ننا وے کو روانہ کر اور نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عنقریب میری امت ستر پر چند فرقہ ہو جائے گی لیکن ان میں نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا پس اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پہلی بے شک صحیح ہے لیکن اس سے یہ امر مراد نہیں کہ وہ نو سو ننا وے آدمی کفار ہونگے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں سے بعض کو آگ میں داخل کیا جاویگا اور بعض کو آگ کے سامنے کیا جاویگا اور بعض کو گناہوں کے مطابق آگ میں چھوڑا جاویگا اور گناہوں سے بالکل معصوم اور پاک ہزار میں سے ایک ہی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وان منکم الا واردھا یعنی تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جو آگ کی طرف ورود نہ کرے پھر آگ کی طرف روانہ ہونے سے وہ شخص مراد ہے کہ جو اپنے گناہوں کے عوض میں آگ کا مستحق ہے اور جائز ہے کہ شفاعت کے ساتھ دوزخ کے راستہ سے لوٹایا جاوے جیسا کہ وسعت رحمت کی نسبت اکثر احادیث وارد ہیں اور ان کی تعداد شمار سے زیادہ ہے چنانچہ ایک ان میں سے وہ حدیث ہے کہ جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا اور میں نے جستجو کی اور دیکھا کہ آپ نوشی کے مکان میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے سر مبارک پر تین انوار ہیں پس جبکہ آنحضرت ﷺ نماز کو ادا کر چکے تو فرمانے لگے کہ تیرا کیا نام اور یہ کون ہے میں نے عرض کی کہ میں عائشہ ہوں یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو نے ان تینوں انوار کو دیکھا ہے میں نے عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ تو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب کی طرف سے آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کریگا۔ پھر وہی آنے والا دوسرے نور میں آیا اور اس نے بشارت دی کہ ستر ہزار کے ہر واحد کے بجائے ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

پھر وہی آنے والا تیسرے نور میں آیا اور بشارت دی کہ بجائے ہر واحد ستر ہزار نصف کے ستر ستر ہزار کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کریگا پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ تیری امت کی مقدار اور تعداد اس درجہ تک نہ ہوگی پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا تکملہ ان اعراب سے کیا جاویگا کہ جو روزہ اور نماز کو ادا نہیں کرتے پس یہ اور مثل اس کی جو اخبار کہ وسعت رحمت پر دلالت کرتی ہیں بکثرت ہیں اور یہ خاص کر حضرت محمد ﷺ کی امت میں ہے لیکن[1] میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ گزشتہ امتوں میں سے بھی بہتوں کو شامل ہوگی گو ان میں سے اکثروں کو آگ کے سامنے کیا جاویگا ایک لحظہ یا ایک ساعت کے لئے یا ایک مدت کے لئے تا کہ ان پر اطلاق کیا جاویگا کہ وہ آگ کی طرف روانہ کئے گئے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں جو روم اور ترک کے نصاریٰ ہیں ان کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ رحمت شامل ہوگی اور مراد میری ان انصار سے وہ لوگ ہیں کہ جو روم اور ترک کی اخیر جانب میں سکونت رکھتے ہیں اور ان کو دعوت اسلام کی نہیں پہنچی اس لئے کہ یہ لوگ تین قسم ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا نام بھی نہیں پہنچا پس یہ لوگ تو معذور ہیں اور دوسری قسم وہ ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا نام مبارک اور لغت شریف تو پہنچی ہے لیکن معجزات کا ظہور ان پر نہیں ہوا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو بلاد اسلام کے قرب و جوار میں ہیں اور ان سے اختلاط رکھتے ہیں اور یہ لوگ کافر ہیں کہ جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور تیسری قسم ان دونوں قسموں کے درمیان ہے کہ جن کو محمد ﷺ کا اسم شریف تو پہنچا لیکن آنحضرت ﷺ کی نعت اور صفت ان کو نہیں پہنچی بلکہ انھوں نے طفولیت کے زمانہ سے سنا ہے کہ ایک جھوٹے اور مکار شخص نے کہ جس کا نام محمد ہے نبوت کا دعویٰ کیا جیسا کہ ہمارے لڑکے سنتے ہیں کہ ایک جھوٹے شخص نے کہ جس کا نام مقفع کہا جاتا ہے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ پس یہ لوگ میرے نزدیک قسم اول میں شمار کیے جاتے ہیں اس لئے کہ ان لوگوں نے جیسا کہ محمد ﷺ کا اسم شریف سنا ہے ویسا ہی انھوں نے آنحضرت کے اوصاف کی ضد کو سنا ہے اور اس قدر علم سے طلب کے داعیہ میں حرکت پیدا نہیں ہوتی تا کہ ان لوگوں کو معذور نہ سمجھا وے اور دوسری حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ فرقہ نجات پانے والا ایک ہے اس کی روایت میں اختلاف ہے چنانچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ فرقہ ہلاکت میں پڑنے والا ایک ہے لیکن زیادہ تر مشہور پہلی روایت ہے۔ اور نجات پانے والے فرقہ سے مراد وہی فرقہ ہے کہ جو آگ کے سامنے نہیں کیا جاویگا اور شفاعت کی طرف محتاج نہ ہوگا بلکہ وہ شخص کہ جس

[1] یہ امام غزالی کا قول ہے۔

کے ساتھ زبانیہ تعلق پکڑیگا تا کہ اس کو آگ کی طرف کھینچے تو وہ شخص مطلق نجات والا نہیں گو شفاعت کے ذریعہ سے ان کے پنجہ سے نکل جاویگا اور ایک روایت میں ہے کہ کل نجات پاویں گے مگر فرقہ زندقہ اور ممکن ہے کہ کل روایتیں صحیح ہوں اور ہلاکت والا ایک ہی فرقہ ہو کہ جو ہمیشہ آگ میں رہیگا اور ہلاکت والے سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کی صلاحیت کی امید باقی نہ رہی ہو اس لئے کہ ہلاکت والے کے لئے بعد از ہلاکت کسی خیر اور بھلائی کی امید نہیں کی جاتی۔ اور فرقہ نجات والا بھی ایک ہو کہ جو جنت میں بغیر حساب اور شفاعت کے داخل ہو گا اس لیے کہ جس شخص کا حساب لیا جاویگا تو وہ بھی مطلق نجات والا نہیں۔ پس یہ دو فرقہ ہالک اور ناجی گویا دو طرفیں ہیں کہ جو شر خلق اور خیر خلق سے معبر ہیں اور جو ان دونوں درجوں کے درمیان ہیں پس ان میں سے بعض تو ایسے ہونگے کہ جن کو فقط حساب کا عذاب ہوگا اور بعض ایسے ہونگے کہ جو آگ کے نزدیک لیجائے جاویں گے اور شفاعت سے واپس کئے جائیں گے اور بعض ایسے ہونگے کہ جو اپنی خطاء عقیدہ اور بدعت کے انداز پر اور کثرت اور قلت معاصی کے موافق آگ میں رہیں گے پس اس امت میں سے جو فرقہ ہلاکت والا کہ ہمیشہ آگ میں رہے گا وہ فقط ایک کہ جس نے تکذیب کی اور رسول اللہ ﷺ پر بنا بر مصلحت جھوٹ کا بولنا جائز رکھا۔ لیکن باقی امتوں میں سے وہ شخص کہ جس نے متواتر آنحضرت ﷺ کے خروج اور آنحضرت کی صفات اور معجزات خارق عادت جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور کنکروں کا تسبیح کا پڑھنا اور آنحضرت ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا جوش مار کر نکلنا اور ایسے قرآن معجز کو سنا کہ جس کا معارضہ اہل فصاحت نے کرنا چاہا لیکن عاجز ہو گئے اور پھر اس نے باوجود سننے کے اعراض اور روگردانی کی اور اس نے ان امور میں غور اور تامل نہ کیا اور اس نے تصدیق کی جلدی نہ کی تو ایسا شخص ہی منکر اور مکذب ہے اور یہی کافر ہے اور اس میں روم اور ترک کے وہ اکثر لوگ کہ جنکے بلاد اسلام کے بلاد سے بعید ہیں داخل نہیں ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ جس شخص کے کان تک یہ امور پہنچے تو ضرور ہے کہ داعیہ طلب اس کو حرکت میں لادے تا کہ حقیقت امر کی ظاہر ہو اگر وہ اہل دین سے ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں کہ جنہوں نے حیات دنیا کو آخرت پر دوست رکھا اور اگر اس کو یہ داعیہ حرکت میں نہ لادے اس وجہ سے کہ وہ دنیا کی طرف مائل اور امر دین کے خوف اور خطرہ سے نڈر ہے تو یہ کفر ہے اور اگر اس کو داعیہ طلب حرکت میں لادے لیکن طلب میں اس نے قصور کیا تو بھی کفر ہے بلکہ ہر اہل ملت میں سے جو شخص کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ طلب میں قصور کرے پس اگر اس نے نظر اور طلب میں قصور نہ کیا اور اس میں مشغول رہا اور اسی میں مر گیا

قبل اس کے کہ اس کی تحقیق تمام ہوتی تو وہ شخص بھی اہل مغفرت ہے اور رحمت واسعہ اس کے لئے بھی عام ہے پس تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا طالب ہو اور امور الٰہیہ کو مختصر رسمی میزانوں سے وزن نہ کر۔ اور جان لو کہ آخرت دنیا سے قریب ہے پس تمہاری پیدائش اور بعثت فقط نفس واحد کی مثل ہے اور جیسے کہ اکثر اہل دنیا کے ایسی نعمت یا سلامت یا حالت میں ہوتے ہیں کہ اس پر غبط ہوتا ہے اس لئے کہ اگر ان کو مثلاً اس حالت اور موت کے درمیان اختیار دیا جاوے تو وہ اسی حالت اور نعمت اور سلامت کو اختیار کرتے ہیں لیکن جس کو دنیا میں عذاب اور تکلیف ہوتی ہے اس کا موت کی خواہش کرنا نادر ہے پس اسی طرح جو لوگ کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بہ نسبت ان لوگوں کے جو نجات والے ہیں اور آخرت میں آگ سے نکالے جاویں گے نادر ہیں اس لئے کہ ہمارے احوال کے مختلف ہونے سے صفت رحمت میں تغیر نہیں اور دنیا اور آخرت تیرے اختلاف حال سے معبر ہے اور اگر یوں نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کوئی معنیٰ نہ ہوتا جو فرماتے ہیں کہ پہلے جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اول میں لکھا ہے یہ کہ میں ہی اللہ ہوں کہ میرے سوائے کوئی اللہ نہیں میری رحمت کو میرے غضب پر سبقت ہے پس جس شخص نے اس امر کی شہادت دی کہ اللہ کے سوائے کوئی دوسرا اللہ نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے تو اس کے لئے جنت ہے اور جان تو کہ بصارت[۱] والوں کو اسباب اور مکاشفات کے ذریعہ

---

[۱] چنانچہ صاحب فصوص اعنی قطب الاقطاب غوث الاحباب جناب بحر الحقائق حضرت محی الدین ابن العربیؒ کا مکشوف ہے کہ ہر ایک جہنمی کا مال کار رحمت الٰہی ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان رحمتی وسعت کل شیء اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین حقبہ تک ثابت کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کفار کے حق میں دوزخ کی آگ ٹھنڈی اور سلامتی بخش ہوگی جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے حق میں نمرود کی آگ بردو سلام ہوگئی تھی۔ اور انھوں نے وعید حق تعالیٰ میں خلف جائز رکھ کر فرمایا ہے کہ کوئی اہل دل خلود عذاب کفار کا قائل نہیں لیکن حضرت امام ربانی قیوم حقانی شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات کے جلد اول مکتوب ۲۶۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب فصوصؒ درین مسئلہ نیز از صواب دور افتادہ است ندانستہ است کہ وسعت رحمت در حق مؤمنان وکافران مخصوص بدنیاست، وآخرت بوے از رحمت بکافر نرسد کما قال تعالیٰ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون وقال تعالیٰ ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوۃ والذین ھم بایتنا یؤمنون شیخ اول آیت راخواندہ وآخر راانکار نفرمودہ کریمہ ولاتحسبن اللہ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظ فرمائیں......

سے بھی رحمت کی سبقت اور شمول کا انکشاف ہوا ہے بغیر اس کے کہ اخبار اور اثار کو انھوں نے سنا ہے لیکن اس کا بیان کرنا طوالت چاہتا ہے پس اگر تو نے ایمان اور عمل صالح کو جمع کیا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نجات مطلقہ تیرے لئے بشارت ہے اور اگر تو ان دونوں سے خالی رہا تو ہلاکت مطلقہ کی بشارت ہے اور اگر تو اصل تصدیق میں یقین رکھتا ہے اور بعض تاویلات میں خطایا شک یا اعمال میں خطا تو نجات مطلقہ کی طمع نہ کر اور جان لے کہ یا تو تجھے ایک مدت تک عذاب دیا جاویگا اور پھر نجات ہوگی اور یا وہ شخص تیری نجات کریگا کہ جس کی تصدیق تو ان تمام امور میں کرتا ہے کہ جو وہ اللہ سے لایا ہے یا کوئی دوسرا شفاعت کریگا پس تو کوشش کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تجھے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بے پرواہ کر دے اس لئے کہ شفاعت کا امر بھی خطرناک ہے۔

فصل

بعض آدمیوں کا ظن ہے کہ تکفیر کا ماخذ عقل ہے شرع نہیں اور جو شخص کہ اللہ سے جاہل ہے کافر ہے اور جو اس کا عارف ہے مومن ہے پس اس کو کہا جاویگا کہ اباحت دم اور خلود فی النار کا حکم جو شرعی ہے قبل ورود شرع کے اس کا کوئی معنیٰ نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شارع کے قول سے مفہوم ہے کہ جو شخص کہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہے وہی کافر ہے تو یہ حصر ممکن نہیں اس لئے کہ جو شخص رسول اور آخرت سے جاہل ہے وہ بھی تو کافر ہے پھر اگر ذات الٰہی سے جاہل ہونے کی تخصیص کی جاوے اور اس جہالت سے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار مراد رکھا جاوے تو باقی صفات کو جامع نہ ہوگا۔ اور اگر صفات میں خطا کرنے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ............ مخلف وعدہ رسلہ دلالت ندارد بر خصوصیت خلف وعدہ تواند بود کہ اقتصاد عدم خلف بوعدہ اینجا بواسطہ آن بود کہ مراد از وعدہ انجا تصرف رسل است وغلبۂ ایشا بر کفار وآن متضمن وعدہ ووعید ست وعدست مر رسل راو وعیدست مر کفار را پس گویا درین کریمہ ہم خلف وعد منتفی شدو ہم خلف وعید فالایۃ مستشھدۃ علیہ لالہ والیضا خلف در وعید در رنگ خلف از وعد مستلزم کذب ست ونا شایاں آنحضرت جبل سلطانیہ زیرا کہ وراز ل دانستہ بود کہ کفار را عذاب مخلد نخواہم کرد مع ذالک برای مصلحت مخالف علم خود گفتہ کہ عذاب مخلد خواہم کرد دایمعنی را تجویز نمودن شناعت تمام دارد وسبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین اجماع اہل دل بر عدم خلو وعذاب کفار کشفے شیخ است قمجال خ در کشف بسیار است فلا اعتداد بہ مع کونہ مخالفا لاجماع للمرسلین۔ انتہی۔ مترجم

والے کو بھی جاہل یا کافر ٹھہرایا جاوے تو اس شخص کی تکفیر لازم ہو گی کہ جس نے صفت بقا اور صفت قدم کی نفی کی ہے اور جس نے کلام کو علم پر وصف زائد ہونے کا انکار کیا ہے اور نیز جس نے سمع اور بصر کو علم پر وصف زائد نہیں بتایا اور نیز جس نے جواز رؤیت کی نفی کی اور نیز جس نے جہت کو ثابت کیا اور اس نے ایک ایسے ارادہ حادثہ کو ثابت کیا کہ جو نہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں حادث ہے اور نہ کسی دوسرے محل میں اور یا اس میں خلاف کرنے والوں کی تکفیر لازم ہو گی خلاصہ یہ کہ ہر اس مسئلہ میں تکفیر لازم آئیگی کہ جو صفات اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ایک ایسا تحکم ہے کہ جس کے لئے کوئی سند نہیں اور اگر اس حکم کو بعض صفات کے ساتھ خاص کیا جائے تو اس کے لئے کوئی امر فیصل نہیں ہو گا پس بغیر ضابطہ تکذیب کے کوئی دوسری وجہ پائی نہیں جاتی کیونکہ تکذیب کا ضابطہ مکذب رسول اور منکر میعاد دونوں کو شامل ہے اور تاویل کرنے والا اس میں سے خارج ہو جاتا ہے پھر میں یہ امر بعید نہیں جانتا کہ تاویل یا تکذیب کے جملہ مسائل میں سے بعض میں کوئی شک اور تردد واقع ہو حتیٰ کہ تاویل بعید ہو اور ظن اور اجتہاد کے ساتھ اس میں حکم دیا جاوے اس لئے کہ تو جان چکا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

فصل

بعض[1] آدمی یوں کہتے ہیں کہ میں خاص کر اس شخص کی تکفیر کروں گا کہ جو ان فرقوں میں سے میری تکفیر کریگا اور جو شخص میری تکفیر نہ کریگا تو میں بھی اس کی تکفیر نہ کروں گا حالانکہ اس کا کوئی ماخذ نہیں اس لئے کہ جب کہ قائل کا یہ قول کہ (حضرت علیؓ امامت کے لئے اولیت رکھتا ہے) کفر نہیں تو قائل اگر خطا کر کے مخالف کو کافر ظن کرے تو قائل اس ظن سے کافر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ ایک ایسی خطا ہے کہ جو مسئلہ شرعیہ میں واقع ہے۔ اور اسی طرح جبکہ حنبلی کو جہت کے ثابت کرنے سے کافر نہیں کہا جاتا تو وہ اگر غلطی سے ظن کرے کہ جو شخص جہت کی نفی کرتا ہے مکذب ہے ماول نہیں تو اس ظن سے بھی حنبلی کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان میں سے ایک مسلمان بھی دوسرے بھائی کو کافر کہے تو وہ کفر تکفیر کرنے والے کی طرف رجوع کرتا ہے اس حدیث کا یہ معنیٰ ہے کہ تکفیر کرنے والا باوجود دوسرے مسلمان بھائی کی حالت جاننے کے اس کی تکفیر کرے۔ پس اگر کوئی شخص کسی آدمی کی

---

[1] یہ قول استاذ ابو اسحٰق کا ہے چنانچہ شرح مقاصد میں مذکور ہے۔ مترجم

نسبت جانتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتا ہے تو باوجود اس جاننے کے پھر اس کی تکفیر کرتا ہے تو تکفیر کرنے والا خود کافر ہوگا۔ پس اگر اس نے فقط اپنے اس ظن سے تکفیر کی کہ وہ رسول علیہ السلام کی تکذیب کرتا ہے تو یہ اس شخص کی غلطی ہے۔ پس ہم نے ان تردیدات سے تیرے لئے اس امر پر تنبیہ کر دی ہے کہ اس قاعدہ اور قانون پر کہ جس میں اتباع لائق ہے غور عظیم کرے پس اسی پر قناعت کر اور سلامت رہو۔

فقط

تمت